حضرت خواجہ باقی باللہ و حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہما النورانی

اور اُن کے خلفاء کرام کے حالات پر قدیم اور تحقیقی کتاب

زُبدۃ المقامات

مصنف

خواجہ محمد ہاشم کشمی

مترجم

حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب حیدرآباد سندھ

و

فاضل گرامی ڈاکٹر مولانا ابو الفتح صغیر الدین صاحب سندھ یونیورسٹی

ناشر

مکتبہ نعمانیہ

اقبال منزل سیالکوٹ

حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی اور انکے خلفاء کے حالات پر قدیمی اور تحقیقی کتاب!

زبدۃ المقامات

مصنف

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب، حیدرآباد (سندھ)

و

فاضل گرامی ڈاکٹر مولانا ابوالفتح صغیر الدین صاحب (سندھ یونیورسٹی)

ناشر

مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ــــــــــــــــ زبدۃ المقامات
نام مصنف ــــــــــــــــ خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ
ترجمہ ــــــــــــــــ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب
ــــــــــــــــ ڈاکٹر صغیر الدین صاحب
ناشر ــــــــــــــــ مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ
تاریخ اشاعت ــــــــــــــــ شعبان ۱۴۰۷ھ
طابع ــــــــــــــــ گنج شکر پرنٹرز لاہور
طباعت ــــــــــــــــ آفسٹ
کتابت ــــــــــــــــ محمد اسلم حضرت کیلیانوالہ
صفحات ــــــــــــــــ ۵۴۴
جلد ــــــــــــــــ مضبوط ڈائی دار
تصحیح کتابت ــــــــــــــــ حافظ محمد اشرف صاحب و منشی محمد اعظم
تعداد ــــــــــــــــ گیارہ سو۔ ۱۱۰۰
قیمت ــــــــــــــــ ۹۰/- روپے

آئینہ

شکرانۂ نعمت

خالق کائنات کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھ فقیر کو پچیس سے زائد مذہبی اخلاقی روحانی اور دینی کتب کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائی ہے اور اہلِ محبت نے ہماری مطبوعات کو شرفِ قبولیت بخش کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالشُّکْرُ لِلّٰہِ۔

زیرِ نظر کتاب (زبدۃ المقامات) خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت ہی تحقیقی کتاب ہے اس کتاب کے لکھنے میں مؤلف کا مقصدِ وحید امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کے حالات، تعلیمات، خوارق اور خصوصی مراتب کا بیان ہے لیکن مؤلف نے یہ کتاب قطبِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے پیر بزرگوار خواجۂ جہاں، شاہ والا مکاں حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ عنہ، کے حالات و تعلیمات سے شروع کیا ہے اور خواجہ باقی باللہ اور امام ربانی قدس اللہ سرہما کے فرزندان اور خلفائے کبار کے حالات بھی مفصل درج کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب امامِ ربانی قدس سرہٗ کے صاحبزادگان (خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد سعید) کے ارشاد پر انہوں نے لکھی ہے۔ اس کتاب کی تکمیل کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کے متقدمین بزرگوں کے حالات قلمبند کرنے کا ارادہ کیا کہ وہ اس کتاب کا حصہ اوّل ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس کتاب کو نسمات القدس کے نام سے موسوم فرمایا۔ آج تک یہ کتاب نہیں چھپی اِنشاء اللہ العزیز یہ کتاب شائع کرنے کی سعادت بھی عنقریب اِس ادارہ کو حاصل ہوگی۔ یہ دونوں کتب بزرگانِ دین کے عقیدتمند حضرات اور خصوصًا نقشبندی مجددی حضرات کیلئے نعمتِ غیر مترقبہ اور روحانی سرمایہ ہیں۔

بندہ ناچیز اپنے کرم فرما محترم المقام پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا بہت ہی مشکور ہے کہ جنہوں نے اکثر و بیشتر حصہ کا ترجمہ بھی کیا اور بڑی کاوش کیساتھ حواشی بھی تحریر کئے۔ شروع میں مقدمہ بھی لکھکر کتاب کو زینت بخشی۔ نیز بندہ پروفیسر ڈاکٹر

ابو الفتح صغیر الدین صاحب کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جنہوں نے کتاب کا ترجمہ مکمل کرکے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مولا کریم ان دونوں حضرات کو دارین میں بھلائیاں عطا فرمائے۔

ہمارے ادارے کا مقصد مذہبی، دینی اور اصلاحی کتب خصوصاً سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی کتب کی اشاعت کرنا ہے۔ اس سے قبل بھی سلسلہ نقشبندیہ کی چند کتب شائع کی ہیں۔ (۱) حضرات القدس۔ (۲) وصالِ احمدی۔ (۳) حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال۔ (۴) ذکرِ مبارک۔

کتابت کی تصحیح مترجم اور محشی تو نہیں فرما سکے۔ ادارہ نے پوری کوشش کیساتھ اس کی تصحیح کی ہے پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درست کی جا سکے

اپنی خصوصی دعاؤں سے ادارہ کو نوازتے رہیں کہ مولا کریم ادارہ کو اپنے مقصد میں کامیاب و کامران فرمائے اور ہماری اس حقیر کوشش کو درجہ قبولیت کا شرف عطا فرما کر ہمیں دارین میں بھلائی عطا فرمائے۔ (آمین)

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ٥
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

احقر

محمد اکرم مجددی

نذرِ منظوم

۱۹۸۶ء

باقی باللہ محفلِ عرفان کے مسند نشین
جن کا دِل تھا محوِ تذکارِ اِلٰہ العالمین

بحرِ اخلاص و محبت کے وُہ اِک دُرِّ ثمین
دُرجِ فطرت نے جسے پالا باندازِ حسین

اور مجدّد الف ثانیؒ ناشرِ احکامِ دیں
داعیِ حق الیقیں تھے ساعیِ عین الیقیں

مظہرِ عشقِ نبیؐ جن کا کلامِ دلپذیر
تھی حیاتِ پاک جن کی شرحِ قرآنِ مُبین

اللہ اللہ خواجہ ہاشم کی یہ تصنیفِ حسیں
ہے یہ زبدۃُ المقاماتِ تصوف بالیقیں

ترجمہ اس کا غلامِ مصطفٰےؐ خاں نے کیا
جن کا اِس دُنیائے حکمت میں کوئی ثانی نہیں

وُہ ادیبِ محترم، دانشورِ نکتہ شناس
صدرِ بزمِ فکر و فن وُہ فاضلِ روشن جبیں

ہے قلم جن کا گہر افشاں حریمِ شوق میں
خامۂ معجز رقم کا ہے یہ نقشِ بہتریں

فنِ تحقیق و تجسس کی ہے تابندہ مثال
یہ کتابِ مستطابؒ اذکارِ اربابِ یقیں

مکتبہ نعمانیہ والوں کی یہ سعیِ جمیل
لائقِ صد آفریں ہے افتخارِ اہلِ دیں

قابلِ صد ہدیۂ تبریک ہے یہ کارِ خیر
اور بالفاظِ دگر ہے ضامنِ خُلدِ بریں

ہے قمر سالِ طباعت اِس کا تذکارِ بدیع
۱۴۰۷ھ
تا ابد اِس سے جِلا پائیں قلوبِ عاشقیں

مورخہ
۴ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

خادم العلمائے ربانی

قمر یزدانی
پنوانہ ۔ ضلع سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

زبدۃ المقامات کے مصنف حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی ثم برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کشم (بدخشان) کے بزرگ زادوں میں سے تھے۔ ان کے والد ماجد خواجہ محمد قاسم رح (م ۱۰۱۲ھ) اس ولایت کے مشہور علماء اور اکابر میں سے تھے[1]

زبدۃ المقامات کے بالکل شروع میں خواجہ محمد ہاشم رح نے اپنے جو حالات لکھے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

آپ کے آباؤ اجداد سلسلہ کبرویہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ بھی بچپن میں اسی سلسلے کے بعض خلفاء کی خدمت میں رہے ہیں لیکن فطری رغبت سلسلہ نقشبندیہ سے تھی، گو کہ معلوم نہ تھا کہ اس سلسلے کے کس بزرگ سے تعلق کیا جائے۔ اسی کشمکش میں تھے کہ بیمار ہو گئے۔ پھر ہندوستان آنے کا شوق پیدا ہوا تو روانہ ہو گئے اور ایک سال کے بعد جب ایک محفل میں گذشتہ مشائخ کے عجیب و غریب حالات سنے تو خیال آیا کہ یہ باتیں تو اگلے بزرگوں کی ہیں۔ اب ایسے لوگ کہاں ہیں؟ اسی زمانے میں ایک خواب دیکھا

---

[1] حضرات القدس (۲) میں ہے کہ خواجہ محمد قاسم رح میرزا شاہ رخ کے استاد تھے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہو گی کیونکہ میرزا شاہ رخ (۸۰۷ھ تا ۸۵۱ھ) جو امیر تیمور کا بیٹا تھا اپنے بھتیجے خلیل سلطان کے بعد فرماں روا ہوا تھا اور خواجہ محمد قاسم کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔

[2] مولانا اختر محمد خان نے جواہر ہاشمیہ (۱۹۳۸ء حیدر آباد دکن صفحہ ۴) میں خواجہ محمد ہاشم رح کی تاریخ ولادت ۹۸۹ھ لکھی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ۱۰۲۸ھ میں وارد ہندوستان ہوئے۔ لیکن یہ بات صحیح نہ ہو گی کیونکہ مکتوبات کا پہلا دفتر ۱۰۲۵ھ میں مرتب ہوا تھا اس میں آخری مکتوب آپ کے نام ہے، اور آپ ہی کی خواہش کی خاطر حضرت مجدد نے وہ مکتوب لکھا تھا (دیکھیں حضرات القدس۔ صفحہ ۲۱۴۔ سیالکوٹ ۱۳۹۱ھ)

کہ ایک اہل دل بزرگ آئے ہیں اور آپ سے فرما رہے ہیں کہ دیکھو فلاں مقام پر ایک بزرگ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور تمہیں بلا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ اس اہل دل بزرگ کے ساتھ اس مقام پر گئے جہاں وہ دوسرے بزرگ مراقب تھے۔ انہوں نے گریبان سے سر اٹھایا اور آپ سے سورۃ اذا جاء نصر اللہ والفتح پڑھوائی آپ خواب ہی میں یہ سورۃ پڑھتے جا رہے تھے اور رو رہے تھے۔ خواب سے بیدار ہوتے تو اس سورۃ سے توبہ و انابت کا اشارہ پایا۔ پھر قریب ایک ماہ میں آپ کا گزر شہر برہان پور[1] میں ہوا تو وہاں اپنے خواب کے مطابق اہل دل بزرگ[2] میر محمد نعمان رح کی خدمت میں رہ

---

[1] خواجہ محمد ہاشم رح نے میر محمد نعمان رح کے حالات کے ذیل میں اپنے متعلق یہ لکھا ہے کہ میں پہلے سپاہیانہ وضع میں تھا، پھر میر صاحب کی صحبت میں شیوہ اہل خانقاہ اختیار کیا۔

[2] حضرات القدس (۲) میں میر محمد نعمان رح کی تاریخ ولادت ۹۷۷ھ درج ہے اور یہ کہ انہیں ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجدد سے خلافت ملی۔ خواجہ محمد ہاشم رح نے میر صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کو دو مرتبہ برہان پور بھیجا گیا لیکن کامیابی نہ ہو سکی، کیونکہ وہاں شیخ محمد ابن فضل اللہ رح (م ۱۰۲۹ھ) اور شیخ عیسیٰ جنداللہ رح (م ۱۰۳۱ھ) کو پہلے سے مقبولیت حاصل تھی۔ لیکن جب حضرت مجدد نے دعاؤں کے ساتھ تیسری بار بھیجا تو ان کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور حاسدوں نے ان کے خلاف جہانگیر کے کان بھر دیئے اور اس نے پھر ان کو آگرہ بلوا لیا (دیکھیں حضرات القدس ۲/ ۲۲۷)۔ جہانگیر کان کا کچا تھا۔ جلد ورغلانے میں آجاتا تھا حضرات القدس (حضرت نہم) میں ہے کہ مرتضیٰ خان کے خلاف اسے ورغلایا گیا اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ورغلایا گیا۔ اور (حضرت دوازدہم) میں ہے کہ حضرت آدم بنوری رح کے خلاف بھی ورغلایا گیا۔ میر محمد نعمان رح ۱۰۲۸ھ کے شروع میں ضرور آگرہ میں تھے، کیونکہ حضرت مجدد رح نے قید (جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ تا جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ) سے پہلے ان کو آگرہ لکھا تھا (۲/ ۹۲) کہ

"بادشاہ جب سیر ممالک سے آگرہ واپس آئے گا تو میں اس سے ملوں گا۔"

پھر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے (۳/ ۱۲) ان کو لکھا کہ آپ آگرہ سے وطن (برہان پور) چلے جائیں۔ وہ ۱۰۳۲ھ میں بھی برہان پور میں تھے جب خواجہ محمد ہاشم رح نے ایک طویل خط (اجمیر سے واپسی کے بعد) حضرت مجدد کو لکھا تھا اور اس میں میر محمد نعمان رح کے قیام برہان پور کا ذکر ہے۔

کر ذکر و مراقبہ کا طریقہ سیکھا اور وہیں آپ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے محبت اور عقیدت پیدا ہوئی کہ یہ وہی بزرگ تھے جن کی خدمت میں وہ اہلِ دل بزرگ (میر محمد نعمان رح) آپ کو خواب میں لے گئے تھے۔ پھر میر محمد نعمان رح کی اجازت سے اور حضرت مجدد قدس سرہ کی طلبی پر ۱۰۳۱ھ میں آپ سرہند حاضر ہوئے اور قریب دو سال تک سفر و حضر میں حضرت مجدد قدس سرہ سے مستفیض ہوتے رہے۔[۱]

حضرت بدر الدین سرہندی رح آپ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس تھوڑی سی مدت میں حضرت مجدد قدس سرہ کی توجہ اور قوتِ تصرف کی برکت سے انہوں نے احوالِ باطنی، مقاماتِ معنوی، حالاتِ عجیبہ اور کمالاتِ غریبہ کے ساتھ آپ کے الطاف و اعطاف حاصل کئے اور آپ کے محرمانِ راز اور خلوتیانِ اسرار میں شمار ہونے لگے۔ پھر آپ سے تعلیم طریقہ کے لئے خلافت سے مشرف ہو کر آپ کے حکم کے مطابق برہان پور میں قیام پذیر ہوئے۔ مکتوبات شریفہ کا تیسرا دفتر بھی انہوں نے جمع کیا۔"[۲]

---

[۱] اس طلبی کا ذکر دفتر سوم کے مکتوب اول میں ہے۔ [۲] ڈاکٹر سراج احمد خان نے (مکتوبات کی دینی اور معاشرتی اہمیت میں) ثابت کیا ہے کہ حضرت مجدد رح جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو قید ہوئے اور جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ کو رہا ہوئے قید کے زمانے میں حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابیں وغیرہ بھی ضبط کر لی گئی تھیں اور متعلقین کو سرہند میں قیام کی اجازت نہیں تھی (دیکھیں مکتوبات ۲/۳) پھر آپ لشکر کی حراست میں رہے۔ ۳/ ۵۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصت حاصل کر کے آپ سرہند تشریف لے گئے تھے اور گھر پر خواجہ محمد سعید رح کو چھوڑ آئے تھے لیکن کچھ عرصے کے بعد اپنے پاس بلوالیا تھا۔ ۳/ ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ "فرزندانِ دوستان" بھی لشکر میں ساتھ تھے۔ مکتوب ۳/ ۸، خواجہ محمد سعید رح اور خواجہ محمد معصوم رح کے نام ہے گویا اب وہ دونوں لشکر میں ہیں۔ اسی مکتوب میں بادشاہ کی طرف سے تکلیف کا ذکر ہے۔ ۳/ ۴/ ۱۰ میں خواجہ محمد معصوم رح کے لیے بشارت ہے اور ۱۰۷/ ۱ میں لشکر کی ہمراہی سے خلاصی میسر ہونے کا ذکر ہے۔ زبدۃ المقامات میں شیخ بدیع الدین سہارنپوری کے حالات میں حضرت مجدد پر شاہی مظالم کا ذکر ہے۔ [۳] حضرات القدس (حالات خواجہ محمد ہاشم رح)

خواجہ محمد ہاشم رح نے مکتوبات شریفہ کے تیسرے دفتر کے مقدمے میں دفتر اوّل کا تاریخی نام درّ المعرفت[1] (۱۰۲۵ھ) اور دفتر دوم کا تاریخی نام نور الخلائق (۱۰۲۸ھ) لکھا ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ نام آپ ہی نے بنائے ہیں۔ تیسرے دفتر کے مقدمے میں آپ لکھتے ہیں:۔

"ایقان و عرفان کی کان محمد نعمان (بن شمس الدین یحییٰ المعروف میر بزرگ بدخشانی) سلمہ اللہ و ابقاہ نے جو حضرت ایشاں (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے کامل اور بزرگ خلفاء میں سے ہیں اور آپ کے امر عالی سے صوبہ دکن (برہان پور) میں اس طریقہ علیا کو جاری کرتے اور لوگوں کو اس کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔ التماس کی کہ ان پراگندہ موتیوں کو جمع کر کے دفتر سوم کا خزانہ مہیا ہو جائے تو ان کی یہ التماس قبول ہوئی جب تیس سے کچھ زیادہ مکتوبات جمع ہو گئے تو حضرت سیادت پناہ (میر محمد نعمان رح) اور خادمان درگاہ (حضرت مجدد) کے درمیان ظاہری جدائی حائل ہو گئی اور حضرت ایشاں (مجدد قدس سرہ) کو بھی مدت تک معارف کے لکھنے اور مکاشفات کے بیان کرنے کا موقع نہ ملا[2] لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی تائید سے چند سال کے بعد اس ضعیف (محمد ہاشم) کی آرزو جس کے نام دفتر اوّل کا آخری مکتوب ہے۔ آرزو برآئی یعنی ۱۰۳۱ھ میں جو لفظ "خاک نشین" سے ظاہر ہے اس ضعیف نے بلند دہلیز کی خاک نشینی کی سعادت حاصل کی[3] اور غریب نواز نے بڑی رحمت و عنایت سے اس کمترین کو ان مسودوں کے جمع کرنے اور بیاض میں نقل کرنے سے ممتاز فرمایا اور

---

[1] خواجہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ نے خواہش کی تھی کہ دفتر اوّل میں ایک مکتوب (۳۱۳) ان کے نام بھی ہو (حضرات القدس صفحہ ۱۱۴۔ سیالکوٹ ۱۹۲۳ء)

[2] یعنی حضرت مجدد رح قلعہ گوالیار میں جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو قید ہو گئے۔ جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ کو وہاں سے رہائی ہوئی۔

[3] حضرت مجدد نے خواجہ محمد ہاشم رح کو طلب فرمایا تھا اور میر محمد نعمان کو دفتر سوم کے شروع کرنے کی اجازت دی تھی۔ (دیکھیں دفتر سوم ۱-۱۲)

اسی سال جو لفظ "ثالث" ۱۰۳۱ھ سے ظاہر ہے دفتر سوم کے اتمام سے سرفراز ہوا۔ جب مکتوبات کا شمار ایک سو تیرہ تک پہنچا جو حروف "باقی" ۱۱۳ کی تعداد کے مطابق ہے اور تین اعتبار سے[1] اس پر مقرر کرنا نہایت مناسب اور زیبا ہے تو اسی عدد پر اس دفتر سوم کو ختم کیا گیا اور اس کی تاریخ "کاس الراسخین" ۱۰۳۱ھ ہوئی۔ بعد ازاں اس ایک مکتوب کے لئے کہ جس میں از سر نو، علوم جدیدہ اور اسرار غریبہ ظاہر ہوتے تھے آپ نے فرمایا کہ اسے بھی مسک الختام بنایا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اور اس کے شامل کرنے سے قرآنی سورتوں کے عدد کے مطابق ان مکتوبات کی تعداد ۱۱۴ ہو گئی[2]۔

لشکر سلطانی میں حضرت مجدد قدس سرہ کے ساتھ خواجہ محمد ہاشم رح اور ایک درویش حبیب (خادم) بھی تھے۔ دفتر سوم کے مکتوب ۸۵ میں ارشاد ہے کہ "اگر اجمیر پہنچ کر راستے کی تکلیفوں اور گرمیوں سے[3] کچھ نجات میسر آئی تو انشاء اللہ تم کو (خواجہ محمد معصوم کو) لکھوں گا... تمہارے حق میں ایک بشارت پہنچی ہے[4]۔ اس کو ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمد ہاشم کے حوالے کیا ہے تاکہ تمہارے پاس پہنچا دے"

اجمیر کے سفر میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رح کی مقبولیت، بارگاہ الٰہی میں ظاہر ہوئی حضرت مجدد رح نے اس نعمت کا شکر ادا کیا لیکن آپ "دیار ثالث" (یعنی خواجہ محمد ہاشم رح) کے لئے متردد تھے (جیسا کہ دفتر سوم کے مکتوب ۸۲) بعد میں اس "دیار ثالث" کو بھی مقبولیت حاصل ہوئی اور حضرت مجدد قدس سرہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نامہ بھی حاصل ہوا (۳/۱۰۶)[5]۔

---

[1] یہ تین اعتبار اس طرح ہیں کہ لفظ باقی سے (۱) خواجہ محمد باقی رح (۲) مکتوبات کی بقا اور (۳) معارف مقام بقا مراد ہیں۔

[2] پہلے یہ تعداد ۱۲۴ ہو گئی اور اس کا تاریخی نام "معرفت الحقائق" ہوا یہ نام بھی خواجہ محمد ہاشم نے بنایا ہوگا۔

[3] اس زمانے میں برسات کے موسم میں رمضان المبارک کا مہینہ آیا تھا۔ حضرات القدس میں کرامت نمبر ۲۲ دیکھیں۔

[4] یہ بشارت ۳/۱۰۷ میں درج ہے۔

[5] اسی مکتوب (۳/۱۰۶) میں ارشاد ہے کہ "خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا اور... فقیر کے مخلص یاروں میں سے ایک یار بھی اس معاملے میں ہمراہ ہے" (بقیہ آگے)

اسی طرح اور بھی مکتوبات ہیں جن میں خواجہ محمد ہاشم رح کا خصوصی ذکر ہے۔ اور زبدۃ المقامات میں بھی جا بجا اس خصوصی تعلق کے واقعات ملتے ہیں۔ حضرات القدس میں یہ بھی ذکر ہے کہ خواجہ محمد ہاشم نقل کرتے تھے کہ ایک روز حضرت مجدد رحمۃ اللہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے حکم کے مطابق، عنایات خداوندی کے متعلق جو آپ کی خصوصیات اور درجات حشر و نشر سے متعلق ہیں بیان فرما رہے تھے، اس فقیر نے (خود پر جو آپ کے الطاف و اعطاف ہیں ان کی بنا پر) آپ سے سوال کیا کہ یہ مسکین اس مجمع میں کون سی خدمت سے سرفراز ہوگا اور کس خصوصیت سے ممتاز ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ تم ہماری مجلس میں میرِ بزم ہو گے۔

اجمیر شریف ہی کے قیام[1] کے زمانے میں (جہاں آپ ۱۰۳۲ھ میں تشریف لے گئے تھے) آپ کو لشکر سے خلاصی مل گئی تھی (۳/۱۰۵) اور اسی سفر کے بعد آپ سرہند تشریف لاتے اور سب مکانوں سے الگ اپنے لئے ایک جگہ اختیار کی۔ اسی زمانے میں خواجہ محمد ہاشم رح نے دکن (برہان پور) جانے کی اجازت چاہی۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"اس زمانے میں سلاطین سعودیہ دکن میں ہرج مرج واقع ہو رہا تھا فقیر نے چاہا کہ عیال و اطفال کو لا کر آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامے کے اجرا میں تھوڑا سا فتور ہے۔ اور اس فتور کی وجہ بھی اسی وقت معلوم ہو گئی۔ وہ یار جو اس خدمت کا پیش کار ہے دوبارہ اس اجازت نامہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت پر دوسرا اجازت نامہ لکھا، یا لکھوایا۔" (تفصیل اس مکتوب میں ہے)

[1] مکتوب (۳/۱۰۵) کے آخر میں لشکر سے خلاصی ملنے کا ذکر ہے۔ وہ مکتوب شیخ حسن برکی کے نام ہے اور اس میں ذکر ہے کہ محمد ہاشم کے پاس سے شیخ کا مکتوب گم ہو گیا۔ خواجہ محمد ہاشم رح نے بھی زبدۃ المقامات میں شیخ کے اس مکتوب کے گم ہونے کا ذکر کیا ہے کہ وہ اجمیر کے سفر میں گم ہوا تھا۔ یعنی حضرت مجدد نے وہ مکتوب (۳/۱۰۵) اجمیر کے قیام کے زمانے میں لکھا تھا۔ اسی زمانے میں شیخ عبدالحق دہلوی رح کے صاحبزادے شیخ نور الحق کو حضرت مجدد رح نے مکتوب ۳/۱۰۰ لکھا تھا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے گرفتار ہونے کا راز بیان فرمایا ہے (دیکھیں زبدۃ المقامات فصل ہفتم)

کے قدموں میں ڈال دوں۔ لیکن آپ نے رخصت ۔۔۔ عمدہ ۔۔۔ حضرت
میں نے رخصت ہوتے ہوئے عرض کیا کہ دعا فرمائیں کہ میں پھر بہت جلد اس
آستانۂ حق پرست سے مشرف ہو سکوں۔ آپ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا:
دعا کرتا ہوں کہ آخرت میں ہم پھر یکجا جمع ہو جائیں۔ اس روح فرسا فقرے نے
میرے ہوش گم کر دیئے۔ قسمت میں محرومی لکھی تھی اس لئے قضا سے مقاومت نہ
کر سکا۔ چار و ناچار آنسو برساتا ہوا اور یہ اشعار حسرت و یاس پڑھتا ہوا۔
(اشعار درج کر دیئے ہیں) اواخر رجب[1] ۱۰۳۳ھ تھا کہ فقیر آپ سے رخصت
ہوا۔ اس کے بعد سے آپ کے وصال تک کے واقعات جس کی مدت سات ماہ
ہے۔ شیخ بدرالدین سرہندی جو آپ کے مقبولین میں سے ہیں اور مخدوم زادگان
عالی شان کی تحریر و تقریر سے التقاط کر کے لکھتا ہوں، چند فوائد کے ساتھ[2]۔

خواجہ محمد ہاشم برہان پور چلے گئے۔ وہاں سے اپنے حالات اور کیفیات کے متعلق ایک طویل
مکتوب حضرت مجدد کی خدمت عالیہ میں روانہ کیا[3]۔ پھر حضرت مجدد نے ایک مکتوب (۳/ ۴۲) اس
طرح تحریر فرمایا:۔

---

[1] خواجہ محمد ہاشم نے زبدۃ المقامات (فصل دوم) میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے شروع رجب
۱۰۳۲ھ میں شہر سرہند میں مجھے حدیث مسلسل اور دوسری کتابوں کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور زبدۃ المقامات
کے بالکل آخر میں یہ بھی ہے کہ میں نے مولانا عبدالمومن لاہوری سے چند اوراق مشکوٰۃ شریف کے اور کچھ حصہ
مطول کا پڑھا ہے۔ مولانا زید فاروقی صاحب نے "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" ص ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد
۸ ربیع الآخر ۱۰۳۳ھ کو سرہند پہنچے تھے۔

[2] زبدۃ المقامات (فصل نہم) میں ہے کہ میں نے حضرت مجدد کے آخری ایام کے حالات حضرت بدرالدین سرہندی
کی کتاب سے لئے ہیں (ملخصاً) حضرت بدرالدین کی یہ کتاب ۱۰۵۰ھ کے بعد تک لکھی جاتی رہی کیونکہ انہوں
نے اس میں شاہ سعید بنگالی تک کے انتقال کا یہی سال لکھا ہے۔

[3] حضرات القدس (۲) میں خواجہ محمد ہاشم کے حالات میں یہ مکتوب درج ہے۔

"حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو ملا فتح اللہ کے باتھ روانہ کیا تھا، موصول ہوا۔ محبت و اخلاق اور حرارت و اشتیاق کا حال پڑھ کر بہت خوشی حاصل ہوئی۔ آپ کے مکتوب کے مطالعے کے وقت آپ کی نورانیت۔ گرد و نواح میں بہت پھیلی ہوئی نظر آئی اور بڑی امید پیدا ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر اور احسان ہے۔ معلوم نہیں کہ سعادت مآب میر محمد نعمان کی خط و کتابت کے ترک ہونے کا کیا باعث ہے۔۔۔۔ نیز برد ماد سے ضعف غالب ہے۔ اس لئے بعض ان سوالات کا جواب نہیں لکھ سکا جو مکتوب سابق میں درج تھے۔ اگر صحت ہوگئی تو انشاء اللہ لکھوں گا۔ ورنہ دوستوں سے دعا اور فاتحہ کی التماس ہے۔۔۔"

خواجہ محمد ہاشم رح کے بعض احوال، کیفیات اور کرامات کا ذکر حضرات القدس میں ہے بعض فضائل اس کتاب میں اس طرح مذکور ہیں کہ:۔

" آپ فضائلِ صوری اور علوم رسمی میں تمام و کمال مہارت رکھتے تھے۔ خوش گفتار شیریں سخن، نیک خلق اور متواضع تھے۔ دلچسپ حکایتیں بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے تھے۔ تقریر و تحریر میں سوز و گداز تھا۔ جو کچھ آپ کہتے تھے وہ حال و ذوق تھا۔ صرف قال و مقال نہیں۔ آپ کے چہرے سے مستی اور بیخودی ظاہر ہوتی تھی۔ تاریخ گوئی اور انشاء پردازی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے دلفریب اشعار، جانِ نغمیں ابیات، دل آویز دیوان، جان خراش مثنویاں، پر لطف رسالے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔"

حضرت بدر الدین سرہندی رح کے ان الفاظ میں حضرت خواجہ محمد ہاشم کی پوری تصویر آگئی

۱؎ حضرت خواجہ محمد ہاشم رح نے زبدۃ المقامات (مقصد اول فصل دوم) میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ خواجہ باقی باللہ نے آخر ایام میں ایک مرتبہ میر محمد نعمان کی بچی کو گود میں لیا تو اس نے آپ کی داڑھی کا ایک بال توڑ لیا۔ وہ بال بطور یادگار اسی خاندان میں محفوظ رہا اور یہی بچی بعد میں خواجہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ بنی۔

ہے۔ان کی ادبی اور علمی صلاحیت کے اعلیٰ نمونے ان کی تصانیف ہیں اور بالخصوص زبدۃ المقامات میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ عبارتوں کے اندر اشعار (عموماً انہی کے اشعار) کا اندراج بہت حسین معلوم ہوتا ہے اور حال و قال کا امتزاج اس کتاب کا خصوصی امتیاز ہے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں

(۱) زبدۃ المقامات یا برکات الاحمدیہ الباقیہ۔کتاب کے آخر میں "رباعی در تاریخ ختم کتاب" اس طرح ہے:۔

بر خامہ بنازم کہ اشارات نوشت ز آغاز و توسط و نہایات نوشت

بنوشت کتاب را و تاریخ کتاب بر دل "ہو زبدۃ المقامات" نوشت

"ہو زبدۃ المقامات" کے اعداد سے ۱۰۳۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے بعد میں بھی اس کتاب میں اضافے کئے ہیں۔ مثلاً مولانا محمد صالح کولابی رح کے حالات کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "مولانا در سال ہزار و سی و ہشت قبیل این تحریر بہ آخرت شتافت"۔ اسی طرح (مقصد اول میں) خواجہ حسام الدین احمد رح کے حالات کے آخر میں ہے کہ

"امروز کہ سال ہزار و چہل و سہ ہجر لیست و عمر شریف ایشان بہ شصت و اند رسیدہ بر مفارق مخلصان سایۂ رحمت ایشان ممدود است دیر سال بر مفارق دوستان خواجہ باقی باللہ رح باقی بادؔ"

لہ زبدۃ المقامات میں حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد قدس سرہما دونوں کے حالات ہیں۔اس رعایت سے برکات الاحمدیہ الباقیہ بھی اس کتاب کا نام ہے۔ زبدۃ المقامات کے شروع میں سبب تالیف اس طرح بیان کیا ہے "جن ایام میں فقیر آپ (حضرت مجدد رح) کے سایہ عاطفت میں رہتا تھا (یعنی ۱۰۳۱ھ سے) آپ کے فرزندان کبار نے۔۔۔ فقیر سے فرمایا کہ وہ فوائد و اسرار و معارف جو خلوت اور جلوت میں۔۔۔ آپ کی زبان درفشان سے ذکر ہوتے ہیں اور داخل مکتوبات نہیں ہوتے۔۔۔ وہ آپ جمع کرتے جائیں اور ساتھ ہی آپ اپنے پیر بزرگوار۔۔۔ کے حالات و مناقب بھی اضافہ کرکے ایک کتاب ترتیب دیں۔۔۔ چار و ناچار مجھے ان کا فرمان قبول کرکے تعمیل کرنی پڑی۔ لیکن ابھی میں چند اوراق ہی لکھنے پایا تھا کہ آپ کے انتقال پر ملال نے درویشوں کے دل کو پارہ پارہ کر دیا۔

یعنی ۱۰۴۳ھ تک ضرور اس کتاب کا سلسلہ جاری رہا۔[1]

(۲) نسمات القدس من حدیقۃ الانس۔[2] اس کتاب کے شروع میں خواجہ محمد ہاشم کشمی رح لکھتے ہیں کہ

"اگر توفیق خداوندی عز شانہ شامل حال گردد احوال اکابر متاخرین این سلسلہ شریفہ را کہ بعد از روزگار صاحب رشحات۔ الی یومنا ہذا بہرشتہ وجود پیوستہ اند و را ہنمائے طالبان حق بودہ اند بداں مقدار کہ از کتب و رسائل ایشاں بیاید فراہم آوردہ کتابے مرتب گرداند"

پھر ورق ۴ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"این نسخہ گویا تکملہ ایست مرکتاب رشحات عین الحیوٰۃ را و مساق المسند ان عسکر ذوالفتوحات رانیت و عزم مصمم گردیدہ است کہ بمشیت اللہ سبحانہ و کرمہ بعد از فراغ این تسوید، احوال متاخرین دیگر سلاسل را رحمہم اللہ بشیوۂ اجمل و احسن بقانون نفحات انس فراہم آوردہ آن را بہ صفحات الانوار من مقامات الاخیار مسمی گرداند"

یعنی شیخ فخر الدین علی المشتہر بالمولی الصفی بن مولانا حسین الواعظ الکاشفی رح کی رشحات عین الحیوٰۃ کے تکملہ کے طور پر اور اس کتب میں جن اکابر کے حالات درج ہیں ان کے بعد سے دیگر بزرگواران نقشبندیہ کے حالات اس دوسری کتاب نسمات القدس میں فراہم کیے جائیں گے۔[3] اور دوسرے سلسلوں کے بزرگواروں کے حالات ایک اور کتاب صفحات الانوار من مقامات الاخیار میں لکھے جائیں گے (حضرت جامی کے انداز میں) نسمات القدس میں (ورق ۴۸-الف) میں مولانا حسین نسفی رح کے ذکر میں ہے کہ ان کی عمر آج کل جبکہ

---

[1] خواجہ حسام الدین احمد رح کی وفات غرۂ صفر ۱۰۴۳ھ کو ہوئی۔ (دیکھیں حضرات القدس۔ دفتر اول) اور یہی صحیح ہے [2] یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی (انشاء اللہ اب شائع ہوگی) اس کا مخطوطہ مدینہ منورہ میں مکتبہ عارف حکمت میں محفوظ ہے۔ زبدۃ المقامات کے شروع میں "سبب تالیف" کے آخر میں ذکر ہے کہ پہلے حصے میں انشاء اللہ سلسلہ نقشبندیہ کے دیگر (اگلے) بزرگوں کے حالات جمع کروں گا۔ صفحہ ۱۲ میں اس پہلے حصے کا نام نسمات القدس بھی مذکور ہے [3] حضرت بدرالدین سرہندی نے حضرات القدس کے پہلے حصے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مختصر سیرت لکھنے کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ تک تمام بزرگان سلسلہ نقشبندیہ کے حالات لکھے ہیں۔

سنہ ۱۰۳۹ھ ہے اسی سال سے نجا دیز کر چکے ہے۔ اور ورق ۱۵۲ (الف) میں سنہ ۱۰۴۱ھ کا ذکر ہے کہ اس سال مولانا خواجگی قدس سرہ کے ایک مرید (عبدالعزیز رح) کی وفات ہوئی ہے۔ کابل میں حضرت ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم صاحب فاروقی مجددی زید اللہ عمرہ واقبالہ (جو سنت مجددی کے مطابق فی الحال دشمن کی قید میں ہیں) کے کتب خانے میں خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کی (۱) زبدۃ المقامات اور (۲) نسمات القدس کے علاوہ یہ کتابیں بھی تھیں (۳) تاریخ الانبیاء (۴) طرق الاصول فی شریعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (۵) دُرّ الاسرار فی تحیۃ سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علاوہ خواجہ محمد ہاشم رح کے چار عریضے بھی تھے جو حضرت مجدد قدس سرہ کے نام لکھے گئے تھے۔ خدا جانے ان کتابوں اور تحریروں کا وجود اب ہے یا وہ سب نذر آتش ہوگئیں۔ اگر ان کے مطالعے کا موقع ملتا تو بہت ممکن ہے کہ حضرت خواجہ محمد ہاشم رح کی عمر کے کچھ اور سنین بھی معلوم ہو سکتے۔

خواجہ محمد ہاشم نے زبدۃ المقامات میں ایک جگہ (صفحہ ۱۷۹) یہ بھی ارادہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ کے اجتہادات کلامیہ کو آپ کے مکتوبات اور رسائل میں سے نکال کر ایک رسالے میں جمع کروں گا۔ اس رسالے کا بھی اب کوئی علم نہیں ہے[1]۔ البتہ ان کا فارسی دیوان انڈیا آفس لندن میں

---

[1] خود حضرت مجدد رح کے ایک دو رسالوں کا صحیح علم نہیں ہے۔ آپ کی تصانیف کے ذیل میں خواجہ محمد ہاشم نے رسالہ اثبات النبوۃ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ رسالہ جذب و سلوک کا ذکر کیا ہے اور شیخ بدرالدین نے رسالہ تہلیلیہ کا ذکر نہیں کیا اور رسالہ آداب المریدین کا ذکر کیا ہے پھر "وغیر ذلک" لکھ دیا ہے۔ حضرت مجدد رح نے مکتوبات (۱/۲۵۷) میں اپنے طریقے سے متعلق ایک رسالے کا ذکر کیا ہے کہ وہ ابھی مسودے میں ہے اور ایک اور مکتوب (۱/۵) میں ایک رسالے کا ذکر ہے جس کی تعریف خواجہ باقی باللہ رح نے اپنے ایک مکتوب میں (حضرات القدس۔ حضرت سوم۔ درجہ ۱۳) فرمائی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ رسالہ مکاشفات عینیہ ہو جس میں طریقۂ خواجگان اور خواجہ عبید اللہ احرار رح کے مقامات کا ذکر بھی ہے میرا خیال تھا کہ یہ رسالہ خواجہ محمد ہاشم رح نے مرتب کیا ہوگا لیکن مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ نے اپنی کتاب "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" (صفحہ ۴۲) میں لکھا ہے کہ اسے خواجہ محمد معصوم نے مرتب فرمایا تھا حضرت مجدد نے عوارف المعارف (از حضرت شہاب الدین سہروردی) کی شرح عربی میں لکھی تھی۔ اور مکتوبات (۱/۲۵۷) سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اسم ظاہر اور اسم باطن کے کمالات تحریر فرمائے تھے وہ صاحبزادے جمع کر رہے تھے۔

(مخطوطہ نمبر ۲۸۹۸) اور کاما پارسی لائبریری بمبئی میں (۱۷/۱ فہرست ص ۲۴۵) محفوظ ہے۔ اس دیوان میں نعت میں ایک قصیدہ ہے۔ چار مثنویاں ہیں (ایک مثنوی حضرت مجدد کی منقبت میں اور ایک حکایت جذبہ عشق میں ہے) ترجیع بند، ترکیب بند، قصائد، غزلیات، رباعیات اور تاریخی قطعات وغیرہ اصناف سخن میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں۔ ایک نعتیہ قصیدہ اس طرح ہے:۔

اگر پرسی ز قدش سرو باغ داستان آمد　　ستونِ بارگاہِ بادشاہِ لامکان آمد

الف بود او سر آغازِ حرفِ ابجد ہستی　　نشانِ وحدتِ پروردگار بے نشاں آمد

سحر زان نخلِ یثرب درد دل با بادمی گفتم　　سرشکِ خوں فشاں از چشم شاخ ارغواں آمد

اس قصیدے میں اکتالیس اشعار ہیں۔ ایک شش بند میں "محمد" ردیف ہے۔

غزلیات کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

ہست تارِ دلبرم با جانِ مجنوں آشنا　　تارِ جانِ من بود با تارِ قانون آشنا

گر نہ بیگانہ بہوش، آشنا شو باکسے　　کز درون بیگانہ خلق است و بیرون آشنا

کے شناسی مردمے چوں مردمانِ چشمِ من　　تا نہ گردی از ہجومِ گریہ با خوں آشنا

نگر صراحی مے راکہ از طریقہ ماست　　کہ گاہ قہقہہ صد گریہ در گلو دارد

کجاست سوزنِ مژگان کجاست تارِ سرشک　　کہ پارہ پارہ دلِ من چو صد رفو دارد

لباس فاختگاں دانی از چہ پیداست　　کہ سروِ باغ نشینی بطرفِ جو دارد

حضرت مجدد قدس سرہ کی شان میں جو مثنوی ہے وہ اس طرح شروع ہوتی ہے۔

ذبابے را تمنائے شکر شد　　بدیں سودا سوئے ہر بام و در شد

بسیدا از بعد حسرتہائے جانکاہ　　بہ دکانے شکر ریزے ینا گاہ

بہ بیرامونِ دکاں لحظہ خاست　　کہ آشوبِ سفر سازد نفس راست [1]

---

[1] یہ مثنوی حضرات القدس میں بھی ہے۔ اس میں خواجہ محمد ہاشم رح کی ایک رباعی کا ذکر بھی ہے کہ حضرت مجدد نے اس طرح اصلاح فرمائی تھی۔

مولانا اختر محمد خان نے جواہر ہاشمیہ (صفحہ ۳۱ ح) میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ :-
" برہان پور سے ۷-۸ میل کے فاصلے پر بجانب مشرق ایک جگہ محل گرداڑا کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں ایک ندی ہے جس کے دونوں جانب یعنی مشرقی اور مغربی کناروں پر شاہی زمانے کے کچھ محل بنے ہوئے ہیں۔ ان محلات سے ندی کی جو آبشار شمالی رویہ بلندی سے گرتی ہے اس کا نظارہ نہایت دلفریب اور جاذب توجہ ہے۔ لوگ سیر وتفریح کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد ہاشم رح بھی سیر وشکار کرتے ہوئے احباب اور مریدین کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے تھے۔ آبشار کو دیکھ کر آپ کے دل پر پیر ومرشد کے سنگ فرقت کی چوٹ لگی اور بے اختیار یہ قطعہ آپ کی خاطر دریا مقاطر سے نکلا جو آج تک (وہاں کی) کتب تاریخ میں محفوظ اور آپ کے عشق صادق بجناب مرشد پر گواہ عادل ہے (وہ قطعہ یہ ہے :-)

اے آبشار نوحہ گراز بہرِ چیستی ؟   چیں بر جبیں فگندہ زاندوہ کیستی؟
آخر چہ درد بود کہ چوں من تمام شب   سررا بہ سنگ می زدی و می گریستی "

زبدۃ المقامات کے آخر میں تین تین رباعیاں حضرت خواجہ باقی باللہ رح اور حضرت مجدد قدس سرہما کی مدح میں ہیں۔ ان میں رعایتِ لفظی ومعنوی کی بھی زینت ہے۔ خواجہ باقی کی مدح میں لکھتے ہیں :-

قطبے کہ رہ ازش انفسے آفاقی ست   نیم نظرش ہزار دل را ساقی ست
باقی مدحش بہ نگویم این بس   کاں جملہ چو نام خویش باحق باقی ست

اور حضرت مجدد کی شان میں یوں رقم طراز ہیں :-

احمد کہ بود عیسیِ دلہائے سقیم   از ساقیِ باقی ستد این راحِ قدیم
زاں ساقی او سالِ چہل رفت کہ بود   برزخ بمیانِ احد و احمد میم

حضرت خواجہ محمد ہاشم رح ایک قادر الکلام اور باکمال شاعر تھے اور زبدۃ المقامات اور نسمات القدس دونوں میں خود ان کے اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا انداز کس قدر عالمانہ ادیبانہ اور شاعرانہ ہے۔ نثر میں زبدۃ المقامات ان کا شاہکار ہے اور اس میں جگہ جگہ لفظی اور معنوی محاسن پائے جاتے ہیں۔ اس کی پہلی ہی سطر میں براعۃ الاستہلال کی صنعت ہے

یعنی اس میں حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہما کے حالات ہیں اس لئے ان دونوں مبارک ناموں کی طرف اس طرح اشارہ ہے :۔

الحمد للہ الباقی بالبقاء الابدی والدوام السرمدی والصلی علی النور الانم الاحمدی اعنی حضرۃ المحمدی وعلیٰ آلہ واصحابہ ...... اسی طرح کی رعایتیں نسمات القدس میں بھی ہیں۔ اور دونوں کتابوں میں قرآن وحدیث کی تلمیحات، علمی اور ادبی مصطلحات، محاورات اور اشعار کے اندراجات بکثرت ہیں۔ مسجع اور مقفی عبارتیں بھی ہیں لیکن ان میں ہر شخص کے لئے انجذاب ودلکشی موجود ہے۔ زبدۃ المقامات میں یہ بھی خوبی ہے کہ مرشدین ومسترشدین میں سے جن بزرگوارں کا ذکر کیا ہے ان کی اور ان سے متعلق تحریروں کے نمونے بھی دیئے ہیں اور بعض اقتباسات تو ایسے ہیں کہ کسی دوسری کتابوں میں موجود نہیں۔ اس کتاب کی مزید اہمیت یہ ہے کہ اس میں حضرت مجدد قدس سرہ کے چھوٹے چھوٹے رقعے بھی شامل ہیں جو آپ نے مختلف مواقع پر تحریر فرماتے تھے اور جو مکتوبات شریف میں کہیں بھی پائے نہیں جاتے اور جو صرف خواجہ محمد ہاشم ہی جمع کر سکتے تھے کیونکہ سفر وحضر میں آپ کے ساتھ وہی زیادہ رہتے تھے۔

خواجہ محمد ہاشم رح کو تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا حضرت مجدد قدس سرہ کے وصال پر آپ نے ۶۳ تاریخی فقرے لکھے تھے۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد صادق رح اور دوسرے بزرگوں کے انتقال پر۔ نیز بہت سے مواقع پر آپ نے تاریخیں کہی ہیں۔ برہان پور کے محلہ کاریز بازار کا حوض (بحکم شاہی) تیار ہوا تو آپ نے یہ قطعہ تاریخ لکھا :۔

از حکم شہ جہانِ خورشید ظہور — درشارستانِ اعظم برہان پور
بنہاد بنا خان جہان حوض بزرگ — شد سال بناش "حوض اکبر" مسطور

برہان پور کے مشہور بزرگ حضرت شیخ محمد ابن فضل اللہ کے انتقال پر یکم رمضان المبارک ۱۰۲۹ھ پر (۲۹ سنہ ھ) آپ نے "ابن فضل اللہ" سے تاریخ نکالی تھی ۱۰۲۹ھ۔ شیخ عیسیٰ جند اللہ (۱۴ شوال ۱۰۳۱ھ) سید میرک شاہ (ھو سید الشیوخ) ۱۰۳۲ھ، شیخ علم اللہ محدث (۱۰۲۴ھ) مولانا دانشمند بدخشانی رح ۱۰۳۰ھ مولانا عصمت اللہ لاہوری (۱۰۳۶ھ)، مولانا طاہر لاہوری رح ۱۰۴۰ھ، عبد الرحیم خان خانان (۱۰۳۶ھ) شاہجہان کی تخت نشینی (زینت شرع) ۱۰۳۷ھ اور خواجہ حسام الدین رح وغیرہ کی

تاریخیں آپ کے دیوان میں موجود ہیں۔ خواجہ حسام الدین کی تاریخ یہ ہے:۔

پاک دل خواجہ حسام الدین را ‏ ‏ ‏ ‏ ہادی قافلہ این رہ گوئی
ہم بہ اطوارِ وجود او نتوان ‏ ‏ ‏ ‏ ہم بہ اسوارِ شہود آگہ گوئی
نافعِ خلق بُد او ، سال وفات ‏ ‏ ‏ ‏ ولیِ نافعِ خلق اللہ گوئی
۱۰۴۳ھ

یعنی ۱۰۴۳ھ تک خواجہ محمد ہاشم رح یقیناً زندہ تھے۔ اس کے بعد معلوم نہیں کب تک حیات تھے۔ آپ کی دیگر تصانیف اب ناپید معلوم ہوتی ہیں اگر کہیں دستیاب ہو سکیں تو شاید مزید سنین حیات کا پتہ چل سکے۔

مولانا اختر محمد خان نے جواہر ہاشمیہ (صفحہ ۴۴۔۵۳) میں خواجہ محمد ہاشم رح کی اولاد، خلفاء اور دوسرے واقعات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

آپ کے ایک صاحبزادے خواجہ محمد کاظم (عرف محمد قاسم) تھے۔ ایک صاحبزادی صفیہ خاتون تھی جو ۱۷ سال کی عمر میں فوت ہو گئی تھیں۔ ایک دستاویز میں صاحبزادے کی یہ تحریر تھی:۔

"العبد فقیر محمد قاسم بن خواجہ محمد ہاشم مرحوم بتاریخ ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۶۹ھ"

خواجہ محمد ہاشم رح صرف تین دن کی علالت کے بعد ۱۱ رجب ۱۰۵۴ھ کو فوت ہوئے[1] اور شہر برہان پور کے مغربی دروازے سے ایک دو فرلانگ کے فاصلے پر پہاڑی ندی پانڈارول کے مغربی کنارے پر آپ کو دفن کیا گیا۔ سید میر برہان پوری نے بتایا کہ جب وہ چودہ ۱۴ سال کے تھے[2] تو خواجہ محمد ہاشم کے جسد مبارک کی دوسری جگہ منتقلی کو انہوں نے خود دیکھا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب پانڈارول ندی کا بہاؤ آپ کے مزار کی طرف ہونے لگا تو آپ نے شیخ محمد طاہر (جمعدار) کو خواب میں فرمایا کہ میرے جسد کو دوسری جگہ (حالیہ مقام پر) دفن کر دیا جائے۔ شیخ محمد طاہر نے یہ خواجہ مولانا سید عبید اللہ کو سنایا۔ انہیں یقین نہ آیا تو پھر ان کو بھی اسی طرح کا خواب نظر آیا۔ پھر مولانا نے ایک دن مقرر کیا کہ قبر کو کھود جائے۔ قبر

---

[1] مولانا بدر الدین سرہندی رح نے حضرات القدس رح میں خواجہ محمد ہاشم رح کے حالات و روایات وغیرہ لکھی ہیں۔ انتقال کا ذکر بھی کیا ہے لیکن سال وفات کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم نے خواجہ محمد ہاشم کے انتقال پر ان کے صاحبزادے محمد کاظم رح کو تعزیت لکھی ہے (مکتوبات معصومیہ ۱، ۲۰۹)، لیکن اس سے بھی سال وفات ظاہر نہیں ہوتا۔

[2] غالباً ۱۰۴۲ھ میں۔

میں وہ اور ان کے والد کے شاگرد حافظ محمد انور خان داخل ہوئے تو خواجہ محمد ہاشم کا جسد اطہر اور کفن بھی بالکل تازہ اور معطر پایا اور ایک کاغذ بھی پڑا پایا جس میں شجرہ طریقت درج تھا۔ پھر آپ کو اسی ندی کے کنارے اونچی جگہ پر (سبھاش اسکول کے قریب) دفن کیا گیا۔ ہزاروں لوگ جمع تھے۔ موجودہ مقام پر مغرب کی طرف آپ کے صاحبزادے محمد کاظم (عرف محمد قاسم) اور ان کی بہن صفیہ خاتون کی قبریں ہیں اور آپ کے بائیں (مشرق کی طرف) آپ کے خلیفہ سید عبداللطیف حصاری اور ان کے بھائی سید عبدالرحیم کی قبریں ہیں۔ آپ کے مزار سے چند گز کے فاصلے پر مشرق کی جانب ایک مسجد ۱۲۷۴ھ میں تعمیر ہوئی تھی جو اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے۔

آخر میں چند بزرگوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مخدومی حاجی محمد امین صاحب مدظلہ نے مشورہ دیا تھا کہ زبدۃ المقامات کا وہ ترجمہ جو مدت ہوئی ملک فضل الدین ملک چنن الدین (لاہور) نے شائع کیا تھا اب نایاب ہے اور نظر ثانی کی بھی ضرورت ہے اسے تصحیح کے ساتھ مرتب کرنا چاہیئے۔ پھر استنبول (ترکیہ) سے ۱۹۷۷ء میں جو فارسی متن شائع ہوا ہے اور اس میں اضافے بھی ہیں اس کو پیش نظر رکھیں۔ چنانچہ تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر کام شروع کیا۔ برادر روحانی اور فاضل گرامی ڈاکٹر مولانا ابوالفتح صغیرالدین صاحب (صدر شعبہ تقابل ادیان و اسلامیات، سندھ یونیورسٹی) کو زحمت دی گئی کہ وہ فصل دوم تا ہشتم ترجمہ فرمادیں۔ آخری باب کے ترجمے میں عزیز گرامی شعور احمد فاروقی صاحب اور عزیز محترم حکیم محمد رفیق خان صاحب نے بھی کرم فرمایا لیکن سب سے زیادہ نوازش مولانا حافظ محمد اشرف صاحب اور مولانا حافظ محمد اکرم صاحب (مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ) نے فرمائی کہ زر کثیر صرف کرکے حضرات القدس کے ترجمے کے بعد اس ترجمہ کو بھی شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اللہ پاک ان حضرات کو جزائے خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اس عاجز نے اپنی ناقص سمجھ کے مطابق پوری کتاب کے حواشی لکھنے کی کوشش کی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں یہ پسند آجائے تو آخرت کا کام بن سکتا ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری سعی کیا!

فقط   احقر غلام مصطفٰے خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الباقی بالبقاء الابدی والدوام السرمدی والصلٰوۃ علی النور الاتم الاحدی اعنی حضرت المحمدی وعلیٰ آلہ واصحابہ وسائر اتباعہ الیٰ یوم القیمۃ: کلام اھل الرحمۃ والولایۃ والکرامۃ۔

علم وعرفان کے صحیفوں کے نقش بنانے والوں پر، پوشیدہ دفینوں اور خزینوں کی طاقت رکھنے والوں پر، تمکین وادب کے دستر خوان کے مالکوں پر اور سلسلۃ الذہب کے حلقے کے دیوانوں پر (یہ بات) مخفی نہ رہے کہ اس بندۂ ناکارہ کو (جو خود اپنی ذات سے شرمندہ ہے) باوجودیکہ اس کے آباؤ اجداد سلسلۂ عالیہ کبرویہ سے تعلق رکھتے تھے، اور خود یہ بھی اپنے بچپن میں اس سلسلے کے بعض خلفاء کی صحبت حاصل کیے ہوئے تھا، لیکن فطری اور جبلّی مناسبت اور رغبت کی وجہ سے شروع جوانی سے کچھ قلبی اشاروں اور یزدانی بشارتوں کی بنا پر سلسلۂ مذہبیہ نقشبندیہ سے وابستگی حاصل ہوئی اور دیدۂ امید اُن کے بابِ رحمت کی طرف کشادہ ہوا۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس شاہراہ کا کون رہبر اس خاکسار کی دستگیری فرمائے گا۔ اور اس سلسلۂ عالی شان کا کونسا پسندیدہ بزرگ میری نااہلی کے باوجود مجھے قبول فرمائے گا۔ میں اسی کش مکش میں تھا کہ بیمار ہو گیا اور غلبۂ حال سے میری زبان پر یہ کلام آیا کہ بس اب سفر کی تیاری کر تاکہ ہندوستان جاؤ۔ مولوی معنوی فرماتے ہیں ؎

زانکہ پیلم دید ہندوستان بخواب ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ از خراج امید بُردہ دہ شد خراب[۱]

اس بیماری سے شفایابی کے بعد اور اُن جنونی باتوں سے گزرنے پر ایک ایسا موقع آیا کہ میں ناچار ایک دم ہندوستان آ گیا اور وہاں ایک سال کے بعد جب کہ میں ایک محفل

---

۱ فارسی نسخہ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۰ھ میں یہاں ابناثہ ہے۔ لیکن اس کے اُردو ترجمہ مطبوعہ لاہور (ملک فضل الدین ملک چنن الدین) میں اتباعہ ہے۔ ۲ مثنوی مولوی معنوی (دفتر پنجم شعر نمبر ۱۸۹۲) میں یہ شعر اس طرح ہے لیکن زبدۃ المقامات میں دوسرا مصرع یہ ہے۔ از خراجِ اُمید بردہ شد خراب۔ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے، غیر ملک میں جب وہ اس کا خواب دیکھتا ہے تو اس پر مستی طاری ہو جاتی ہے۔ شعر سے مراد یہ ہوئی کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں تو اب آمدنی کی اُمید نہیں یہ گاؤں (کھیتی) خراب ہے۔

میں بیٹھا تھا۔ گذشتہ مشائخ رحمہم اللہ کے عجیب و غریب حالات اور تصرفات کا ذکر ہو رہا تھا میرے دل پر گزرا اور زبان سے بھی نکلا کہ ایسی حقیقت شکوہ جماعت تو اگلے وقتوں میں ہوتی تھی۔ اب ایسے جواہر کہاں؟ یا اگر ہوں گے بھی تو ہم جیسے نااہل لوگوں کے دیدہ ادراک سے پوشیدہ ہوں گے۔

یا تو محبوبوں پہ اب کوئی کمیں مائل نہیں
یا خود اہلِ عشق میں اب کوئی اہلِ دل نہیں

اسی زمانے میں مجھے ایک خواب نظر آیا کہ ایک اہلِ دل بزرگ آئے اور مجھ سے فرمایا کہ اُٹھ بیٹھو، فلاں بزرگ فلاں مقام پر اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تمہیں بلا رہے ہیں۔ چنانچہ میں اس اہلِ دل کے ساتھ وہاں گیا تو وہاں ایک بزرگ کو دیکھا (فلاں حُلیے کے ساتھ) کہ وہ ایک مکان کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے مراقب تھے اور اُن کے اصحاب اُس چبوترے کے نیچے سر جھکائے ہوئے خاموش بیٹھے تھے۔ اُس اہلِ دل نے مجھے آگے کیا تو اُس بزرگ نے گریبان سے سر اُٹھایا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ پڑھو:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح حاصل ہو گئی ﴿۱﴾ اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں ﴿۲﴾ تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بیشک وہ معاف کرنے والا ہے ﴿۳﴾

میں یہ سورۃ پڑھتا جا رہا تھا اور روتا جا رہا تھا۔ جب میں بیدار ہوا تو اس سورۃ کے مضمون اور اس کے نزول کی ہیئت سے میرا ذہن اُسی طرف متوجہ ہوا جس کے متعلق پہلے سوچا تھا یعنی "جب اللہ کی نُصرت اور فتح آتی ہے تو دیکھو گے کہ لوگوں کی جماعت دین میں (طریقت اور حقیقت کی شاہراہ میں) فوج در فوج داخل ہوتی ہے۔ پس تسبیح کرو اور استغفار کرو کہ اللہ پاک توّاب (غفّار) ہے"۔ اور چونکہ ملک العلام (اللہ پاک) کے خاتمۂ کلام (سورۃ) کا لفظ "توّاب" ہے اس لیے اس سے میں نے توبہ و انابت کی طرف اشارہ حاصل کیا۔ اس خواب کے بعد اور ایک ماہ سے کم کے عرصے میں میرا گذر شہر بُرہان پور میں ہوا۔ یہ شہر ملک ہندوستان کے مشہور شہروں میں سے ہے اور سواحلِ بحرِ عمان[1] کا ہمسایہ ہے اور اسی طرف سے

---

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

حج کے لیے لوگ جاتے ہیں۔ یہ شہر منسوب ہے قطبِ زمانہ اور قلبی بیماروں کے طبیب یعنی شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ[۲] سے اور وہاں اُن کی آرام گاہ بھی ہے۔

(وہاں پہنچ کر) اپنے خواب کے حسبِ حکم کہ ایک علم و عمل و عرفان والے بڑے بزرگ نے فرمایا تھا کہ میری نسبت اس سب سے اچھے شہر سے ہے (اللہ اس شہر اور تمام مسلمانی شہروں کو آفاتِ زمانی سے بچائے) میں، نتیجۂ سادات کبار، زبدۂ مرشدانِ بلند مقدار، سرچشمۂ ذوق و وجدان، مردم دیدہ مردمان، میر محمد نعمان سلمہ اللہ المنان کی خدمت میں پہنچا جو اس شہر میں سلسلۂ شریفہ (نقشبندیہ) کے خلفاء میں سے مسندِ ارشاد پر تشریف رکھتے تھے اور جو اپنے مکاشفات اور جذبات سے طالبوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ جب میں حاضر ہوا تو وہ اہلِ دل جو مجھے خواب میں اُن بزرگ کے پاس لے گئے تھے جن کا میں طالب تھا تو میں نے ہو بہو آپ ہی کو پایا۔ آپ سے میں نے اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کے ذکر و مراقبہ کا طریقہ سیکھا اور آپ کی خدمت میں رہ کر میں نے اُن بزرگ کی محبت کا بیج اپنی جان کی کھیتی میں بویا جن کی خدمت میں اس اہل دل نے (خواب میں) مجھے پہنچایا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۰۳۱ھ میں اُن بزرگ عالی منقبت کے حکم اور طلب پر اور خلاصۂ دودمانِ سیادت (یعنی میر محمد نعمان[۳]) کی اجازت پر حضرت قدوۂ خدا پرستان (یعنی مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ) کے آستانے پر حاضر ہوا اور قریب دو سال تک کیا سفر اور کیا حضر میں، آپ کے

---

[۱] موجودہ بحرِ عرب جس کے ساحل پر سورت بندرگاہ ہے۔ اسی بندرگاہ سے ہندوستان کے حجاج اُس وقت حج کے لیے روانہ ہوتے تھے۔ یہیں دریائے تاپتی سمندر میں گرتا ہے جو برہان پور سے ہوتا ہوا آتا ہے ۱۲ [۲] شیخ برہان الدین غریب نے ۷۲۰ھ میں برہان پور کے آباد ہونے کی پیشین گوئی کی تھی۔ اُن کے خلیفہ زین الدین داؤد شیرازی سے وہاں کا والی نصیر خان فاروقی بیعت تھا جس نے یہ شہر آباد کیا تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کہتے ہیں ؎

بنام اشرفِ برہانِ دیں غریب نمود!   نصیر والیِ کشور، بنائے برہان پور!

تفصیل کے لیے دیکھیں "برہان پور کے سندھی اولیاء" مرتبہ مولانا مطیع اللہ راشد، سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۷ء)

[۳] آپ بدخشاں میں ۹۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور آگرہ میں ۱۰۵۸ھ میں وفات پائی۔ پہلے آپ حضرت خواجہ باقی باللہ سے مستفیض ہوئے، پھر حضرت مجددِ الف ثانی سے ہوئے۔ برہان پور ۱۰۱۸ھ میں لوگوں کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اس کتاب کے مصنف یعنی محمد ہاشم کشمی آپ کے داماد تھے ۱۲

دامن سے وابستہ رہا اس مدت میں جو فوائد آپ سے حاصل ہوئے اور جو انوار اس آفتاب عالم
تاب سے مجھ شکستہ خاطر کے دل کے روزن میں جاگزیں ہوئے
ان کی تشریح بیان سے باہر ہے ؎

اگر رواں رواں میرا زبان بن جائے نہ ہوگا شکر ادا ان کی اس عنایت کا

ہرچند کہ آپ کے نام نامی کی تصریح کرنے سے وفورِ ادب، مانع ہوتا ہے لیکن (یہ بھی حقیقت ہے کہ، اس تصریح کے بغیر، قلم کی زبان کو مٹھاس اور حلاوت بھی تو نہیں ملتی اور اس گفتگو کے حسن کو زینت میسر نہیں ہوسکتی اور نہ اس سلسلے کے دیوانے کے دل کو آرام مل سکتا (یعنی مصطفٰے اپنے اس اسم کے ساتھ جس کی حضرت عیسیٰ نے بشارت دی) آپ کا لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات ہے۔ آپ کا مذہب وہی ہے جو امام الائمہ نعمان بن ثابتؒ کا مذہب ہے۔ آپ کا شیوہ تمکین وثبات، آپ کی نسبت فاروقی ہے۔ اسی لئے آپ کی نظر زہر متصب کیلئے تریاق ہے آپ کا مشرب نقشبندی ہے اور آپ کے کرم سے ارباب ارادت کے دلوں سے غیر اللہ کے نقوش محو ہوجاتے ہیں۔

آپ کی اصل کابل اور غزنہ سے ہے اور جائے پیدائش اور وطن سرہند ہے۔ مرقد مبارک بھی اسی شہر میں ہے جو روشن نور کا محل ہے اور آپ کا آستانہ، علم وعمل اور عرفان والوں کا مہبط ہے۔

قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهٗ وَاَفَاضَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ بِرَّهٗ۔

سببِ تالیف

جس زمانے میں یہ فقیر آپ کے قریب آپ کے زیر سایہ رہا کرتا تھا آپ کے فرزندان کبار جو غوث روزگار اور جامع علوم واسرار ہیں اور جن میں سے ہر ایک (صحیح معنی میں) آپ کا خلف رشید ہے اور انشاء اللہ ان کے حالات اس کتاب میں عرض کئے جائیں گے (مدظلہم العالی) مجھ کمترین سے فرمانے لگے کہ جو فوائد تازہ اور معارف بلند آوازہ آپ کے خلوت وجلوت کی مجلسوں میں آپ کی زبان درفشاں سے ہم سب کیلئے فائدے کیلئے صادر ہوا کرتے تھے اور جن کو مکتوبات مبارکہ میں شامل نہیں کیا گیا، مختلف کیفیات، انوار وبرکات اور آپ کے خارق عادات کے ساتھ لکھ ڈالو اور ان کے ساتھ ہی آپ کے پیر بزرگوار قطب زمانہ ویگانہ، شاہباز بلند آشیانہ، وحید العصر، فرید الدہر، منور البواطن، معدن المیامن، سراج العارفین رضی الملۃ والدین مخدومنا خواجہ محمد الباقی الاویسی النقشبندی قدس اللہ سرہٗ کے مقامات بھی شامل کرلو تاکہ ان دونوں

بزرگوں کے مریدوں اور مخلصوں کے لئے یہ حالات مفید ہوسکیں اور تمہارے قلم سے ان کی یادگار قائم ہوجائے۔ چنانچہ اپنی کم استعدادی کے باوجود ان کے حکم کی تعمیل کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا لیکن ابھی اس کتاب کو شروع ہی کیا تھا کہ قسمت کے تقاضے پر مجھے آپ (حضرت مجدد) کے روشن قرب سے دور جانا پڑا[1]، تاہم اس مجبوری سے جو ملامت ہوئی اس کو دفع کرنے کے لئے میں نے زیادہ سے زیادہ کوشش اس کی تحریر کی طرف مبذول کی۔ لیکن ابھی چند اوراق ہی لکھے تھے کہ سانحہ ہائلہ یعنی حضرت مجدد کی رحلت کا واقعہ پیش آیا جس سے ہم سب کا دل پارہ پارہ ہوگیا۔ اس واقعے کے بعد زیادہ ضروری ہوا کہ آپ کے احوال واقوال کے ذکر سے تسلی حاصل کی جائے۔

للمؤلف بہ ماہیے کان گشت محروم از فرات | از کفِ آبے جوید حیات!

چون شد از دست یکے نورِ نظر | از عصا برکف نہد جزعِ بصر

چون نماند مرضعہ پستان طلب | بنہد از انگشت خود پستان بلب

چونکہ شد ساقی وصافہاے خم! | قوتِ مخموراں چہ باشد لائے خم

چوں برول شد ز انجمن شمعِ چگل | بُوئے اُو پروانہ جست از تابِ دل[2]

چونکہ یہ کتاب حضرت ابوالبرکات شیخ احمد کی برکات علیہ کے اظہار کیلئے ہے اور اس کے مقدمے میں آپ کے پیر بزرگوار کے حالات بھی آئیں گے اسلئے اسکا نام برکات الاحمدیہ الباقیہ رکھا گیا اور جہاں جہاں ان دونوں بزرگوں کے کلمات اور نکات مذکور ہوئے ہیں ان کو لفظ برکت کے تحت ظاہر

---

[1] یعنی برہان پور جانا پڑا جہاں ان کے متعلقین تھے۔

[2] وہ مچھلی جو فرات سے محروم ہوگئی وہ ایک ہتھیلی بھر پانی ہی میں اپنی حیات کو غنیمت سمجھتی ہے جب کوئی شخص بینائی سے محروم ہوجاتا ہے تو وہ راستہ ٹٹولنے کے لئے لاٹھی کو غنیمت سمجھتا ہے۔ جب شیر خوار خود دودھ طلب نہیں کرتا تو اس کے منہ میں دودھ بڑھایا جاتا ہے۔ جب ساقی بھی نہیں رہا اور عمدہ شراب بھی نہیں رہی تو شراب پینے والوں کے لئے تلچھٹ ہی رہ جاتی ہے۔ جب انجمن سے شمع چگل (حسین شمع) چلی گئی تو اس کی بُو کو پروانے نے دل کی تڑپ سے حاصل کرلیا۔

کیا گیا ہے اور حرف "ب" اس کی نشانی رکھی گئی ہے اور چونکہ فرشتۂ غیبی سے اس کتاب کا تاریخی نام "هُوَ زبدة المقامات" سننے میں آیا ہے اس لئے اس کا نام زبدة المقامات بھی رکھا گیا ہے اس کتاب کی تکمیل کے بعد امید کرتا ہوں کہ اس سلسلۂ علیہ کے دوسرے (اگلے) بزرگوں کے حالات بھی لکھوں اور وہ حصہ اس کتاب کا پہلا[1] دفتر ہوگا۔ بفضلہ تعالیٰ۔

اس کتاب کو دو مقصدوں (حصوں) اور ہر مقصد کو کئی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

---

[1] یہ حصہ نسمات القدس من حدیقة الانس کے نام سے منسوب ہے۔ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ مکتبۂ عارف حکمۃ، مدینہ منورہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس میں حضرت خواجہ باقی باللہ رح سے پہلے کے بزرگوں کے حالات ہیں۔ فاضل مصنف کے پیر بھائی بدر الدین سرہندی رح نے بھی اسی طرح ان بزرگوں کے متعلق ایک قلمی نسخہ حضرت القدس حصہ اول لکھا ہے لیکن اس حصے میں خواجہ باقی باللہ رح کو بھی شامل کر لیا ہے اور دوسرے حصے میں صرف حضرت مجدد کے حالات ہیں نسمات القدس کا ایک قلمی نسخہ حضرت ضیاء المشائخ کے یہاں کابل میں تھا۔ حضرت القدس کے دونوں حصوں کا ترجمہ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ سے شائع ہو چکا ہے۔ نسمات القدس بھی عنقریب شائع کر رہے ہیں۔

مقصد اوّل

آپ کے پیر بزرگوار خواجۂ عالی شان سراج العارفین رضی الملۃ والدین خواجہ محمد الباقی قدس اللہ سرہ العزیز، فرزندان اور خلفاء کے حالات میں۔

اس مقصد اوّل میں چار فصلیں ہیں:-

فصل اوّل

حضرت کے احوال شروع سے لے کر فیروز آباد دہلی میں سکونت تک اور وہاں طالبوں کی ہدایت وارشاد۔ حضرت خواجہ کے والد بزرگوار قاضی عبدالسلام[۱]، ارباب فضل وصفا میں سے تھے اور آیۂ کریمہ فلیضحکوا قلیلا و لیبکوا کثیرا (پس ان کو ہنسنا کم چاہیئے اور رونا زیادہ چاہیئے) کے مصداق نہایت رقیق القلب تھے۔ حضرت خواجہ کی ولادت کابل میں ۹۷۱ھ یا بقول دیگر ۹۷۲ھ میں ہوئی تھی۔ بچپن ہی سے بزرگی کے آثار آپ کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ آپ کی بلند ہمتی اور خداشناسی آپ کے چہرے ہی سے ظاہر ہوتی تھی۔ ان ایام میں کبھی کبھی دن بھر خاموشی میں وقت گزارتے تھے۔ علوم رسمیہ میں آپ نے مجمع فضائل مولانا صادق حلوائی کی شاگردی اختیار کی یہ اپنے زمانے میں بہت بڑے علماء میں سے تھے۔ مولانا کے ساتھ آپ کابل کے ماوراء النہر بھی گئے تھے اور تھوڑی سی مدت ہی میں آپ نے اپنی فطری صلاحیت سے اپنے استاد سے اس قدر استفادہ کیا کہ اپنے اقران وامثال کے درمیان امتیاز خاص حاصل کر لیا اور فضائل میں بہرہ پایا۔ اگرچہ ابھی تکمیل علوم ظاہری کچھ باقی تھی کہ سلوک میں قدم رکھا۔ لیکن اپنی فطری ذکاوت اور عقل و دانائی کی رسائی سے بہت کچھ فضیلت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ آپ کے مخلصوں میں سے ایک صادق القول شخص نے بتایا کہ ایک دن آپ کا ایک خادم ایک فاضل کی محفل میں حاضر تھا اور اس وقت آپ نے علوم رسمیہ کی تحصیل ابھی ابھی ترک کی تھی اور جذبات الٰہیہ کی کثرت کا آغاز

---

[۱] حضرات القدس (از بدر الدین سرہندی) دفتر اول میں قاضی عبدالسلام کو خلجی سمرقندی قریشی لکھا ہے۔

تھا۔ اس فاضل نے کہا کہ اگر حضرت خواجہ رح چند روز اور رہ کر علوم کی تحصیل کر لیتے اور مولویت کی تکمیل کر لیتے تو بہت خوب ہوتا۔ حضرت خواجہ رح نے کہا کہ اگر مولویت کی تکمیل سے یہ مراد ہے کہ کتب متداولہ جو مشکل ہیں کما حقہٗ مطالعہ کی جاسکیں اور ان سے استفادہ کیا جا سکے تو میں بلادعویٰ عرض کر سکتا ہوں کہ جس کتاب کا سمجھنا دشوار کہا جاتا ہے میرے پاس لائیں انشاء اللہ اس کے حل میں پوری تشفی کر دوں گا۔ مولانا صادق رح کے شاگردوں میں سے ایک فاضل نے مجھے بتایا کہ جب ہم لوگوں نے جو ان سے تعلق رکھتے تھے یہ سنا کہ حضرت خواجہ نے تحصیل علوم چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی ہے تو ہم نے آپس میں یہی کہا کہ ہم نے اس جوان ہمت کو خوب دیکھا ہے کہ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں اسے انجام تک پہنچا دیتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ خیال کیا تھا۔ الغرض حضرت خواجہ رح تحصیل علوم کے زمانے میں بھی سلوک کیلئے جوش مناسبت کی وجہ سے اللہ والوں کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ماوراء النہر بھی آپہنچے تھے جو اہل اللہ حضرات کا مرکز تھا اور وہاں کے بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات کی تھی اور ان سے مستفیض ہوتے تھے۔ بعض مشائخ سے آپ نے توبہ و انابت کی بیعت بھی کی تھی جیسا کہ ہم بلد ان کے کلام ہی سے نقل کریں گے۔ اسی زمانے میں آپ کا گذر ہندوستان میں ہوا جہاں آپ کے عزیز واقارب صاحب جاہ تھے اور جو یہ چاہتے تھے کہ ان کی طرح آپ بھی ارباب عسکر میں شامل ہو کر دنیوی مال ومنال سے خوش حال ہو جائیں۔ لیکن چونکہ آپ کی روزی محض دین کی دولت اور آپ کی تونگری فقط یقین کی پونجی تھی اس لئے ان لوگوں کی کوشش بارآور نہ ہو سکی۔ اور جذبات الٰہیہ کے سلطان نے آپ کو اپنے آستانۂ خلت کی طرف کھینچ لیا اور اس مقام پر پہنچا دیا جہاں کہ پہنچانا تھا جب تقدیر کا تقاضا ہی یہ تھا کہ آپ کو تمام دنیوی تعلقات سے بے نیاز کر دیا جائے اور اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِیْقَت کے مصداق آپ کو مجاز سے حقیقت کی طرف لایا جائے تو آپ کے نازک دل کا ایک ظاہری محبوب کی طرف بھی رجوع کر دیا لیکن جلد ہی اس کے دوری اور مجوری واقع ہوگئی۔ ع

کہ تھا وہ بس اک دانہ اس جال کا

اس زمانے میں آپ ارباب محبت و معرفت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگے اور اللہ پاک کا شکر ہے کہ ان بزرگوں کے احوال کے حصول کا شوق آپ کے دل میں پیدا ہو گیا۔ ایک درویش نے مجھ دل ریش کو

بتایا کہ آپ نے زبانِ دُرفشاں کے فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ جب میں اکابر کی کتابوں میں سے ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ یکایک مجھ پر تجلی کا ورود ہوا اور میں از خود رفتہ ہو گیا اور (اس موقع پر) حضرت خواجہ بزرگ بہاؤ الحق والملۃ والدین (بخاری) قدس سرہٗ کی روحانیت سے تلقین ذکر اور القاء جذبات حاصل ہوا۔ پھر تو میں، سب سے اپنا دامن چھڑا کر ہمہ تن ارباب معنی کے سراغ میں لگ گیا۔

آپ کے مخلصوں میں سے ایک درویش نے جو ہر وقت حاضرِ خدمت رہا کرتے تھے مجھ سے بتایا کہ آپ سالکوں اور مجذوبوں کی تلاش میں، طلب سلوک کی فراوانی سے اس قدر سرگرداں رہا کرتے تھے کہ اس سے زیادہ قوت بشریہ سے ممکن نہیں چنانچہ شہر لاہور میں جبکہ بارش کے موسم میں کیچڑ پانی کی کثرت سے راستہ چلنا دشوار تھا آپ اپنے تن کی نازکی کے باوجود۔ اہل دل حضرات کی تلاش میں راستوں پہاڑوں ویرانوں۔ قبرستانوں اور بیابانوں میں برابر پھرا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے آپ کی رفاقت کے خیال سے چاہا کہ میں اس سیر و سیاحت میں آپ کا ہم سفر بن جاؤں۔ آپ نے بہت منع فرمایا لیکن میں باز نہ آیا اور آپ کے ساتھ چند مقامات پر آپکے پیچھے پیچھے گیا۔ وہاں کیچڑ پانی اس قدر تھا کہ میں تھک گیا اور پیروں میں درد ہونے لگا۔ لیکن شرم اور ادب کی وجہ سے کچھ عرض نہ کر سکا۔ پھر آپ نے خود ہی اس بات کا اندازہ کر لیا اور مجھے واپس کر دیا۔ پس میں سمجھا کہ آپ کسی اور پیروں سے اس بھاگ دوڑ میں لگے ہوتے ہیں۔

ع یہ سیاحت نہیں کر سکتے مگر دیوانے

آپ سے تعلق رکھنے والے ایک اور درویش نے بتایا کہ لاہور کے باغوں اور قبرستانوں کے اطراف میں ایک عجیب احوال والا مجذوب رہا کرتا تھا۔ آپ کو اس کے احوال سے واقفیت ہوئی تو آپ برابر اس کے پیچھے جانے لگے اور وہ جب آپکو دیکھتا تو گالیاں دیتا اور کبھی آپ کو پتھر مارتا اور کبھی آپ سے ناراض ہو کر دوسری جگہ چلا جاتا۔ لیکن آپ (اس روحانیت کی) طلب کی وجہ سے اس نفرت اور وحشت کے باوجود اس سے منہ نہ موڑتے تھے۔ ع

کھا کے پتھر بھی کبھی مے سے نہ منہ کو موڑا

یہاں تک کہ ایک روز وہ دیوانہ جو حقیقت میں فرزانہ تھا مہربان ہوا اور آپ کو اپنے قریب بلوایا۔ اور آپ کے مقصد کی کامیابی کے لئے توجہ اور دعا کی اور اس کی دعا سے آپ کو بہت کچھ فائدے حاصل ہوئے۔

اسی وجہ سے آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ "اگرچہ ہم نے بعض اہل اللہ کی طرح ریاضات شاقہ نہیں کی ہیں لیکن بہت انتظار اور زیادہ قلق سے واسطہ پڑا ہے جو ریاضتوں اور سختیوں پر مشتمل ہیں۔" اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "جب میری والدہ ماجدہ میری سخت بے قراری، بیداری اور غلبۂ ناتوانی و بیزاری کو دیکھتیں تو بہت زیادہ آزردہ اور شکستہ دل ہو جاتیں اور بارگاہِ الٰہی میں بہت عجز و نیاز کے ساتھ دعا کرتیں کہ اے پروردگار، میرے اس بچے کو جو تیری طلب میں سب سے پھر گیا ہے اور اپنی جوانی کی لذتوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا ہے کامیاب اور بامراد فرما دے۔ یا پھر مجھے ہی اٹھا لے کہ میں اس کی ناکامی اور بے آرامی کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ اور ایسا بہت ہوا ہے کہ وہ راتوں کو اور تہجد کے وقت اس طرح بارگاہِ الٰہی میں مناجات کرتی تھیں۔ چنانچہ ان کی دعا اور التماس سے مجھے کشائش حاصل ہوئی۔ اللہ پاک ان کو جزائے خیر دے۔"

مخفی نہ رہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ سید خاندان سے تھیں اور قانتات و صالحات میں سے تھیں اور ہمیشہ بارگاہِ خداوندی میں عجز و نیاز اور شکستگی و التجا میں مصروف رہتی تھیں اور فقراء کی خدمت میں شغف رکھتی تھیں۔

آپ کے بعض ثقہ مخلصوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس خدمت گزار نوکرانیاں کئی تھیں لیکن فقراء کی خدمت آپ خود کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ روٹیوں کا تنور آپ خود لگاتیں اور ہانڈی بھی آپ ہی تیار کرتیں۔ بلکہ کھانا بھی خود ہی تقسیم کراتیں۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا کہ سب کھانا تقسیم کرا دیتیں اور خود ایک خشک لقمے پر اکتفا کرتیں۔ اور اکثر روزے پر آرام فرماتیں۔ ایک دن حضرت صاحب نے اپنی والدہ ماجدہ کے ضعف اور ناتوانی کو دیکھ کر عرض کیا کہ آپ کھانے پکانے کا کام کسی دوسرے کے سپرد فرما دیں تو آپ بہت زیادہ گریہ وزاری کرنے لگیں اور فرمانے لگیں کہ معلوم نہیں، مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے کہ حق سبحانہٗ مجھے اس خدمت سے محروم فرمانا چاہتا ہے۔ مجھ عاجز کا تو صرف یہ کام تھا کہ میں تمہارے لئے درویشوں کیلئے کھانا پکا دیتی تھیں۔ تو اب یہ کام بھی مجھ سے نہیں لیا جائے گا۔ والدہ ماجدہ نے یہ بات انتہائی انکسار اور رعایت ادب کی وجہ سے حضرت صاحب پر ظاہر نہیں کی لیکن حضرت صاحب کو خود ہی اس اضطراب کا اندازہ ہو گیا اور انہوں نے یہ سابقہ کام آپ ہی کے پاس رہنے دیا۔ اللہ پاک مخدومہ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

غرض کہ ہمارے حضرت صاحب سالکوں اور مجذوبوں کی بڑی جستجو کیا کرتے تھے اور ایسے پاک دل لوگوں کو شہروں میں ڈھونڈ نکالتے تھے اور ان کے فیض حاصل کرتے تھے۔ سیاحت کے زمانے میں آپ ایک عظیم بزرگ کی خدمت میں پہنچے اور چاہا کہ ان سے اخذِ طریقہ کریں اور سلوک کی فضیلت حاصل کریں۔ اس مقصد کیلئے آپ نے استخارہ کیا تو (استخارہ میں) حضرت خواجہ محمد پارسا[1] قدس سرہ العزیز ظاہر ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ حاصل سلوک یہ ہے کہ تہذیبِ اخلاق پہلے حاصل ہو اور جب یہ دولت مل جائے تو پھر سلوک حاصل کرنا۔

آپ نے خود ہی اپنے حالات کی ابتدا کے بارے میں لکھا ہے کہ توبہ و انابت اوّل حضرت خواجہ عبید کی خدمت میں میسر ہوئی[2]۔ لیکن خیالِ رجوع (الی اللہ) اور عزمِ ترک (معاصی) باطن میں تھا۔ اور

---

[1] خواجہ محمد پارسا (بخارا میں ۷۴۹ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں ۸۲۲ھ میں وفات پائی۔

[2] خواجہ باقی رحمہ نے اپنے یہ حالات جہاں لکھے گئے ہیں ان کا حوالہ نہیں مل سکا۔ البتہ آپ کے رقعات میں پہلا رقعہ اسی طرح لکھا ہے۔ یہ عاجز اگست ۱۹۶۹ء میں کابل گیا تو حضرت نور المشائخ کے کتب خانے میں ایک رسالہ "مشائخِ طرقِ اربعہ" دیکھا جس کے متعلق وہاں مشہور ہے کہ اسے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے نقل فرمایا تھا۔ اس میں یہ ذکر اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"انتساب این داعی کمینہ محمد الباقی باین خانوادہ علیہ چنان است کہ این کمینہ خرقہ پوشیدہ و مصافحہ کردہ و اجازۂ تامہ عامہ و ارشاد یافتہ از حضرت مرشد علی الاطلاق و غوث الآفاق فی المشارق والمغارب بالاستحقاق مخدومی مولانا خواجہ اسحٰق قدس سرہٗ۔ و ایشان از دو جا اجازہ و نسبت ارشاد یافتہ اند۔ اوّلاً از والد خود حضرت قطب الاقطاب مولانا خواجگی کاسانی الدہبیدی قدس سرہٗ۔ بعد از ان از خلیفۃ الخلفائے ایشان حضرت مولانا لطف اللہ قدس سرہٗ لتہم ... نیز بودہ اند بحضرت مولانا خواجگی۔ و حضرت مولانا لطف اللہ قدس سرہ از حضرت مولانا شاہ ... مرغیلانی کہ از خلفائے حضرت خواجہ احرار اند اوّلاً نسبت درست کردہ مجاز شدہ بودند۔ بعد از ایشان بحضرت مولانا محمد قاضی پیوستہ۔ از ایشان نیز مجاز گشتند و بعد از ایشان بحضرت مخدومی مولانا خواجگی نیز بیعت کردہ اند و خدمات و ایثار ہائے بے نہایت مالی و نفسانی بتقدیم

التماسِ فاتحہ ظاہر میں خواجہ عبید قدس سرہٗ سے تھی جو مولانا لطف اللہ کے خلفاء میں سے تھے اور مولانا لطف اللہؒ خلیفہ تھے مولانا خواجگی دہبیدی علیہ الرحمہ کے۔ لیکن مجھے توفیق استقامت (اس وقت) حاصل نہ تھی تو میں نے دوسری بار توبہ وانابت افتخار شیخ کی خدمت میں کی۔ وہ سمرقند میں تشریف رکھتے تھے اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے خاندان میں سے بڑے بزرگ تھے۔ اگرچہ کہ آپ (افتخار شیخ) میری توبہ وانابت پر رضامند نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "تم ابھی جوان ہو" لیکن میرا ارادہ پختہ تھا تو مجبوراً انہوں نے فاتحہ پڑھی اور فرمایا، "خدا استقامت عطا فرمائے"۔ آخر کار آپ کی فراست صحیح ثابت ہوئی اور اور میری عزیمت ڈانواڈول ہو گئی۔ اور اب بغیر نصنع اور اختیار کے، میں نے حضرت امیر عبداللہ بلخی مذظلہ سے تجدید توبہ وانابت کی۔ اور مصافحہ کرتے ہی نعمت غیر مترقبہ حاصل ہوئی۔ (اللہ کے فضل سے) امید ہے کہ اس کی برکات تا قیامت قائم رہیں گی۔ القصہ کچھ عرصے تک نگاہ داشتِ حدود کی گئی لیکن بتاثیر اسم المضل کی پھر سد راہ ہوئی۔ آخر میں اللہ پاک کی عنایت وہدایت سے خواب میں خواجہ بزرگ بہاؤالحق والدین کی توبہ وانابت پھر میسر ہوئی اور اہل اللہ کے طریقے کی طرف میلان پیدا ہوا اور مطابق اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ ۔ (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے) میں نے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارے۔ پھر بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل تعلق رکھتا ہے وہی سودمند ہے۔ چنانچہ یہ آرزو ہوئی کہ اسی بزرگ سے ذکر ومراقبہ کا طریقہ حاصل کیا جائے۔ پس دو سال تک اس بزرگ کے سلسلے والے ذکر ومراقبہ اور اوراد میں لگا رہا۔ اور میں کہیں سن چکا تھا کہ جب تک سالک قریب

رسانیدہ اند۔ پس ازاں جہت حضرت مولانا خواجگی قدس سرہٗ ایشان را صدیق خلفا۔ وقائم مقام مطلق خود خواندہ اند۔ پس معلوم شد کہ حضرت مولانا خواجگی وحضرت مولانا لطف اللہ را انتساب واجازہ از مولانا محمد قاضی است وایشان را از خواجہ احرار است۔ اعنی حضرت ناصر الملۃ والدین خواجہ عبید اللہ وایشان را اجازہ وانتساب بحضرت مولانا یعقوب چرخی است وایشان را بخواجہ بہاء الحق والدین النقشبندیہ است . . .

چالیس سال تک لا الٰہ کے میدان کو طے نہیں کر لیتا وہ الا اللہ کی منزل تک نہیں پہنچتا۔ اور میری سادہ لوحی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جتنا وقت ذکر و مراقبے میں لگ سکے بہت غنیمت ہے اور اسی صورتِ عبادت میں قناعت چاہیئے۔

گو کہ اس طرح کے بیان میں دیگر سلوک کے طریقہ سے متعلق غیبی اشارات ظاہر ہوئے تھے۔ لیکن میں نے پائے استقامت کو جنبش نہیں دی اور اس سلسلے کے بزرگوں کی زمین کرم ہی میں اوقات کا فِیْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ (جس کی خواہش نفس کرتا ہے) کے مطابق کاشت کیا۔ اور اللہ پاک سے امید ہے کہ انشاء اللہ اس تخم کو مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ (جس کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کان نے سنا یعنی جنت کی نعمتیں) کے چشمے سے سیرابی حاصل ہوگی۔ آخر میں کشمیر پہنچا اور حضرت شیخ بابا تے والی قدس اللہ سرہٗ العالی کی خدمت میں ان کی نظر فیض اثر کی برکات سے بہرہ مند ہوا۔ الحمد للہ کہ وہ نظر و توجہ بھی قبولیت کے لئے فتح یاب ثابت ہوئی۔ چونکہ آپ سلسلہ عَلیّہ نقشبندیہ سے پیرِ مجاز تھے اس لئے اس فقیر کی استعداد کے مطابق آپ کے آستانے سے نفحاتِ ربانیہ حاصل ہوئیں پھر آپ کی وفات کے بعد حضراتِ خواجگان کی عینیتِ معہودہ کا ظہور ہوا۔ اور ان بزرگواروں کی ارواحِ طیبات سے بشارات شروع ہوئیں اور انہوں نے تلقینات فرمائیں پس ان کی توجہ کی برکت سے اس نسبت میں قوت پیدا ہوگئی اور دائرہ عینیّت میں وسعت ہوئی۔ راستہ زیادہ روشن ہوا اور فی الجملہ جمعیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کی عنایت کی کشش نے مجھے مخدومی حقائق پناہی، ارشاد دستگاہی حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور آپ ہی کے ہاتھ پر بڑی رغبت اور شغف کے ساتھ بیعت کی اور خواجگانِ نقشبندیہ کا طریقہ اخذ کیا اور حضرت کے طفیل میں اور حضرت خواجہ نقشبند اور ان کے خلفاء کی ارواحِ طیبات کے طفیل میں اس راہ کے افتادگان اور نیازمندان میں داخل ہوا۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

آپ کے اس کلام اور آپ کے احوال سے جس کا ہم نے تھوڑا سا ذکر کیا ہے، نیز آپ کے ان

لہ سورۃ الزخرف (۷۱)

اشعار سے (ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اویسی تھے)

خصوصاً کاشف راز نہانی ۔۔۔ ابو القاسم چراغ گورگانی
کہ بودے در جہان نام اویش ۔۔۔ کہ باشد شربِ از جام اویش
کیم من کیں ہوس گیرد دماغم ۔۔۔ نیابد نورِ این سودا چراغم
زبانم زیں تلفظ گرچہ بندا ست ۔۔۔ سرم بیخواست صید این کمند است [۱]

(ان اشعار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ) آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خواجہ بزرگ بہاؤ الحق والدین (بخاری) اور ان کے خلفاء رضی اللہ عنہم کی روحانیت سے (براہِ راست) تربیت پائی تھی اور ان بزرگواروں کی نظرِ عنایت سے حصولِ کمال کیا تھا۔ لیکن چونکہ بغیر پیر ظاہر کے چارہ نہیں اس لئے آپ نے ماوراء النہر جا کر مولانا خواجگی امکنگی رح سے خلافت مجاز حاصل کی۔

ایک اہلِ دل اور سچے بزرگ نے جو اس وقت موجود تھے مجھ سے بتایا کہ ایک دن جبکہ حضرت خواجہ رح ہندوستان سے ماوراء النہر روانہ نہیں ہوتے تھے لاہور میں ایک مسجد میں نماز فریضہ کیلئے تشریف لاتے۔ نماز پڑھتے وقت یکایک آپ کے سینے سے ایک مہیب آواز نکلی جس سے تمام نمازی حیرت میں ہو گئے۔ نماز کے بعد حضرت خواجہ رح بہت جلد مسجد سے باہر چلے گئے۔ اس کے بعد آپ دو تین قریبی تعلق والوں کو جمع کر کے اپنی قیام گاہ پر ہی جماعت سے نماز پڑھنے لگے۔ اسی بزرگ نے یہ بھی بتایا کہ میں بھی اُن مخصوص مقتدیوں میں سے تھا اور میں نے ایک دن نماز کے دوران میں دیکھا کہ حضرت خواجہ رح کا رُخ قبلہ کی طرف ہے لیکن ہماری طرف بھی آپ کی نظریں تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر میں کانپنے لگا اور لرزتے ہوئے بڑی مشکل سے نماز پوری کی اور جو کچھ میں نے دیکھا تھا حضرت کی

---

[۱] کلیات باقی رح مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء صفحہ ۲۲۵ - ۲۲۶ دیکھیں۔

خدمت میں عرض کیا تو آپ مسکرانے لگے اور اس واقعے کے اظہار سے منع فرمایا۔

راقم (محمد ہاشم) کہتا ہے کہ ان دو واقعات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کس قدر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت اور مناسبت سے سرفراز تھے، خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مروی ہے کہ آپ کے سینۂ انور سے نماز کے وقت اس قدر جوش ظاہر ہوتا تھا کہ ایک میل تک سنائی دیتا تھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بھی تھا کہ آپ نے ہمیشہ پیچھے کو بھی اسی طرح دیکھا ہے جیسا کہ سامنے کی طرف دیکھتے تھے اور یہ خصوصیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ وقت حاصل تھی اور امت کے کسی بزرگ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال پیروی کی وجہ سے اگر نماز میں جو کہ معراج مومن ہے کبھی یہ بات حاصل ہوئی تو کوئی محال بات نہیں، کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کی وجہ سے آپ کے تمام کمالات کا پرتو متبع پر ضرور پڑتا ہے۔

حضرت خواجہ رح ان حالات و کمالات، نیز طالبوں کے رجوع کے باوجود، اپنی عالی ہمتی اور تفرید پسندی کی برکت سے (ابھی) مسندِ مشیخت پر نہیں بیٹھے، بلکہ ماوراء النہر، بلخ اور بدخشان کی سیاحت کے لئے تشریف لے گئے تاکہ اس سلسلۂ علیّہ کے اور دوسرے سلسلوں کے صاحبان رشد و ہدایت سے نیاز حاصل کریں اور ان سے مستفیض ہو کر تصحیح احوال کریں۔ اسی سیاحت میں آپ مولانا سیر علی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے حاصل کردہ احوال عرض کر کے ان سے مستفیض ہوئے۔ چنانچہ مولانا کے ذکر میں کتاب نسمات القدس میں اس کی تفصیل آئے گی۔

اس کے بعد آپ سمرقند روانہ ہوئے اور راستے سے بعض احباب کو ہندوستان خط لکھے جو آپ کے مجموعہ مکتوبات میں موجود ہیں اور ان کے شروع میں یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

من از محیطِ محبت خبر ہمی بدہم — کہ استخوان عزیزاں بساحل افتادہ ست[۱]
تمہیں ہیں عشق کے دریا کی دے رہا ہوں خبر — ابھی تو ہڈیاں پہنچی ہیں اپنی ساحل تک

ابھی آپ ماوراء النہر کے ایک شہر میں تھے کہ حضرت مولانا خواجگی امکنگی رح قدس سرہ ایک واقعے

---

[۱] ایسا مکتوب نمبر ۵۷ ہے جو کلیات باقی رح (لاہور ۱۹۶۷ء) میں صفحہ ۱۲۱ میں ہے۔

میں ظاہر ہوئے اور فرمایا اے فرزند! میری آنکھیں تمہاری راہ تک رہی ہیں۔ آپ اس بات سے بہت خوش ہوئے اور یہ شعر عرض کیا ؎

می گذشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں — عالم آشوب نگاہے سرِ راہم بگرفت

تھا ہر اک فکر سے آزاد کہ اک دم آکر — اک ستم گر نے مجھے راہ گذر میں روکا

مولانائے موصوف اس وقت اور اس دیار میں اس سلسلۂ نقشبندیہ عَلیہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ معمر تھے اور خواجۂ بزرگ (بہاؤالدین نقشبند بخاری رح) کے طریقۂ خاصہ میں پہاڑ کی طرح مستقیم تھے۔ آپ کا نسب صرف دو واسطوں سے حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رح تک[1] پہنچتا ہے یعنی آپ اپنے والد ماجد مولانا درویش محمد رح سے بیعت تھے اور وہ اپنے ماموں مولانا محمد زاہد وخشواری رح سے بیعت تھے جو قطب الاخیار خواجہ عبیداللہ احرار رح کے مرید تھے۔ اور چونکہ امید ہے کہ (انشاءاللہ) عنقریب ان بزرگواروں اور انکے خلفاء کے احوال بعون اللہ تعالیٰ اپنی کتاب نسمات القدس میں مفصل لکھوں گا۔ اسلیئے یہاں اسی قدر حالات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ بہر حال جب حضرت خواجہ رح، مولانا خواجگی امکنگی رح کی خدمت میں پہنچے تو آپ پر بڑی عنایتیں اور شفقتیں فرمائی گئیں حضرت مولانا نے آپ کے حالات معلوم کرکے مسلسل تین دن تین رات تک اپنے پاس خلوت میں رکھا اور بعض زائد فوائد سے مطلع فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ۔ اس سلسلۂ عَلیہ کے اکابر کی دی ہوئی تربیت سے تمہارا روحانی معاملہ انجام کو پہنچ گیا ہے اور اب تمہیں چاہیئے کہ ہندوستان واپس چلے جاؤ تاکہ یہ سلسلہ عَلیہ تمہاری وجہ سے وہاں خوب رونق حاصل کرے اور وہاں تمہاری تربیت سے لوگ استفادہ کر سکیں۔ حضرت خواجہ رح نے بہت کچھ انکسار و عجز ظاہر کیا اور اپنی کوتاہیاں ظاہر کرکے معذرت کی لیکن حضرت مولانا اصرار ہی فرماتے رہے۔ پھر مولانا نے اس بارے میں استخارہ بھی کیا جو موافق آیا۔ حضرت مولانا کے ایک قریبی عزیز نے بتایا جو اس وقت وہاں موجود تھے، کہ جب حضرت مولانا کے بعض قدیم اور صاحب نسبت خادموں نے سنا کہ حضرت مولانا نے چند

---

[1] خواجہ احرار رح م ۸۹۵ھ۔ مولانا محمد زاہد رح م ۹۳۶ھ۔ مولانا درویش محمد رح م ۹۷۰ھ۔ خواجہ محمد امکنگی رح م ۱۰۰۸ھ۔

رودہی میں حضرت خواجہ کو خلافت اور اجازت کاملہ دے کر ہندوستان کی اجازت دے دی ہے تو انہیں غیرت کی وجہ سے بہت حسد ہوا۔ جب ان لوگوں کی یہ بات حضرت مولانا کو معلوم ہوتی تو فرمایا کہ دوستوں کو علم نہیں کہ اس جوان کو پوری تربیت دینے کے بعد ہی ہمارے پاس بھیجا گیا تھا اور مقصد صرف یہ تھا کہ اس جوان کے احوال کی تصحیح ہو جائے۔ بے شک جو شخص اس حال میں آئے گا تو اس کیلئے ایسا ہی کیا جائے گا۔

پس حضرت خواجہ۔ ہندوستان کے پیاسوں کیلئے آب زلال بن کر اس ملک کی طرف پھر متوجہ ہوئے اور (گویا) زبان حال سے (حافظ رح کا) یہ شعر پڑھا ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند　　زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

ہندوستان کی طوطیاں بولیں گی میٹھے بول　　جب میری مصری جائے گی بنگال کیطرف

جب حضرت خواجہ رح ہندوستان پہنچے تو ایک سال تک شہر لاہور میں رہے اور وہاں کے بہت سے علماء اور فضلاء آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ پھر وہاں سے شہر دہلی تشریف لائے۔ جو دار الاولیاء اور بیت الفقراء ہے۔ یہاں آپ نے قلعۂ فیروزی میں قیام فرمایا جو سر منزل بھی ہے بہت دلکشا اور لب دریا ہے اور وہاں ایک پر عظمت و برکت مسجد بھی ہے۔ وہاں اپنی وفات تک رہے اور پھر کسی جگہ منتقل نہیں ہوئے۔

فصل دوم

یہاں آپ کے خشوع و خضوع۔ فقر و تصرف۔ فیوض و برکات۔ عبادت و ریاضت وغیرہ پاکیزہ اطوار و صفات کا ذکر کیا جائے گا اور ساتھ ہی آپ کی وفات حسرت آیات کا قضیہ بھی عرض کیا جائے گا۔

حضرت خواجہ رح ہمیشہ اپنے باطنی احوال کو چھپاتے تھے اور تنہائی پسند تھے اور انکسار کی وجہ سے اپنی کوتاہیوں پر برابر نظر رکھتے تھے، یہی آپ کا نصب العین تھا اور آنے والے کی خواہش اور سوال کرنے والے کے جواب ہی پر آپ گفتگو فرماتے تھے اور وہ بھی صرف ضرورت کے مطابق ہوتی تھی۔ لیکن اگر کوئی مسئلہ نازک اور باریک ہوتا اور وہ سلسلۂ علیہ سے تعلق رکھتا تو پھر

مجبوراً اس کو تفصیل سے سمجھاتے تاکہ پوچھنے والے کو تشفی ہو جاتے۔ یہ بات بھی آپ کے دفور شفقت کی وجہ سے تھی تاکہ سائل کو کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ اور آپ آنے والے کے ساتھ اپنی سنجیدگی کے باوجود بہت بشاشت سے ملتے اور مسلمانوں کے تمام جائز مقاصد کے لئے خود کو ہمیشہ پیش پیش رکھتے اور کبھی کوتاہی نہ فرماتے۔ سادات کی تعظیم اور علمار کی تکریم میں بہت مبالغہ فرماتے تھے۔ ورع و تقویٰ والے فقہا سے بعض مسائل کی جزئیات اور کلیات کے لئے رجوع فرمانے میں تکلف نہیں فرماتے تھے۔ جب کوئی طالب آپ کے پاس آتا تو اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری ظاہر کرکے خود کو ایسے کام کا اہل نہ بتاتے اور عذر و معذرت کرتے اگر طالب صادق ہوتا اور آپ کے خوانِ بخشش سے مستفیض ہونے والا ہوتا تو وہ آپ کے انکسار سے آپ کے علوِ منزلت کو پہچان لیتا اور خود کو آپ کے آستانے سے لگا دیتا۔ گویا زبان حال سے یوں کہتا ہے (لمؤلف)

ازیں در نہ داریم روئے گزر	اگرچہ از دو عالم گزر کردہ ایم
بیان نمکہائے ایں میگسار	حوالہ بریش جگر کردہ ایم
نہ جائیں گے اس در کو ہم چھوڑ کر	کہ ہم ہیں دو عالم کو دیکھے ہوئے
نمک سب جو اس میگساری میں تھے	وہ زخم جگر کے حوالے ہوئے

جب آپ طالب کی طلب کو بہت پختہ دیکھتے تو پھر اس کو اپنی آغوش عنایت اور اپنے گوشۂ تربیت میں جگہ دیتے کہا جاتا ہے کہ خراسان کا ایک جوان مدت تک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کے مزار فائض الانوار میں حاضر رہا اور ان کی روحانیت سے ایک پیر کامل کا طالب ہوا جو زندہ ہو۔ جب ہمارے خواجہ صاحب دھلی پہنچے تو حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ نے اس جوان کو واقعے میں فرمایا کہ طریقہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ ابھی دھلی پہنچے ہیں تم ان سے فیض حاصل کرو۔ اس حکم کے مطابق وہ جوان آپ کی خدمت میں پہنچا اور وہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مسکین اس قابل نہیں وہ کوئی اور بزرگ ہوں گے (جن کے متعلق فرمایا ہے) آپ نے انتہائی عاجزی کے ساتھ معذرت کی، تو وہ جوان واپس چلا گیا۔ دوسری رات حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ بزرگ وہی ہیں جن کی خدمت میں تم گئے تھے اور انہوں نے اس قدر

انکساری میں فرمائی تھی۔ آخر وہ جوان دوسرے دن پھر حاضر ہوا اور اب واپس نہیں ہوا۔ اور قبولیت حاصل کی اور اس نے دیکھا جو دیکھنا تھا۔

بسا اوقات آپ اپنی انتہائی انکساری کی وجہ سے بھی جو صادق العقیدہ اور صحیح الاحوال تھے اور برابر حاضر خدمت رہتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ یہ ناکارہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ تم خیال کرتے ہو۔ دوسری جگہ بھی جستجو کرو اور اگر کوئی صحیح راہنما ڈھونڈ نکالو تو مجھے بھی اطلاع دو، تاکہ میں بھی ان کی خدمت میں حاضری دوں اور اپنے زخم کا مرہم حاصل کروں۔

راقم الحروف نے خواجہ حسام الدین احمد[1] سلمہ اللہ کی زبانی سنا ہے کہ ان سے بھی حضرت خواجہ نے اسی طرح فرمایا ہے اور جب آپ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو پھر تعمیل نہ کرنا خلاف ادب سمجھ کر میں آگرہ گیا اور وہاں پہنچ کر بہت حیران و پریشان ہوا کہ کیا کروں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب مجھے آپ کے آستانے پر حاضر ہو کر عرض کرنا چاہیئے کہ میں نے تعمیل حکم کر دی اور جیسا شخص کہ آپ نے فرمایا تھا مجھے نہیں ملا۔ اسی موقعہ پر میں ایک راستے سے گزر رہا تھا کہ ایک جگہ سے ایک دلکش آواز سنائی دی۔ جب میں نے غور سے سننے کی کوشش کی تو قوالوں کی زبان پر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر تھا۔

تو خواہی آستیں افشان و خواہی دامن اندر کش   مگس ہرگز نہ خواہد رفت از دکانِ حلوائی

تم اپنی آستیں جھٹکو کہ دامن موڑ لو اپنا   نہیں جائے گی مکھی چھوڑ کر دکان حلوائی

یہ شعر سن کر میں بے تاب ہو گیا اور دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا جو کچھ کہ دیکھا تھا اور سنا تھا ایک اور وقت کا ذکر ہے کہ ایک فقیر نے لاہور میں آپ کو ایک واقعے میں دیکھا کہ آپ ابلق گھوڑے پر بیٹھے ہوئے جا رہے ہیں اور بکثرت لوگ آپ کے پیچھے پیچھے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ "قطب وقت ہیں"۔ اس واقعے کے بعد وہ فقیر آپ کے آستانے پر پہنچا اور بیعت کے لئے التماس کیا۔ آپ نے وہی عذر (انکساری سے) کیا۔ وہ بیچارہ روتا پیٹتا مسجد میں آیا اور درویشوں کے مجمع میں پریشان خاطر تھا۔ کہنے لگا کہ اے یارو۔ ذرا دیکھو تو کہ یہ کیا انداز ہے کہ انہوں نے

---

[1] خواجہ حسام الدین، حضرت خواجہ باقی باللہ رحہ کے خلیفہ تھے۔ سنہ ۹۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

پہلے تو خود کو مجھے دکھا کر اپنی طرف مائل کر لیا اور جب میں خانہ برباد ہو گیا تو مجھے اب وہ ایسا کہتے ہیں۔ اور مجھے بھگاتے ہیں۔ اب میں بیچارہ کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ اس فقیر نے یہ ماجرا کچھ اس طرح بیان کیا کہ جو لوگ موجود تھے ان میں سے اکثر رونے لگے اور عجیب شور مچ گیا یہاں تک کہ حضرت خواجہ رح کو اس بات کی خبر پہنچی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ شور کیسا ہے تو لوگوں نے عرض کیا:۔ ؎

آپ کی شیریں لبی سے شور ہر گھر میں ہوا

آپ نے تبسم کیا اور اس فقیر کو طلب کر کے ذکر و مراقبہ کی تلقین فرمائی۔

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن   تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

ابر روتا ہے تو ہنستا ہے چمن   بچہ روتا ہے تو بھر آتا ہے دودھ

حضرت خواجہ رح کا طریقہ یہ تھا کہ جس شخص کو بیعت کے لئے قبول فرماتے تو پہلے اس سے توبہ کراتے اور اگر اس طالب میں عشق و محبت کا جذبہ زیادہ دیکھتے تو اسے رابطہ اور نگاہداشت کے طریقہ پر اپنی صورت کا بحقیقتِ جامعہ، امر فرماتے۔ اس طرح یعنی اس احضار اور نگاہداشت صورت سے طالب کو بہت کچھ کشائش حاصل ہوتی۔ چنانچہ خواجہ برہان جو خواجگان دہبیدی رح میں سے تھے اور اپنے بزرگوں سے نسبت اور اجازت حاصل کئے ہوئے تھے۔ آپ کی خدمت میں آتے اور آپ سے مستفیض ہونے کے خواہش مند ہوئے۔ آپ نے ان کو نگاہداشت صورت کے لیے ارشاد فرمایا۔ وہ سخت متعجب ہوتے اور اپنے رفیقوں سے کہنے لگے کہ یہ طریقہ تو ان لوگوں کے لئے مناسب ہے جو اس راہ میں پہلے پہل قدم رکھے۔ حضرت کرم فرما کر مراقبۂ اعلیٰ کے لئے ارشاد فرمادیں تو بہتر ہوتا۔ ان کے دوستوں نے کہا کہ جو کچھ حکم ہوا ہے اس کی تعمیل چاہیئے اور خواہ مخواہ کی فضول باتوں سے احتراز کرنا چاہیئے چونکہ ان (خواجہ برہان) کی عقیدت درست تھی اس لئے وہ نگہداشتِ صورت شریف میں مشغول ہو گئے۔ ابھی دو روز ہی گزرے تھے کہ ان پر نسبتِ عظیم غالب ہو گئی اور غلبۂ شکر اس قدر ہوا کہ باوجود سنجیدگی اور بڑھاپے کے وہ زمین سے قریب دو گز اوپر اچھل جاتے تھے اور ہر طرف دیوار اور درختوں سے خود کو ٹکراتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جوان لوگ جو انہیں پکڑے ہوئے تھے ان کی قوت ان کی نگہداشت کے مقابلے میں ہیچ ہو گئی۔ پھر جو کچھ دیکھا وہ دیکھا۔

لیکن زیادہ تر طالبوں کو آپ ذکرِ قلبی سکھاتے تھے جو اس سلسلے کے بزرگوں کا معمول ہے بہت لوگوں کو ذکرِ نفی و اثبات سکھاتے تھے۔ بعض کو صرف ذکرِ اثبات یعنی ذکرِ ذات جلّ شانہ کی تعلیم دیتے تھے۔ اور آپ کی نہایت قوی نسبت کی وجہ سے بہت سے لوگ محض آپ کے دیدار ہی سے مجذوب اور مغلوب ہو جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک خطیب، منبر پر خطبہ دے رہا تھا کہ آپ کے جمال کو دیکھ کر منبر سے نیچے آ گرا۔ ایک مرتبہ ماہِ رمضان المبارک کی ایک رات کو ہمارے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ایک خادم کے ہاتھ ایک پیالہ فالودہ کا حضرت خواجہ رح کی خدمت میں بھیجا۔ چونکہ وہ خادم ایک پہاڑی آدمی بھولا بھولا تھا۔ حضرت خواجہ کے دروازۂ خاص پر پہنچ کر دروازے کی زنجیر پیٹنے لگا۔ حضرت خواجہ رح نے کسی کو بیدار نہیں کیا اور خود ہی باہر آ کر فالودہ کا پیالہ اس خادم سے لے کر دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے بابا کہا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ تم ہمارے شیخ احمد کے خادم ہو اس لئے ہمارے بھی ہو۔ اس خادم کے واپس ہوتے ہی اس پر شکر اور نسبت کا جذبہ غالب ہو گیا اور وہ روتا پیٹتا، گرتا پڑتا ہمارے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ اس نے بہت جذب و مستی کے عالم میں عرض کیا کہ میں ہر جگہ، شجر، حجر، زمین و آسمان میں ایک بے رنگ نور دیکھتا ہوں جو بے نہایت ہے اور اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ بے شک حضرت خواجہ رح اس بیچارے کے سامنے تشریف لے آئے ہیں کہ اس آفتاب کے سامنے یہ ذرہ کیا ہے؟۔ دوسرے دن حضرتؒ نے پھر اسے حضرت خواجہ رح کے پاس بھیجا تو آپ مسکرانے لگے۔

بروز حشر شہیدان چو خون بہا طلبند
تبسمے کن و خاموش کن زبان ہمہ

طلب کریں جو شہید اپنا خون بہا سرِ حشر — تو مسکرا کے کرو گے سبھی کو تم خاموش

کہا جاتا ہے کہ ایک دن ایک فوجی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ طہارت کے لئے مسجد سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس فوجی کا خادم دروازے کے باہر گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے کھڑا تھا طہارت کے وقت ... کی نظرِ کیمیا اثر اس خادم پر کئی مرتبہ پڑی۔ آپ جب مسجد میں تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ وہ خادم اس قدر جذب اور بیخودی میں مبتلا ہوا ہے کہ گھوڑوں کے درمیان گیند۔

کی طرح لڑھکتا پھرتا ہے۔ شام سے رات کے کچھ حصے تک اسی طرح اضطراب میں رہا۔ پھر یکایک جنونی کیفیت میں وہ بازار کی طرف جا نکلا اور وہاں سے جنگل کی طرف چلا گیا اور اور پھر اس کی کوئی خبر معلوم نہ ہو سکی۔

سیدی و مرشدی میر محمد نعمان سلمہ اللہ نے بتایا کہ میری بچی کی ایک دایہ تھی۔ کئی مرتبہ اس سے کہا گیا کہ آپ کی مرید ہو جائے لیکن اس نے انکار کیا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے اس بچی کو اس دایہ کے ساتھ حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس بچی کو گود میں لے لیا اور پیار کرنے لگے۔ بچی اپنا ہاتھ آپ کی ریش مبارک کی طرف لے گئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بال آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بچی ہم سے ایک یادگار لے رہی ہے۔ اسی زمانے میں آپ نے انتقال فرمایا اور وہ بال ابھی تک تبرک اور یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔ ؎

مرا از زلف تو موئے پسنداست | فضولی می کنم بوئے پسنداست
تیری زلفوں کے بال اچھے ہیں کیسے | مہکتے ہیں وہ (مہکے مشک جیسے)

جب وہ دایہ گھر کو واپس ہوئی تو ابھی ایک گھڑی نہ گزری تھی کہ اس پر مستی و بیخودی کے آثار شروع ہونے لگے اور وہ ان جذبات کو ضبط نہ کر سکی اس لئے شور مچانے لگی اور بے ہوش ہو گئی۔ اور اس کے بائیں پہلو سے حرکت قلبی اس قدر تیز ہونے لگی کہ سبھی لوگوں نے معائنہ کیا۔ ایک عرصے کے بعد اس کو ہوش آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کیا ہوا اور تو نے کیا دیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ ہر گھڑی حضرت خواجہؒ ایک مُہیب صورت میں ظاہر ہوتے تھے یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ سوائے اس کے کہ میں اپنے دل کو اللہ اللہ کہنے والا پاتی ہوں۔ جب حضرت خواجہ رح سے اس کا حال عرض کیا گیا تو آپ نے تبسم فرمایا اور اس کو ذکر کی تعلیم دی۔ وہ صالح خاتون آج کل فیروزآباد میں صاحب حال خواتین میں سے ہے اور میرے حضرت (میر محمد نعمان) کی صاحبزادی راقم الحروف کے گھر میں موجود ہے اور وہ آپ کی نظر کرم کی برکت سے عفت اور حضور والی ہے کیونکہ آپ نے اس کو بعض اہل ذکر خواتین کے سپرد کیا تھا۔

حضرت خواجہ رح انتہائی خلوص اور شفقت کی وجہ سے اپنا طریقہ پوشیدہ رکھتے تھے کہ جس کسی کو تعلیم ذکر فرماتے تھے تو اس دوران اس کے حال اور مال دونوں پر نظر کرم فرماتے تھے اور

نقوشِ کونیہ کو اس کے ادراکِ حقیقت جامعہ کے ساتھ وابستہ کر دیئے تھے۔ اس طرح نقشبندی سلوک اس قدر ظہور پذیر ہوتا کہ اسی وقت اس کی زبان اور دل پر ذکر جاری ہو جاتا اور اس پر حضور اور جذب اس قدر غالب ہو جاتا کہ وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپتا اور بعض تو خود کو کھو کر عالمِ حیرت میں چلے جاتے۔ بعض کو اسی حالت میں عالمِ مثال اور عالمِ ارواح و معانی کے اتصال سے آگاہی ہو جاتی اور برزخ تک بات پہنچتی۔ تاہم آپ صحو و افاقہ کے ہر حال میں انکی تربیت فرماتے اور اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ کے مصداق آپ کا عمل ہوتا اور یہ کرم آپ کا عمومی تھا ایک دن ہمارے حضرت مجدد رح نے ایک تقریب میں فرمایا کہ "دل کا ذاکر ہونا اور جذب کا پیدا ہونا ہمارے حضرت خواجہ رح کی لازمی ابتدائی تعلیم کی برکات میں سے ہے"۔ میں نے عرض کیا کہ سابق بزرگواروں کے یہاں یہ معمول تو نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں ایسا تھا۔ لیکن اس قدر عمومیت کے ساتھ ابتداء میں نہیں ہوتا تھا"۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "جب میں نے حضرت خواجہ سے اس سرِ اختیاری کے شمول و عموم کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس زمانے سے اب تک اہل ارادت کی طلب اور ہمت میں بہت کوتاہی اور فتور تھا اور طالبوں کے حوصلے بھی پست تھے۔ اس لئے بزرگوں کی شفقت اس درجہ تھی کہ بغیر زیادہ مجاہدہ و سعی کے انہیں مقام حاصل ہو جائے اور اس طرح اس طلب کی راہ میں پیدل چلنے والوں کو بھی ایک وسیلہ مل جاتے اور ان کی برودت کو حرارت حاصل ہو جائے" حضرت مجدد رح نے جب یہ حکایت پوری کی تو ایک آہ کھینچی اور یہ دعا اپنی زبان مبارک سے کی کہ "اللہ پاک ہم سب طالبین کی وجہ سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے"۔ حضرت مجدد رح اپنے پیر بزرگوار رح کی قوتِ کاملہ کی طرح خود بھی بہت قوی طور پر افاضہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ کے ایک مخلص نے ایک رسالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ استفاضہ کرے۔ آپ نے دو روز تک اس رسالے کا درس اس کو دیا۔ اسی دوران میں فرمایا کہ "نسبت اس سے بھی زیادہ نزدیک ہے کہ رسالے کے ذریعے حاصل کی جائے":

شفقت و ترحم

حضرت خواجہ رح کی شفقت اور رحمدلی اس قدر زیادہ تھی کہ ایک مرتبہ جب کہ لاہور میں قحط سالی اور عسرت بہت تھی اور آپ اس زمانے میں وہیں تھے تو آپ نے خود بھی کئی دن تک کھانا نہیں کھایا۔ جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو

آپ فرماتے کہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ایک شخص تو گلی کوچے میں بھوک سے جان دے دے اور ہم کھانا کھائیں۔ اور جو کچھ حاضر ہوتا وہ سب کا سب بھوکوں کے لئے بھجوا دیتے اور خود قوتِ روحانی پر جو اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ[1] کی میراث ہے گزار دیتے۔ جب آپ لاہور سے دہلی روانہ ہوتے تو اکثر ایسا ہوا کہ آپ سواری پر سوار ہوتے اور کسی کمزور کو پیدل چلتا دیکھتے تو خود سواری سے اتر کر اس کو سوار کرا دیتے اور خود منزل تک پیدل جاتے اور سر پر چادر ڈال لیتے تاکہ کوئی جاننے والا آپ کے اس عملِ خیر سے مطلع نہ ہو سکے اور جب آپ منزل کے قریب پہنچتے تو اپنے عملِ خیر کو پوشیدہ رکھنے کیلئے پھر سے اس سواری پر سوار ہو جاتے۔ آپ کی یہ شفقت حیوانات پر بھی تھی۔ لوگ بتاتے ہیں کہ ایک روز آپ جب تہجد کیلئے اٹھے ہوئے تھے ایک بلی آپ کے لحاف میں آکر سوگئی۔ آپ صبح تک سخت سردی برداشت کرتے رہے لیکن بلی کو بیدار کرنا پسند نہیں فرمایا۔

خوارق اگر آپ سے کوئی کرامات ظاہر ہوئی ہے تو وہ بھی خلق اللہ پر شفقت اور رحمدلی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مثلاً آپ کی تمام کرامات میں سے صرف تین کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن سے ظاہر ہوگا کہ وہ محض شفقت کے غلبے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی تھیں ورنہ آپ ان کے ظاہر ہونے سے اجتناب فرماتے تھے۔

ایک کرامت یہ ہے کہ دہلی کے ایک فاضل نے ایک لڑکی سے شادی کی لیکن کئی سال تک دوری جیسی رہی۔ دوا اور دعا بھی مفید نہ ہو سکی آپ کی تعریف سن کر آپ کے پاس آیا۔ آپ سواری پر کہیں جا رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آپ سے اپنا حال بیان کیا اور مقصد میں کامیابی چاہی۔ آپ سواری سے اتر پڑے اور زور سے تین دفعہ اس سے معانقہ کیا اور فرمایا کہ جاؤ اس شخص میں پھر تو قوت آگئی اور وہ کامیاب ہوا۔

ایک اور کرامت یہ ہے کہ ایک ضعیفہ کا بچہ تین چار سال کا تھا۔ وہ قلعہ فیروز آباد کی دیوار سے کہ جس کی اونچائی قریب تیس گز ہے اور نیچے پختہ فرش ہے گر پڑا۔ اس بچے کے دونوں کانوں

---

[1] ابیت عند ربی (میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں) وھو یطعمنی ویسقینی (اور وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے) یہ پوری حدیث ہے۔ زیادہ اور متواتر صوم وصلوٰۃ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو منع فرمایا تھا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور آپ بھی تو متواتر رکھتے ہیں۔ پھر آپ نے ویسا ارشاد فرمایا۔

سے خون بہنے لگا اور اس کی سانس رُک گئی۔ اس کی ماں روتی اور تڑپتی ہوئی آپ کی خدمت میں آئی اور بچے کو آپ کے قدموں میں ڈال کر اس کی جان کے لئے ملتمس ہوئی۔ آپ کی جیسی عادتِ شریفہ تھی آپ نے اپنی قوتِ توجہ و تصرف کو پوشیدہ رکھنا چاہا اور طب کی کتاب طلب فرمائی اور فرمایا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچہ انشاء اللہ نہیں مرے گا"۔ حاضرین کو تعجب تھا کہ طب کی ایسی کون سی کتاب ہے کسی کے جینے مرنے کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ پھر آپ تھوڑی دیر خاموش رہے اور وہ بچہ اپنے حال پر آگیا (زندہ ہو گیا) حاضرین سخت حیرت میں تھے۔

آپ کی ایک اور کرامت یہ ہے کہ ایک سپاہی نے مروّت اور فلاح کے جذبہ سے دور ہو کر اپنے پڑوسیوں پر ظلم و ستم ڈھایا۔ آپ نے وہ ظلم دیکھا تو بہت بے آرام ہوئے چنانچہ اس سپاہی کو آپ نے نصیحت فرمائی۔ لیکن نے اس نے اپنی بد بختی کی وجہ سے آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کیا۔ آپ اس مظلوم کی حالت دیکھ کر کمال ہمدردی کی وجہ سے بہت رنجیدہ ہوئے اور اس ظالم سے فرمایا کہ "یہ لوگ ان خواجگانِ بزرگوار کے فقیروں کے قریب میں رہتے ہیں جو بہت غیور ہیں" "خبردار رہنا"۔ آخر یہ ہوا کہ وہ ظالم دو تین روز کے اندر ہی چوری کے الزام میں گرفتار ہوا۔ اور پھر مارا گیا۔

تحمل و بردباری

آپ کے تحمل و بردباری کے متعلق آپ کے خادموں سے میں نے اتنی حکایتیں سنی ہیں کہ کئی دفتروں میں بھی نہیں آسکتیں آپ کے ہمسائیوں میں سے ایک جوان منکرات و ممنوعات کا عادی تھا اور مختلف اقسام کے شر اس سے صادر ہوتے تھے آپ ان کو سنتے تھے اور برداشت کرتے رہتے تھے۔ ایک دن خواجہ حسام الدین سلمہ اللہ کے اشارے پر کوتوال نے اس شریر کو قید میں ڈال دیا۔ جب حضرت خواجہ رحؒ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے خواجہ حسام الدین سلمہ اللہ تعالیٰ کو طلب فرمایا اور ان پر ناراض ہوئے۔ خواجہ حسام الدین نے عرض کیا کہ وہ شخص بہت فاسق اور شریر ہے اور اس کی شرارت بڑھنے والی اور حد سے گزرنے والی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ تم خود کو صالح، باصفا اور نیک سمجھتے ہو اور وہ تم کو بُرا۔ اور بدکار نظر آتا ہے لیکن میں تو کسی طرح بھی خود کو اس سے بہتر نہیں پاتا تو پھر میں کس طرح اس کی بُرائی کا ذکر کر سکتا ہوں؟۔ ایسا فرمایا کہ اس شخص کو قید سے رہائی دلوائی۔ پھر وہ شخص آپ کی شفقت کی برکت سے صالحین میں سے ہوا آپ کا اس درجہ انکسار اور خود کے قصور پر نظر ڈالنا اتنا زیادہ

غالب تھا کہ اگر اتفاق سے کسی طالب سے کوئی برائی ظاہر ہوتی تو آپ مطلع ہونے پر فرماتے کہ یہ محض میری برائی کا اثر ہے اور جس قدر مجھ میں وہ برائی ہوگی اتنا ہی اس پر اس کا اثر پڑے گا ان غریبوں کا اس میں کیا قصور ہے؟ اسی طرح اگر آپ کسی کو منکراتِ شرعی میں مبتلا دیکھتے تو اسے صراحت اور سختی سے منع نہ فرماتے بلکہ نرمی سے اور اشارہ و کنایہ سے سمجھاتے اور اس طرح اس شخص کے دل میں وہ بات بیٹھ جاتی۔ اور صراحت سے شرعی احکام کے لئے آپ اس لئے زور نہیں دیتے تھے کہ خود کو دوسروں سے بہتر نہیں سمجھتے تھے۔

آپ کی مجلس میں ہرگز کسی کی غیبت نہ کی جاتی اور نہ سنی جاتی تھی۔ اور اگر آپ کے سامنے کسی مسلمان کی تحقیر کی جاتی تو آپ فوراً اس کی تعریف و توصیف شروع کر دیتے۔

راقم الحروف ایک روز ایک مسجد میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ وہیں ایک فقیر دوسرے فقیر سے اولیاء اللہ کے طور طریقے کا ذکر کر رہا تھا اسی سلسلے میں اس نے بیان کیا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف ایک ہی ایسا بزرگ دیکھا ہے کہ اس جیسا بے نفس اور بردبار اس زمانے میں کوئی نہ ہو گا۔ پھر اس نے ہمارے حضرت خواجہ رح کا نام مبارک لیا اور بتایا کہ میں ایک وقت حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار پر تھا کہ یکایک خبر ملی کہ حضرت خواجہؒ محمد باقی قدس سرہ تشریف لا رہے ہیں مزار کے خادم نے مزار شریف کے قریب آپ کیلئے ایک تخت بچھا دیا اور اس پر فرش اور تکیہ رکھ دیا۔ لیکن حضرت خواجہ کے پہنچنے سے پہلے ایک آزاد طبیعت والا فقیر آگیا۔ اس نے تخت اور فرش دیکھتے ہی کہا کہ یہ کیا ہے اور کس کے لئے ہے؟۔ لوگوں نے بتایا کہ فلاں بزرگ کے لئے ہے اس فقیر نے بڑی سختی اور گستاخی سے آپ کی شان میں بد کلامی اور تحقیر کی۔ اسی اثناء میں حضرت خواجہؒ تشریف لے آئے لیکن وہ فقیر آپ کی موجودگی میں بھی بہت زیادہ بد کلامی کرتا رہا۔ اور کہنے لگا کہ تم کس لائق ہو کہ تمہارے لئے فرش بچھایا جائے۔ حضرت خواجہ رح کے جتنے درویش اس وقت موجود تھے۔ سخت بے چین ہوتے اور انہوں نے چاہا کہ اس فقیر کو تنبیہ کریں۔ لیکن حضرت رح نے ان سب کو غصے کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو ان کے ارادے سے باز رکھا۔ پھر خود ہی اس بدکلام فقیر سے بہت نرمی سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ تم نے میرے متعلق کہا ہے۔ میں واقعی ایسا ایسا ہی ہوں اور میں کسی لائق نہیں۔ یہ فرش وغیرہ میرے

ایمان اور علم کے بغیر بھلائے گئے تھے۔ مجھے معاف کردو اور میری بدبختی پر اپنا سر نہ کھپاؤ پھر آپ نے اپنی آستین مبارک سے اس کی پیشانی سے اس کا پسینہ پونچھا اور بہت انکساری ظاہر فرمائی۔ پھر چند درہم لے کر اسے دیئے۔ بیان کرنے والے نے مجھے بتایا کہ اس وقت آپ کی طبیعت اور گفتگو میں ذرا سا فرق بھی میں نے نہیں دیکھا اور اس وقت مجھے یقین ہوگیا کہ بیشک نفس ملکی جسے کہا جاتا ہے وہ اسی عالم میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا کہ بعض مخلص امراء آپ کی خدمت میں سیم و زر بھیجتے کہ آپ کی مرضی کے مطابق فقراء کو تقسیم کردیا جائے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفرید و الادگی کے باوجود خلق اللہ پر شفقت فرماتے ہوئے خود ہی مستحقین کو تقسیم فرما دیتے اور اس رقم کے ساتھ اپنے پاس سے بھی رقم شامل کردیتے۔ پھر بھی بعض غلط قسم کے محتاج لوگ آپ پر طعن کرتے۔ آپ کے اصحاب چاہتے تھے کہ ان لوگوں کو منع کریں لیکن آپ اس قدر انکساری کی راہ اختیار فرماتے کہ ان اصحاب کا غصہ ختم ہو جاتا اور اس کے بجائے ان کے دلوں میں بھی نرمی اور انکساری پیدا ہو جاتی۔

آپ اپنے اصحاب کو قولاً اور فعلاً نیستی بے نفسی اور بردباری کی تعلیم دیا کرتے تھے اور اسی چیز کو وہ راہ معرفت کے لئے ضروری قرار دیتے تھے۔ اور اگر آپ کے اصحاب میں سے کسی میں اس تعلیم کے خلاف عمل دیکھتے تو آپ سختی کے ساتھ نصیحت فرماتے۔ جیسا کہ شیخ تاج کے نام مکتوب[1] سے واضح ہوگا۔ انشاء اللہ۔

زہد و استغناء دنیا کے متاع سے آپ کا استغنا اس درجہ تھا کہ دنیوی معاملات سے متعلق کوئی بات آپ کی مجلس میں نہیں ہوتی تھی۔ سوائے یہ کہ کسی حاجت مند کیلئے کوئی سفارش کی جاتی۔ آپ دنیوی امور پر اپنے لئے یا اپنے کسی درویش کیلئے کوئی غور و فکر نہیں کرتے تھے اور اپنے خاص مریدوں کے لئے سوائے فقر و مسکنت اور فاقہ و قناعت کے اور کچھ نہیں چاہتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جب کسی کے لئے ہماری مالی امداد ظہور میں آئے تو جان لے کہ ہم کو اس کے ساتھ دین کی محبت کم ہے۔ آپ کے بعض دولت مند مرید التماس کرتے

---

[1] کلیات باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ (لاہور ۱۹۶۷ء) میں یہ مکتوب نمبر ۱۲ ہے۔

کہ فقرائے آستانہ کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کردیا جائے تو آپ ان درویشوں کے لئے جو آپ سے معنوی نسبت رکھتے تھے اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ البتہ ان کے علاوہ دوسرے درویشوں کے لئے آپ نے اس کی اجازت دی ہے لیکن بہت کراہت اور نفرت کے ساتھ جو آپ کو دنیوی متاع سے تھی۔

جس وقت آپ نے حرمین شریفین کے سفر کیلئے پختہ ارادہ کیا تو عبدالرحیم خانِ خاناں[1] نے جو کہ مخلصان مشائخ میں سے تھے اور آپ کے ساتھ بالخصوص بہت عقیدت اور ارادت رکھتے تھے یہ خبر سن کر ایک لاکھ روپیہ آپ کے اور آپ کے درویشوں کے زادِ راہ کے لئے روانہ کیا اور عرض کیا کہ یہ رقم قبول فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں۔ جب آپ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ ہمارا جی گوارا نہیں کہ ہم مسلمانوں کا اس قدر روپیہ اپنے اوپر صرف کریں اور ضائع کریں۔ چنانچہ آپ نے وہ رقم قبول نہیں کی اور واپس کردی۔

کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور رہنے بسنے میں آپ کی بے پرواہی اس درجے تھی کہ اگر مسلسل کئی دن تک ایک ہی طرح کا غیر مرغوب کھانا ہوتا تو آپ ہرگز نہ فرماتے کہ اس کے علاوہ کوئی اور کھانا لایا جائے۔ اسی طرح مسلسل کئی دن تک ایک ہی لباس آپ پہنے رہتے اور ہرگز دوسرے کپڑے کی خواہش نہ کرتے۔ یہی حال مکان کا تھا کہ عرصے تک تنگ و تاریک مکان میں رہا کرتے اور چونکہ تسلیم و رضا کے دریا میں غرق تھے۔ کبھی دوسرے مکان کی تعمیر یا صفائی یا روشنی کی خواہش نہ کرتے جب تک وہ شکستہ نہ ہو جاتا۔ یا خس و خاشاک سے پر نہ ہو جاتا۔

تسلیم و رضا، فنا و خود رفتگی، اور ضعفِ بدن ہمیشہ آپ کے ساتھ تھا۔ لیکن پھر بھی آپ دوامِ وضو اور کثرتِ طاعت سے بہت شغف رکھتے تھے۔ عشا کی نماز کے بعد آپ حجرے میں تشریف لے جاتے اور تھوڑی دیر مراقبہ فرماتے۔ لیکن جب اعضا پر کمزوری غالب ہو جاتی تو پھر آپ اٹھ کر تازہ وضو فرماتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے اور پھر اپنے مراقبے میں مصروف

---

[1] عبدالرحیم خان خاناں ابن بیرم خان۔ ۹۶۴ھ تا ۱۰۳۶ھ۔ اکبر کی فتوحات میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ جہانگیر کے اتالیق تھے۔ علم و فضل، شعر و شاعری۔ جرأت و مردانگی میں بہت ممتاز تھے۔

ہوجاتے۔ لیکن جب پھر کمزوری غالب ہوجاتی تو پھر اسی طرح کرتے۔ اور اکثر آپ کی راتیں اسی طرح گزر جاتیں۔

اکلِ حلال

اور لقمۂ حلال میں آپ اس قدر احتیاط فرماتے کہ جو کچھ ہدیہ (تحفہ) آپ کے پاس آتا اگرچہ حدیث پاک نَحْنُ لَا نَرُدُّ الْهَدِيَّة۔ (ہم ہدیہ واپس نہیں کرتے) کے حکم کے مطابق آپ اسے رد نہیں کرتے تھے لیکن اسے خاص طور پر خرچ بھی نہیں کرتے تھے بلکہ غیر مشکوک جگہ سے قرض لے کر وہ قرض اس ہدیہ سے ادا کر دیتے تھے، کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں اس سے حلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور آپ سخت تاکید فرماتے کہ کھانا پکانے والا باوضو ہو بلکہ اہل ذکر و اہل صفا میں سے ہو۔ اور کھانا پکاتے وقت وہ دنیا کی باتیں نہ کرے۔ اور آپ فرماتے تھے کہ جو لقمہ بغیر ذکر اور بغیر احتیاط کے کھایا جاتا ہے اس سے ایک قسم کا دھواں اٹھتا ہے جو فیض کے راستے کو بند کر دیتا ہے اور وارداتِ طیبہ جو فیض کا ذریعہ ہیں ایسے شخص کے قلب کے سامنے نہیں آتیں۔ آپ بھی مریدوں کو اس احتیاط کی ترغیب فرماتے تھے اور جو لوگ اس معاملے میں تسامح کو جائز جانتے تھے اس بے احتیاطی کے ضرر کو ان کے باطنی احوال میں آپ معائنہ فرما لیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صاحبِ حال اور صاحبِ کشف آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں اپنے معاملے میں انقباض پاتا ہوں۔ اور اپنے باطن میں کدورت دیکھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ مجھ سے ایسا کون سا قصور سرزد ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ لقمہ میں احتیاط نہیں کی گئی۔ اس نے عرض کیا کہ لقمہ تو وہی ہر روز کا لقمہ ہے۔ آپ نے فرمایا، جا کر معلوم کرو، کیونکہ سوائے اس کے، کوئی اور وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ بے شک جزوی طور پر کوئی نقص واقع ہو گیا ہے۔ جب اس نے اچھی طرح تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ کھانے پکانے میں جو لکڑیاں جلائی گئی تھیں ان میں دو تین لکڑیاں وہ بھی تھیں جو مشکوک تھیں (حلال ذریعے کی نہیں تھیں) اسی طرح آپ کے تمام معاملات میں عزیمت اور افضلیت ملحوظ رہتی تھی۔

قرأت فاتحہ خلف امام

چونکہ احادیث کی کتابوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی بکثرت صحیح روایتوں میں آیا ہے اس لئے آپ بھی

کہ روز امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کے قائل رہے۔ لیکن اسی اثنا میں آپ نے امام الائمہ سراج الامۃ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ انہی کی تعریف میں ایک شاندار قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی (کہ حضرت امام کا یہ اشارہ ہے) کہ "بکثرت بڑے بڑے اولیاء میرے مذہب پر تھے"۔ اس واقعے کے بعد سے آپ نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ترک کر دیا۔ اور وہ احتیاط جو لقمہ کے متعلق اوپر بیان کی گئی وہ آپ کی نسبتِ لطیف کی نزاکت اور پاکیزگی کی وجہ سے بھی تھی۔ جس طرح ایک آئینہ اپنی کمال صفائی کی وجہ سے سانس کی بھاپ کی بھی تاب نہیں لا سکتا (فوراً دھندلا ہو جاتا ہے) اسی طرح آپ بھی جماعت کی صف میں اپنی دونوں جانب اپنے مخلص اصحاب کو کھڑا کرتے تھے، کیونکہ ان کے بجائے اگر کوئی بیگانہ کھڑا ہوگا۔ تو فوراً خلفشار یا نقصان کا امکان ہے یا اس کے خطرات آپ کے آئینۂ دل میں منعکس ہو جائیں گے۔

ایک دن ایک درویش کو لحاف کی ضرورت تھی۔ اس کے دل میں تھا کہ اس کو آپ سے طلب کروں گا۔ چنانچہ آپ کے ساتھ اس نے نماز پڑھی اور اس کا وہ خطرہ آپ کے دل میں گزرا۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو جسے لحاف کی ضرورت ہے دے دیا جائے۔ وہ درویش کہتا تھا کہ اس روز سے میں ہمیشہ ڈرتا رہا کہ مبادا میرے دل میں کوئی خطرہ گزرے جو آپ کے ملال کا موجب ہو۔

تفرید و تجرید آپ کی تفرید کا یہ حال تھا کہ سلوک میں شروع سے آخر تک کسی بلند حال اور کسی اعلیٰ مکاشفہ کے حصول میں کبھی سرِ ہمت نیچا نہیں کیا اور جو کچھ پایا عین دریا میں (یعنی سخت جدوجہد میں) پایا اور یافتہ سے اپنا لب خشک رکھا۔ آپ کی اس رباعی سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے ؎

در راہِ خدا جملہ ادب باید بود — تا جاں باقیست در طلب باید بود
دریا دریا اگر بکامت ریزند — کم باید کرد و خشک لب باید بود

ترجمہ

اللہ کے راستہ میں ادب لازم ہے — جب تک ہے دم میں دم طلب لازم ہے
دریا دریا اگر پلا دیں تم کو — پیاسے ہی رہو، خشکی لب لازم ہے

ایک روز جب کہ آپ کے ایک مخلص نے ایک کتاب لکھ کر پیش کی آپ نے اس کی پشت پر

تحریر فرمایا کہ مبادا اس عاجز کو محنت و ریاضت کا یارا نہ رہے۔ میں نے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس دو روزہ زندگی میں دیوانہ وار ہر طرح کی درماندگی کا ماتم کیا ہے اور اپنے مقصود کی تلاش میں ہر طرح کی تگ و دو کی ہے اور اس راہ میں اپنی جان کو فدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کمزوری اور ناتوانی میں بھی درد اور آشوب عطا فرماتا ہے کہ وہ اس کار دو جہانی کو اپنے قبضہ اختیار و اقتدار میں تو در رکھتا ہے لیکن مجھے اس کی گرفتاریوں (پابندیوں) سے رہائی نہ دے۔ آمین یارب العالمین۔ اس بھائی سے (آنجناب سے) امید کرتا ہوں کہ وہ میرے اس مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کیونکہ غائب کے لئے غائب کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

میں نے حضرت شیخ تاج الدین[1] سلمہ اللہ تعالیٰ سے سنا ہے۔ وہ بتاتے تھے کہ ایک دن ہمارے خواجہ کا یہ حال ہوا کہ آپ کی قبا کے بند کھلے ہوتے تھے۔ سینہ بھی کھلا ہوا تھا اور دستار پراگندہ تھی اور آپ دریا کی طرف جا رہے تھے۔ شکستگی کے آثار بہت نمایاں تھے اور سخت قلق اور غم میں مبتلا معلوم ہوتے تھے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ کو بہت دیر کے بعد اندازہ ہوا کہ میں بھی ساتھ ہوں۔ آپ نے درد و آہ کے ساتھ فرمایا کہ اے فلاں، اس وقت اس قدر واردات، احوال، فیوضات، انوار اور اسرار کا نزول ہو رہا ہے کہ اگر یہ دریا سیاہی بن جائے تب بھی ان سب کو لکھنے کے لئے کافی نہ ہو لیکن مجھے ان سب سے کیا سروکار، میرا مطلوب تو دیکھنے اور سمجھنے سے بہت دور ہے۔ آپ ہی کا شعر ہے،

طلب ہے چوں و مطلوب بیچگونہ ۔۔۔ نہ آں را شبہہ نے این را نمونہ[2]

حضرت شیخ تاج الدین سلمہ یہ بھی حکایت کرتے تھے کہ میں ایک دن جماعت کی نماز میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہوا تھا۔ نماز کی حالت میں گریہ اور اضمحلال کے آثار آپ سے ظاہر ہوتے۔ اور نماز کے بعد آپ اسی طرح حیران اور گریاں اپنے حجرہ شریف میں تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ

---

[1] آپ سنبھل (مراد آباد) میں پیدا ہوئے۔ پہلے آپ شیخ اللہ بخش رح سے بیعت ہوئے۔ بعد میں حضرت خواجہ باقی باللہ رح سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ سنہ ۱۰۴۰ھ میں مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں سنہ ۱۰۵۰ھ میں انتقال ہوا۔ آپ نے سلوک پر ایک رسالہ "تاجیہ" لکھا تھا۔

[2] یعنی یہ طلب اس کی ہے، مطلب بھی وہی ہے، نہ شبہہ اور نہ ہے تشبیہ جس کی۔

کے پیچھے پیچھے چلا گیا اور آپ کو اسی طرح غم زدہ اور روتا ہوا پایا۔ ایک گھڑی کے بعد میں نے گستاخی کرتے ہوئے دریافت کیا کہ حضور اس بے اختیار گریہ، غم اور پریشانی کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "یہ بات مت پوچھو اور مجھے میرے حال میں رہنے دو"۔ لیکن مجھے چونکہ آپ کی شفقت نے بہت دلیر بنا دیا تھا، میں نے اصرار کر کے پھر وہی بات پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ "نماز کی حالت میں جو معراج مومنین ہے میری روح، مقصد کی طلب میں جب وراء الوراء تک پہنچی اور اس مقصد کے حصول میں اپنے مقدور بھر جستجو کی اور بہت کچھ اس مرغ نے بال و پر پھڑپھڑائے لیکن کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے ناچار میری روح نے حیران و پریشان خود کو قالب کے قفس میں واپس ڈال دیا۔ اسی حسرت کی وجہ سے وہ (روح) رو رہی تھی"۔

شیخ تاج الدین سلمہٗ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک دن میں آپ کے خاص حجرے میں چلا گیا اور آپ کو نہایت مغلوب الحال و مستہلک پایا۔ میں آپ سے بات کرنے لگا۔ لیکن میں نے آپ سے آپ کی گفتگو میں ہوش کی بات نہ پائی۔ میں نے بہت کچھ بات کی اور پوچھتا رہا۔ بالآخر ایک گھڑی کے بعد کچھ بات آپ کی شروع کی اور پھر رفتہ رفتہ صحو کے آثار پیدا ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ "آج ہمارے پاس فلاں عجیب شخص پہنچا اور کَلِّمِینِیْ یَا حُمَیْرَا[1] کہنے لگا۔ اور ہم تھے کہ حیرت و دہشت و مستی میں غرق تھے"۔ یہ بات بھی آپ کی تفرید و تجرید کے غلبے کی وجہ سے تھی کہ آپ کو مسند مشیخت پر بیٹھنے کا اور لوگوں کو اپنے ساتھ رکھنے کا مطلق شوق نہیں تھا اور درویشوں کی تربیت بھی آپ نے دو تین سال سے زیادہ نہیں کی۔ جب ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی قدس سرہ) آپ کی توجہ اور مہربانی کی برکت سے کمال و تکمیل کے درجے کو پہنچے تو آپ نے خود کو مریدوں کی صحبت اور تعلیم سے علیحدہ کر لیا اور تمام احباب کو صراحۃً یا کنایۃً ہمارے حضرت (مجدد رح) کے حوالے کر دیا جیسا کہ تفصیل کے ساتھ یہ بات حضرت مجدد رح کے حالات کے ذیل میں انشاء اللہ عرض کی جائے گی۔ آپ پھر گوشۂ عزلت میں بیٹھ گئے اور قطب آفاق بو علی دقاق[2] قدس سرہ کے طریقے کے مطابق آپ

---

[1] عارف رومی کا شعر ہے ؎
مصطفیٰ آمد کہ سازد ہمدمے　　کلمینی یا حمیرا کلمی　　(دفتر اول شعر ۱۹۷۲)

[2] ابو علی حسن بن محمد دقاق نیشاپوری م ۴۰۵ھ۔ ابو القاسم قشیری کے خسر تھے۔ جامی کی نفحات الانس

درد واندوہ قلبی سے عیسیٰ کے گریبان میں سر جھکاکر گوشہ نشین ہو گئے اور سوائے نماز جماعت کے آپ باہر نہ نکلتے تھے۔ اور جو شخص آپ کو دیکھتا وہ گویا اس حدیث کو یاد کرتا کہ وہ جو شخص کسی مردے کو زمین پر چلتے ہوا دیکھنا چاہے وہ ابو قحافہ کے بیٹے (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لے" اسی طرح آپ کی ہیبت اور رعب سے ہر دیکھنے والا جہاں بھی ہوتا نقش دیوار بن جاتا تھا اور غافل لوگوں پر صرف آپ کے دیکھتے ہی اس حدیث کے مطابق کہ اِذَا رُؤُا ذُکِرَ اللہُ (جب ان لوگوں کو دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے) اللہ کا ذکر غلبہ کرتا۔

ایک دن آپ کا گزر ایک ایسی بستی سے ہوا جس کے رہنے والے ہندو کسان تھے۔ جوں ہی ان لوگوں کی نظر آپ پر پڑی وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ کوئی عجیب مرد خدا ہے کہ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔ آپ کی صحبت کی عظمت سے بلکہ آپ کے دیدار ہی سے اپنے اور بیگانے سبھی اسی قدر مرعوب ہو جاتے تھے کہ بات منہ میں رہ جاتی اور مدعا دل ہی میں رہ جاتا اور آپ کے انکسار کے باوجود آپ کے رعب سے بہت سے لوگ اپنی جگہ ٹھہر نہ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک معمر بزرگ بیان کرتے تھے کہ ایک دن میں نماز جماعت کے لئے گیا تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ جماعت میں حضرت خواجہ رح بھی تھے لیکن جماعت میں کہیں جگہ باقی نہیں تھی سوائے حضرت خواجہ رح کے پہلو کے۔ کہ لوگوں نے آپ کے ادب کی وجہ سے کچھ جگہ چھوڑ دی تھی۔ مجھے چونکہ آپ سے زیادہ اعتقاد نہیں تھا اور انہیں بچہ بھی دیکھا تھا تو ان کا اپنے سے چھوٹی چھوٹی عمر کا سمجھتے ہوئے ادب نہ کیا اور اس چھوٹی ہوئی جگہ میں کھڑا ہو گیا۔ ابھی تھوڑا وقت بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کی عظمت اور شکوہ کا اثر میرے دل پر اس قدر ہوا کہ پہلے تو اس خیال کو دل سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ اثر اس حد تک ہوا کہ میں بے اختیار ہو کر نماز ہی کی حالت میں خود کو تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹانے لگا۔ اور یہاں تک پہنچ گیا کہ اگر ایک قدم اور پیچھے جاتا تو صف سے الگ ہو جاتا۔ اس واقعے کے بعد میں بھی آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ اس عظمت اور شکوہ کے باوجود آپ پر سخت رقت طاری رہتی اور لوگوں سے علیحدگی کے خواہش مند رہتے۔ اور کوچہ و بازار سے تنہا گزر جاتے۔ کبھی کسی دیوار کے سائے میں خاک پر ہی بیٹھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں ان کے حالات تفصیل سے ہیں۔

جلاتے۔ لیکن اس مستی، بے خودی اور حیرت کے باوجود ذرّہ برابر آپ امورِ شریعت کی پیروی اور التزامِ عزیمت سے نہ ہٹتے تھے۔ آپ کے یہاں سماع اور رقص کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور وجد کو مجال نہیں تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ کی موجودگی میں ایک درویش نے آواز سے اللہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ ہماری مجلس کے آداب محفوظ رکھ کر ہماری مجلس میں آیا کرے اگر آپ کا کوئی مرید مجلس کے آداب کو ترک کر دیتا تو بظاہر اس پر ناراض نہ ہوتے اور نہ اس کو مجلس سے نکالتے بلکہ اپنی باطنی توجہ اس سے ہٹا لیتے یا وہ خود اپنے احوال میں انقباض دیکھتا یا اسے خواب میں یا مکاشفے میں تنبیہ فرما دیتے۔

ع آپ میں خوبیاں اتنی ہیں کہ کیا کیا میں کہوں

آپ کی عظمت کے لئے سب سے بڑی شہادت یہی ہے کہ گو کہ آپ صرف دو تین سال ہی مسندِ مشیخت پر متمکن رہے لیکن اس قلیل مدت میں آپ کے روحانی دسترخوان سے کس قدر لوگ مستفیض ہوئے اور ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں آپ کے فیوض و برکات کس قدر جاری و ساری ہوتے اور سلسلہ نقشبندیہ کتنا رواج پذیر ہوا۔ آپ سے پہلے اسی سلسلے کے کئی مشائخ یہاں برسوں رہ چکے تھے۔ لیکن جو برکتیں حضرت خواجہ رح کی وجہ سے سب کو حاصل ہوئیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایک فاضل نے اس عاجز سے کہا کہ بعض صاحبِ حال و قال بزرگوں نے یہاں ساٹھ اور ستر سال تک پیری کرتے رہے لیکن معلوم ہے کہ ان کے مسترشدوں میں سے کون باقی رہا۔ مگر تمہارے خواجہ صاحب کی بزرگی اسی بات سے ظاہر ہے کہ آپ نے قریب چالیس سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور صرف دو تین سال کی مشیخت میں ایک عالم کو بہرہ ور فرما دیا۔

اور اس فقیر نے جناب شیخ بلند مکان، لجۂ فقر و نیاز و عرفان۔ محمد بن فضل اللہ[1] رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے حضرت خواجہ رح کے متعلق وہ سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ آپ کی فضیلت کے لئے اور زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ تین چار سال سے زیادہ آپ نے مشیخت و ہدایت نہیں فرمائی۔ لیکن

---

[1] یہ برہان پور کے مشہور بزرگ تھے۔ محمد ہاشم کشمی رح نے ان کی تاریخ وفات (جیسا کہ ان کے دیوان میں ہے) "وا ابن فضل اللہ" (۱۰۲۹ھ) سے نکالی ہے۔

آپ کے فیوض و برکات آج بھی روز افزوں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس مختصر سے ارشاد و تلقین کے زمانے میں بہت سے مشائخ جن کی خدمت میں آپ خود اپنی طلب کے دوران حاضر ہو کر ان سے فاتحہ، دعاء اور تلقینِ ذکر حاصل کیا تھا وہ بھی آپ کی کشش سے حاضر ہو کر آپ کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد شہر دہلی کے بعض مشائخ کبار آپ سے رشک و غیرت کرنے لگے تھے اور آپ کے خلاف کوشش کرنے لگے تھے لیکن کوئی فائدہ نہ دیکھ کر بلکہ ضرر اٹھا کر مجبوراً آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے تھے۔ بعض طلاب بہت دور دراز مقامات سے بھی حاضر ہوتے اور بعض کو آتے راہ میں آپ کے انتقال کی خبر ملی۔

میرے مرشد میر محمد نعمان سلمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے آگرہ کے شفاخانے میں خراسان کے ایک جوان کو بیمار دیکھا۔ اس سے حال پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں ایسا ایسا تھا۔ دکن میں حضرت خواجہؒ کو میں نے خواب میں دیکھا اور آپ ہی کی کشش سے میرا یہاں آنا ہوا ہے اور اب جو آپ کے انتقال کی خبر سنی تو میں آپ کے غم میں مبتلا ہو کر بیمار ہو گیا ہوں اور آپ کی محبت میں میرا ایسا خراب حال ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگا۔

وفات اب چونکہ آپ کی وفات کا ذکر آگیا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کی تفصیل بیان کر دی جائے جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی جو انسانی طبعی صلاحیتوں کی تکمیل کا وقت ہوتا ہے اور تکمیل معنوی بھی اسی وقت ہوتی ہے، تو حضرت خواجہ رحؒ نے اس اربعین (چالیس) کے بعد اس جہانِ پُر ملال سے رخصت ہونے کے خیال کو دل میں جما لیا۔ چنانچہ اس زمانے میں اگر کسی کے انتقال کی خبر سنتے تو آپ آہِ سرد بھرتے اور فرماتے کہ اچھا ہوا کہ اس نے اس جہان سے خلاصی پائی۔ مراد آپ کی یہ تھی کہ وہ اسی ہستی موہوم کے لباس سے بے نیاز ہوا اور اس جہان کی زندگانی کے خیال سے آزاد ہوا جیسا کہ عارف رومی قدس سرہ نے انتقال سے متعلق فرمایا ہے کہ:

من شوم عریاں ز تن، او از خیال
تا خرامم در نہایات الوصال

میں ہوا تن سے رہا، تن سے خیال
تا کہ پا جاؤں نہایات الوصال

اسی زمانے میں ایک واقعہ دیکھا جس کے آخر میں یہ عبارت تھی۔ فَبَقِیْتَ وَحِیْدًا طَرِیْدًا فَرِیْدًا[1] (پس تو باقی رہے اکیلا، سب سے الگ، یکتا) اسی زمانے میں آپ نے اپنی ایک اہلیہ محترمہ سے بھی فرمایا تھا کہ جب میری عمر چالیس برس کی ہوگی تو میرے ساتھ ایک عظیم واقعہ پیش آئے گا اور اس واقعے کی تفہیم کے لئے خوش ہو کر آپ نے اپنی ہتھیلی کھول کر دکھائی کہ ہتھیلی پر جو خط ہے وہ اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی زمانے میں ایک دن ایسا ہوا کہ آپ نے اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اپنی ایک زوجہ محترمہ کو بلا کر کہا کہ آئیے۔ ہم دونوں ایک ساتھ اس آئینے کو دیکھیں محترمہ فرماتی تھیں کہ میں نے آئینے میں آپ کو بالکل بوڑھا دیکھا تو میں دیکھ کر ڈر گئی اور میں نے کہا کہ آپ مجھے کیا دکھاتے ہیں؟ میں اس کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی۔ آپ مسکرانے لگے اور پھر خود کو اپنی اصلی صورت میں دکھایا کہ بالکل جوانی کے سیاہ بال تھے۔

اسی زمانے کا یہ واقعہ بھی ہے کہ آپ اپنی عادت کے مطابق اپنے کشف کو خواب سے تعبیر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ مجھے خوابوں میں ایسا دکھایا گیا ہے کہ عنقریب سلسلۂ نقشبندیہ کا کوئی بزرگ فوت ہونے والا ہے[2]۔ اس واقعے کے بعد آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب شہر دہلی کے نواح میں کوئی جگہ منتخب کی جائے اور لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا جائے اور مرنے کے بعد وہیں دفن ہوا جائے۔ اس معاملے میں آپ نے اپنے بعض مخلصوں سے استخارہ کرنے کو فرمایا۔ لیکن جب اس ارادے کی تکمیل کے لئے اجازت ظاہر نہیں ہوئی تو آپ نے یہ ارادہ ترک فرما دیا۔

ایک دن آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ جس غرض کے لئے تمہیں بھیجا گیا تھا وہ پوری ہو گئی ہے، اس لئے اب سفر کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے دکھلایا

۱؎ آپ کے ملفوظات اور حالات میں جس کے جامع غالباً محمد صدیق (ہدایت و رشدی تخلص) تھے اس عبارت کا ذکر شنبہ یکم صفر ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں آتا ہے۔ یعنی کلیات باقی باللہ رح صہ ۴۶ عارف رومی کا یہ شعر جامی کی نفحات الانس میں بھی مذکور ہے یعنی مولانا سراج الدین قونوی رح کے ذیل میں ہے۔ جامی کی نفحات الانس میں حضرت ذوالنون مصری رح کے ذیل میں بھی یہ عبارت اس طرح آتی ہے فبقیت شریداً طریداً وحیداً۔ ۲؎ یہ اور اس کے بعد کے واقعات جو انتقال سے متعلق ہیں۔ ملفوظات (جس کا ذکر اوپر والے حاشیے میں آچکا ہے) شنبہ یکم صفر ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں درج ہیں۔

لیاہے کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ قطبِ زمان رخصت ہوگئے ہیں اور میں اپنے مرثیے میں ایک قصیدہ پڑھ رہا ہوں جس میں تعریفاتِ عالیہ مذکور ہیں۔

جب جمادی الثانی ۸۹۶ھ کا وسط آیا تو آپ پر امراض کا غلبہ ہوا۔ اس زمانے میں آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ احرار[1] رضی اللہ عنہ کو میں نے خواب میں دیکھا، فرما رہے تھے کہ: "پیراہن پہن لو" آپ اس خواب کو بیان کر کے مسکراتے اور فرمایا کہ اگر زندہ رہوں گا۔ تو ایسا ہی کروں گا۔ ورنہ میرا کفن ہی میرا پیراہن ہے"

اسی طرح آپ نے ایک مخلص کو جو اس زمانے میں کہیں باہر جانے کا ارادہ کر رہے تھے فرمایا کہ "چند روز کہیں باہر مت جاؤ کہ اب ہمارے بازار کے آخری دن ہیں"

آپ کے اس ضعف کے باوجود بعض خاص مخلصوں نے بعض علوم کی باریکیاں آپ سے دریافت کیں۔ آپ نے بڑی تحقیق سے ان کی شرح فرمائی۔ اسی زمانے میں ایک رات آپ پر ضعف کا سخت غلبہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حالتِ نزع ہے۔ لیکن کچھ دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مرنا اسی کو کہتے ہیں تو وہ کیسی اچھی نعمت ہے کہ اس حال سے واپس آنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

پھر شنبہ ۲۵ ماہ مذکور (جمادی الثانی) میں انتقال کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے شروع ہونے شروع ہوئے۔ آپ اپنے اصحاب کو الوداع کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اصحاب روتے تھے تو آپ مسکراتے اور تعجب کرتے تھے۔ گویا آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ تم کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ تسلیم و رضا کے دائرے سے نکل کر رونا دھونا کرتے ہو۔ اسی دوران میں ایک درویش کی زبان سے "یا الٰہ العالمین" نکلا تو آپ نے جلدی سے اس کی طرف منہ کر لیا۔[2]

حاضرین میں سے ایک نے بتایا کہ آپ کی یہ توجہ اور تحریک صرف اس لئے تھی کہ آپ کو اپنے محبوب کے نام سے عشق تھا۔ اس کے بعد آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور ابھی اس روز کا ایک پہر

---

[1] خواجہ عبید اللہ احرار رح باغستان (تاشقند) میں ۸۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور سمرقند میں ۸۹۵ھ میں وفات پائی۔ [2] یہ واقعہ اوپر کی کتاب میں شام پنج شنبہ ۲۳ جمادی الثانی (۸۹۶ھ) کے ذیل میں ہے۔

باقی تھا کہ آپ نے جہر کے اسم ذات (اللہ) کا ذکر شروع کر دیا اور اسی طرح اللہ اللہ کہتے ہوئے جان بجانان سپرد ہو گئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

انتقال کے بعد آپ کی قبر کے لئے جو جگہ آپ کے اصحاب نے تجویز کی تھی وہیں قبر کھدوائی گئی[1]۔ جب آپ کا جنازہ اٹھوایا گیا تو لوگوں نے ہوش بجا نہ ہونے کی وجہ سے جنازہ وہاں نہ پہنچایا بلکہ دوسری جگہ پہنچا دیا۔ جب وہاں جنازہ رکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ تو وہ جگہ ہے جہاں ایک دن حضرت خواجہ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ وہ جگہ پسند فرما کر وہاں وضو کیا تھا اور دو رکعت نماز بھی پڑھی تھی اور وہاں کی مٹی آپ کے دامن میں لگ گئی تھی اور آپ نے فرمایا بھی تھا کہ اس جگہ کی خاک دامنگیر ہو گئی ہے۔ لامحالہ اسی جگہ کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم گاہ کے قریب ہے اور شاہراہ سے بھی نزدیک ہے اس رشد و ہدایت کے ملک کے بادشاہ کو سپرد خاک کیا اور آج حضرت خواجہ حسام الدین[2] سلمہ اللہ تعالیٰ کی کوشش کی برکت سے اس جگہ کے قریب ایک باغ لگوایا گیا ہے جس میں فوارہ ہے اور بہشتی پھل پھول لگے ہوتے ہیں۔ لوگ آپ کے مزار پر زیارت کے لئے آتے ہیں اور برکت و نفع حاصل کرتے ہیں۔

شمع مزار او ہمہ نور غفور باد	دل ہائے زائران درش غرق نور باد
شمعِ مزار مظہرِ نورِ غفور ہے	زائر کا دل ہمیشہ وہاں غرقِ نور ہے

بہت سے فضلاء اور عرفاء نے آپ کے انتقال پر مرثیے (مع تاریخ) لکھے ہیں۔ لیکن یہاں صرف راقم الحروف کی منظوم تاریخ پیش کی جاتی ہے۔

ذاتے کہ بدوست بود باقی	از خود ہمہ فانی الصفت بود
بر خالقِ خویش جملگی عشق	بر خلق تمام عاطفت بود
دی تشنہ دلم بسالِ فوتش	خوش گفت کہ "بحر معرفت بود"[3]

---

[1] یہ واقعہ مذکورہ بالا ملفوظات میں نہیں ہے لیکن حضرات القدس (دفتر اول) میں درج ہے۔

[2] خواجہ حسام الدین قندوز (بدخشان) میں ۹۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور اکبر آباد میں ۱۰۴۳ھ میں فوت ہوئے لیکن پھر دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے قریب دفن ہوئے۔ [3] حضرات القدس (دفتر اول)

فصل سوم۔ کلماتِ لطیفہ اور انفاسِ شریفہ

مخفی نہ رہے کہ ہمارے حضرت خواجہؒ کے کئی دقیق رسالے اور بدیع مکاتیب بھی ہیں۔ اسی طرح کئی منظومات بھی ہیں۔ آپ نے بعض مکاتیب مختلف موقعوں پر لکھے تھے جن میں سے کچھ مکاتیب کا ذکر آپ کے اصحاب کے احوال کے ساتھ انشاء اللہ آئے گا۔ آپ کے بعض رسائل اور ملفوظات میں سے (جو آپ کے ایک مخلص نے جمع کئے ہیں) چالیس اقتباسات (آپ کی عمر شریف کے موافقت سے) انشاء اللہ یہاں زبان قلم کو حلاوت بخشیں گے۔ (یہ برکات کے نام سے منسوب ہونگی)

ب ا۔ استعاذہ کے معنی کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے:۔

بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوقت ادا کرنے کلمہ تعوذ کے اس کے اعلیٰ معنی متحقق ہوتے ہیں۔ اس لئے متابعت کا طریقہ یہ ہے کہ اس کلمے کو صرف زبان سے ادا کرنے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ پہلے خود اپنے باطن کو عاجزِ محض سمجھ کر شیطانی وسوسوں کو دفع کرنے کیلئے قادرِ مطلق سے التجا کریں۔ تاکہ کلامِ الٰہی کی تلاوت تمام شیطانی پراگندہ خیالات کی کدورت سے پاک رہے۔ اس قسم کا تعوذ، توکل میں شمار ہوتا ہے یعنی تلاوت قرآن میں قاری، اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بناتا ہے۔ اور اپنی عملی قوت کو ایک گوشے میں چھوڑ دیتا ہے۔ ایسا توکل ایمان کے فروع میں شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ایمان لاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جزء اور ہر کل کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ شخص جانتا ہے کہ ہر فعل اور ہر صفت جو اس سے ظہور میں آتی ہو وہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہے۔ نہ یہ کہ اس کے خانۂ ہستی میں کوئی ایسی چیز موجود ہے یا موجود ہو جاتی ہے جو دفعِ ضرر یا جلبِ منفعت کرتی ہے۔ اللہ پاک نے جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعوذ کا حکم کیا تو یہ بھی فرما دیا کہ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ [1] بے شک اس (شیطان) کا قابو ان پر نہیں جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں یہ تاریخ درج ہے لیکن اس کے مصنف کے نام کی جگہ صرف ایک فاضل کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں دو اور تاریخیں بھی ہیں۔

[1] سورۃ النحل (۹۹)۔ دیکھیں کلیات باقی باللہ (لاہور ۱۹۶۷ء) صفحہ ۱۵۲

(یعنی اب تعوذ کے یہ معنی ہوتے کہ) اب اللہ پاک کی حفاظت چاہو کہ وہ شرِ شیطان سے بچاتے اور شیطان ان لوگوں پر قابو نہیں پاتا جو ایمان لائے ہیں اور ایمان کے تقاضے کے مطابق جنہوں نے اللہ کو اپنا وکیل بنالیا ہے۔ یہ آیت شاہد عادل ہے اس معنی پر جو ہم نے بیان کئے۔ انشاء اللہ ہم کو بھی اس (ایمان) سے نصیبِ کامل حاصل ہوگا۔ آخر میں یہ بات بھی فرمائی کہ تعوذ کے وقت اور تلاوت کے ارادے پر حقیقتِ ایمانیہ جو اس قسم کے توکل کی موریث ہے۔ کامل طور پر متحقق ہو جائے تو پھر تلاوت کرنے والا۔ قربِ فرائض کا شرف حاصل کر سکے گا۔ چنانچہ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ[1] (پس اسے پناہ دو کہ وہ اللہ کا کلام سنے) سے بعض اکابر نے اس مقام کی تحقیق فرمائی ہے اور اس وقت قاری کی زبان حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حکم شجرہ رکھے گی۔

ب ۲ ۱۔ آپ نے تحقیق استعاذہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ پاک نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ[2] (جب آپ قرآن پڑھیں تو پہلے پناہ مانگ لیں اللہ کی جناب میں شیطان لعین سے)۔ یہ امر فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ[3] (پس اللہ کی طرف بھاگو) اور اس کے تقرب کیلئے ہے۔ کیونکہ استعاذہ کے معنی التجا کرنے اور قریب جانے کے ہیں۔ پس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے والے کو سزاوار ہے کہ اپنے عجز کا خیال کر کے خود کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیدے اور وسوسوں کے دفعیے کیلئے اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنالے۔ یعنی پوری طرح اس کے حضور میں مستغرق ہو جائے اور قرآن پاک کے کلمات ادا کرنے اور اس کے معنی سمجھنے میں اپنی توجہ کو پراگندہ نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ اور وکیل ہے وہ جس طرح چاہے گا ظہور میں لادے گا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نماز کے اندر (اہل بیت کے دل میں) مثل یعنی غیر کا خطرہ پیدا نہیں کرتا۔ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا[4] (اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ

---

[1] سورۃ التوبہ آیت ۶

[2] سورۃ النحل آیت ۹۸

[3] سورۃ الذاریات آیت ۵۰

[4] سورۃ الاحزاب آیت ۳۳

اے نبیؐ کے گھر والو کہ تم سے سرنا پاکی کو دور کر دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے)

اور فقرات احراریہ میں مذکور ہے کہ ہماری نسبت دراصل اہل بیت والی نسبت ہے اور جیسا کہ آپ (امام حسن رضی اللہ عنہ) نے اپنی نسبت کو بیان فرمادیا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قول کا یہ مطلب ہے کہ نماز کے وقت ہمارے دماغ میں ملک اور ملکوت کسی کا اثر نہیں رہتا۔ نہ یہ کہ وہ ہوتے تو ہیں لیکن ان سے لباسِ غیریت اتار لیا گیا ہے۔ چنانچہ قربِ نوافل میں یا لباس غیریت کے باوجود ان کی نسبتِ غیریت دور ہو گئی جیسا کہ اربابِ توحیدِ صُوری کے لئے ہوتا ہے۔ اس قسم کا تعوذ صرف منتہی کو حاصل ہوتا ہے یا اسی کے قریب اس شخص کو بھی حاصل ہوتا ہے کہ جس کی نہایت اس کی بدایت میں مندرج ہو۔ لیکن جو لوگ کہ یقینِ ایمان سے مشرف ہیں انہیں چاہیئے کہ احسان کے مرتبۂ اخیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (بخاری[1]) احسان یہ ہے کہ عبادتِ الٰہی اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر نہیں دیکھ رہے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

نمبر ۳۔ آپ نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے متعلق فرمایا کہ آیت کریمہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں عبادت سے مراد عبادتِ اضطراری ہے اور عبادتِ اضطراری سے مراد یہ ہے کہ بندہ خود کو ارادۂ الٰہی کے مطابق بنالے اور قضا وقدر کی طرف اس کا مضطر اور محتاج ہونا ہے۔ ایسی صورت میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے معنی مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے موافق ہوں گے۔ یعنی اے اللہ، تو ہی ہمارے تمام احوال ومقامات کا مالک ہے۔ اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے آخر تک سب دعا میں داخل ہے یعنی اے اللہ ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں کہ تو ہی ہم کو سیدھا راستہ دکھا دے تاکہ ہم اس راہ پر چلیں اور ہماری اختیاری عبادت تیری رضا کے مطابق ہو اور اگر اِیَّاکَ نَعْبُدُ میری اختیاری عبادت پر محمول ہو تو اس سے مقصود صرف اپنا انقیاد کا اظہار ہوا اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے مقصود بھی وہی ہے جس کا ذکر ہوا یا اس امر کا اظہار ہے کہ یہ تمام انقیاد صرف تیری دی ہوئی توفیق سے ہے یا اس انقیاد

---

[1] کتاب الایمان

سے استقامت کی طلب ہے۔

ب ۱- آپ نے لکھا ہے کہ صراط مستقیم سے مراد (جو کہ آیۂ کریمہ اھدنا الصراط المستقیم۔ میں ہے) تمام صدیقوں اور محققوں کے نزدیک، صرف اہل سنت وجماعت کی صراط ہے، ایسا ہی الٰہیات اور آخرت کے ثواب وعذاب کے سلسلے میں کہا گیا ہے۔

صاحب فتوحات مکیہ[۱] رضی اللہ عنہ نے چند عقیدے علمائے ظاہر سے زیادہ بتاتے ہیں جن سے ان علماء کے کسی عقیدے کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ سلفِ صالحین کے عقائد کی خلاف ورزی سوائے گمراہی اور خرابی کے اور کچھ نہیں ہے الحمد للہ کہ ہمارا اعتقاد بھی اسی بات پر قرار پایا ہے۔ اور امید ہے کہ انشاء اللہ اسی اعتقاد پر ہم دنیا سے جائیں گے اور اسی پر ہم اٹھائے جائیں گے۔

اس بزرگ (صاحبِ فتوحاتِ مکیہ) کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ، ہم کو دکھا دے وہ راستہ جو انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کا ہے۔ وہ راستہ نہیں جس پر سب لوگ چلتے ہیں اور مبدأ کی خبر نہیں رکھتے۔ یا جو صرف خلق کو دیکھتے ہیں جیسے دہریہ اور طبعیہ لوگ (نیچری لوگ) کیونکہ یہی مغضوب علیہم میں شامل ہیں یا وہ لوگ جو صوفی ہونے کے باوجود توحیدِ صوری میں گرفتار ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے علم کے باوجود اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اور یہی بات ان پر صادق آتی ہے یہ لوگ اور ان جیسے لوگ اسی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ایسے لوگوں نے بھی مبدأ سے منہ پھیر لیا ہے اور یہی لوگ ضالّ اور مضل ہیں، ان لوگوں کی راہ بھی نہیں چاہیئے جو سب کو اور ہر چیز کو حق کہتے ہیں اور بس۔ یہ لوگ عالم کو محض خیال اور شعبدہ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی صراط مستقیم پر نہیں ہیں اور انہوں نے سوفسطائیہ (فلاسفہ) کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ان لوگوں کی راہ بھی نہیں چاہیئے جو حق اور خلق کی دید کے باوجود خلق کے لئے علیحدہ وجود ثابت کرتے ہیں یہ راہ انبیاء علیہم السلام کی راہ نہیں ہے۔ (یہاں صاحب فتوحات مکیہ کی بات ختم ہوتی)

پھر حضرت خواجہ رح نے فرمایا کہ صاحب فتوحات مکیہ کا یہ قول کہ "یہ راہ انبیاء علیہم السلام

---

[۱] آپ مرسیہ (ہسپانیہ) میں ۵٦۰ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں ٦۳۸ھ میں فوت ہوئے (۱) فصوص الحکم (۲) فتوحات مکیہ اور (۳) الاسراء الیٰ مقام الاسرا آپ کی تصانیف ہیں۔ وحدۃ الوجود کا نظریہ آپ ہی نے شد و مد کے ساتھ پیش کیا۔ (کلیات باقی باللہ رح صفحہ ۱۵۰-۱۵۲ اور پر کے مضمون کیلئے دیکھیں)

کی راہ نہیں ہے"۔ اس معنی میں نہیں ہے کہ حاشا و کلا ان لوگوں کی معرفت انبیاء علیہم السلام کی معرفت کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ برگزیدہ ہیں۔ بلکہ شیخ ابن العربی (صاحب فتوحات مکیہ) کی مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کی معرفت اتنی وسعت نہیں رکھتی جتنی کہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت ہے لیکن معرفت بیں صراط مستقیم اس صیقل ذال (صاحب فتوحات مکیہ) کے اعتقاد کے مطابق دید حق وخلق ہے۔ لیکن خلق کا وجود علیحدہ نہیں ہے بلکہ خلق اس وجود و صورت کی طرح ہے جو آئینے میں منعکس ہوتی ہے کہ بظاہر وجود رکھتی ہے لیکن حقیقت میں نہیں ہے اور یہ نمود بقدرت کاملہ حق ہے۔ اور خلق عالم اسی اظہار سے عبارت ہے۔ اور علم حق میں عالم ثابت ہے لیکن ایسا ثبات نہیں جیسا کہ متکلمین نے صُور علمیہ میں اذہان کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ وہ ثبات سے مراد ثبات خارجی ہے یعنی موجود خارجی نے شیون وصفات کے مطابق علم الٰہی میں تنزل کیا ہے اور اس طرح حقائق عالم ظاہر ہوئے ہیں لیکن اصل میں عود کرنے اور وجود میں ظہور رکھنے کے بعد۔ جس طرح آئینے میں صورت کا ظہور مخلوق بھی ہے اور ممکن بھی اور اس کے ظاہری آثار و افعال محض اصل سے ہیں۔ لیکن چونکہ ممکن پردہ میں ہے اس لئے لَوْنُ الْمَاءِ لَوْنُ اِنَائِہٖ (پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہوتا ہے) کے مطابق مجوبوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فعل اور اثر ممکن سے ہے (اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فعل اور اثر حق تعالیٰ کا ہے) وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ[1]

ب۵ ۔ آیہ کریمہ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ[2] کی تحقیق سے متعلق آپ نے فرمایا کہ اشیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت جو غیب ہی غیب ہے انتہائی پوشیدہ اور بطون میں ہے۔ اور اس کی حقیقت کو جاننا موقوف ہے (۱) تنزیہ مطلق پر (۲) اطلاق صرف پر اور (۳) اس کے تنزلات جو صُور علمیہ میں ہونے پر ان پر۔ اور وہ صُور علمیہ دراصل موجود و معدوم کے درمیانی برزخ ہیں یعنی وہ جامع ہیں وجود و عدم کے۔ اور یہ چیز مرتبہ علم کی خصوصیات میں سے ہے۔ ؎

از تو اے بیرنگ ما چندیں صُوَر
ہم مشبہ ہم منزہ خیرہ سر

اسی طرح اس کی حقیقت کی دریافت، موقوف ہے اس امر کے جاننے پر کہ ان صور علمیہ کو اس

---

[1] سورۃ البقرہ آیت ۱۶۳

[2] سورۃ الحدید آیت ۴

ذات کے ساتھ ایک مجہول الکیفیت نسبت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ ذات ان صورِ علمیہ کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور وہ صُوَر اس ذات کے اسماء وصفات کا آئینہ ہیں اور وہ اسماء و صفات اس کا عین ہیں۔ فَہُوَ مَعَکُمْ فِی الْعِلْمِ وَالْعَیْنِ رُوْحًا کَانَ اَوْ مِثَالًا اَوْ حِسًّا۔ (پس وہ تمہارے ساتھ ہے علم میں اور عین میں۔ خواہ روح ہو یا مثال ہو، یا حس ہو، لیکن محققین کا مذہب و مسلک یہ ہے کہ معیت، خانۂ اعمال سے ہے اشجار و قصور وغیرہ صورِ جنانیہ کے ساتھ کیونکہ قصور و اشجار کو مرتبۂ ذات میں عمل کے ساتھ ایک کہتے ہیں۔ پس جس طرح عمل ایک جگہ عرض ہے اور ایک جگہ وہ مرتبۂ ذات میں جوہر ہے۔ وہ ذات متعالیہ بھی بالکل منزہ ہے تعین و اشارت وعبارت سے۔ لیکن وہ مرتبہ صفات میں ان امور کے قابل ہے اور معیت خانۂ عین ہے۔ جس طرح کہ معیت ایک نقطۂ جوالہ[1] ہے۔ خارج کے دائرہ موہومہ کے ساتھ۔ پس جس طرح نقطہ کو دائرہ کے ساتھ ایک نسبت ہے کہ وہی خارج میں ظہور دائرہ کا واسطہ ہوا ہے اور خود اس دائرے کے اندر ہے، اسی طرح ذات حق، اور اس کے غیب مطلق کو اس کی قدرت کاملہ کی بدولت ایک نسبت واقع ہوئی ہے تنزلات علمیہ کے ساتھ جو خارج میں ان تنزلات کے ظہور کا سبب ہے اور وہ ذاتِ مطلق اپنے اسماء و صفات کے مطابق ان تنزلات کے لباس میں نمودار ہوئی۔

پ ١٦- آیۂ مذکورہ سے معیت کا جو مفہوم پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق بھی آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل بغیر حلول و اثنینیت کے واحد ہے اور بغیر چونی و چگونگی کے شائبے کے ہر جگہ اور ہر ایک کے ساتھ ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ہُوَ مَعَ کُلِّ شَیْءٍ لَا بِمُقَارَنَۃٍ وَغَیْرُ کُلِّ شَیْءٍ لَا بِمُزَایَلَۃٍ۔ یعنی وہ ہر شے کے ساتھ ہے مگر نہ بطریق مقارنۃ اور وہ نہ غیر ہر شے ہے نہ بطریق جدائی اگر اثنینیت ہوتی تو مقارنت ہوتی اور غیریت نہ ہوتی۔ اور اگر محض وہم ہوتا جیسا کہ حکمائے حسبانیہ کہتے ہیں، تو معیت صادق نہ آتی۔ بہر حال جس طرح وہ ظاہر ہو یہی کہنا پڑتا ہے کہ اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ۔ یعنی اسکے ادراک سے عاجز ہونا ہی اس کا ادراک ہے۔ وجہ مطلق سے ارادت رکھنے والے اور غیب ہویت کا اشتیاق رکھنے والے یہی کہتے ہیں کہ جو

---

[1] حضرت مجدد رح کی معارف لدنیہ (معرفت ١٨) میں بھی ایسی بحث آتی ہے۔

کچھ کہ دیکھا گیا اور جانا گیا سب غیر ہے۔ کلمۂ لا سے اس کی نفی کرنی چاہیے
کسی نے عارف رومی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ حق کیا ہے اور عقل کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حق وہ ہے جو کسی طرح بھی مدرک نہ ہو اور عقل وہ ہے کہ کسی طرح بھی بغیر اس کے آرام نہ ہو۔ ع

یہ قلق بے نہایت، یہ درد بے دوا ہے

ف:- آیۂ کریمہ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[1] (تم جس طرف منہ پھیرو اللہ کا منہ اسی طرف ہے) کے متعلق فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اس معنی کی حقیقت کا پرتو حاصل ہو تو فرض کرو کہ (آئینے کا) جوہر ہے تو جو صفات آئینے کی ہوں گی وہ چمک اور تدویر وغیرہ کے لحاظ سے اس آئینے کی ذات ہی سے متعلق ہوں گی اور اس آئینے کی ذات مختلف صورتوں کی نمائندگی کی موجب ہوگی اس سے چمک میں اضافہ نہ ہوگا۔ پس اس آئینے کی ذات، خارج میں ان صفات کا عین ہے۔ اسی طرح فرض کرو کہ ان صفات میں سے ہر صفت تمہارے خیال میں ایک صورت پیش کرتی ہے جس طرح کہ علم میں شیر کی تصویر عالمِ مثال میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرض کرو کہ اس آئینے کے جوہر میں ایک صورتِ خیالی منعکس ہوئی ہے یعنی اس جوہر نے ان جواہر کی ایک مجہول الکیفیت نسبت پیدا کر دی ہے جو اس صورت کی نمائندگی کا سبب ہے۔ پس ان صورتوں میں سے جس صورت کو تم دیکھتے ہو اس میں جوہر نہیں ہے اور حقیقت میں وہی ایک جوہر ہے (جس نے ان صورتوں کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت پیدا کی ہے) جس جگہ بھی کوئی صورت ہے۔ لیکن وہ جوہر اس صورت سے منزہ ہے کہ خارج میں اس کے وجودِ خارجی کی اسے بو تک نہیں پہنچی اور جو کچھ اس کے وجودِ خارجی سے معلوم ہے وہ صرف کہ بقدر ان صورتوں کے اس کی صفات مشاہدہ کی جاتی ہیں۔ پس جس طرف منہ کرو وہی صفات بلکہ صاحبِ صفات سامنے ہوگا۔ اور اگر ہزار سال تک پرواز کرو اور ہزار چلے بھی کھینچو، جذبۂ الوہیت میں سے ایک جذبہ بھی نظر نہ آئے گا۔ اور صورتِ اشباح وارداح کبھی نظر سے اوجھل نہ ہوگی۔ پھر محبتِ ذاتی جو ایک سِرِّ مکنون

---

[1] سورۃ البقرہ (۱۱۵) — یہ مضمون کلیات باقی باللہ رح (ص ۱۶۹، ۱۷۰) میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

ربو شیدہ رہتا ہو وہ بھی جلوہ گر نہ ہوگی اور وہ مجہول الکیفیت نسبت جو ادراک کو قائم کرتی ہے اور اس محبت کی مقتدا ہے اور جسے ادراک بسیط کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے پیدا نہیں ہوگی جب ارادۂ وجہ اللہ ہی متحقق نہ ہوگا تو شناسائی اور معرفت کہاں حاصل ہوگی!

۸۔ مذکورہ بالا دو آیتوں کی معنی کی تحقیق میں آپ نے یہ چند دل نشیں اور عمدہ فقرے تحریر فرماتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی فیض اقدس سے اشیاء کو ظاہر فرمایا اور اپنی صفات وشیون کو اس ظہور کے پردے میں خفا وبطون کی تنگی سے باہر نکالا اور خود کو ان اعتبارات کے آئینے میں جلوہ گر کیا۔ اس کی وحدت کی تنگی میں دوئی کی گنجائش نہیں۔ وہ ذاتِ مطلق ہے اور دائرہ اطلاق سے باہر ہے۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کیسا ہے اور وہ کیا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ایک کلمۂ کن سے خواب عدم کے سونے والوں کو بیدار کر دیا جب وہ شوق کے مارے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو وجود کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے سادہ لوحی سے اپنا عکس دیکھا تو پندار وجود ان کے سر میں سمایا۔ ناگاہ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ[1] کی آواز ان کے کان میں پہنچی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ معیت بغیر دوئی کے متصور نہیں ہو سکتی چنانچہ حیرت پیش آئی (حالانکہ) جمالِ عکس سے وجود کی بشارت ملتی ہے اور نوائے معیت سے عدم کا اشارہ ملتا ہے (بہر حال) وجود اور عدم باہم مل گئے اور (اصل) وجود کو فراموش کر دیا (اس طرح) درِ مقصود کو اپنے لئے بند کر لیا۔ لیکن اس کریم مطلق نے اَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[2] (جس طرف منہ کرو وہی طرف اللہ کا رخ ہے) کی بشارت دی اور فرمایا کہ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ[3] (اور وہ تو تمہارے اندر ہی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے) جو لوگ تیز کان والے تھے انہوں نے جان لیا کہ ہم خود اپنے ہی حجاب بن گئے ہیں (اس لئے) خود کو درمیان سے ہٹا دینا چاہیئے۔ اس دست برد کے وقت انگشتِ ارادت نے دامنِ مقصود تک رسائی حاصل کی۔ عروق کی راہ سے نسیم آگے بڑھی اور دوست کی خوشبو کو قلب کے دریچوں تک پہنچا گئی یہ۔ چارہ گر بڑا اور محبوب کے کرشمے نے کام کیا کہ درمیان سے حجاب لوٹا دیا۔ اور لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کا نعرہ دیا چونکہ ناز و نیاز والا معاملہ درمیان

---

[1] سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۵ [2] سورۃ الذاریات آیت ۲۱ [3] سورۃ البروج آیت ۲۰

میں تھا اس لئے چہرے کو چھپا لیا اور فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ[1] (پس ثابت قدم رہ جیسا کہ تجھ کو حکم دیا گیا) والی آواز گوشِ جان تک پہنچا دی۔ صبوحی کا مخمور جب اٹھانے لگا تو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کا شور سنائی دیا لیکن وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ[2] (اللہ ان کے پرے سے بھی احاطہ کئے ہوئے ہے) کے نکتے نے اس کے حال میں قلق و اضطراب پیدا کر دیا۔ ایک طرف سے دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (اپنے نفس کو چھوڑ دے اور آگے آ) اور ایک طرف سے فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[3] (تو اپنا منہ پھیر لے مسجد حرام کی طرف) نے اضطرار پیدا کر دیا۔ لیکن اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ[4] (کون قبول کرتا ہے حاجت مند کی دعا جب وہ اسے پکارتا ہے) والی عنایت نے پردۂ حجاب کو جو لازمۂ وجود ہے عینک بنا کر پیش کیا تو قَابَ قَوْسَيْنِ کی صورت ظاہر ہوئی اور یہ بات انتہا نہیں رکھتی۔

ب۹ ـــ اس ذات کی محبت کے حصول کے سلسلے میں جس کا ذکر اوپر آیۂ کریمہ کے ذیل میں آچکا ہے آپ نے فرمایا کہ ایسے درویش کی خدمت اختیار کرو جو خود سے فانی ہو کر اس ذات کی محبت میں باقی ہوا ہو اور اس کے وجود میں سوائے محبوب، محبت اور مشاہدۂ محبوب کے اور کچھ نہ رہا ہو اور حقیقت میں فنا فی اللہ کے مقام میں پہنچا ہو کیونکہ اس کا دیدار اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰه (جب ان لوگوں کو دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے) کے حکم کے مطابق، ذکر کا فائدہ دیتا ہے اور اس کی صحبت اللہ کے ساتھ رہنے والوں کے حکم میں ہے۔ ایسے درویش کی صحبت اسم الحکیم کی مظہر ہے۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے حکمت کے بغیر نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی حکمت تجھ پر ظاہر نہ ہو۔ ایسے درویش کی تابعداری کی کوشش جان و دل سے کرنی چاہیئے تاکہ قبولیتِ الٰہی اس کے دریچۂ باطن سے حاصل ہو اور تو سعادتِ ابدی حاصل کر لے۔ اور اگر اسم الرحیم یا الکریم مقدمۂ اسم القدیر ہو جائے تو وہ تیرے معاملات میں تصرف کر سکے اور سلطانِ غیبت و بے شعوری، تیری ہستی کے کارخانے میں خلل انداز

---

[1] سورۃ ھود آیت ۱۱۲ [2] سورۃ البروج، آیت ۲۰
[3] سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۴ [4] سورۃ النمل، آیت ۶۲

ہو سکے۔ اسی غیبت میں تو نورِ ہدایت سے روشناس ہو سکے گا اور عجب نہیں کہ اللہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے معنی کے لحاظ سے اسی ایک غیبت میں تجھے چشم بصیرت حاصل ہو جائے اور اگر تیری استعداد میں کسی قسم کی کدورت ہو تو اس کے علاج کا طریقہ (طریقہ وقوفِ عددی) اس دانا درویش سے سیکھنا چاہیئے اور تو اس نورِ ہدایت کیلئے تقویت حاصل کر سکے اور شریعت کی متابعت اور طریقت کے آداب کی رعایت (۱) اکلِ حلال اور (۲) صدقِ مقال اور (۳) نااہل و ناجنس کی صحبت سے اجتناب ہی حاصل کر سکے کہ یہی چیزیں تیرے کام کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اس غیبت کو جس کا تعلق آگاہی اور تجلی ذاتی سے ہے تو اس طرح پہچان سکتا ہے کہ گویا تو یکایک قرصِ آفتاب کے قریب جا پڑا ہے اور اس کی شعاعوں سے تیری بصارت و بصیرت خیرہ و تاریک ہو گئی ہے۔ اور جب فی الجملہ تیرے باطن میں ظہورات کی تکرار کی وجہ سے قوت پیدا ہو جائے گی تو اگر تیرا نورِ بصیرت خیرہ و تاریک بھی ہو گا، تب بھی تیری بصیرت بحال رہے گی اور تجھے معلوم ہو جائے گا کہ وہ نورِ خورشید کا غلبہ ہے۔ لیکن تو یہ نہ جان سکے گا کہ وہ کس طرف سے آیا ہے اور تجھے اس سے قرب حاصل ہے یا نہیں۔ اور جب رطوباتِ عنصریہ خشک ہو جاتے ہیں اور حرارتِ طبیعت بھی قائم نہیں رہتی اس وقت یہ قوت پیدا کر سکے گا کہ چشم بصیرت کھول کر قرصِ خورشید کے قریب خود کو پہنچا دے۔ لیکن اس نور سے خود کو مدہوش نہ کر دینا اور اگر تو اسی مقام پر رہ گیا تو صرف مشاہد ہو کر رہ جائے گا۔ اور اگر چاہیں گے کہ تجھے عارفِ موحد بنائیں تو اس نور کی سطوت سے تو بے ہوش ہو جائے گا اور خورشید کا نور غالب ہو گا اور تیری بصیرت کے دریچے سے ظاہر ہو گا اور تجھے ایسی بینائی ملے گی جو آسمانی ہو گی اور خورشید شناس بھی ہو گی۔ اور تو خود درمیان میں نہ ہو گا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

ج ۱۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تمہاری استعداد لطیف ہو گی اور اگرچہ دقت کے لحاظ سے حجابِ لطیف کی وجہ سے شروع میں تم پر راہ روشن نہ ہو گی۔ لیکن ایک طرح کی توجہ ضرور حاصل ہو جائے گی کہ بلا تکلف تمہارا دل۔ ذاتِ اقدس کی غیبت کو دیکھتا ہو گا۔ چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے اس توجہ کو قائم رکھو اور شب و روز، فراغِ خاطر، جمعیتِ دل اور طہارتِ کامل کے

ساتھ اس توجہ کو قائم رکھو اس طریقے پر جو اس سلسلے کے اکابر کی کتابوں میں مذکور ہے اور اگر تم کو اس درویش کے ساتھ محبت پیدا ہوگئی ہے جو غیاب میں بھی تم کو اپنے دیدار سے مشرف کرتا رہتا ہے اور تم کو طریق رابطہ بھی میسّر ہے تو نورٌ علیٰ نور کیا کہنا۔ اس طریق رابطہ کو قائم کرو لیکن ہوش میں رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے اس درویش کی خاطر مبارک میں کراہت پیدا ہو جائے۔ اور یہ بھی چاہیئے کہ اپنی ہر مراد کو اپنے اندر سے دور کر دو۔ اور سوائے اس کے کوئی مراد نہ رکھو تاکہ اپنے مقصد کے منتہا کو پہنچ جاؤ۔ بہر حال اس طریقے کا دار و مدار باہمی ربط پر موقوف ہے۔ جانبین میں جس کسی کے دل میں تھوڑی سی بھی کراہت پیدا ہو جاتے۔ تو فیض کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ تمہارے باطن کی اور اس درویش کی مثال آئینے اور آفتاب جیسی ہے۔ اور جس طرح آئینہ جب سورج کے سامنے ہوتا ہے تو اس کی حرارت کو حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح تمہارا باطن جب اس درویش کے مقابل ہوتا ہے تو معرفت الٰہی کی حرارت حاصل کرتا ہے اور نقوش اور صورتوں کے تمام حجابات نظر سے اٹھ جاتے ہیں اور برزخ (درمیان) والی راہ سے تمہارے سر والی آنکھ (یعنی بصیرت) اس کی رفعت کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، پھر محبت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور خرمنِ ہستی جلنے لگتا ہے۔ اور اب تمہاری اور تمہارے درویش کی مثال روئی اور آفتاب نما آئینے جیسی ہو جاتی ہے۔ اور یہ طریقہ دراصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے کہ ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حُبّی بے انتہا تھی اور اسی طرح وہ فیض حاصل کرتے تھے۔ یہ بات اہل تحقیق کے نزدیک ہی صحیح ہے۔ اور صاحب رشحات عین الحیات[1] نے یہ بات حضرت خواجہ ناصر الدین عبیداللہ احرار قدس سرہ سے تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ ہمارے بزرگواروں رح کا یہ طریقہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نسبت رکھتا ہے نسبت حُبّی کی وجہ سے ہے اور ان کا طریقہ اسی نسبت حُبّی کو ملحوظ رکھنا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

---

[1] حسین الواعظ الکاشفی (م ۹۱۰ھ) کے بیٹے فخر الدین علی الصفی نے ۹۰۹ھ میں رشحات (تاریخی نام) مرتب کی حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رح کی خدمت میں ۸۸۹ھ اور ۸۹۳ھ میں حاضری دی اور ان سے مستفیض ہوئے۔

ف ۱۱ بر وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا[1] کی آیۂ کریمہ کے ذیل میں شمس و قمر کی قسم وغیرہ کی قسم کے راز کو اس طرح سمجھایا ہے[2] کہ اکابر محققین نے مظاہر و مخلوق کی ایسی تعظیم کو مقامِ معرفت کے آداب میں شمار کیا ہے کہ وہ جمالِ مطلق کے مجالی (جولان گاہ) ہیں اور انسان کی مظہریت مطلقہ اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ عینِ مطلق ہے تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ بلکہ اس معنی میں ہے کہ صفات و افعالِ مطلق لَوْنُ الْمَاءِ لَوْنُ اِنَائِہٖ (پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہوتا ہے) کے مصداق، ان کے پردے میں اور ان کے رنگ میں ظہور کرتے ہیں اور اربابِ مشاہدہ کی نظر بصیرت ایسے اجتماع و کثرت میں سوائے نورِ ذات کے اور کہیں نہیں پڑتی۔ اس لئے نہیں کہ ذاتِ مطلق ان کے ادراک میں آجاتی ہے بلکہ اس کی ہستی کو ذوق و محبت اور استہلاک و اضمحلال کے ذریعے سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً فرض کریں کہ ایک آئینہ اس قدر صاف و شفاف ہے کہ جب تک کوئی صورت اس کے سامنے نہ ہو اس کو معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ وہ آئینہ ہے بھی یا نہیں، اب اگر کوئی شخص آئینے پر عاشق ہو اور جب اس کی آنکھیں آئینے کی شعاعوں پر پڑیں تو وہ اس کے شوق و محبت میں محو ہو جائے۔ پھر کہہ سکتے ہیں کہ سوائے آئینے کی ذات کے اس جگہ اور کوئی نہیں اور جو صورت کہ آئینے کے سامنے پائی جاتی ہے وہ موجود نہیں بلکہ وہ محض بغیر وجود کے ایک نمود ہے اور موجود صرف وہ آئینہ ہے اور بس۔

ف ۱۲ :- وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا[3] والی آیۂ کریمہ کی تحقیق میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو دن سورج کو ظاہر کرتے ہیں وہ ایام بیض کی راتیں ہیں بخلاف اور دنوں کے کہ انہیں سورج ظاہر کرتا ہے اور یہ طریقہ اثر سے موثر کی طرف استدلال کرنے کا ہے اور وہ موثر سے اثر کی طرف ہے یعنی یہ علماء کا طریقہ ہے اور وہ عرفاء کا طریقہ ہے اور رات کی یہ تعظیم جب کہ وہ نورِ آفتاب کو چھپالے اس

---

[1] پارہ ۳۰ سورۃ الشمس

[2] کلیات باقی باللہ کے صفحہ ۱۵۹ - ۱۶۰ میں یہ بحث زیادہ تفصیل سے ہے اور اوپر والی بحث صفحہ ۱۵۸ کے آخر میں ہے [3] پارہ ۳۰ سورۃ الشمس

[4] کلیات باقی باللہؒ صفحہ ۱۶۱

لئے ہے کہ وہ عابدوں کی فراغت کا۔ ذاکروں کے آرام کا اور اہل محبت کی خلوت کا وقت ہے اور رات کا نور آفتاب کو چھپا لینا اس معنی میں ہے کہ نورِ آفتاب کا رنگ اس وقت عدم کے رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سایہ بھی ایک نور ہے جو ظلمت کے رنگ میں ظاہر ہوا ہے اور ظلمت یہ ہے کہ بعض اشیاء جو ظاہر ہیں وہ چھپ جائیں۔ یہی بات ظہورِ عالم پر بالکل صادق آتی ہے کہ اسی طرح واجب تعالیٰ بھی مقرِ بطون ہے۔ لیکن اس کے احکام و آثار جو کہ (حقیقت میں) اس کے اسماء و صفات (کا پَرتَو) ہیں ظہور پذیر ہیں۔ اسی طرح ممکن بھی پردۂ عدم میں متمکن ہے لیکن واجب کے احکام و آثار کے ساتھ اس کا حکم و اثر بھی شامل ہو گیا ہے اور مقصود حجاب بن گیا اس بیان سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰهَا۔ کو ایام بیض کی راتوں کے ساتھ ایک اور طرح بھی مناسبت کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں چاند بالکل سورج کے مقابل ہوتا ہے اور سورج اس میں پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کا ظہور آئینے کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے اس لئے وہ عام نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

ب ۱۳۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا والی آیہ کریمہ کی تفسیر میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ نفس کا گم کرنا روح کا گم کرنا ہے کہ نفس کے ارکان کی تسویہ و تعدیل کے بعد اس میں روح پھونکی گئی ہے اور اس طرح وہ اس صورت میں ہوا ہے۔ اسی لئے بہت سے علماء صرف نفس اور اس کی صورت کے کوئی اور امر ثابت نہیں کرتے اور موجودہ دور میں عام لوگ اسی منزل میں ہیں (یعنی اسی طرح سوچتے ہیں) اور روح کا گم کرنا گویا روحانی خواص کا گم کرنا ہے اور جانوروں کی طرح زندہ رہنا ہے (بقول قرآن) أُولٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ[1] (یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ سے ہٹے ہوتے ہیں) اور ناامیدی اور یاس کو کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ[2] (اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے لیکن کافر لوگ) کیونکہ جو شخص اللہ پر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا وہ اسی وقت، نفس کی

---

[1] سورۃ الاعراف، آیت ۱۷۹ ، سورۃ الفرقان، آیت ۴۴

[2] سورۃ یوسف، آیت ۸۷

قید سے آزاد ہوا اور خاصہ روحانیت کی صفت سے متصف ہوا۔ بلکہ وہ اخلاق الٰہیہ میں سے ایک خلق سے متحقق ہوا۔ اسی لئے حنفی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایمان غیر مخلوق ہے۔

؎ اے مسلمانو، مناؤ تم خوشی ❊ سرو و سوسن کی ملیں آزادیاں

بہت سے محقق مشائخ اسی بات کے قائل ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تحقیقی ایمان لایا وہ پھر ہرگز ایمان سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص ایمان سے پھر گیا وہ محض تقلیدی ایمان والا تھا۔ اور شافعیہ نے جو یہ لکھا ہے کہ۔ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللہُ (میں انشاء اللہ مومن ہوں) تو بعض علماء نے اسی معنی میں محمول کیا ہے کہ "میں انشاء اللہ تحقیقی طور پر مومن ہوں"۔

۱۴۔ سورۃ اخلاص کے معنی کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ اس کو سورۃ اخلاص اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے سننے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا اعتقاد ہر جلی اور خفی شرک کی گرد و غبار سے پاک ہو جاتا ہے اور اسکے عمل میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے۔ در شرک جلی و خفی سے اعتقاد کا اخلاص یہ ہے کہ الوہیت میں اپنا اعتقاد اس ذات کے ساتھ رکھے کہ جس کا کوئی مثل کسی طرح بھی عرصۂ امکان میں نہ ہو۔ ورنہ وہ ممکن کا کا معتقد کہلائے گا۔ اسی لئے اکابر نے فرمایا ہے کہ التوحید افراد القدم عن الحدث۔ (توحید یہ ہے کہ ذات قدیم کو حادث سے پاک کیا جائے) اور اسی لئے حضرت ابو علی دقاق رحمہ اللہ توحید حالی کے متعلق فرمایا ہے کہ اَلتَّوْحِیْدُ غَرِیْمٌ لَا یُقْضٰی دَیْنُہٗ (توحید ایسا قرض دار ہے جس کا قرض ادا نہیں کیا جا سکتا) کیونکہ آثار بشریت کا پورا پورا اضمحلال کبھی کبھی تو ہوتا ہے اور وہ بھی برق کی ایک آن کے لئے ہوتا ہے (اور غبار شرک جلی و خفی سے پوری طرح اعتقاد پاک و صاف نہیں ہوتا) پس اس سورۃ سے اس صاحب دولت کو کہ جسے صفائے قلب حاصل ہے اعتقاد کے پردے میں توحید حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی یہ کیفیت کسی دوسری مخلوق کو نصیب نہیں۔

باب مدینۃ العلم یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اَلْاِخْلَاصُ نَفْیُ الصِّفَاتِ اخلاص یہ ہے کہ صفات کی بھی نفی کی جائے[۲] بے شک اس درجے کی توحید، ذات احدیت سے

۱؎ علامہ اقبال رح نے اسی طرح کہا ہے:-

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں ❊ غلغلہ ہائے الاماں بت کدۂ صفات میں

تعلق رکھتی ہے اور مقامِ احدیت میں تجلی بالکل نہیں ہوتی۔ گو کہ وہ احدیت کو فروغ دیتی ہے۔ پس جانا جس نے جانا۔

(۱۵) مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کی تفسیر[1] میں آپ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے مَا خَلَقَ سے مراد یہی صبح ہو اور صبح کے شر سے مراد وہ شر ہو جو بیداری کے عالم میں بشریت کے لوازم کی وجہ سے پیش آئے اور اس میں راز یہ ہے کہ صبح میں شر کو صراحت کے ساتھ اضافہ نہیں کیا جیسا کہ غاسق میں کہ شب ہے اس صراحت کے ساتھ اضافہ ہے کیونکہ شان صبح یہ ہے کہ اس وقت انوارِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ معنی بھی اسی طرح ہیں کہ بعض نے فلق سے مراد خلق لی ہے اور اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے اَعُوْذُ بِرَبِّ الْخَلْقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ مراد لی ہے اور ما خلق کی عبارت کے ساتھ شر کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ اس کا شر، خلق کے ساتھ حق ہے لیکن تصریح نہیں کی گئی بلکہ ظاہری طور پر اس کی نسبت مخلوق کے ساتھ کی گئی ہے۔ تاکہ بندہ کا طریقہ جبر اور قدر کے درمیان رہے یعنی ظاہر میں قدر اور باطن میں جبر ہے

اسی طرح مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ ۔ میں شر کی اضافت بہت ممکن ہے کہ شب کی طرف ہو یعنی اس مناسبت کی وجہ سے جو شر اور شب کے درمیان ہوتی ہے اور یہ اس طرح کہ رات عدم کی طرف ظہور کرتی ہے یعنی جب سورج کی شعاع ڈوبتی ہے اور رات شروع ہوتی ہے تو اس کا وجود عدمی ہوا۔ اسی طرح اہل تحقیق کے نزدیک شر، معدوم ہونے کا ایک امر ہے، موجود ہونے کا ایک امر نہیں ہے۔ کیونکہ وجود تو خیر محض ہے۔

اسی طرح من شر ما خلق میں لفظ شر سے اشارہ اس بات کی طرف ہو سکتا ہے کہ تادیباً فرمایا گیا ہے اور ادب یہ ہے کہ ذمائم کی طرف بظاہر نسبت نہ کریں بلکہ مظاہر سے اس کو مربوط جانیں اور ان ذمائم کی سیاہ بختی کے اسباب سے جانیں جیسا کہ بندہ اپنے اندر استعداد کسب جان کر کہتا ہے کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا (اے ہمارے پروردگار، ہم نے ظلم کیا) اور وہ وجود حقیقی سے نسبت نہیں دیتا اور یہ نہیں کہتا کہ میں مظہر سے زیادہ کچھ نہیں اور جو کچھ مجھ میں ہے

---

[1] کلیات باقی باللہ رح ص ۱۶۵-۱۶۶

وہ کسی اور جانب سے ہے اور میں کیا کر سکتا ہوں۔ وہ تو سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور مقدر کیا ہوا ہے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ صبح اور شب سے ارادے کا حضور اور غفلت مراد ہو سکتی ہے۔ اسی طرح غاسق سے خلق ارادہ مراد لے سکتے ہیں کیونکہ لغت میں غاسق کا مطلب بھرا ہوا اور سیہ ہے اور خلق بھی اسی طرح ہے کہ وہ اپنے قیوم (قائم کنندہ) سے پُر ہے۔ اگر نورِ وجود اس کے ایک ذرے سے بھی دور ہو جائے تو اسی وقت وہ ذرہ معدوم ہو جائے۔ اسی طرح غاسق، سائل کو بھی کہتے ہیں اور خلق بھی سائل ہے۔ کیونکہ عرض دو لمحہ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور شرِ خلق سے پناہ چاہنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ خلوت خانہ سر میں نہ آئے اور حجاب مقصود نہ ہو۔

۱۶: اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ کی تحقیق میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ وسوسہ جو انس و جن کی طرف سے شیطان، انسانوں کے دلوں میں ڈالتا ہے وہ ان (انسانوں) کی قدرت اور فعل کے دیکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) یہ وسوسے یا تو محض خیالات اور خطرے ہوتے ہیں اور یہ اس شخص کے دل میں پیدا ہوتے ہیں جو توفیق الٰہی سے اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ تمام بندوں کے افعال کا خالق صرف اللہ پاک ہے۔ لیکن ظاہری عقل اور حس کا مشاہدہ یہ ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال ان کے اختیار سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق بندوں ہی کو سمجھا جائے۔ چنانچہ معتزلہ لوگ ان کا تعلق انسان اور جن سے قرار دیتے ہیں۔ لیکن عام لوگوں کا خیال اس سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ معتزلہ تو بندے کے فعل کو تقدیر الٰہی کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں یعنی حق تعالیٰ نے اسے اس طرح پیدا کیا ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے لیکن عام لوگ اپنے معاملات میں اس بات سے بھی غفلت برتتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم وسوسہ کی یہ ہے کہ بندے کو الوہیت میں شریک کر دے جیسا کہ فرعون اور شداد

---

[۱] ایضاً صفحہ ۱۶۷-۱۶۸۔

کو کیا ہے۔

پہلی قسم کے وسوسے کو اس دفع کیا جا سکتا ہے کہ خلق کو حق سبحانہٗ سے جدا نہ جانے اور خلق کے فعل و صفت کو حق تعالیٰ کے فعل و صفت کا پر تو سمجھے اور یہ اعتقاد رکھے کہ ربوبیت یہ ہے کہ ظہور رب، مربوب کی صورت میں ہے۔ اسی لئے شیخ اوحدی[1] نے کہا ہے :-

تا جنبش دست ہست مادام ۔۔۔ سایہ متحرک است ناکام

جب ہاتھ اسی کا ہل رہا ہے ! ۔۔۔ بے معنی سائے کی ہے حرکت

پس بِرَبِّ النَّاسِ والا استعاذہ اس کے مناسب ہے اور اس سے وسوسۂ دوم بھی دور ہو جاتا ہے۔ لیکن مَلِكِ النَّاسِ والے استعاذے کے مناسب یہ بات ہے کہ بندوں کا عجز ظاہر ہو اس امر میں جو وسوسۂ دوم سے مشابہت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ وجود حقیقی ہی میں ظہورِ قدرت کا پورا پورا اعتقاد ہونا چاہیئے تاکہ اس کے اور معتزلہ کے درمیان ظاہر اور مظہر سے سوا کوئی فرق باقی نہ رہے۔ اور اس کا علاج مَلِكِ النَّاسِ کی پناہ حاصل کرنا ہے اور یہ صیغہ جمع میں ہے۔ تاکہ ظاہر ہو کہ مشیت ازلی پر ہی دارومدار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ[2] (اے پیغمبر، آپ ہدایت نہیں کر سکتے جس کو آپ دوست رکھیں لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے)

جب بنی آدم کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا فرمایا گیا ہے تو دوسروں کا کیا ذکر؟ اور اس استعاذے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر چند مظہر میں فعل و قدرت ہے لیکن مظہر میں خلق اور تاثیر نہیں ہے کیونکہ عالم تو ہر آن معدوم ہوتا رہتا ہے اور اس کا مثل ظہور میں آتا رہتا ہے۔ پس خلق اور تاثیر پوری طرح مرتبۂ الوہیت سے ہے اور اور اس بیان سے وسوسۂ سوم بھی دور ہو جاتا ہے بلکہ وہ تو اسی ظاہر و مظہر کے فرق ہی سے دفع ہو گیا تھا کہ لوگوں نے فرعون اور شداد کی صورت کو الوہیت سمجھ لیا تھا اور ان کی حقیقت کو نہیں پہچانا تھا۔ لیکن استعاذہ إِلَٰهِ النَّاسِ کے ساتھ (اس کے دفع کرنے کیلئے) مناسب ہے۔

---

[1] اوحدالدین کرمانی (م ۶۳۵ھ) کے مرید شیخ اوحدی (م ۷۳۸ھ) تھے۔ ہر صنف شاعری میں ان کا کلام محفوظ ہے [2] سورۃ القصص ۵۶)

ج ا:- سورۂ مذکورہ کی تحقیق میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ وسوسۂ خناس تین قسموں سے باہر نہیں۔ یا تو وہ معصیت میں ڈالے گا یا بندے کے دل پر تصرف کر کے خیالات اور خطرات پیدا کرتا رہے گا بغیر معصیت میں ڈالے ہوئے۔ یا بغیر نعوذ باللہ وہ کفر میں ڈال دے گا پہلی حالت میں بِرَبِّ النَّاسِ کی طرف التجا کرنا ہی مناسب ہے کیونکہ معصیت تو موت کا سبب بن جاتی ہے جیسا کہ بعض کشف و تحقیق والے اکابر نے فرمایا ہے کہ گناہگار لوگ دوزخ میں مر جائیں گے۔ کیونکہ ان کے لئے ارشاد ہے لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ۔ [۱] (نہ وہ مرے اور نہ جئے) اور ربوبیت تو وجود و حیات کا واسطہ ہے۔ اور قسم دوم میں بندہ تو شیطان کے قبضے میں آ جاتا ہے اس لئے مَلِكِ النَّاسِ سے التجا کرنا چاہیے۔ اور قسم سوم میں اِلٰهِ النَّاسِ سے التجا کرنا انسب ہے۔

ج ۴:- حدیث ہے كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ۔ (اللہ تھا اور اس کے ساتھ اور کچھ نہ تھا) اس حدیث کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ کلام، مشکوٰۃ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے ظاہر ہوا ہے۔ اس سے اشارہ، مرتبۂ اطلاق کی طرف ہے اور اس کا تقدم تمام تقدی مراتب پر ہے جو ذات سے متعلق ہیں اور اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ (اب بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ تھا) کہ انوار مشکوٰۃ (علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیات) سے اقتباس کر کے بعض اکابر صوفیہ کی زبان پر جاری ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی اسی طرح محض مرتبۂ اطلاق پر ہے اور مقیدات کے ظہور نے جلوۂ اطلاق کو ماند نہیں کیا اور اس کی ذات میں ازل، ابد، ظاہر، باطن سب ایک ہی نقطے میں جمع ہیں۔ اور ذراتِ عالم سب کے سب آگے پیچھے دو موہوم الاتصال آن میں رحمت یا قہر کی صورت میں آتے ہیں اور پھر گم ہو جاتے ہیں۔ اور ان دونوں آن کے درمیان اطلاق کا لامتناہی دریا موجود ہے اور ظہورِ مقیدات کی کوتاہی کی وجہ سے اس اطلاق سے نسبت بہت ہی قریب کی ہو جاتی ہے کہ عارف کی نگاہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ [۲] کو ہمیشہ دیکھتی ہے۔ اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ حِفْظُ مَا بَيْنَ النَّفَسَيْنِ بھی عارف کے لئے ضروری ہے

---

[۱] سورۃ طٰہٰ آیت ۷۴۔ سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۳

[۲] سورۃ القصص آیت ۸۸

تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خود کو فنا و نیستی میں ڈال دے کہ وہ دونوں نفس، نفسِ رحمانی ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ عارف کے لئے حفظ مابین النفسین سے اصلاحِ بَیْن بہتر ہے ورنہ عارف کو حفظ مابین النفسین کی کیا ضرورت ہے یہ حفظ مابین النفسین تو اس سے جدا نہیں ہوتا خواہ اصلاح بَیْن ہو یا نہ ہو۔ اَلْآنَ کَمَا کَانَ سے یہ مطلب ہے کہ نمودِ اشیاء نمودِ بے بود ہے اور وجودِ خارجی کی بو بھی اس تک نہیں پہنچی۔ اور وہ صرف علم ہی کی منزل میں رہ گئی تھی۔ یا پھر کہا جائے کہ (واللہ تعالیٰ اعلم) کَانَ اللّٰہُ اس وقت کے ظہور کے بعد کا واقعہ ہے کہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ [1] جس کا مُبَیِّن (ظاہر کرنے والا) ہے اسی طرح اَلْآنَ کَمَا کَانَ بھی اسی معنی کے ظہور کے بعد واقع ہوا۔ یا پھر اس طرح کہا جائے کہ اَلْآنَ کَمَا کَانَ تو اس معنی میں صحیح ہے اور کَانَ اللّٰہُ پہلے معنی میں یعنی میری نظرِ شہود میں ایسا تھا۔[2]

ف ۱۹:۔ حدیث قدسی ہے مَنْ قَتَلَہٗ مَحَبَّتِیْ فَاَنَا دِیَتُہٗ [3] (جسے میری محبت نے قتل کیا اس کا خون بہا میں ہوں) اس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس میں مراقبے کا طریقہ بتایا ہے کہ جس وقت محبتِ ذاتی، افناء و اماتت کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے ذوقِ محبت حاصل ہوتا ہے اور تجلیٔ ذات فائز ہوتی ہے اور اس جگہ خون بہا (دیت) یہی ذوق ہے جو بعد افناء کے محبتِ ذاتی میں ظاہر ہوتا ہے یعنی طریقۂ مراقبۂ مذکور جو ظہورِ محبتِ ذوقیہ سے عبارت ہے مقصود تک پہنچاتا ہے۔

اسی ضمن میں آپ نے فرمایا ہے کہ اس طریقے کا دار و مدار تین چیزوں پر ہے۔

(۱) اہل سنت والجماعت کے عقائد پر پختگی

(۲) دوام آگاہی (۳) دوام عبادت

ف ۲۰:۔ حدیث قدسی ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ

---

[1] پوری حدیث اس طرح ہے لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔ (مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے کہ جس میں میرے ساتھ کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں) [2] کلیات باقی باللہ، صفحہ ۱۵۱

[3] ایضاً صفحہ ۲۲-۱۵۰

وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْہٗ فِیْ مَلَاءِ الْمَلٰئِکَۃِ۔ (میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں۔ اگر وہ دل سے مجھے یاد کرتا ہے میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ یعنی فرشتوں کی جماعت میں) اس حدیث کے متعلق آپ نے فرمایا کہ خدائے عزوجل سے اچھا گمان رکھنا چاہیئے اور اپنے نفس سے بدگمان ہونا چاہیئے اور خائف بھی رہنا چاہیئے۔ مشائخ کو اس امر میں اختلاف ہے کہ بندۂ مومن کا غالب حال رجا ہونا چاہیئے یا خوف بعض نے کہا ہے کہ بڑھاپے میں رجا اور جوانی میں خوف ہونا چاہیئے۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ ہمیشہ رجا ہی غالب رہنا چاہیئے اور برتری ملاء اعلیٰ کی اس صورت میں جب کہ اللہ کا ذکر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوا ہو اس اعتبار سے نہیں کہ رُسلِ ملائک، رُسلِ بشر سے افضل ہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ وہ وجودِ روحانی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ملاءِ اعلیٰ میں ہے۔ حق تعالیٰ اس بندے کا ذکر اس ملاءِ اعلیٰ میں کرے گا، یا افضلیتِ ملاءِ اعلیٰ اس اعتبار سے ہے کہ اسے مہیمن کہتے ہیں اور وہ رُسلِ بشر سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا ذکر اس ملاءِ اعلیٰ میں کرتا ہے۔

۲۱:۔ حقیقتِ مراقبہ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ مراقبہ انتظار ہے[1] اور انتظار کی پاکی، مقصود کی طلب میں ہے اس حالت میں کہ طالب اپنی قوت اور حول (توانائی) سے باہر آجائے اور لقائے مقصود کا مشتاق بن کر اللہ کی آرزو کے سمندر میں غرق ہوجائے۔ یہ قوت اور حول (توانائی) کوشش کی راہ کا غبار ہے اور انتظار آستانۂ کشش ہے۔ ایسا مراقبہ صرف منتہی یا اس کے قریب کے درجے والا ہی کرسکتا ہے۔ اسی لئے حضرت نجم الکبریٰ قدس سرہٗ نے وہ دس درجے کہ جن پر موت بالارادہ کو موقوف کہا ہے ایسے مراقبے کو نویں درجے پر رکھا ہے۔ لیکن مبتدی کو منتہی کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اور خود کو اپنے حول اور قوت سے باہر کرکے محض انتظار میں رکھنا چاہیئے۔ باقی تمام مراقبے جن میں مطلوب کو شکل و مثال و علم و خیال میں مقید دیکھے وہ سب عرصۂ تعقل میں ہیں اور اس سے فروتر ہیں۔

؎ ہر چہ بیش تو بیش ازاں رہ نیست
غایتِ فہم تست اللہ نیست

(راہ سے آگے تیری راہ نہیں،
عقل کی حد ہے وہ الہٰ نہیں)

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ۔ صہ ۳۳۔

ب ۲۲: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ نماز کی حقیقت بھی ہے اور صورت بھی[1]۔ اور اس کی حقیقت کا ظہور موقوف ہے موتِ اختیاری سے مشرف ہونے پر اور اس شرف کا حصول، راہِ سلوک ہیں دس مشہور اصولوں پر مبنی ہے اور حقیقی نماز کا طالب اگر جذب الٰہی کے نزول سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اس جذبے کی اہلیت اس کے سلوک پر مقدم ہوتی ہے۔

نمازِ حقیقی کی صحیح صورت یہ ہے کہ طہارت باطن کے بعد سچی توبہ کی طرف رجوع ہو اور دل کو تمام نفسانی آرزوؤں سے خالی کر کے کہ وہ سالکوں کے لئے مضر ہیں حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو۔ وہ توبہ بالکل خالص ہو جس میں اچھے اور برے کسی طرح کے اعتقادات نہ ہوں اور اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔[2] (میں نے اپنا منہ کیا سچائی کے ساتھ اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) کے کلمے کو اپنا شعار بنائے۔ پھر ممکن ہے کہ غیبی کشش آ کر اسے اپنی طرف کھینچ لے۔ اور وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ کی حقیقت جلوہ گر ہو۔ اب اس کا تعلق قوی ہو جائے گا اور حقیقتِ مراقبہ جو حصولِ مقصود کے لئے ہے ظہور پذیر ہوگی۔ اور اس کی طہارت میں ایک اور صفائی پیدا ہو جائے گی اور تجلی ذاتی کا پرتو، زبانِ حال سے اور بغیر کسی علت و حاجت کے اپنے مطلب کو بیان کرے گا۔ اور توکل جو اسباب سے بے نیازی کا نام ہے حاصل ہوگا۔ اور اگر اللہ کا فضل شاملِ حال ہوا تو طالب دیکھے گا کہ توجہ بھی اسی کی طرف سے ہے اور خود کو اس سے خالی سمجھے گا اللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْ اَنْ تَتَوَجَّهَ اِلَيْهِ غَيْرُهٗ ۔ (اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اس سے کہ اس کا غیر اس کی طرف توجہ کرے) ایسی بات متحقق ہوگی اور اب ایک اور توجہ اس کے سامنے آئے گی۔ اور وہ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ کو دوسری زبان سے پڑھے گا، اس وقت اس کے حواس اور قویٰ سب مضمحل ہو جائیں گے اور صفت عزلت متحقق ہوگی اور فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ[3]

---

[1] ایضاً صفحہ ۱۴۷ - ۱۴۸

[2] سورۃ الانعام آیت ۸۰

[3] سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۹

(تہجد ادا کرو۔ یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے) کے خطاب۔ بطورِ وراثت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرے گا اور وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ[1] (اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے) کے امر سے عہدہ برآ ہو گا اور پھر وہ تنزیہِ حق کرے گا۔ اور سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ کہتا ہوا مقامِ توحید و اتحاد میں قدم رکھے اور یہیں سے وہ اس مقام کو ترقی کرے گا جہاں وہ تمام کائنات کو مضمحل اور ناچیز پائے گا۔ اب کلمہ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ نقاب سے سر نکالے گا۔ اس مقام پر خلاصہ قناعت کو مقامِ نیستی میں ڈال دے گا اور ہو سکتا ہے کہ اب وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ۔ دوسرا لباس پہن کر اس کے لئے کارفرما بن جائے اور خود کو اس قرارداد کے بعد مشقتِ عمل میں ڈال کر صبر میں ڈال دے۔ اس مقام پر رسولوں کے بھیجنے اور تکلیفِ شرعیہ کے برداشت کرنے کے نتائج وغیرہ کے اسرار اس طالب پر ظاہر فرمائے جائیں گے۔ وہ أَعُوذُ بِاللّٰهِ پڑھ کر بغیر تکلیف کے نماز میں قرارت شروع کرے گا اور اب اس کے لئے دوسری کامیابی ظاہر ہو گی جو اسے صراطِ مستقیم پر پہنچائے گی اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ[2] کی سعادت حاصل کرے گا۔ اور جب وہ اس مقام پر پہنچے گا تو وَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ[3]۔ (اور وہ اپنی نماز میں مداومت کرتے ہیں) کے معنی کے مطابق اپنے حال کو پہنچے گا۔ یہی ہے حقیقی نماز۔ اگر طالب پر ذاتِ حقیقی کی حقیقت جلوہ فرما ہو جائے، خواہ اس منزل میں، خواہ منزلِ فنائے حقیقی سے پہلے اس کا باطن تمام امور کی طرف سے سرد ہو جائے گا اور ایک دردِ نایافت اس کی جان کو لگ جائے گا۔ اور اب أَشْتَهِي عَدَمًا لَا عَوْدَ لَهُ (میں وہ عدم چاہتا ہوں جس سے واپسی نہیں) کی حقیقت اس کے دلنشین ہو جائے گی۔

جانا بقمار خانہ رندے چند بامردمِ کم عیار کم پیوند ند

رندے چند اند کس ندانند چنداند بر نسیہ و نقدِ ہر دو عالم خندند[4]

ہو سکتا ہے کہ اس طالب کا فقر انتہا کو پہنچ جائے۔ اور وہ اسم الغنی کا مظہر بن جائے۔ اور

---

[1] سورۃ الکہف، آیت ۲۴ [2] سورۃ الکہف، آیت ۲۴۔ [3] سورۃ المجادلہ، آیت ۲۲

[4] اے میرے محبوب تو کب تک کسی رند کے قمار خانے میں رہے گا؟ کم درجے کے لوگوں سے کم ملنا چاہیے۔ لیکن یہ رند کتنے ہیں کہ انہوں نے دونوں جہانوں کے فائدے اور نقصان کو فراموش کر دیا ہے۔ کلیات باقی باللہؒ صفحہ ۱۴۸ دیکھیں۔

وہ مبنوز درد مند ہو۔ یہ وہ درد ہے کہ روحانی عبادت کی آفرینش کا مقصود بھی یہی درد ہے۔

(۲۳) سلوک کے دس مقامات کی تحقیق کے بعد آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص مقامِ معصیت میں ہے یا دنیا سے رغبت رکھتا ہے یا اسباب پر نظر رکھتا ہے یا ضروری معاش پر اکتفا نہیں کرتا، یا مخلوق سے زیادہ خلط ملط رکھتا ہے یا اس کے اوقات اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہیں۔ یا وہ اللہ تعالیٰ سے ماسوا اللہ کی طلب کرتا ہے، یا نفس کے ساتھ مجاہدہ نہیں کرتا، یا خود پر اور اپنے احوال پر نظر رکھتا ہے اور اپنے حول وقوت پر بھروسہ رکھتا ہے، یا احکام ازلیہ اسے تسلیم نہیں، وہ شخص سلوک اور طریق تحقیق میں ناقص ہے اور پوشیدہ نہ رہے کہ بعض منتہی حضرات جو انا نودی اور رباینتگی سے بیلیحدہ ہو چکے ہیں وہ اکتفا میں یا عدم اختلاط یا مجاہدہ میں بعض زاویوں سے بطریق کامل ثابت قدم نہیں رہے ہیں۔ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔[1] خاندان نقشبندیہ کے اکابر قدس اللہ ارواحہم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس راہ سلوک کا درد دامن گیر ہو اسے چاہیئے کہ توبہ نصوح (سچی توبہ) کے بعد، حتی المقدور زہد، توکل، قناعت، عزلت صبر، توحید اور تمام مقامات (سلوک) پوری توجہ کے بعد اپنے اوقات ذکر الٰہی میں مصروف رکھے۔ اسی چیز کو سفر در وطن کہتے ہیں۔ اور زیادہ تر ذکر اور توجہ مصروف رہے کہ اسی توجہ کو بازگشت کہتے ہیں۔ یہ اکابر فرماتے ہیں کہ ذکر کا طریقہ جذبہ کی طرف لے جاتا ہے اور اس جذبہ کی بدولت بڑی سہولت اور استقامت سے تمام مقامات طے ہو جاتے ہیں اور اس توجہ کی حقیقت اور مراقبۂ مذکورہ جو یادداشت کی ایک صورت ہے وہ بھی اور صفتِ رضا بھی جو جذبہ و کمال کی نسبت کی تقویت کے بعد رونما ہوتی ہے، بہت آسانی کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲۴) شرح رباعیات کی جو آپ نے تصنیف فرمائی ہیں اور جو سلسلۃ الاحرار کے نام سے موسوم ہیں ان کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا ہے:۔

این سکہ کہ من زدم بنام فقر است — ویں روشنی از نور تمام فقر است
برخیزرہ خواجہ احرار بگیر — کان راہ زسر حد مقام فقر است[2]

---

[1] سورۃ البقرہ (۱۴۸) [2] کلیات باقی باللہ: ص ۱۷۲ بعد یعنی یہ سکہ جو میں نے تیار کیا ہے وہ فقر کے نام سے ہے اور یہ روشنی بھی فقر کی ہے۔ اٹھو اور خواجہ احرار کے طریقہ پر چلو کیونکہ وہی راستہ فقر

مشائخ قدس اللہ اسرارہم کے طریقوں میں سب سے زیادہ قرب والا اور سب سے بلند طریقہ اسرار نقشبندیہ کا ہے کہ اوّل ان کا داخلہ ادراکِ بسیط میں ہے جو خلقیت پر جہتِ حقیقت کا غلبہ ہے اور انوارِ ذات کی تجلّی کا محل ہے اور ایک خاص جہت کا ظہور ہے اس معنی کے ابتدائی ہے کو جو کہ ادراک مرکب کی مغلوبیت ہے اور وصل کی صبح سعادت کی سفیدی ہے حضور و آگاہی کہا جاتا ہے۔ اور جب کشش اور انجذاب کے غلبوں میں سارے ادراکات رخصت ہو جائیں بلکہ آگاہی کی صفت کا بھی شعور نہ رہے تو اس کو فنا اور فنائے فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس نسبت کے تواتر کو وجود عدم کہتے ہیں۔ بلکہ اس نسبتِ متواترہ کے ظہور کو عظیم سمجھتے ہیں

؎ وصلِ اعدام اگر توانی کرد کار مردان مرد تانی کرد [له]

اسی لئے اس موقع پر کہتے ہیں کہ عدم کا وجود فنا کے وجود میں داخل ہو گیا۔ گویا فنا سے مراد صفاتِ بشریہ کا فنا ہونا ہے اور جب اللہ تعالیٰ محض عنایتِ خاصہ سے نور عطا فرماتا ہے کہ جس کے پرتو میں سالک دیکھتا ہے کہ حضور بارگاہ الٰہی میں ایک پرتو ہے اور حضور ذاتی کے وصف سے (اسی پرتو میں) وہ فنائے حقیقی سے مشرف ہوتا ہے اور خود اس کی ذات سے کوئی نام و نشان باقی نہیں رہتا اور جو کچھ اس سے منسوب ہوتا ہے اصل میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہی مقام، بقاء باللہ کا مقام ہے۔ اور اسی وجود کو وجودِ فنا کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وجود فنا ہرگز وجودِ بشریت کی طرف عود نہیں کرتا۔ یعنی عادۃ اللہ یہی ہے کہ فانی اپنے اوصاف میں واپس نہیں ہوتا۔ ناقصوں کی تکمیل اسی منزل میں ہوتی ہے۔ اور اس کشف کو کشفِ علیہ کہتے ہیں اور اسے تجلّی ذاتی، شہودِ ذاتی یا یادداشت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ" کی حقیقت اسی مقام پر وہ سمجھتا ہے اور رویت اخروی بھی اسی مقام پر اثبات کرتا ہے اور احسان اور رؤیت کے درمیان فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ صبح کے وقت اور اشراق کے وقت کسی صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی سرحد سے ملتا ہے۔

[له] ؎ وصل اعدام تجھ سے گر ہو جائے شاہ مردوں کا کام سر ہو جائے

کلیات باقی باللہ رح (صفحہ ۱۸۸) میں وہ شعر اس طرح ہے:-

وصل اعدام اگر توانی کرد کارِ مردانِ مرد دانی کرد

جمال کا دیکھنا۔

اکابر رح یہ بھی کہتے ہیں کہ حالانکہ ذات کا انکشاف، بصیرت کی صفت ہے، لیکن چونکہ حق سبحانہ نے خبر دی ہے کہ گوشۂ چشم کو بھی دخل ہوگا، اس لئے ہم اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔ کہتے ہیں اور اگر وہ فرماتا کہ تمہاری پیشانی کو بھی دخل ہو گا تو اس وقت بھی ہم ایمان لے آتے اور مَا نَظَرْتُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا وَ رَاَیْتُ اللّٰهَ فِیْهِ اَوْ قَبْلَهٗ اَوْ مَعَهٗ ۔ (میں نے کسی شے پر نظر نہیں ڈالی مگر یہ کہ میں نے اس میں اللہ کو دیکھا، یا اس سے پہلے یا اس کے ساتھ) کا مشاہدہ، قبل اس کے کہ مشائخ طریقت کے اصول پر اطلاع ہو اور ان کے اصول کی تصدیق کی جائے، کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ اور نہ اس پر معائنہ کے اسم کا اطلاق کیا جائے گا جیسا کہ بعض نے کیا ہے، کیونکہ مشائخ کا زیادہ تر اہتمام، کشف غلبہ اور اس کے غلبات میں ہے۔ اور غلبات میں کثرت صفاتیہ کی نسبت بھی ان کی نظر سے محو ہو جاتی ہے اور صفت و فعل سے بھی بجز ذات کے اور کچھ نظر نہیں آتا اور اس کے عرصۂ وجود میں سوائے ایک ذات بحت کے ان مشائخ کی بصیرت کو کچھ اور نظر نہیں آتا۔ یہی ہے مقام انبیاء و اولیاء کا منتہیٰ وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی۔ وَلَیْسَ وَرَآءَ الْعَبَّادَانِ قَرْیَةٌ ۔

۲۵۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ذات حق سبحانہ میں علم الیقین سے مراد علم حضوری ہے جو ذات حق میں اسماء اور صفات کے پردے میں حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین اس بات کا جاننا ہے کہ یہ علم، علم حضوری ہے اور عالم عین معلوم ہے۔ اور تجلی صوری، کمال توحید تک پہنچنے سے پہلے عین الیقین میں داخل نہیں ہے، کیونکہ حاضر مدرکہ (حاضر فی الذہن) ایک صورت سے زیادہ ہمارے علم کے لئے اور کچھ نہیں کہ وہ صورت حق سبحانہ ہے۔ اسی طرح (کمال توحید تک پہنچنے سے پہلے) تجلی معنوی بھی عین الیقین میں داخل نہیں کیونکہ حاضر مدرکہ (حاضر فی الذہن) صور علیہ سے زیادہ نہیں اسی طرح کہ وہ معلوم حق سبحانہ ہیں اور کمال توحید تک پہنچنے کے بعد یہ سب عین الیقین بلکہ حق الیقین ہیں۔ بلکہ اس مقام پر سوائے تجلی ذاتی کے اور کوئی تجلی نہیں ہے

نله سورۃ النجم آیت ۴۲ کلیات باقی باللہ رح، صفحہ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔

اور حقیقت سوائے احدیتِ مجرّدہ کے اور کچھ نہیں ہے۔

اے موحدِ کامل، صاحبِ ذوقِ اتم نے ان رموزات جو ہم نے بیان کئے ہیں یہ معنی معلوم کر لئے ہوں گے کہ تجلیٔ ذاتی میں یہ فرق ہے کہ تجلیٔ ذاتی بھی اسماء وصفات کے پردے میں ہوتی ہے۔ بہرحال جو کچھ حاضر مدرکہ ہے تجلی اسی سے منسوب ہے۔ پس سمجھ لو اور ہمارے سابقہ مقدمات سے بھی تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جب سالک شہودِ ذاتی میں داخل ہونے لگتا ہے اور اس میں کمال پیدا کر لیتا ہے تو وہ صوری اور معنوی تجلیات سے فراغت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اُسے تمام تجلیاتِ صوریہ کا خلاصہ اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور جب صاحبِ صورِ حسیہ و علمیہ سے حضور حاصل ہو جاتا ہے تو حضورِ صُور سے اُسے فراغت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ جو فرق آپ نے تجلی معنوی کے لیے بتایا ہے اُس سے لازم آتا ہے کہ اربابِ عقائد جب اپنے اعتقادیات کے متعلق یقین رکھتے ہیں تو وہ صاحب تجلی معنوی ہوں گے، حالانکہ تجلیٔ معنوی کی خصوصیات میں سے ہے کہ سالک فانی ہو گیا ہو۔ چنانچہ اربابِ طریقت کے نزدیک جو کچھ مقرر ہے وہی میں عرض کر رہا ہوں کہ تجلیٔ اعتقادی اور تجلیٔ معنوی کے درمیان فرق یہ ہے کہ تجلیٔ اعتقادی میں یقین اس بات کا ہوتا ہے کہ یہ صورتِ معتقدہ، صورتِ حق سبحانہٗ ہے اور تجلیٔ معنوی میں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ مدرکہ میں جو صورت علمیہ نظر آتی ہے وہ ذی صورتِ حق ہے۔ بہرحال، تجلیٔ معنوی میں باطن محض، علم کے پردے میں گرفتار معلوم ہے اور اُسے تفصیل سے کوئی سروکار نہیں۔ اور تجلیٔ ذاتی، صورتِ علمیہ اور اُس کے شیون میں ہوتی ہے اور صورتِ مادّی کی بہ نسبت، وہ متفرق اور بہتی ہوتی ہے۔

ب (۲۶) آپ نے فرمایا کہ توکل یہ نہیں ہے کہ ترکِ اسباب کر کے بیٹھ جائیں کہ ایسا کرنا بے ادبی ہے۔ بلکہ توکل یہ ہے کہ جائز اور مشروع سبب مثلاً کتابت وغیرہ اختیار کریں۔ پھر بھی اپنی نظر سبب پر نہ رکھیں، بلکہ مسبب الاسباب پر رکھیں، کیونکہ سبب کی مثال دروازے کی ہے جو حق تعالیٰ نے حصولِ مقصود

کے لیے بنایا ہے۔ پس جو شخص اس دروازے کو بند کر کے اُوپر سے کُود نا چاہے وہ بے ادبی کرتا ہے، کیونکہ وہ دروازہ تو حق تعالیٰ نے بنایا ہے اور اس کے لیے راستہ ہے۔ اس لیے اسے بند نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر حق تعالیٰ جانے۔ خواہ وہ دروازے کے راستے سے بھیجے یا اُوپر سے بھیجدے[1]

ب (۲۷) آپ نے فرمایا کہ جب تک حضورِ ذاتی جس سے مراد حضورِ صاف ہے، سالک کو حاصل نہ ہو وہ توحیدِ جسمانی کے تقید سے خلاصی نہیں پاتا، کیونکہ توحیدِ صوری، مراتب اجسام میں ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے وجودِ جسمانی کو اور غیر کے وجودِ جسمانی کو وجودِ حق جانتا ہے۔ ایسی حالت میں تمیز و تفرقہ باقی رہتا ہے اور روح، فنا اور اضمحلال تک نہیں پہنچی ہوتی کیونکہ ہر چیز کی تمیز روح کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اور یہ مُوَحِّد اُس توحید تک نہیں پہنچ سکتا جو علمائے دین اور صوفیۂ محققین کے نزدیک مقرر ہے اور جو آیۂ کریمہ:

وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ۔ — اور اللہ تعالیٰ اُن کے پرے سے اُن کا احاطہ کیے ہوئے ہے[2]

سے عبارت ہے، کیونکہ تنزیہ صرف وہ ہے جو صفتِ تنزیہ سے منزہ ہو اور جب تک حضورِ ذاتی کا فروغ حاصل نہ ہوگا اور روح کو فنا و اضمحلال تک نہ پہنچایا جائے گا چہرۂ مقصود سے حجاب نہیں اُٹھے گا، گو کہ یہ حال ایک لمحے کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ فروغ، حسبِ استعداد اُسی قدر میسر ہوتا ہے جتنا مقدر ہے۔ پس ہمیشہ منتظر رہنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ اُن صفات کے وجودِ موہوبت سے کہ جو اُس کے مقربین کے ساتھ مخصوص ہیں، مشرف فرمائے اور اس معاملے میں کسب و اکتساب کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ محض حق تعالیٰ کی بخشش ہے[3]

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ رح صفحہ ۲۲

[2] سورۃ البروج (۲۰)

[3] کلیاتِ باقی باللہ رح صفحہ ۲۳-۲۴

ب (۲۸) ایک دن بعض علماء کے درمیان آپ کی شرح رُباعیات کے اس مقام پر تردّد تھا کہ صُوَرِ علمیہ کو ذاتِ حق کے اعتبارات اور حیثیات کا عکس کہا گیا ہے اور کائنات کی نمود خارجی کو عکس العکس فرمایا ہے یعنی اُن صُوَرِ علمیہ کا عکس جو آئینہ ذات پر پڑا ہے تو اس طرح بات یہ ہوئی کہ اگر صُوَرِ علمیہ کا عکس، ظاہر وجود پر پڑے گا تو ذاتِ حق کی نہایت اور وجودِ مطلق کی محلیت لازم آئے گی۔

اس موقع پر آپ نے ان کے پاس جاکر دریافت فرمایا کہ کس مسئلے پر گفتگو ہے۔ ان علماء نے اپنا شبہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی بے نہایتی اس معنی میں نہیں ہے کہ جو اجسام میں ہوتی ہے یعنی طول و عرض ہو، بلکہ وہ اس معنی میں ہے کہ وہ بے تعین اور بلا تمیز ہے۔ اور یہ کہ اس کا محل، صورِ ذات نہیں (صورِ ذات سے محلیت لازم آتی ہے) بلکہ محل اس کا وہم اور خیال ہے جس طرح کہ آئینے کے اندر صورت ہوتی ہے جو نہ اندر ہوتی ہے اور نہ باہر لیکن وہم اور خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ صورت آئینے کے اوپر ہے۔ اور اس کا محل محض خیال ہوتا ہے۔ اس کو مثال متنفس کہتے ہیں (حالانکہ) آئینہ اپنی جگہ اسی طرح خالص اور بے زنگ ہے[1]۔

ب (۲۹) اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ توحید حاصل کرنا چاہیئے۔ محققانِ متکلمین کے نزدیک توحید ہے۔

لَا مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُودِ اِلَّا اللّٰہُ۔ یعنی اپنی تمام قدرت کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے خود کو اُس سے خالی کر دینا۔

اگرچہ بعض متاخرین علماء نے بندے کے لیے بھی قدرتِ مؤثرہ ثابت کی ہے اور اُن کی توحید ہے لا معبودَ اِلّا اللہ۔ لیکن صحیح مسلک لَا مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُودِ اِلَّا اللّٰہ ہی ہے۔ چنانچہ صوفیہ، فعل اور قدرت کو حق تعالےٰ سے منسوب کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی چھ صفات کو بھی اسی منسوب کرتے ہیں یعنی (۱) علم (۲) سمع (۳) بصر (۴) حیات (۵) ارادہ (۶) کلام[2]

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ ص ۲۹، ۳۰ [2] ایضاً ص ۳۰

ب (۳۰) ایک دن آپ نے فرمایا کہ معرفت کے بہت سے درجے ہیں۔ اگر سالک ان ان حقائق (معرفت والے) سے وافر حصّہ رکھتا ہے تو بہت بہتر ہے ورنہ اصل مقصد شریعت پر کاربند ہونا ہے اور توحید سالم یہ ہے کہ اپنے تعیّن کو کہ جس سے انا صادر ہوتی ہے خود سے منسوب کر کے اسے اپنی استعداد کے مطابق شمار کرو اور تمام کمالات کو حق تعالےٰ کی طرف راجع کردو گو کہ لا وجود الا اللہ ہی پر اعتقاد رکھتے ہو۔ اس بیان پر ایک شخص نے سوال کیا کہ شیخ نے سوال کیا کہ شیخ بوعلی فارمدی[2] نے فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ایک سالک تمام اسماء و صفاتِ الٰہیہ سے متخلّق ہو جائے لیکن وہ ہنوز واصلِ حق نہ ہو۔ تو یہ بات اس مشہور قول سے تناقض رکھتی ہے کہ "اخلاقِ الٰہیہ سے تخلّق" وصول کے بعد ہی ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ شیخ کے کلام میں "تواند بود" (ہو سکتا ہے) واقع ہوا ہے۔ (یعنی ممکن ہے) پس ہو سکتا ہے کہ بعض کو سیر الی اللہ، وصول سے پہلے حاصل ہو جائے۔ گو کہ ہوتا یہی ہے کہ وصول کے بعد سیر فی اللہ حاصل ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ اصطلاح مقرر کرے کہ قبل از وصول کو تخلّق سے اور بعد از وصول کو تحقّق سے تعبیر کیا جائے تو وہ بھی مناسب ہے۔

ب۔ (۳۱) ایک دن آپ کی نظر مبارک سے حضرت جامی کی یہ عبارت گزری جو انہوں نے اس طرح لکھی ہے کہ:

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حضور کے حال میں بغیر اس کے کہ حس سے غائب ہو جائیں۔ بعض امورِ غیبیہ کے حقائق اس گروہ پر کشف ہوتے ہیں اور اس کو مکاشفہ کہتے ہیں ———— اور مکاشفہ کبھی غلط

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ ص ۱۳۱

[2] ابو علی فارمدی کی ولادت ۴۳۴ھ میں اور وفات ۵۱۱ھ میں ہوئی۔ آپ ابوالقاسم گرگانی کے خلیفہ تھے جو شیخ ابوالحسن خرقانی کے خلیفہ تھے۔

نہیں ہوتا۔ کیونکہ مکاشفہ اُسے کہتے ہیں جب روح تمام غواشی سے تجرّد کی حالت میں متفرد ہوکر مغائبات کا مطالعہ کرے۔"

آپ نے فرمایا کہ:

"حضرت جامی[1] نے یہ مضمون عوارف المعارف[2] سے لیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بعض مکاشفات میں گو کہ خیال کو دخل نہیں ہوتا لیکن پھر بھی خطا واقع ہوجاتی ہے۔ البتہ علومِ یقینی جو قوت مدرکہ میں الہام ہوتے ہیں خطا سے خالی ہوتے ہیں۔"

ایک درویش نے عرض کیا کہ بعض علوم یقینی میں بھی خطا واقع ہوجاتی ہے حالانکہ وہ الہام کے طور پر معلوم ہوتے ہیں، تو اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ بعض مقدمات کو جو ایسا علم رکھنے والا اپنے نزدیک یقین کے ساتھ صحیح سمجھتا ہے، علومِ ملہمہ میں ضم کرلیتا ہے۔ اسی لیے خطا واقع ہوجاتی ہے۔ ورنہ علومِ ملہمہ میں خطا کو کیا دخل ہے۔ علوم عقلیہ کے جو علماء ہیں وہ قوانینِ منطقیہ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں، اس لیے ان کی فکر میں بھی کبھی کبھی خطا واقع ہوجاتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے مسلّمہ مقدمات کو یقینی خیال کرکے اُس میں داخل کرلیتے ہیں۔ ورنہ علمِ منطق تو ذہن کو خطا سے محفوظ رکھتی ہے۔ اگر محض قوانینِ منطق کو استعمال کیا جائے اور اُن کے مسلّمات کو ضم نہ کیا جائے تو خطا ہرگز واقع نہیں ہوسکتی۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع ہونے والوں کو کسی کشف کی ضرورت نہیں، کیونکہ کشف دو قسم کا ہوتا ہے (۱) دنیوی۔ وہ اس راہ میں کسی کام کا نہیں۔

---

[1] نورالدین عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷ھ۔ ۸۹۸ھ) شیخ الاسلام احمد جامی (م ۵۳۶ھ) سے بیعت تھے اور متعدد تصانیف ان سے یادگار ہیں۔

[2] شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کی کتاب عوارف المعارف تصوف میں خصوصیت رکھتی ہے۔ حضرت سعدی اور بہاء الدین زکریا ملتانی کے پیر تھے۔

(۲) کشفِ اُخروی، جو کتاب (قرآن) اور سنّت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اور وہ عمل کے لیے کافی ہے اور کوئی کشف اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔[1]

ب (۲۲) آپ نے فرمایا کہ مخلوق کی تربیت وارشاد کے لیے مشائخ تین میں سے کسی ایک وجہ سے مستعد ہوتے ہیں۔ یعنی یا تو الہام حق تعالیٰ ہوتا ہے یا مرشد کا حکم ہوتا ہے، یا مخلوق پر ان کی شفقت ہوتی ہے۔ یعنی جب وہ مخلوق کو ضلالت و گمراہی میں دیکھتے ہیں جو ان لوگوں کے عذاب و محنت کا سبب ہے تو مشائخ کمال مہربانی سے چاہتے ہیں کہ مخلوق، عذاب سے بچ جائے۔ پس شفقت کا اقتضا یہ ہے کہ ترویج شریعت کو لازم سمجھے اور مخلوق کو وعظ و نصیحت سے شریعت کے آداب اور اس کی پیروی کے لیے حکم دے۔ اور حدیث و فقہ کی تعلیم و تعلم اور اُس پر عمل کرانے کی کوشش کرے۔ اور جو شخص مخلوق کو واصل الی اللہ کرنا چاہتا ہے تو ایسی بات شفقت کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ یہ زائد امر ہے۔[2]

اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ اس تربیت کا مقصد صرف ایمان کا حصول ہے کہ جس کے لیے تمام انبیاء اور رُسل (علیہم السلام) نے دعوت دی ہے۔[3]

ب (۲۳) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بندے کا قُرب و اتصال اس سے زیادہ نہیں کہ دوام آگاہی اور وہ آرام جو فنا کی طرف لے جاتا ہے، حاصل ہو جائے اور جب یہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے تو سالک محض اسی نسبت کے حصول سے مرتبۂ ولایت سے مشرف ہو جاتا ہے اور جو کمالات کہ اسماء و صفات کی تجلیات اور دیگر مقامات کے حصول سے دوسرے سلسلوں کے سالکوں کو تفصیل کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اس قرب و اتصال کی نسبت کا حصول، سالک کو ولایتِ خاصّہ کے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ ص ۳۲-۳۳

[2] ایضاً ص ۳۳

[3] ایضاً ص ۳۳

اس سلسلے کی پہلی منزل، سرحدِ فنا کی ہے اور "اندراجِ نہایت در بدایت" کہ جس کی طرف ہمارے سلسلے کے بزرگوں نے اشارہ کیا ہے یہی چیز ہے[1]

ب (۳۴) "ترقی بعد الموت" کے سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص صحیح نیت اور درست اعتقاد کے ساتھ راہِ حق سبحانہ میں آتا ہے اور شریعتِ غرّا کے آداب کما حقہ بجالاتا ہے لیکن اُسے اس جماعت کے اذواق اور مواجید اس کی زندگی میں نصیب نہیں، تو موت کے بعد عنزدریہ احوال و اذواق اُسے دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد آپ نے تھوڑی دیر تامّل کیا، پھر فرمایا کہ ایسے شخص کو اسی دُنیا میں موت کے وقت ہی سے اس دولت سے مشرّف فرما دیتے ہیں۔

اس کے بعد آپ کی زبانِ مبارک پر آیا کہ درست اعتقاد، احکامِ شریعت کی پابندی، اخلاص اور حق سبحانہٗ کی طرف دوام توجہ ہی سب سے بڑی دولت ہے کوئی دوسری دولت اس نعمتِ عظیم کا مقابلہ نہیں کر سکتی ع

بہ ایں شواہ پھر تو کچھ نہ ملے[2]

ب (۳۵) آپ نے فرمایا کہ انجذاب، جذب اور محبتِ الٰہیہ ہی کا طریقہ حق تعالیٰ سے ملانے کے لیے بہت مفید ہوتا ہے اور اس کا رخ سوائے ذاتِ حق کے کسی اور طرف نہیں، بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ اُن کا رُخ انوار کی طرف بھی ہوتا ہے اس طرح بعض سالکین انوار تک ہی پہنچ کر رہ جاتے ہیں۔ یہ انجذاب اور محبت تمام انسانوں میں ہوتی ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ اسی انجذاب کی تربیت فرماتے ہیں[3]

ب (۳۶) آپ نے فرمایا کہ رویتِ الٰہی آنکھوں سے، موت کے بعد ہی ہوگی کیونکہ

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ ص ۳۴

[2] " ص ۳۶

[3] " ص ۳۷

رویت، انکشاف تام ہے اور جب تک روح کا تعلق اس بدن سے ہوتا ہے انکشاف تام نہیں ہوتا، خواہ روح اس بدن سے کتنا ہی کم تعلق رکھے، خواہ صرف روح ہی روح رہ جائے۔ لیکن اس کا تعلق (زندگی میں) بدن سے ضرور رہتا ہے[1]

ب (۳۷) سماع کے متعلق آپ نے فرمایا کہ جو صوفیۂ صافیہ سماع نغمہ کے قائل ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس میں یہ حکمت دیکھی[2] ہے کہ استماعِ نغمہ کے وقت طبیعت ساکن اور اپنی جگہ ٹھہری ہوئی رہتی ہے۔ اس لیے روح بہت سی روحانی باتوں کا ادراک کر لیتی ہے۔ یہی چیز اُن کے لیے محبوب ہے اور وہ نغمہ کو اُس کے زیور کی طرح سمجھتے ہیں۔ ورنہ وہ نفسِ نغمہ میں مبتلا نہیں ہوتے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھا ؎

کہ آوازِ خوش بہتر از روئے خوش   کہ آن حظِ نفس است ایں قوت روح

آپ نے فرمایا کہ ان دونوں (یعنی آوازِ خوش اور روئے خوش) کا ایک ہی حکم ہے یعنی اگر رائی (دیکھنے والا) اور مستمع (سُننے والا) اہلِ نفس ہے تو وہ دیکھنا اور سُننا دونوں نفسانی ہیں۔ اور اگر وہ دونوں اصحاب روح ہیں تو وہ دونوں روحانی ہیں[1]

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ[3] کے ملفوظات میں لکھا ہوا ہے کہ شرائطِ نغمہ میں یہ بھی ہے کہ سُننے والے پر حق تعالیٰ کی محبت غالب ہو۔ ایک مخلص نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ کی محبت کی کیا پہچان ہے؟ فرمایا کہ اتباعِ کامل (شریعت کا) اس مخلص نے عرض کیا کہ صاحبِ اتباع کا مقصود اگر محض بہشت ہو یا عذاب دوزخ سے نجات ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا شخص کامل اتباع والا نہیں ہوتا اور اُسے اہل اللہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسا اتباع ظاہری کہلاتا

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ ص ۳۸

[2] ایضاً ص ۳۸، ۳۹، ۴۳، ۴۴، ب (۳۷) کا مضمون ص ۳۸، ۳۹ پھر ص ۴۳ میں ملتا ہے۔

[3] آپ نے ۸۹ سال کی عمر میں ۷۲۵ھ میں رحلت فرمائی۔ دہلی میں مزار اقدس آج بھی مرجعِ خلائق ہے آپ کے ملفوظات فوائد الفواد مشہور و معروف ہیں۔

ہے اور اتباعِ باطنی یہ ہے کہ سالک کے باطن میں سوائے حق تعالیٰ کے کوئی اور مقصود نہ ہو۔

ب (۳۸) ایک روز آپ نے فرمایا کہ مشائخ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے تزکیۂ نفس کے ذریعے[1] تحصیلِ مقامات میں مشغول ہوتے تھے۔ جب تزکیے کے ذریعے قربِ الٰہی کے موانع (یعنی خطرے اور وسوسے) دفعہ ہو جاتے تھے تو نورِ ایمانی اس تزکیے کے لحاظ سے قوت پکڑتا تھا، یہاں تک کہ وہ اس درجے تک پہنچتے کہ سوائے حق تعالیٰ کے اُن کی بصیرت میں کچھ باقی نہ رہتا، اور تمام اوصاف اور افعال کو اُسی کی طرف سے سمجھتے اور عالم کی تمام صورتوں اور اجسام کو وہ محض سراب جانتے۔ شیون و مظاہر کو مخلوق اور معدوم پاتے اور توحیدِ صوری بعض کو حاصل ہوتی اور وہ بھی بیچ آنے کے بعد، اور بعض کو حاصل نہ ہوتی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ نقشبندیہ بزرگوں کا طریقہ بھی وہی سلف کا طریقہ ہے لیکن شروع میں وہ تحصیلِ مقامات کے پابند نہیں ہوتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ توحیدِ صوری کی راہ سے جاتے ہیں وہ بہت خطرات سے دوچار ہوتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حضرت حق سبحانہٗ میں اقرب ہو یعنی استہلاک اور اضمحلال رکھتا ہو لیکن اکرم نہ ہو۔ اسی طرح ایک شخص جو تحصیلِ مقامات کر چکا ہے لیکن استہلاک و اضمحلال جو مقامات کا نتیجہ ہیں، حاصل نہ کر سکا ہو وہ اکرم ہی ہو گا۔ کیونکہ آیۂ کریمہ ہے ''

---

[1] زبدۃ المقامات میں اس جگہ ہے " اول بہ تزکیۂ نفس تحصیلِ مقامات مشغول می شدند" اسی کے لحاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں اس طرح نہ ہو گا۔ کیونکہ فارسی صحیح نہیں۔ کلیاتِ باقی باللہ (ص ۴۰) میں عبارت اس طرح ہے " اول بہ تزکیۂ نفس و تحصیلِ مقامات مشغول می شدند" یعنی پہلے وہ تزکیۂ نفس اور تحصیلِ مقامات میں مشغول ہوتے تھے ۱۲

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ۔ اللہ کے نزدیک زیادہ درجے والا تم میں وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے[1]

ب (۳۹) آپ[2] نے فرمایا کہ ولائیت (واؤ کے زبر کے ساتھ) قربِ بندہ کو کہتے ہیں جو وہ اپنے رب کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور ولایت (واؤ کے زیر کے ساتھ) کے معنی ہیں کہ وہ موجبِ قبولِ خلق ہو اور اہلِ عالم اُس کی طرف رجوع کریں۔ اور یہ چیز تکونیات سے تعلق رکھتی ہے اور خوارق و تصرفات اسی دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ فیوض و برکات جو لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں وہ کس قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ولایت (واو کے زبر کے ساتھ) کا اثر ہے۔

اسی اثنار میں آپ نے طالبوں کے استفادہ کے سلسلے میں فرمایا کہ جب طالب کا آئینہ اس کے مرشد کے آئینے کے سامنے ہوتا ہے تو جو کچھ آئینے میں (مرشد کے) ہوتا ہے بقدرِ مناسب (یعنی طالب کی استعداد کے مطابق) اپنا پرتو (طالب پر) ڈالتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو ان دونوں قسموں میں سے ایک قسم حاصل ہو اور کسی کو دونوں قسمیں حاصل ہوں۔ یا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو ان دونوں میں سے کسی ایک قسم سے خصوصیت حاصل ہو اور دوسرے کو اس قسم سے کم تعلق ہو۔ لیکن مشائخِ نقشبندیہ رحمہم اللہ کو ہمیشہ ولایت (واؤ کے زبر کے ساتھ) حاصل رہی۔ اور ولایت (واؤ کے زیر کے ساتھ) پر غالب

---

[1] سورۃ الحجرات ۱۳ آیت

[2] کلیاتِ باقی باللہ ص ۴۰، ۱۴۱۔ اس میں ابن الفارض والا واقعہ (نفحات الانس کے مطابق) بھی درج ہے جس کا ذکر برکت (۴۹) کے آخر میں آگے آتا ہے۔

رہی)۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر مقتدا اِس دنیا سے رخصت ہوتا ہے وِلایت (واؤ کے زیر ساتھ) کسی ایک مخلص کو دے جاتا ہے اور وَلایت (زبر کے ساتھ) اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کبھی کسی لغزش کی وجہ سے ولایت (زیر کے ساتھ) ولی سے واپس لے لی جاتی ہے۔ جیسا کہ ابن الفارض نے پیر بقّال کے سلسلے میں بیان کیا ہے اور نفحات الانس (جامی) میں لکھا ہوا ہے۔

ب (۴۰) ایک دن آپ نے فرمایا کہ برزخ اور حشر کا معاملہ دور دراز ہے[1]۔ پھر کچھ ٹھہر کر اور تامّل کے بعد فرمایا کہ کوئی سعادت اِس کے برابر نہیں ہوسکتی کہ کسی شخص کو حضرت حق تعالیٰ سے اُنس ہو اور جب دوام اُنس حاصل ہو تو پھر کوئی انتظار باقی نہیں رہتا۔ پھر فرمایا کہ سبحان اللہ۔ انسان کو اخلاص اور محبت ملی ہے اور اخلاص اور محبت کی خاصیت یہ ہے کہ غیر محبوب کو جلا ڈالتی ہے۔ اس لیئے اس کے ساتھ چند شرعی پابندیاں رکھی ہیں۔

ب (۴۱) ایک روز آپ نے بعض منکرانِ فقر کے اعتراض کے متعلق فرمایا[2] کہ اولیاء، کبیرہ گناہوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ (کیونکہ وہ معصوم نہیں ہیں) اگر اُن سے کبھی گناہ کبیرہ سرزد ہوجائے تو اُن کے احوال کے بُطلان کا حکم لگانا محض جہالت ہے بلکہ اُن کو اس معاملے میں معذور سمجھنا چاہیئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اکثر بڑے بڑے مشائخ خود اُن کی حیات میں لوگ زندیق کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ذوالنون مصری[3] رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ایسا ہی کہتے تھے۔ لیکن موت کے بعد انہیں قبولِ عام

---

[1] کلیات باقی باللہ ص ۱۴۱

[2] یہ مضمون کلیاتِ باقی باللہ کے ص ۴۳، ۴۴ میں آتا ہے۔

[3] خواجہ فریدالدین عطار کے تذکرۃ الاولیاء میں آپ کے حالات (باب ۱۳) ملتے ہیں سنہ ۲۴۰ھ میں مصر میں فوت ہوئے۔ مولانا جامی کی نفحات الانس میں بھی آپ کے حالات ہیں۔ امام مالک کے شاگرد تھے۔

حاصل ہوا۔ کیونکہ وہ دنیا سے مطلق بے تعلق تھے۔ اگر وہ دنیا کے لباس میں ہوتے تو موت کے بعد کوئی شخص انہیں پسند نہ کرتا اور وہ لوگوں کے طعن سے خلاصی نہ پاتے بدعتی لوگ (یعنی شیعہ) جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کرتے ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے مصلحت کی بنا پر منصبِ خلافت قبول کیا تھا۔ اور بہت سے صحابہ تو پہاڑ اور جنگل کی طرف چلے گئے تھے اور فقر و تجرد کی منع اختیار کر لی تھی۔ اور اُن کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہتا۔ اور صحابہ کی بات، دین و ایمان کی شرائط میں سے نہیں ہے۔ بہت سے مومن ایسے ہیں کہ صرف خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہیں اور ایسے لوگوں کے ایمان پر شبہ نہیں ہے۔

فصل ۴

آپ کے صاحبزادوں اور خلفائے کے بیان میں

آپ کے بڑے فرزند خواجہ عبیداللہ سلمہ اللہ ہیں[1]۔ ان کے سالِ ولادت اور دن وغیرہ کے متعلق آپ ہی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے ؎

از گشتہ دریں خرابہ منزل — روزِ یکم از ربیعِ اوّل!
بود آخرِ عصر کان یگانہ — اُفتاد دریں سیاہ خانہ
طبعم غزلِ نشاط می گفت — دیدم ناگاہ بہار بشگفت!
تاریخ شناس تیز بیں مرد — بشگفت بہار" درخط آورد"[2]

چونکہ ایک درویش نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ کے گھر میں ایک فرزند نیک سیرت پیدا ہوگا اور چاہیئے کہ اُس کا نام خواجہ احرار عبیداللہ کے نام پر ہو اس لیے آپ نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ اُسی مثنوی میں اُس کے متعلق اشارہ ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے ؎

در خانۂ کمتریں غلامے — شد بندہ یکے بزرگ نامے
ایں نام خجستہ ملک زاد — انشاء اللہ شفیع من باد
بر درگہِ خواجہ ام رساند — گوید زمن آں سخن کہ داند

اس مثنوی (نظم) میں آپ نے اُن کے کان میں کہی جانے والی اذان و اقامت سے

---

[1] مولانا نسیم احمد فریدی نے اپنی کتاب خواجہ باقی باللہ (لکھنؤ ۱۹۷۸ء) کے صفحہ ۴۴ سے بحث کی ہے کہ خواجہ عبیداللہ چھوٹے فرزند تھے اور خواجہ عبداللہ بڑے فرزند تھے۔

[2] کلیاتِ باقی باللہ، ص ۳۰، ۴۴، میں یہ اشعار مقدم و مؤخر ہیں۔

متعلق بہت سے اشعار بدیع و دقیق لکھے ہیں۔ یہاں ہم صرف ۲۲ اشعار لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

برخیز ہلا مؤذنِ غیب   در گوشِ من آر بانگِ لاریب
ایں خستہ بسے نیاز مند است   یک اُشہد از لبت پسند است
گر یک دمِ اِلہ از تو گیرم   واللہ کہ ہماں زماں بمیرم
یک شعلۂ نور دہ بر وزم   تا خانۂ ما سوای بسوزم
خود را بتو باز می سپارم   می میرم و شعلہ می گزارم
در خور نیم ار منِ سیہ روز   خود شعلۂ خویشتن بر افروز
اے دوست بحقِ دوست داری   خواہانِ تو ام بجاں سپاری
ہجراں بہ تو وصلِ جاودانی ست   در پیشِ تو مرگِ زندگانی ست
گر حَیَّ عَلَی الصلوٰۃ گوئی   ہم خود بہ صلوٰۃِ من بپوئی!
در زیرِ کفن شوم فراہم   رشکِ ہمہ زندگانِ عالم
من مردہ و دوست در نمازم   سبحان اللہ بخود بنازم
اُفتادہ بہ صعقۂ تجلّیٰ   گویم و ہو الذی یُصلّیٰ
گردند دو کون مدح خوانم   قَد اَفلَحَ آیتے نشانم
ہاں اللہ گوئی تا بجوشم   اینک بہ چو صدف تمام گوشم
در ہمزۂ اللہ ار شوم نیست   حاجت بہ سماعِ اکبرم نیست
در چشمِ من آں الف عظیم است   دانم کہ صراطِ مستقیم است!
من یک دمِ سرد تام دارم   یک رشحۂ حیات کام دارم
از رشحۂ کفایت ست ایں کار   چوں من بردم چہ کم چہ بسیار
چون در نگری غرض تمام است   سر رشتۂ رشحہ ہم بجام است
گر بحر رسد بہ تشنہ کامے!   سیرابیٔ اوست ہم بجامے!
نے نے غلطم، مقامِ درویش   عالی ست ز حرفِ اندک و بیش
دریائے ازل بسے شگرف ست   سبحانک تبت ایں چہ حرف ست[1]

بچپن میں یہ صاحبزادے اور اُن کے بھائی جن کا ذکر عنقریب آئے گا۔ اپنے والد بزرگوار کی توجہ سے بہرہ ور ہوئے اور والدِ بزرگوار نے اُسی زمانے میں ہمارے حضرت صاحب (مجدّدِ الف ثانی قدس اللہ سرّہٗ) سے فرمایا تھا کہ ان دونوں بچوں پر توجہ فرمائیں اور اُن کے لیے دُعا بھی فرمائیں، اور اُس کے اثرات آپ (والد بزرگوار) نے اپنی غیب بیں نظر سے دیکھ بھی لیے تھے۔ چنانچہ ہمارے حضرت صاحب (مجدّدِ الف ثانی) کے ایک مکتوبِ گرامی میں جو ان دونوں مخدوم زادوں کے نام ہے اس بات کی صراحت ہے کہ:

"فقیر تین مرتبہ حضرت خواجہ صاحب کی عتبہ بوسی کی دولت سے مشرّف ہوا ہے۔ آخری دفعہ آپ نے فقیر سے فرمایا کہ مجھ پر ضعفِ بدن غالب آ گیا ہے اور زندگی کی اُمید کم ہو گئی ہے۔ ان بچوں کے احوال کی آپ خبرگیری رکھیں۔ پھر آپ نے اپنے سامنے آپ دونوں کو طلب فرمایا اور آپ دونوں ماماؤں کی گود میں تھے۔ فقیر سے فرمایا کہ ان دونوں پر توجہ فرمایئے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق آپ دونوں پر فقیر نے توجہ دی، یہاں تک کہ اس توجہ کا ظاہری اثر بھی محسوس ہوا۔ اُمید ہے کہ حضرت صاحب کی موجودگی کی برکت سے وہ توجہ اچھے نتائج کا پھل لائے گی" [۲]

جب یہ دونوں بھائی، گرامی منزلت، ہمارے خواجہ حسام الدین سلمہ اللہ تعالےٰ کی شفقت اور اہتمام خدمت کی بدولت فضیلت و صلاحیت سے بہرہ ور ہوئے تو آپ (خواجہ حسام الدین) ہی کے ایماء پر شیخ الٰہ داد دامت حیاتہٗ سے کہ جن کا ذکر انشاء اللہ آ رہا ہے، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا شغل اور طریقہ سیکھا اور اُن توجہات

---

[۱] یہ تمام اشعار مختلف ترتیب و قرأت کے ساتھ کلیاتِ باقی باللہ کے ص ۲۴۵، ۲۴۶ میں بھی ملتے ہیں۔

[۲] مکتوباتِ امام ربانی۔ دفتر اوّل۔ ۲۶۶۔

کی برکت سے کہ جن کا ذکر ابھی اُوپر آچکا ہے اور ہمت و صحبت کی سعادت سے ان دونوں عزیزوں نے اپنے بزرگوں کی صفائے نسبت سے کامیابی حاصل کی ۔ ماشاء اللہ یہ دونوں فرشتہ صفت ہیں ۔ صاحبِ احوال بھی ہیں اور پوری طرح صاحبِ خلق و تمکین ہیں اور ہمیشہ ہمارے حضرت (مجددِ الفِ ثانی) کی صحبت اور خدمت کے آرزومند ہیں ۔ بڑی نیاز مندی کے ساتھ کئی عریضے انہوں نے آپ کی خدمت میں عنایت کی نظر کے ارمان میں لکھے ہیں ۔ ان عریضوں میں سے ایک عریضہ (عربی میں) بڑی عقیدت کے ساتھ اور حضرت کی فضیلت میں اس طرح ہے ۔ (جس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے)

یہ عریضہ جو اخلاص اور اختصاص کے اسرار پر مشتمل ہے غلام، مفلس اور اللہ کے حقیر بندے عبید اللہ کی طرف سے ہے ۔ بطرف اسوۂ اہل الصحو وقدوۃ ارباب السلوک شیخ الاسلام، مصباح الظلام، امام الانام، منبۃ القیام، الاجمل الاکمل، البارع الاورع، النحریر النیر المنیر، مشید ارکان الملۃ، المتطہر من المآثم والزلۃ، الناطق بالحق والصواب، ملحق کنف اللوذ والایاب، قائمۃ الدین، ووقایۃ احکام المتین، المتمکن علی مسند الافادہ، المتصاعد من حضیض العادات الی فوق السعادہ، قلاوذ رکبان الطریقۃ، حارز عمران الحقیقۃ نور حدقۃ الاکوان، نور حدیقۃ الاعیان، فارس مضمار الخطاب، حارس اسرار الکتاب، المتعین علی وسادۃ وراثۃ المصطفویہ والمتصف علی جادۃ خلافۃ نبویۃ، واقد نیران المحبۃ لقائہ ومنہل عطش المہجۃ سقائہ، حلال عقود الاشراقیہ مدلال وفود الاشراقیۃ، لیس مکرمۃ من اللہ الآلہ فیہا حظ کامل ولا موہبۃ الآلہ نصیب کامل، الصفوۃ شعشعۃ من نیر قلبہ الوافی والعطوفۃ شعبۃ من دوحۃ کرمہ الوافی لہ التقدیم علی مشائخ الزمان والتفوق علی مشاہیر الدوران لیستخبر بملاحظۃ اطوارہ من طور الولایۃ ویستطلع بمشاہدۃ اعمالہ علی اسرار البدایۃ النہایۃ، من استند بعروۃ ارادتہ فہو الذی ارتقی علی مدارج الکمال ومن اعتصم بحبل اخلاصہ فہو الذی استسعد بنیل الامانی وفاز لحصول الکمال فہلموا ایہا المترددون فی فیافی الطلب و تعالوا ایہا المتشمرون الی اعتبادان وصول القرب واقرعوا باب جنابہ التی معلم بمنبع البرکات وعاکفوا علی حضرتہ التی تسمی بمعدن الخیرات وترقبوا من تعطفہ حصول المقاصد والمرادات

دتر صدوا من تصرفہ تیں المکارم والسعادات ہوالشیخ المکمل سیدنا ومولینا ملک الدین الفاروقی النسب المحمدی الحسب السرہندی المولد القدسی المحتد ....

دیہ عریضہ اُن کی طرف ہے جو ہیں) اہلِ صحو کے مقتدا، اربابِ سلوک کے پیشوا، اسلام کے شیخ، اندھیرے کے چراغ، بہت بڑے صاحبِ جمال وکمال، بہت بڑے متقی، بڑے عالم، روشن ستارے، دین کے ارکان کو مضبوط کرنے والے، لغزشوں اور گناہوں سے پاک، حق اور صواب کی بات بولنے والے، حق کی بازگشت کی جائے پناہ، دین کے رکن روشن، احکام کے محافظ، افادہ کی مسند پر قائم، عادت کے گڑھے سے سعادت کے اُفق تک چڑھنے والے، طریقت کے سواروں کے لیے زادِ راہ، حقیقت کی آبادی کے لیے پناہ، دونوں جہانوں کی آنکھوں کے نور، موجودات کے باغ کی روشنی، خطابت کے میدان کے شہسوار، قرآن پاک کے اسرار کے حافظ، (مصطفائی) وراثت کی مسند پر متعین، نبوی خلافت کی راہ پر متصف، اُن کی ملاقات سے محبت کی آگ کو روشنی، اُن کا پانی پلانا جان کی پیاس کے لیے سرچشمہ، اشراقی عقود (گرہوں) کے کھولنے والے اشراقی جماعت کے لیے رہبر، اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں سے کامل حصہ رکھنے والے ہر بخشش سے پورا حصہ لینے والے، (دکل) برگزیدگی اُن کے پورے دل کے ستارے کی ایک چمک ہے، (دکل) مہربانی اُن کے پورے کرم کے درخت کا ایک شعبہ ہے۔ زمانہ کے مشائخ پر اُن کو سبقت ہے۔ عالم کے مشہور لوگوں پر اُن کو فوقیت ہے۔ ولایت کے کوہ طور سے اپنے اطوار کے لیے خبر رکھتے ہیں، منتہیوں کے اسرار پر اپنے اعمال کے مشاہدے سے مطلع ہیں، جو شخص آپ کی ارادت کی مضبوطی سے تکیہ لگائے وہ کمال کے درجے پر چڑھ جاتا ہے، جس شخص نے آپ کے اخلاص کی رسی کو تھاما وہ مقاصد کے حصول میں نیک بخت ہوا اور کمال کے حصول میں فائز ہوا۔ پس اے طلب کے جنگلوں میں بھٹکنے والو، دوڑو اور اے اللہ تک پہنچنے کے عبادان (تام موضع) کی طرف مستعد ہو کر چلنے والو آؤ اور ایسی درگاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاؤ جو منبع البرکات مشہور ہے اور ایسی بارگاہ کے دروازے پر بیٹھ جاؤ جو معدن الخیرات

کہلاتی ہے۔ اس کی مہربانی سے مقاصد اور مرادات کے حصول کی اُمید رکھو اور اس کے تصرف سے بزرگیوں اور سعادتوں کے منتظر رہو۔ وہ شیخ المکمل سیدنا و مولانا اساسِ دین، فاروقی نسب، محمودی حسب، سرہندی مولد، قدسی اصل، اندلسی کو جس پر رشک ہے سمنانی کو جس سے عبرت ہے، طوسی جس کے ظہور سے چھپ گیا، فارابی جس کے غلبہ سے ہٹ گیا، غزالی جس کی فضیلت کے مُقر ہیں، رازی جس کی فوقیت کے قائل ہیں۔ اے اللہ، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، آل و اصحاب و اتباع رضی اللہ عنہم کے طفیل میں ان کی اُمیدوں کو آسان فرما دے، اُن کے کمال کو بڑھا دے اور اُن کو زمانے کی آنے والی آفتوں، غموں اور تکلیفوں کے اسباب سے محفوظ فرما۔ اے میرے سردار، آپ کی مہربانی اور رحمت کے سوا میرے پاس کوئی بڑا سرمایہ اور استطاعت نہیں ہے۔ میرا دل طرح طرح کے گناہوں سے سخت ہو گیا ہے۔ اور میرا چہرہ مختلف برائیوں اور جرموں کی وجہ سے سیاہ ہو گیا ہے۔ میرے حال پر کرم فرمایئے اور میرے باطن پر توجہ فرمایئے تاکہ میں جہالت اور گمراہی کے بادیہ سے چھوٹ جاؤں اور سعادت و کمال کی سیڑھیوں پر چڑھ جاؤں۔ آج میرا مشفق باپ نہیں، بس آپ ہیں۔ اور میرے لئے کوئی ٹھکانا نہیں سوائے آپ کے دَر کے۔ میری عمر، میرے اکثر اوقات، اکثر مہینے اور سنین آپ کی اعلیٰ تعریف اور مدح میں مصروف ہیں۔ میری حاجت اور خواہش صرف آپ کی زیارت تک موقوف ہے۔ اے میرے سردار، میری زبان تھک چکی ہے۔ میرا بیان بیمار ہے، مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ عربی میں اپنی خواہش کے مطابق اظہارِ مطلب کر سکوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہ جس کی بڑی شان اور بڑی رحمت ہے فارسی میں اپنا مطلب عرض کروں گا۔ فارسی زبان میں بھی نہایت فصیح و بلیغ عریضے آپ نے لکھے ہیں جو آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اکثر میرے پاس محفوظ ہیں لیکن خوفِ طوالت سے درج نہیں کئے جاتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے پدر بزرگوار کی روحانی میراث سے زیادہ حصہ عطا فرمائے بحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و آلہٖ و اصحابہ۔

دوسرے فرزند خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ ہیں جو دوسری والدہ سے ہیں اور اُن

دونوں بھائیوں کی ولادت میں چار ماہ کا فرق ہے۔ چنانچہ اُسی (مذکورۂ بالا) مثنوی میں آپ کے والد ماجد قُدِّسَ سِرُّہٗ نے آپ کی عمر وغیرہ کے متعلق اس طرح اشارہ فرمایا ہے ؎

تاریخ یکے چو شد نمودار | ہنگامِ تولّدِ دگر آر
اُفتادہ بحر بر تلاطم | ماہِ رجب یگاہِ ششم
ما بینِ ظہورِ این دو گوہر | بگذشتہ چہار ماہ و اکثر
چوں صبح رسید آخرِ شب | چوں روز زروشنی لبالب
چوں ماہِ تمام منشرح صدر | در ظلمتِ شب چو ساعتِ قدر

اس کے بعد (اسی مثنوی میں) حضرت خواجہ نے چند اشعار اس حدقۂ سعادت کے نور کے لیے دعا میں لکھے ہیں۔ اور اسی ضمن میں اپنی (روحانی) تشنگی کا ذکر بھی کیا ہے ؎

یارب کہ طلسمِ خود کشائی | ایں طفلکِ ما باد نمائی
خود را بہ نظامِ خود گزارد | چوں نخل زدانہ سر بر آرد
چندیں ہمہ آفتاب رفتند | در بحرِ تو چوں حباب رفتند
ایں قطرہ ہم از شمارِ ایشاں | در موج خودش مکن پریشاں
باشد کامم از و بر آید | چوں بینمش از تو یادم آید!
بس تشنہ دلبس خرابم اے دوست | در حسرت یکدم آبم اے دوست
ہرجا کہ ترشّحِ تو بینم | در العطش آبم و نشینم!
اے بحرِ طرب بکامِ من شو | امروز یکے بجامِ من شو
من جامِ چہ می کنم، گدایم | مشتاقِ توام دہن کشایم
اکنوں دہنم کشادہ بہتر | بحرِ سخن ایستادہ بہتر
زیں گفت وشنود حاصلے نیست | حیران وخموش بایدم زیست[۱]

---

[۱] یہ اشعار اور ان سے اوپر کے پانچ اشعار کچھ فرق کے ساتھ کلیاتِ باقی باللہ کے صفحات ۲۴۳ سے ۲۴۴ میں منتشر ملتے ہیں۔

یہ مخدوم زادہ اپنی صورت و شباہت میں پوری طرح اپنے والد بزرگوار سے ملتے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے اور علوم عقلیہ و نقلیہ سے بہرۂ کامل حاصل کر لیا ہے۔ چنانچہ بعض کتب متداولہ کا درس بھی آپ نہایت حسن و خوبی کے ساتھ دیتے ہیں اور اس گروہ علیہ (سلسلۂ نقشبندیہ) کی اصطلاح اور علوم سے نصیبِ فراواں حاصل کر لیں، اور علمی و عملی طور پر ان میں گہری نظر رکھتے ہیں۔ ذکر و مراقبہ کی تعلیم آپ نے ہمارے حضرت (مجددِ الفِ ثانی) قُدِّسَ سِرُّہٗ سے حاصل کی ہے اور کئی مرتبہ دیوانہ وار آپ دہلی سے پیدل اور سواری میں حضرت کے آستانے پر حاضر ہوئے ہیں۔ اور سرہند میں کئی کئی دن حضرت کی خدمت میں گزارے ہیں، اور خاص الطاف اور توجہات حاصل کی ہیں۔ شرحِ مواقف[1] جیسی علم کلام کی کتابیں اور بعض رسائلِ صوفیہ بھی آپ نے حضرت سے پڑھے ہیں، اور حضرت کے خاص علوم و اسرار بھی بہت کچھ حاصل کئے ہیں۔ راقم الحروف نے کئی بار خلوتوں میں حضرت کی زبانِ مبارک سے آپ کی تعریف اور منقبت سُنی ہے۔

ایک دن فرمایا کہ:

> "وہ محمدی مشرب لوگوں میں سے ہیں اور محبوبوں میں سے ہیں، اور وہ نسبتِ توحید کے مغلوبوں میں سے اور آزادگی و تفرید والوں میں سے ہیں۔"

ایک وقت فرمایا کہ:

> "اگر ہمارے یہ خواجہ زادہ اپنے کمال وسعتِ مشرب اور بے تقیدی و بے تعینی کی وجہ سے شوریدہ حال نہ ہوتے تو میں اُن کو تعلیمِ طریقت کی اجازت دے دیتا، تاکہ وہ اپنے والدِ بزرگوار کی جگہ سجادہ نشین ہوتے اور طالبوں کو مستفیض فرماتے۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہ مخدوم زادہ بہت زیادہ آزاد طبیعت ہیں اور چونکہ نسبت

---

[1] مواقف، علامہ عضد الدین عبد الرحمٰن الایجی القاضی کی کتاب علم الکلام پر ہے۔ اس کی شرح سید الشریف علی بن محمد جرجانی (م ۸۱۶ھ) نے لکھی اور اس شرح پر ملا عبد الحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ لکھا۔

وجودی سے مغلوب ہیں اس لیے مظاہرِ جمیلہ کے نظارے سے بہت لطف اُٹھاتے ہوتے ہیں، اور سرود و نغمہ سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اکثر شوریدہ حالی اور بے فکری کے عالم میں آنکھیں سامنے کو اٹھائے ہوئے اور ٹیڑھی ٹوپی لٹکائے ہوئے کوچوں اور بیابانوں میں سیر کرتے ہیں۔ اور پُرسوز اشعار پڑھتے ہیں اور گرم و سرد آہ اپنے پُر درد دل سے نکالتے ہیں، خود بھی شعر کہتے ہیں، اور حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص احمدی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ایک دن راقم الحروف آپ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، آپ نے یہ شعر فی البدیہہ فرمایا ؎

گشتِ گلستاں بہانہ ایست نگارا　　بوئے تو آوارہ کردہ بادِ صبارا

پھر مجھ سے اشارہ کیا کہ تم بھی چند اشعار اسی زمین میں کہو۔ اس فقیر نے دو شعر عرض کئے ؎

رازِ نہانی بلب رساند دل امشب　　خوئے کبوتر کہ داد بُلبُلِ مارا
تعلق بہ محرابِ ابروت بسجود اند　　شیشۂ دل بشکند قبلہ نمارا

ہمارے خواجہ صاحب قدس سرہٗ (یعنی حضرت مجددِ الفِ ثانی) کے مکتوباتِ شریفہ میں اس مخدوم زادہ کے نام بھی مکاتیب ہیں۔ ایک مکتوب میں جو آپ کے خط کے جواب میں ہے اس طرح فرمایا ہے:

"(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد مخدوم زادہ کی خدمت میں عرض ہے کہ) کہ آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا اس کے مطالعے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ نسبتِ حضور کے شمول اور اس کے غلبے کے متعلق جو لکھا ہے وہ نیک اور مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین ماہ میں میسر ہوئی ہے وہ دوسرے سلسلوں میں اگر دس سال میں بھی میسر ہو جائے تو عظیم نعمت شمار ہوگی۔ اور بہت ہی بڑی بات تصور ہوگی۔ اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ چونکہ معلوم ہے کہ آپ کی فطرت بلند ہے اور اس قسم کے احوال کی تعریف و تحسین کرنے سے عُجب و تکبّر

کے پیدا ہونے کا گمان نہیں ہے، اس لیے اس نعمت کا اظہار کیا گیا۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ[1] اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا۔

نصِ قاطع ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ توحید کا فانوس اپنا ظہور کرنے لگا ہے تو یہ دولت بھی مبارک ہو۔ پورے ادب کے ساتھ اس وارد نعمت کو قبول فرمائیں۔ لیکن اس کے حال کے غلبہ میں آدابِ شرعیہ کی پوری رعایت ملحوظ رکھیں اور حقوقِ بندگی جیسا کہ چاہیئے بجا لائیں"

یہ مکتوب حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات کے دفتر ثانی میں چونتیسواں (پینتیسواں) ہے۔ اور بہت سے اعلیٰ فوائد اور بلند معارف پر مشتمل ہے۔ جو شخص اس کی تفصیل چاہتا ہے اُسے اس کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔

ولایت کے اس قرۃ العین (مخدوم زادہ) نے بہت پُر لطف، پُر شور اور مستانہ وار مکاتیب حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ ان میں سے صرف دو پر یہاں اکتفا کی جاتی ہے۔

عریضہ اولیٰ بندۂ مہجور پُر تقصیر محمد عبداللہ کی عرض یہ ہے کہ آنحضرت کی دعائے سلامت کے طفیل میں میرے اوقات اچھی طرح گزر رہے ہیں۔ (لیکن) ندامت اور پریشانی ہے کہ حضور کے خادموں سے دُوری ہے اور یہ اس قدر ہے کہ کہنے اور لکھنے میں نہیں آسکتی اور اس قدر شوریدگی اور سرگردانی پیدا ہو گئی ہے کہ اس کا ذکر شمّہ بھی نہیں کیا جا سکتا، (گویا) سراپا درد و اندوہ ہوں، لیکن اس کے باوجود اللہ پاک کا شکر ہے کہ رابطہ باطن میں کہ جس کا حاصل فنا و نیستی ہے ذاتاً، صفتاً، عیناً اور اثراً کوئی فتور نہیں (بلکہ) فتور کیوں ہو گا جبکہ میں وطن واپس آگر بھی پردیس کی خواہش سے محروم نہیں ہوں اور انتہائے غربت سے دو چار ہوں اور اسرارِ عجیبہ جلوہ گر ہیں (لیکن) باطن کو ان چیزوں سے سروکار

---

[1] سورۃ ابراہیم (۷)

نہیں اور ان سب نے میری دُنیا کے سمندر میں پانی سر سے اُونچا کر دیا ہے اور یہ سب کچھ آنحضرت کی غلامی اور خدمت گاری کے طفیل میں ہے۔ آنحضرت کی ذاتِ والا قیامت تک طالبوں کے سروں پر قائم و دائم رہے!

عریضہ ثانی والا درگاہ کا کمترین خادم محمد عبداللہ یہ عریضہ، حضرت خداوندی قبلہ گاہی دام ارشادہٗ کے دربار یوں اور خُلد جیسی محفل میں بیٹھنے والوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے کہ میرے احوال اس طرح گزر رہے ہیں کہ ان کی تفصیل بیان کرنے کے لیے لمبی فرصت کی ضرورت ہے کہ وہ کہاں ختم ہوں اور کہاں تک جائیں۔ عجیب شورش، سراپا پیچیدہ پیدا ہو گئی ہے جو حقیقت کی لہروں والے سمندر میں ہے اور ہر لحظہ ایک نئی موج پیدا ہوتی ہے۔ لیکن عشق کے راستے میں موج کے ساتھ دو قطرہ ہونا (کیا حقیقت رکھتا ہے؟)۔ افسوس میں کیا لکھ رہا ہوں۔ حضرت قطب کے یہاں ایسی دیوانگی کا کوئی دوسرا راز حاصل ہوتا ہے ؎

روتا ہوں میں ہنستا ہوں، گرتا ہوں سنبھلتا ہوں!
یہ مستی سکھاتا ہے وہ دِلبرِ مستانہ

اے قبلۂ خدا پرستاراں، کرم فرمائیے تا کہ میں جُنون کی بھنور سے ہوش کے ساحل پر آجاؤں۔ اس سے زیادہ عرض کرنا گستاخی ہوگی۔ فقط

اور چونکہ آپ (محمد عبداللہ) کی توجہات و عنایات اس فقیر حقیر (راقم الحروف) پر بھی بہت ہیں، اس لیے بہت سے عنایت نامے جو انفاسِ نفیسہ پر مشتمل ہیں، مجھے بھی ارسال فرمائے ہیں۔ لیکن اُن کا ذکر چونکہ باعثِ تطویل ہے اس لیے یہاں آپ کے لیے دعا پر بات ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والد ماجد کی دعا، جو ابھی ابھی آپ کے اشعار میں اوپر آ چکی ہے قبول فرمائے اور آپ کو مراتبِ تکمیل و اکمال کے منتہیٰ تک پہنچائے۔ بحقِ اہل الرشاد۔

حضرت خواجہ کے ان دو فرزندوں کے بعد اب ہم آپ کے خلفاء کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ کے خلفائے کبار

حضرت خواجہ کے سب سے زیادہ عمل، علم، کمال اور عظمت والے خلیفہ تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ تھے۔ اور یہی مناسب تھا کہ سب سے پہلے آپ ہی ذکر سے زبانِ قلم کو میٹھا بناتا اور پھر دوسرے خلفاء کا ذکر کرتا۔ لیکن چونکہ آپ کے حالات بہت بسیط و طویل تھے اور ان کے ساتھ آپ کے صاحبزادوں اور بکثرت خلفاء کا حال بھی شامل تھا۔ اس لیے مجبوراً حضرت خواجہ کے دوسرے کے دوسرے خلفاء کا ذکر مقدم کرنا پڑا اور جگر ریشوں کے مرہم یعنی حضرت مجددِ الفِ ثانی قدسِ سرہٗ آپ کے صاحبزادوں اور خلفاء کے حالات کو مؤخر کرنا پڑا۔

۱ شیخ تاج الدین سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ ہندوستان ہی کے رہنے والے ہیں اور ہمارے حضرت خواجہ کے جلیل القدر اصحاب میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ کے آستانے میں شرفِ وصول حاصل کرنے سے پہلے آپ شیخ الٰہ بخش کی خدمت میں تھے۔ جو حضرت مجذوب اللہ سید علی قوام کے خلفاء میں سے تھے (جناب شیخ دالٰہ بخش) آپ[1] پر بہت مہربانی اور عنایت فرمایا کرتے تھے۔ ایامِ طلب کے شروع میں جب کہ حضرت خواجہ، مختلف مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، سنبھل کے قریوں میں سے ایک قریہ میں کہ جو بلادِ دہلی کے مضافات میں ہے۔ شیخ الٰہ بخش کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، اور شیخ تاج نے اُس وقت ہمارے حضرت خواجہ کو اُن کی ارادت

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ کے حسب ذیل صفحات میں شیخ تاج الدین کا ذکر آتا ہے، ۷۴، ۷۵، ۸۵، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۴، ۱۳۱، ۱۳۲ (صفحہ ۸۵ میں شیخ تاج الدین کی "دماغ خشکی" کا ذکر بھی ہے)۔

اور صحبت کے لیے مشورہ بھی دیا تھا لیکن جب حضرت خواجہ نے اس معاملے میں استخارہ کیا تو حضرات خواجگانِ نقشبندیہ کے اکابر سے اس کے لیے اجازت نہیں پائی، اس لیے انھوں نے دوسری طرف کو اپنی سیر کا رُخ کر لیا۔ لیکن شیخ الٰہ بخش کے فقر اور نفیسی کے قائل رہے جیسا کہ اُن کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جب حضرت خواجہ نے ماوراء النہر[1] کے سفر سے ہندوستان کو مراجعت فرمائی اور طالبوں کے رشد و ہدایت میں مصروف ہوئے تو اس وقت شیخ الٰہ بخش رحلت فرما چکے تھے۔

شیخ تاج گو کہ اپنے مُرشد کے خلیفۂ مجاز بلکہ نائب تھے لیکن حضرت خواجہ کی صحبت اور تربیت کے اشتیاق میں اُن کی خدمتِ عالیہ میں بہت ارمان کے ساتھ پہنچے۔ حضرت خواجہ کو آپ کی یہ طلب، تواضع اور انصاف پسندی بہت پسند آئی، اس لیے نظرِ عنایت و برکات آپ کے شاملِ حال فرما کر اپنی خلوت و محفل کا خاص جلیس اور انیس بنایا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ کی صحبت میں سب سے زیادہ رہنے والے آپ ہی تھے۔ (اور آپ کی طرح کوئی نہ تھا)۔ احوال و اسرار کے معلوم کرنے میں بھی آپ بہت دلیر تھے۔ اگر حضرت خواجہ کبھی مغلوب الحال ہوتے تو آپ مختلف حکایتوں اور لطیفوں کو گوش گذار کر کے اُن کو اس دنیا کے شعور میں لے آتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ کے حالات میں اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ بہرحال حضرت خواجہ نے اکابرِ نقشبندیہ کی نسبتوں سے آپ کو مستفیض فرما کر تعلیم طریقہ کی اجازت دے دی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ سے سب سے پہلے خلافت مجاز آپ ہی نے حاصل کی تھی۔

راقم الحروف نے خود شیخ تاج کی زبانی سُنا ہے کہ جب حضرت خواجہ نے مجھے اجازت تعلیم دینی چاہی تو اُن کے ضمیر حقائق پذیر پر گزرا کہ یہ (شیخ تاج) بھی خواب میں اکابر نقشبندیہ کی طرف سے کوئی ایسا امر دیکھ لے جو اجازت کی طرف اشارہ کرتا ہو،

---

[1] کلیات باقی باللہ کے صفحہ ۱۲۱ میں حضرت خواجہ کا بلخ پہنچنا مذکور ہے۔ غالباً دوسری بار ہندوستان میں آپ کا ورود ۱۰۰۳ھ میں ہوا تھا۔

بہت مناسب ہو گا۔ چنانچہ اسی زمانے میں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بخارا کے قابلِ فخر خطے میں حضرت عزیزانِ خواجہ علی رامیتنی قدس سرہٗ کی خدمت میں ہوں اور وہ اپنی کلاہ مبارک میرے سر پر رکھ کر مجھ پر شفقت و عنایت فرما رہے ہیں۔ جب میں نے یہ واقعہ حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا تو وہ مسکرانے لگے اور جو کچھ اُن کے ضمیر حقائق پذیر پر گزرا تھا۔ بیان فرمانے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت خواجہ نے شیخ تاج کو اجازت دی تو آپ (شیخ تاج) کے نفس اور نظر میں عجیب اثر پیدا ہو گیا۔ یعنی جس کسی کو آپ اس طریقے کی تلقین فرماتے تو اس میں جذبات و غلبات پیدا ہوتے اور عجیب احوال ظاہر ہونے لگتے۔ اسی زمانے میں حضرت خواجہ سے آپ رُخصت لے کر سنبھل گئے۔ راستے میں دہلی کے سرے پر اپنے ایک دوست شیخ اللہ نامی کے یہاں جو حضرت خواجہ کے مُرید تھے رات قیام کیا۔ اُن کی اہلیہ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ شیخ سے اس سلسلۂ عالیہ کے ذکر کی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ شیخ نے منظور کر لیا۔ اُسی رات اُس صالحہ کو بہت زیادہ جذبات اور احوال واقع ہوئے اور کشفِ نکی وارداح وغیرہ میتسر ہوا۔ اُس نے وہ تمام باتیں اپنے شوہر سے بیان کیں تاکہ وہ شیخ کے پاس جا کر بتائے۔ شوہر نے جو یہ باتیں سُنیں تو اُس کے سر میں شور اور جنون پیدا ہو گیا۔ حالانکہ اس سے چند روز پہلے اُس نے شیخ تاج سے گذارش کی تھی کہ وہ وہاں سے رخصت ہوتے وقت حضرت خواجہ سے توجہ اور نظر عنایت کے لیے عرض کرتے جائیں اور شیخ تاج نے یہ گذارش پہنچا دی تھی اور حضرت خواجہ نے کسی مصلحت کی بنا پر جواب دیا تھا کہ اُس شخص کا مجھ سے بہت کم مستفیض ہونا معلوم ہوتا ہے۔ شیخ تاج نے حضرت خواجہ کا یہ جواب مصلحتاً اس شخص کو نہیں بتایا تھا۔ لیکن اب اس رات میں اُس شخص نے فرطِ جنون میں شیخ تاج سے پوچھ ڈالا کہ میں نے جو گذارش کی تھی اُس کا آپ کیا جواب لائے؟ جب اُس نے بہت اصرار کیا تو شیخ تاج نے مجبوراً وہ جواب جو حضرت خواجہ نے دیا تھا اُس کو سُنا دیا۔ اس جواب کا سُننا تھا کہ وہ شخص گریبان چاک کر کے، سر پر مٹی ڈال کر، روتا، چیختا، گرتا پڑتا حضرت خواجہ کے آستانے کی طرف روانہ

ہوا۔ راستے میں کئی جگہ کیچڑ مٹی میں بھی گرا، پگڑی کہیں، جوتی کہیں، عجیب حال میں گویا یہ شعر پڑھتا تھا کہ :

در ہمہ شہر چو من نیست یکے شیدائی	خرقہ جائے دگر و ساغر و دفتر جائے
شہر میں میری طرح کوئی نہیں شیدائی	خرقہ میرا ہے کہیں ساغر و دفتر ہے کہیں

یہاں تک وہ اسی شوریدہ سری اور پریشان حالی میں حضرت خواجہ کی مسجد میں داخل ہوا اور آپ کو دیکھتے ہی بڑے اضطراب اور پیچ و تاب کے ساتھ دوڑ کر آپ سے لپٹ گیا اور زمین پر گر پڑا۔ حضرت خواجہ کے اصحاب نے چاہا کہ اُسے بجبر آپ سے علیٰحدہ کردیں، حضرت خواجہ نے منع فرمایا اور خود کو اس کے سپرد کر دیا۔ جب کئی مرتبہ اُس نے آپ کو ہر طرف سے گرایا تو آپ نے شفقت سے اُس سے پوچھا کہ اے شخص، مجھ سے تجھے کوئی کام ہے؟ اُس نے چلا کر کہا کہ جو کام میرا ہے وہ صرف آپ سے ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم تو مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو، پھر آپ نے اُس سے فرمایا کہ اچھا، میری پیشانی کی طرف دیکھو۔ اُس نے جونہی آپ کی پیشانی کی طرف دیکھا کہ بے ہوش ہو گیا اور زمین پر گر پڑا۔ پھر حضرت خواجہ کھڑے ہو گئے اور ایک شخص کو اُس کی نگرانی کے لیے چھوڑ دیا پھر کچھ وقت کے بعد اُسے افاقہ ہوا تو احباب نے اُس سے بیہوشی کا سبب پوچھا۔ وہ کہنے لگا کہ جونہی میں نے پیشانی کی طرف نظر اُٹھائی تو ایسی چیز دیکھی جو بیان نہیں کی جا سکتی۔ میں وہی دیکھنا چاہتا تھا اور اُسی کے لیے از خود رفتہ تھا ؎

لوحِ محفوظ است پیشانیِ یار	سرِ کونین است درے آشکار
لوحِ محفوظ اب ہے پیشانیِ یار	سرِ کونین اس سے ہوگا آشکار

جب حضرت نے اس شخص کی اہلیہ کا حال دریافت کرنے کے لیے خود تشریف لے گئے۔ اُس کو اپنے پڑوس میں لے آئے اور ہر روز اُس کی خبر گیری فرمانے لگے اور اس پر خاص توجہ فرمائی، یہاں تک کہ وہ آپ کی توجہ با برکت سے بہت اونچے درجات تک پہنچ گئی اور آپ سے اجازتِ تعلیم بھی حاصل کی۔ آج کل قلعہ سلطان فیروز میں خواتین اُن کی طرف ذکر کے لیے رجوع کرتی ہیں اور اس بی بی دولت نامی خاتون کی صحبت د

خدمت کی برکت سے وہ صفا و ذکر اور جذبہ و حضور تک پہنچتی ہیں۔ اسی بی بی دولت کی صاحبزادی سے خواجہ حسام الدین احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی شادی ہوئی ہے۔ (یہ جملۂ معترضہ تھا) اب ہم پھر شیخ تاج الدین کے احوال کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

اُس زمانے میں جب کہ شیخ تاج الدین سنبھل گئے ہوئے تھے اور طالبوں کی ہدایت کی طرف متوجہ تھے۔ بعض حاسدوں نے آپ کے لیے زبانِ ملامت کھولی۔ ایک دیوانہ ابوبکر نامی[1] جو پیر بھائیوں میں سے تھا۔ بہت شوریدہ سر ہو گیا۔ شیخ نے اس کی تادیب کی، اور یگانہ و بیگانہ کی ملامت اور اُس دیوانے کی پرخاش سے مجبور ہو کر حضرت خواجہ کی خدمت میں شکایت لکھ بھیجی۔ حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"تم نے جو دماغ خشکی، شیخ ابوبکر کے متعلق اپنے خط میں ظاہر کی ہے وہ خط میں نے پڑھا۔ اس قسم کی باتیں شفقت اور کارشناسی سے بعید ہیں۔ اولیائے کبار بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں، پھر وہ بیچارہ کہ اس نے چند روز ہی سلوک اور طریقت سے تصفیہ حاصل کیا ہے، کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس سے خلافِ امید باتیں ظاہر نہ ہوں، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ وہ دیوانہ ہو اور بے عقل ہو اُس سے استقامت کی اُمید نہیں رکھنی چاہیئے۔ اگر وہ مقامِ ولایت تک بھی پہنچ چکا ہو تب بھی عجب نہیں کہ اُسے نامعقول بات معقول نظر آئی ہو اور صواب کی صورت اُس سے پوشیدہ ہو۔ دیوانگی کا معاملہ دوسرا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ شرعی پابندیاں صرف اُس پر ہیں جو عقل رکھتا ہو۔ بہرحال اُن سب کو اپنی اپنی جگہ پر معذور جانیں اور فاعلِ حقیقی پر نظر رکھیں اور معیّتِ وجود کو دیدِ ادب جانیں، کیونکہ نفوس مختلف ہیں۔ بعض امّارہ ہوتے ہیں اور بعض مطمئنّہ، پھر بعض درمیانی ہوتے ہیں جنہیں لوّامہ کہتے ہیں۔ اور یہ تقسیم بھی ذوی العقول نفوس کی

---

[1] کلیات باقی اللہ کے صفحہ ۸۵ میں اسی کا ذکر ہے۔

ہوتی ہے۔"

نفوسِ مطمئنّہ اولیا رہیں۔ نفوسِ امّارہ کو بھی معذور رکھنا چاہیئے بلکہ ہر معاملے میں خوبی ہی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ سنبھل والوں کے طعن سے بھی انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اُن کو ترحّم کی نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ استقامت عقل سے باہر آگئے ہیں اور شیوۂ نفوس کو فراموش کر چکے ہیں۔ اگر ایک عاجز شخص کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو اُس پر بُطلان کا حکم کیوں لگاتے ہیں اور اُس کے تمام معاملات کو اسی ایک گناہ کے ساتھ کیوں ملا دیتے ہیں۔ الحمدللہ والمنّۃ کہ ملامت، اولیا و کو حاصل ہوتی ہے۔ ہم نے خود ایسے معاملات کے ظہور سے متعلق ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ یہ کہ جب ہمیں کسی طرف سے کوئی ملامت پہنچتی ہے تو ہم اپنے اندر غور کرتے ہیں اور اپنے اندر کوئی نہ کوئی خرابی پاتے ہیں اور اس اشارۂ ملامت کو اپنے لیے خیر کی موعظت جانتے ہیں اور اس معاملے میں بھی ہم اپنے اندر نفاق و تلبیس دیکھتے ہیں۔ ہم نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی ہے، انشاء اللہ وہ چیزیں دفع ہو جائیں گی۔

اب تم بتاؤ کہ اہلِ سنبھل کے ملامت کرنے سے کون سی چیز لاحق ہو جائے گی؟ کیا تمہاری عبادت قبول نہ ہو گی یا صفا اور توجہ برطرف ہو جائے گی یا وہ بارگاہِ خداوندی سے ردّ ہو جائے گی ؏

معشوقہ ترا و بر سرِ عالم خاک

؏ مقصود دل گیا تو دو عالم پہ خاک ڈال"

والسلام

۲۔ یہ مکتوب[1] بھی سابقہ مکتوب سے پہلے یا بعد آپ نے شیخ تاج کو لکھا ہے جیسا کہ اِسکے متن سے ظاہر ہوتا ہے۔

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ صفحہ ۱۱۲

کارے مکن کہ وحشتِ رشکم فزوں شود
صید۔ بے چومن زدام وفایت بروں شود
ایسا نہ ہو کہ رشک کا بڑھ جائے کاروبار
تیری وفا کے دام سے باہر ہو یہ شکار

تمہارا مرغِ دست آموز، نازک مزاج ہے اور واللہ کہ اس مسکین کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ یہ کم پرواز ہے، اس نے اس بیابان کے گرم وسرد کو نہیں دیکھا۔ بہر حال اُس کو ناز کے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ سنّت اللہ اس طرح جاری ہے کہ اس واسطے کا اعزاز اور تعظیم جس قدر ہو اُسی قدر فیضِ لا متناہی حاصل ہوتا ہے ؎

چوں زمانی بغیرِ ما منگر   الحذر الحذر زغیرتِ ما
تم ہو میرے تو غیر کو چھوڑو   میری غیرت کا کچھ تو پاس کرو

زیادہ لکھنا گستاخی ہے۔ انشاء اللہ اسی پانچ چھ روز میں تمہاری طرف متوجہ ہوں گا۔ اس سے پہلے ایک دن ایک قسم کا اشارہ ہوا کہ تمہاری طرف ابھی توجہ نہ کروں اور یہیں سے غائبانہ طور پر تمہاری ترقی کے لیے کوشاں ہوں۔ اللہ پاک کے کرم سے انشاء اللہ اس میں کسر نہ چھوڑوں گا۔ یہ بھی ظاہر ہوا کہ تمہاری جنگ اور نزاع جاری ہے۔ اس لیے ایسے وقت میں جس طرح مناسب ہو اہتمام کرو، تاکہ عین الیقین تک پہنچ جاؤ اور لقا باللہ کی بلندی تک رسائی حاصل کرو تاکہ حق الیقین میں سیرِ معشوق کے آثار خود معشوق میں مشاہدہ ہو سکیں۔ اور وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [1] کے معنی کا ذوق حاصل ہو اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ [2] کا راز تحقیق میں آجائے خلافتِ الٰہیہ بجز اس کے اور کسی صورت میں متحقق نہیں ہوتی۔ مملکتِ

---

[1] سورۃ الانفال (۱۷) آیت

[2] سورۃ القصص (۸۸) آیت

تحقیق کے بادشاہ خواجۂ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ جب تک وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کا پرتو باطن میں نہ پڑے، واصل نہیں کہا جا سکتا کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ چیز انوارِ توحید کے ظہور سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ سب کو بصفتِ ہمگی دیکھنا اور ہے اور صفتِ یگانگی دیکھنا اور ہے پس جس نے جان لیا تو جان لیا اور یہی معنی ہیں کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ کے۔ چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ ازل میں تھا، اب بھی ویسا ہی ہے۔ کما کان دوسری چیز ہے جو دقیق ہے اور اس میں تقریر و تحریر کی گنجائش نہیں۔ والسلام مع الاکرام۔"

۳- یہ تحریر بھی آپ نے شیخ تاج کو بھیجی تھی:۔

عزیزِ من، ہدایتِ مطلق مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[1] کے پرتو میں ہے کہ سالک کا باطن جب ذاتِ بحت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کی پہچان یہ ہے کہ باوجود دردِ دوری کے اس کے لیے تمام مقامات و مشاہدات و مراتب حقیر معلوم ہوتے ہیں ؎

رندے چند ند کس نداند چند ند!
بر نسیہ و نقدِ ہر دو عالم خندند[2]!

اگر اس حالت والا سالک، بشرطِ کشش، اس حالتِ سیر سے مقامِ بندگی تک پہنچے اور اسم الغنی کا مظہر بن جائے تو اس کا فقر انتہا کو پہنچ جائے گا۔

اَلْفَقْرُ اِذَا تَمَّ ھُوَ اللّٰہُ۔ — جب فقر تمام ہو تو وہ اللہ ہے۔

یہی ہے۔ اور یہ چیز اسی وقت میسر ہو سکتی ہے۔ جب استغراق اور

---

[1] سورۃ النجم آیت ۱۷ [2] کلیات باقی باللہ صفحہ ۱۴۸ میں بھی ملتا جلتا ہے۔ برکت نمبر ۲۲ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

کششِ الٰہی ہو اور یہ دریافت ہو کہ یہ کشش بھی اُسی کی جانب سے ہے
اور یہ کہ کائنات کی مختلف صورتیں اور عالمِ اجسام محض سراب ہیں۔
انتہٰی کلامہ الشریف۔"

جب حضرت خواجہ نے دار البقاء کی طرف رحلت فرمائی تو شیخ تاج الدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے مختلف شہروں کی سیر شروع کی اور ہندوستان اور کشمیر کے علاقوں میں گھومتے گئے۔ پھر حرمین شریفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب آپ اس متقدس مقام میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو آپ سے اخلاص پیدا ہو گیا۔ شیخ محمد علان جو اکابرِ حرم میں سے تھے اور جو تقویٰ، علم، عمل، ریاضت اور قناعت میں اُس دیارِ منبع الانوار کے اعلام میں سے تھے آپ سے بیعت ہو گئے۔ اس شیخ محمد علان کو شیخ تاج کی خدمت میں پہنچنے سے قبل بھی سلسلۂ عالیۂ نقشبندیہ سے بہت خلوص اور عقیدت تھی، اسی لیے اُنھوں نے (حسین الواعظ الکاشفی کے بیٹے فخر الدین علی الصفی کی) کتاب رشحات عین الحیات کا (فارسی سے) ترجمہ عربی میں کیا تھا تاکہ عرب کے لوگ بھی ان اکابر (نقشبندیہ) کے حُسنِ اطوار، لطافتِ اقوال اور رفعتِ احوال سے مطلع ہو جائیں۔ اور وہ خود اس تلاش میں تھے کہ اللہ پاک اس عجیب سلسلے کے کسی خلیفہ کو وہاں بھیجدے تاکہ اُس سے ان اکابر کے طریقۂ ذکر کو اخذ کیا جائے۔ جب شیخ تاج الدین وہاں پہنچے تو اس سلسلے کے بعض اکابر نے خواب میں اُن (شیخ محمد علان) کو شیخ کی طرف متوجہ کیا۔ پھر تو وہ پورے خلوص کے ساتھ شیخ کی خدمت میں پہنچ کر ان بزرگوں کے اذکار و اطوار سے مستفیض ہوئے اور تواضع و انکسار کے ساتھ اُن کی خدمت میں آنا جانا شروع کیا۔ اور ان (شیخ محمد علان) کے ارتباط و اعتقادِ تام کی وجہ سے وہاں کے دوسرے لوگوں میں بھی اخلاص پیدا ہوا۔

راقم الحروف نے خود شیخ تاج الدین کی زبانی سُنا ہے کہ وہ فخریہ کہا کرتے تھے کہ ہم کو عرب ممالک میں لوگ شیخ محمد علان (کا مرشد) کہا کرتے تھے۔ شیخ محمد علان نے ۱۰۳۱ھ میں انتقال فرمایا اور (اس کے بعد) شیخ تاج الدین پھر ہندوستان

آئے لیکن پھر حجاز تشریف لے گئے۔ آخری دفعہ آپ لہیہ اور کوفہ بھی گئے جہاں ایک جمِ غفیر آپ کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوا۔ بلکہ وہاں کا حاکم بھی آپ کا عقیدت مند بن گیا۔ اسی اثناء میں جب کہ اربابِ ارادت کی صحبت اور اجتماع کی کثرت تھی، حج کا زمانہ آگیا اور حرمین شریفین کا قافلہ روانہ ہونے لگا تو شیخ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئے کہ :

یک طرف بانگِ حدی، یک جانب آوازِ درای
از گراں جانی بود آں را کہ ماند دل بجای:
اک طرف بانگِ حدی اور اک طرف بانگِ رحیل
دل ٹھکانے کب رہے جب ہے گراں جانی کفیل

چنانچہ آپ مشیخت اور تعلیم طریقہ کو چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے لباسِ احرام کے ساتھ ایک اونٹنی پر اور ایک دو خادموں کی معیت میں فقر و فاقہ لیے ہوئے عازمِ حرمین شریفین ہوئے۔ راقم الحروف کا ایک دوست جو فاضل بھی ہے اور صالح بھی اور نام بھی اس کا صالح ہے۔ اور میرے بزرگوں کے مقبولین میں سے ہے مجھ سے بیان کرتا تھا کہ اُس سال کے حج میں کہ ۱۰۳۷ھ تھا، میں نے شیخ کو میدانِ عرفات میں دیکھا تھا۔ کہ آپ احرام میں تھے جو میلا ہو گیا تھا اور آپ بھی غبار آلودہ تھے، بال اُلجھے ہوئے تھے، ڈاڑھی سفید تھی۔ آنکھیں سفر کی سختی کی وجہ سے بلکہ کیف و مستی کی وجہ سے سُرخ ہو گئی تھیں۔ آپ کو دیکھ کر میں سخت متاثر ہوا اور آپ سے میری عقیدت بڑھ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ برسوں میں نے شہروں اور بیابانوں کی خاک چھانی ہے اور کس کس کو دیکھا ہے۔ لیکن اب تو اپنے آقا کے گھر کی جھاڑو دوں گا تاکہ یہیں خاک ہو جاؤں ؏

خوش آں سرے کہ برآں آستانہ خاک شود
؏ وہ سر ہے کیسا مبارک جو خاکِ در ہو جائے

اللہ پاک اس یادگارِ باقی کو ان مقدس شہروں میں برسوں تک باقی رکھے۔
شیخ تاج الدین نے اربابِ ذوق و حال کے اطوار و اقوال کے متعلق مفید

رسالے لکھے ہیں۔ اور اہلِ عرب کے اِفادے کے لیے خواجگانِ نقشبندیہ کے بعض فارسی رسالوں کا عربی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ بعض علمائے ظاہر نے پیری و مریدی کو بدعت کہا تو شیخ تاج الدین نے اس پیری و مریدی کے مسنون ہونے کے اثبات میں ایک عمدہ رسالہ لکھا ہے۔ یہاں ہم اُس رسالے میں سے جو تعلیمِ اذکار سے متعلق ہے کچھ تھوڑا سا اقتباس پیش کرتے ہیں[۲]:

ب (۱) خواجہ عبداللہ امام اصفہانی[۱] رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جو (جامی کی) نفحات الانس میں مذکور ہے اسی سلسلے میں وہ (شیخ تاج) فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اُس شخص کا تصوّر کریں جس سے یہ نسبت حاصل کی ہے۔ شیخ لکھتے ہیں:

پس چاہیے کہ تو شیخ کی صورت کو اپنے دائیں مونڈھے پر اپنے خیال میں رکھے اور اپنے مونڈھے سے اپنے دل کی طرف ایک لمبا امر سوچے اور شیخ کو اس امر پر لائے اور اس کو اپنے دل میں رکھے، پھر توقع ہے کہ اس کے ذریعے تجھے غیبت کا حصول ہو جائے گا۔

ب (۲) ذکر کا یہ اثر کہ نفی کے زمانے میں وجودِ بشریت تجھ سے دُور ہو جائے (یا وجودِ بشریت کی تجھ سے نفی ہو جائے) اور اثبات کے زمانے میں تجھ میں جذباتِ الٰہیہ کے تصرّفات کے آثار میں سے کوئی اثر ظاہر ہو تو صورتِ حال یہ ہے کہ استعدادات کے مطابق اثر مختلف ہوا کرتا ہے۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کو ماسوائے حق سے غیبت پہلے ہی حاصل

---

[۱] نفحات الانس میں پورا نام اس طرح ہے۔ شیخ نجم الدین عبداللہ بن محمد الاصفہانی۔ لیکن جس کلام کی طرف متن میں اشارہ ہے وہ موجودہ نفحات الانس کے نسخے میں نہیں ہے۔ اس میں ہے کہ ۱۷۲ھ میں مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔

[۲] زبدۃ المقامات میں یہاں عربی عبارتیں ملتی ہیں۔

ہو جاتی ہے اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ پہلے تو ان کو شکر و غیبت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد ان کے لیے وجودِ عدم متحقق ہوتا ہے، اور اس کے بعد وہ فنا سے مشرف ہوتے ہیں جیسا کہ شیخ عبداللہ انصاری نے آیت کریمہ:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ — اپنے پروردگار کو یاد کر جب تو بھول جائے۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جب اُس کے غیر کو بھول جائے، پھر اپنے نفسِ ذکر کو بھول جائے۔ پھر خدا کے ذکر میں اپنے آپ کو بھول جائے۔

(۲) خواجہ حسام الدین احمد سلمہ اللہ

یہ بھی حضرت خواجہ باقی باللہ کے خاص اصحاب اور جلیل القدر احباب میں سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد "مجموعۂ سخن دانی" قاضی نظام الدین بدخشی تھے۔ جن سے (ان کے استاد) مولانا ربانی سعید ترکمانی نے انتہائی تواضع کی وجہ سے ذکر کا سبق حاصل کیا تھا، حالانکہ آپ مولانا مذکور کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ آپ مولانا المدقق احمد جنید کے بھی[1] شاگرد تھے۔ اور آپ نے بھی بہت سے نیک اور صالح تلامذ اپنے التفاتِ پسندیدہ سے نواز کر یادگار چھوڑے ہیں۔ قاضی صاحب نے ۹۹۲ھ میں اس دار المحن سے رحلت فرمائی۔ قاضی صاحب آخر زمانے میں، تقدیرِ الٰہی کے بموجب

---

[1] بدر الدین سرہندی نے حضرات القدس کے دفتر اول میں خواجہ حسام الدین احمد کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے والد مولانا احمد جندی کے بھی شاگرد تھے۔ اوپر جندی کے بجائے جنید لکھا ہے۔ اور یہ کہ وہ ۹۸۱ھ میں ہندوستان آکر اکبر بادشاہ کے امراء میں شمار ہوئے۔ حسام الدین احمد نے کم سنی میں حاجی رمزی سے سندِ اجازت مصافحۂ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) حاصل کی اور بزرگوں سے عقیدت پیدا کی۔ بدر الدین سرہندی نے لکھا ہے کہ میری کتاب سنوات الاتقیاء میں تفصیل ہے ۱۲

مُلک ہندوستان کے بڑے بڑے اُمراء کے زُمرے میں مُنسلک ہو گئے تھے۔ اُن کے بعد اُن کے یہ پسندیدہ اور سعادت مند فرزند بھی کچھ عرصے تک امارت وجاہ کے تفیدیں پھنسے رہے۔ لیکن اسی زمانے سے اولیائے کرام سے بہت زیادہ عقیدت کی وجہ سے آپ فقراء کی صحبت اور خدمت کی طرف مائل رہے اور گوشہ نشینی اور انزوا کے جویاں رہے۔ انہی ایام میں آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ کی صحبت کی برکت سے گوشہ نشینی کا شوق اور بڑھ گیا۔ جب حضرت خواجہ ماوراء النہر تشریف لے گئے تھے، اُس وقت آپ پر جذبۂ الٰہی کا غلبہ ہوا۔ اور آپ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح جاہ و حشمت چھوڑ کر ٹاٹ پلاس پہنا اور مال ومنال، جاہ و حشمت سب کو خیر باد کہا۔

چونکہ بادشاہ کو آپ سے بہت محبت تھی، آپ شیخ ابوالفضل رکن السلطنت کی بہن سے آپ کی شادی ہو گئی، لیکن بادشاہ اور اس وزیر کو ملتِ احمدی اور اس کے ماننے والوں سے بہت دشمنی تھی۔ اس لیے وہ لوگ چاہتے تھے کہ آپ فقر و فنا سے غنا کی طرف آجائیں۔ اس سلسلے میں آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائی گئیں لیکن اللہ پاک کے فضل و توفیق سے آپ نے جادۂ استقامت سے پائے ہمت کو نہیں ہٹایا۔ ع

سعیِ بیہودۂ اغیار بجائے نہ رسید
(بار آور نہ ہوئی دشمنِ دیں کی کوشش)

آخر آپ نے گوشہ نشینی اور تجرید اختیار کر لی اور ماوراء النہر سے حضرت خواجہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ واپس تشریف لائے تو آپ اُن کی خدمت میں پہنچے اور خواجگانِ نقشبندیہ کے ذکر و مراقبہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس تعلیم نے آپ کو دنیا سے بے نیاز کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ابوالفضل نے آپ سے بہت مزاحمت کی۔ اس کی سخت ایذارسانی کی وجہ سے آپ نے حضرت خواجہ سے اپنی دِل تنگی کا اظہار کیا۔ فرمایا کہ خاطر جمع رکھو کہ جلد ہی اُس (ابوالفضل) کا کام درہم برہم

ہو جانے کا۔ چنانچہ جس طرح فرمایا تھا۔ ویسا ہی ہوا اور وہ اسی زمانے میں قتل ہوئے۔

میں نے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نے خواجہ حسام الدین کی تربیت شیوہ جلال سے فرمائی تھی۔ بظاہر عتاب فرماتے تھے اور نکال دیتے تھے۔ لیکن باطن میں ان کو اچھے اچھے کلمات سے یاد فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ کے احوال میں یہ قصیدہ بھی مرقوم ہے جو ان شعروں میں ہے کہ :

چہ خوش نازیست ناز خوب رویاں	زدیدہ راندہ و در دیدہ جویاں
بہ چشمے ناز بے اندازہ کردن	بہ دیگر چشم عذر تازہ کردن
عجب انداز کا ہے ناز ان کا	کبھی برہم کبھی آنکھوں میں رکھنا
کبھی بے حد غرور و ناز کرنا	کبھی در معذرت کا باز کرنا

بہر حال آپ نے برسوں حضرت خواجہ کی خدمت بہت خلوص اور انکسار کے ساتھ کی اور خصوصی توجہ اور مبارک احوال پائے۔ حتیٰ کہ آپ وہاں پہنچے جہاں تک کہ پہنچے اور پھر حضرت خواجہ سے اجازت تعلیم بھی حاصل کی۔ لیکن تفرید و آزادگی کے غلبے کی وجہ سے اس امر (تعلیم طلاب) پر قائم نہ رہ سکے۔ لیکن تعمیل حکم کے لیے ایک شخص کو ضرور تعلیم ذکر دی ہے اور پھر حضرت سے معذرت بھی کر لی کہ اس معاملے میں مجھے معذور سمجھیں۔ حضرت خواجہ نے آپ کو اس معذرت میں صادق جان کر آپ کے عذر کو قبول فرما لیا اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا کہ:

"تم نے اچھا کیا اور خود کو خلاصی دے دی۔"

حضرت خواجہ کے مرض موت کے وقت بڑے اصحاب میں سے سوائے آپ کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ اس وقت آپ نے جاگ جاگ کر خوب تیمارداری کی۔ اور اس طرح بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔ اور تجہیز و تکفین کی خدمات بھی آپ ہی نے انجام دیں۔ اور حضرت کے وصال کے بعد آپ اپنے پیر زادوں اور پیر بھائیوں

سے اس کے قتل کی تاریخ ہے "شیخ اعجاز رحمۃ اللہ سرہ" عمی بود۔

۱۰۰۰ھ

کی خدمت میں بھی بہت مصروف رہا کرتے تھے۔ آپ کی سعی مشکور ہوئی کہ اس کی برکت سے دونوں مخدوم زادے فضیلت وصلاحیت کے کمال کو پہنچے، چنانچہ ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) قدس سرہٗ نے ان مخدوم زادوں کو ایک مکتوب میں اس خدمت کا شکریہ اس طرح لکھا ہے:

"معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ پاک ہم سب کی طرف سے جزائے خیر دے کہ انہوں نے ہم قاصروں کی خدمت اپنے ذمے لے لی اور خدمتِ عتبۂ عالیہ کے لیے ہر وقت کمربستہ رہے اور ہم دور افتادہ لوگوں کو اس خدمت سے فارغ کر دیا۔

گر بر تنِ من زباں شود ہر موئے | یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد!
ہر بال مرے تن کا بن جائے زباں لیکن | پھر بھی نہ ہزاروں سے اک شکر ادا ہوگا

(انتہیٰ کلامہ الشریف)"

خواجہ بزرگوار (باقی باللہ) سے خواجہ حسام الدین احمد کا عشق ومحبت بہت کچھ مشاہدے میں آیا ہے، انہوں نے بارہا فرمایا ہے کہ:

"ہمارے خواجہ (باقی باللہ) وہی خواجۂ احرار (عبید اللہ احرار) ہی تھے جو اُن کے لباس میں ظاہر ہوئے تھے۔"

راقم الحروف بھی کہتا ہے کہ:

"میں نے حضرت پیر بزرگوار (مجدد الف ثانی) قدس سرہٗ سے بھی یہ معلوم کیا ہے کہ حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرار کی شاید ہی کوئی ایسی نسبت ہوگی جو انہوں نے ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) کو القاء اور اعطا نہ کی ہو۔"

یہ بھی حضرت (مجدد الف ثانی) نے فرمایا ہے کہ:

"ایک خاص نسبت اور تھی اور وہ عظیم تھی جو حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرار نے اپنے انتقال کے بعد جب کہ خواجہ (باقی باللہ) انکے مزار اقدس

پر حاضر ہوئے تھے عطا فرمائی تھی۔" (انتہیٰ)

خواجہ حسام الدین احمد کا معمول یہ ہے کہ:

"فجر کی نماز فیروز آباد کی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ پھر کچھ دیر مسلسل مراقبہ کرتے ہیں اور اشراق کی نماز پڑھ کر اپنے پیر بزرگوار کے مزار فائض الانوار کی طرف روانہ ہوتے ہیں جو وہاں سے قریب ڈیڑھ میل کے فاصلے پر شہر سے باہر ہے۔ وہاں دن بھر تلاوت، عبادت اور مراقبہ کرتے ہیں اور ہر روز پندرہ پارے تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں۔ اور مشکوٰۃ المصابیح کے (فارسی) ترجمے سے چند حدیثیں مطالعہ کرتے ہیں اور وہیں عصر کی نماز ادا کر کے اپنے عیال و اطفال کے کاموں کے لیے شہر میں اپنے گھر واپس آتے ہیں۔ اس تنہائی پسندی اور گوشہ نشینی کے باوجود اگر آپ کے گھر کوئی مہمان آجاتا تو آپ خبر ہونے پر اپنے گھر آجاتے اور اپنے معمولات کم کر کے مہمان کی دلجوئی کرتے اور اس سے اچھی طرح پیش آتے۔

حدیثِ پاک کے حکم کی تعمیل میں مخلوقِ خدا پر آپ کی شفقت ایسی ہے کہ دولت مندوں کی صحبت اور تعلق سے نفرت رکھنے کے باوجود آپ ہمیشہ امیروں اور بادشاہ کو فقراء کی حاجت روائی کے لیے برابر سفارش لکھتے رہتے ہیں، باوجودیکہ آپ کے بعض مخلصوں نے آپ کی سفارش سے بعض دولت مندوں کی کراہت دیکھ کر آپ سے سفارش بھی کی ہے کہ آپ اس معاملے میں کنارہ کش رہیں۔ لیکن جب کوئی حاجت مند آتا ہے اور آپ سے سوال کرتا ہے تو شفقت کے جوش میں آپ بے چین ہو جاتے ہیں اور سفارش کر دیتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ کسی بزرگ نے بھی مسلمانوں کی حاجت روائی کے لیے بادشاہوں سے سفارش کی تھی۔ اور ان کو اس کی وجہ سے ذلت بھی اُٹھانی پڑی تھی۔"

آپ کے فرزند عرض کرتے ہیں کہ حفظِ آبرو بھی ضروری ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ:

"ایسی آبرو کو لیے ہوئے ہم آسیا گردانی نہ کریں گے۔ کیونکہ آب رو کی سعادت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کی کھیتی کو سرسبز و شاداب بنائے۔"

حضرت خواجہ (باقی باللہ) کے انتقال کے بعد کچھ دن کے لیے خواجہ حسام الدین احمد اور ہمارے حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے درمیان کسی بات پر کچھ ملال پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن بحمد اللہ وہ غبارِ ملال جلد ہی دُور ہو گیا۔ اور صفا اور اخلاص پہلے کی طرح پھر پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے کو تربیت حاصل کرنے کے لیے حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے پاس بھیجا۔ اور حضرت بھی اس قرۃ العین پر نظرِ عنایت، شامل حال فرماتے رہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ (حسام الدین) کے اس مکتوب میں جو شیخ تاج کے جواب میں ہے۔ اس اُمر کی طرف اشارہ ہے:

"جناب ارشاد پناہ کا عنایت نامہ جو بُرہان پور کی طرف روانگی سے پہلے سورت سے لکھا گیا تھا، سابقہ مکتوبات سے بھی زیادہ لطف و کرم کے آثار کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، وہ اِس تحریر کے لکھے جانے سے ایک روز پہلے موصول ہوا۔ جس قدر معارف تحریر میں آئے ہیں۔ اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مبارک وقت اس رباعی کے قائل کے وقت کے مطابق تھا کہ:

ہر جا قدمے زدیم در کوئے تو بود | ہر گوشہ کہ رفتیم ہیا ہوئے تو بود
گفتم مگر سوئے دگر راہے نیست | ہر راہ کہ رفتیم ہمہ سوئے تو بود[1]

اسی سبب سے جو کچھ اہلِ بقا کے قلم سے صادر کراتے ہیں وہی چیز یں اس مکتوب میں ہوں گی۔ لیکن چونکہ یہ دار العمل ہے اور اس مسجد[2] کے دیوانوں

---

[1] قدم جہاں بھی رکھا تیرا آستاں پایا | جہاں جہاں بھی گیا تیرا ذکر واں پایا
یہ ... یں کہ اب کوئی راہ اور نہیں | ہر ایک راہ کو تیری طرف رواں پایا

[2] یعنی جامع مسجد، قلعۂ فیروزی (فیروز آباد) دہلی (دریائے جمنا کے کنارے واقع تھی) اسی قلعہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ اور ان کے صاحبزادے وغیرہ مقیم تھے۔

نے بعض احوال کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اپنے وقت کی گردش سے بہت زیادہ دوری ڈھونڈی ہے، اس لیے جو چیز عمل کو اور اصولِ دین کی رعایت کو تقویت پہنچانے والی ہو وہ ان کے لیے زیادہ نفع بخش معلوم ہوتی ہے۔ اور جو حقائق آپ کے مکتوب میں ہیں وہ حوصلے کے مطابق یہاں بھی بہت ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن صحتِ حال اور ان کے ذوقِ سلیم کے متعلق سنا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی خدمت کی وجہ سے ہے۔ تو یہ فقیر اسی کا خواہاں ہے اور کبھی فقیر کو ملتا بھی ہے۔ اس سعادت کو وہ بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ خصوصاً ان فنا والوں کے لیے جو باقی بحق ہیں بہت زیادہ مناسب ہے۔ لیکن دوسروں کو یہ لباس زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ بہت زیادہ عظمت کی وجہ سے نا اہل کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس گستاخی سے مقصود اپنی حاجت کا اظہار کرنا ہے۔ اور مرض کے موافق دوا کے لیے عرض کرنا ہے۔ اگر اس عرض سے کوئی دوسرا مفہوم نکلتا ہو تو اس فقیر کاتب کی وہ مراد نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ فقیر زادوں کو دوسری سعادتوں کے ساتھ ساتھ یہ طلب پیدا ہوئی ہے، اور اس حقیر کو اپنی نا اہلی اور کوتاہی کے باوجود یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ سفر سے اور والد و متعلقین کی جدائی سے بڑا فائدہ حاصل ہوگا۔ استاذی وارشاد پناہی (اللہ اُن کو سلامت رکھے) کے خادموں کو جب ایسی بشارت والا اشارہ ملا تو حضرت استاذی شیخ اللہ داد سے اجازت اور رخصت لینے کے لیے وہ فقیر زادہ خدمت میں حاضر ہوا کہ انہی سے اس نے اس سلسلے کے ذکر کی تلقین حاصل کی تھی، اور سرہند جاکر کتابوں سے مزید سعادت حاصل کرے گا، اور جناب ارشاد پناہ کی مدد سے نسبتِ عالیہ سے واقف ہو گا۔ امید ہے کہ مناسب وقت میں دعا، توجہ، استغفار وغیرہ ہر طرح سے اس کے معاون و مددگار رہوں گے۔ احباب کے ساتھ پاکیزہ تعلق

اور حضرت نور الاتم، سر الاعظم حضرت پیر دستگیر (خواجہ باقی باللہ) علیہ الرحمتہ کے خاندان کے ساتھ اخلاص کا اظہار جیسا کہ مخدومی شیخ احمد (اللہ اُن کو باقی رکھے) کی جانب سے دیکھا جاتا ہے وہ بہت ہی شکر کا باعث ہے۔ اللہ پاک کی عنائتیں اور عظیم مدارج جو ان میں دیکھے جاتے ہیں، وہ تحریر میں نہیں آ سکتے اور سب سے بہتر بات یہ ہے کہ یہ تمام عنائتیں شریعت اور معنوی شریعت کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں اور دین کے ظواہر کی رعایت کی توفیق اس قدر اُن کو حاصل ہے کہ اُن کے مخالفین اور منکرین بھی اعتراض کی گنجائش نہیں پاتے۔ پھر معتقدین کے متعلق کیا کہا جائے کہ وہ بہت ہیں اور خوب ہیں اور خوب تر ہوتے جا رہے ہیں اور دوسرے طریقوں میں جو شریعت سے دُوری پائی جاتی ہے وہ اُن کے یہاں سُننے میں نہیں آتا کہ کبھی کہی جاتی یا دیکھی جاتی ہو۔ والسلام۔"

راقم الحروف (محمد ہاشم کشمی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ جس سال یہ ذرہ بے مقدار اپنے احوال کی خرابی سے، بُرہان پُور سے حضرت (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی آستان بوسی کے لیے سرہند روانہ ہوا تو دہلی میں حضرت خواجہ حسام الدین (خدا انہیں سلامت رکھے) کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ آپ نے بزرگانہ نصیحتیں فرماتے ہوئے مجھ حقیر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"تم نے بہت اچھا کیا کہ اپنا روئے نیاز اس ارشاد پناہ کے آستانے کی طرف کیا۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس وقت طالبانِ حق کی تربیت کے لیے آپ جیسا کوئی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح آپ علومِ دینیہ میں بلند مرتبہ ہیں، اسی طرح اتباعِ شریعت اور عملِ صالح میں بھی آپ اونچا مقام رکھتے ہیں، اور آپ نے اس راہِ حقیقت کے معاملات کو عجز و جبر کے ساتھ دیکھا ہے اور ہر ایک امر کی معرفت بدرجۂ اتم حاصل کی ہے، پھر اہل اللہ کی تربیت کا حوصلہ اور صلاحیت بھی بہت زیادہ آپ

میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرّہٗ کے بعض قریبی خدام، محض حضرت کے طفیل میں ان بزرگانِ (سلسلۂ نقشبندیہ) کی نسبت سے بہرہ ور ہوئے ہیں اور محض اللہ پاک کے فضل و کرم سے اس قابل ہیں کہ دوسروں کو فائدہ پہنچاسکیں۔ لیکن وہ خوبیاں جو اوپر ندکور ہوئی ہیں۔ اس ارشاد پناہ (اللہ اُن کو سلامت رکھے) میں پورے امتیاز کے ساتھ موجود ہیں۔"

(یہ بات میں نے آپ مدظلہ العالی کے بیان سے اخذ کی ہے)

اور اس زمانے میں (یعنی ۱۰۳۲ھ میں) جب کہ[1] حضرت (مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ سبحانہٗ) عسکرِ سلطانی کی حراست میں تھے اور خبر تھی کہ عنقریب رہائی پاجائیں گے، حضرت (مجدد الفِ ثانی) نے دو باتیں اس خبر سے متعلق خواجہ (حسام الدین) کو لکھی تھیں، تو آپ (خواجہ حسام الدین) نے جواب میں نیاز نامہ لکھا تھا وہ یہ ہے:-

"آپ کے ارشاد و ہدایت کی مسند کے فیوض و برکات کے انوار روز بروز زیادہ ہوں۔ نیازمندی کے آداب بجالانے کے بعد آپ کی خاطر پر جو عالمِ ملکوت کے مناظر دیکھتی ہے یہ ظاہر ہو کہ وہ عنایت نامہ جو آپ نے ارسال فرمایا تھا۔ اُس سے یہ عاجز سرفراز اور مشرف ہوا اور وہ جو آپ نے (یہاں تشریف لانے کی) اجازت کے لیے لکھا ہے تو یہ عاجز کیا عرض کرے اور کیا لکھے کہ کس قدر خوشی اور انشراح و انبساط پیدا ہوا۔ اگر اس ضمن میں آپ کے خادموں کا یہ ارادہ اور نیت پوری ہو جائے

---

[1] حضرت مجدد جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو قلعہ گوالیار میں قید ہوئے۔ جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ کو اجازت ہوئی کہ گھر جا سکتے ہیں یا دربار میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ لوگوں کی اصلاح کی وجہ سے آپ نے بادشاہ کے لشکر میں رہنا پسند کیا۔ پھر ۱۰۳۲ھ میں آپ سرہند واپس تشریف لائے۔

کہ اس ویرانۂ دہلی کو اپنے وجودِ آگاہی صفات کی برکتوں سے منوّر اور معمور فرمائیں اور یہاں کے کاہلوں اور پیچھے رہنے والوں کو کام پر لگا کر ملف (ذکراللہ) کی لذّت اور چاشنی کا جوش عطا فرمائیں تو نئی خوشیاں اور بے حد تازگیاں حاصل ہوں۔ ہر حال میں آپ کے خادموں کا سکون (آپ سے متعلق) تشویش ظاہری سے بہت متأثر ہے۔ اللہ پاک جلد از جلد آپ کے دیدار فیض آثار سے آپ کے محبّوں اور خیر خواہوں کو محفوظ فرمائے اور جس طرح آپ کی بات سُن کر کانوں کو حظ حاصل ہوا ہے۔ آپ کا دیدار بھی نصیب ہو۔ زیادہ کیا لکھا جائے اللہ پاک آپ کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔"

حضرت (مجدد) قدس سرہ کے انتقال[1] کے بعد حضرت خواجہ (حسام الدین) نے جو تعزیت نامہ اس مخلص راقم الحروف کو لکھا تھا وہ یہ ہے کہ اس سے بھی ہمارے حضرت کے ساتھ اُن کے اخلاص اور محبّت کی فراوانی کا اظہار ہوتا ہے۔

"خداوند جلّ شانہ آپ جیسے مجموعہ فضائل وکمالاتِ ظاہری وباطنی کو دیر تک دوستوں کے دیدۂ ودل کے لیے آرام بخش بنائے۔ حضرت غفراں پناہ ولایت دستگاہ مخدومی (حضرت مجددِ الفِ ثانی) علیہ الرحمہ کے انتقال سے متعلق کیا عرض کیا جائے۔ افسوس صد افسوس یہ سانحہ صرف مخلصین اور محبّین سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص بھی اسلام سے بہرہ مند ہے اس حادثۂ جگر سوز سے غم زدہ اور اندوہ گیں ہوگا۔ آپ جیسے علم و دانش والے محبوب القلوب کو بے حد شکر ادا کرنا چاہیئے کہ آپ نے اُن جیسے ابوالوقت کی خدمت کا شرف حاصل کیا اور جیسا کہ چاہیئے خوب برکات وکمالات حاصل کیے۔ ہم جیسے دوستوں کی دلداری کے لیے اُن (حضرت مجدد) کے قبول اور صحبت کے انوار روز بروز قائم اور ازدیاد

---

[1] یعنی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کے بعد۔

رہیں'' فقط

حضرت خواجہ (حسام الدین) چونکہ اس خادم پر بہت شفقت فرماتے ہیں۔ اس لیے بکثرت کثیر البرکت عنایت نامے ارسال فرماتے ہیں اور اس زمانے میں جب کہ یہ خادم حضرت مجدد کے آستانے میں حاضر تھا، چند روز میں آپ کے موعظت نامے اس خاکسار کے پاس پہنچتے رہتے تھے جن میں آپ برابر حضرت مجدد کی خدمت اور آدابِ صحبت کی تحریص و ترغیب دلاتے رہتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات آپ خواب اور مراقبے میں بھی آئے ہیں، اور نصیحتوں سے نوازا ہے اور اس محب کے اشعار سے بھی آپ کو رغبت تھی۔ اور اکثر مکتوبات میں میرے اشعار بھی طلب فرمائے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ عاجز سفر کے دوران آپ کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ کوئی تازہ کلام لکھا ہے؟ اس عاجز نے یہ رباعی پیش کی ؎

مظلومی بختِ ما بدادے نرسید — ایں اخگرِ ما فسردہ بادے نرسید
صد رہ زمژہ خارِ رہگذر ہا کردیم — یک بار بدامان مرادے نرسید[1]

یہ رُباعی آپ کے حسبِ حال تھی اس لیے بہت پسند فرمائی۔

چونکہ اس عاجز کو آپ کے اشتیاقِ حجاز کا علم تھا، اس لیے یہ رُباعی آپ کی خدمت میں بھیجی تھی ؎

تا شیشۂ دل قبلہ نمائی نہ کند — تن جانبِ کعبہ رہ گرائی نہ کند
اے کاہِ تن از خویش تیاری بر خاست — تا خاکِ حجاز کہربائی نہ کند[2]

شکرِ خدا کہ یہ رباعی پسند آئی۔

---

[1] یعنی، مظلوم مقدر نہ مرا داد کو پہنچا — افسردہ ہوئی آگ کہ آیا نہیں جھونکا
سو طرح رکھا خار مژہ راہ گزر میں — اِک بار نہ پہنچا سرِ دامانِ تمنّا

[2] یعنی: جب تک نہ کرے شیشۂ دل قبلہ نمائی — ممکن نہیں کعبہ کی طرف تن کی رسائی
دشوار ہے اُٹھنا ترا اے کاہِ تنِ زار — جب تک نہ کرے خاکِ حرم کاہ ربائی

رہیں" فقط

حضرت خواجہ (حسام الدین) چونکہ اس خادم پر بہت شفقت فرماتے ہیں۔ اس لیے بکثرت کثیر البرکت عنایت نامے ارسال فرماتے ہیں اور اس زمانے میں جب کہ یہ خادم حضرت مجدد کے آستانے میں حاضر تھا، چند روز میں آپ کے موعظت نامے اس خاکسار کے پاس پہنچتے رہتے تھے جن میں آپ برابر حضرت مجدد کی خدمت اور آدابِ صحبت کی تحریص و ترغیب دلاتے رہتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات آپ خواب اور مراقبے میں بھی آئے ہیں، اور نصیحتوں سے نوازا ہے اور اس محب کے اشعار سے بھی آپ کو رغبت تھی۔ اور اکثر مکتوبات میں میرے اشعار بھی طلب فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ عاجز سفر کے دوران آپ کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ کوئی تازہ کلام لکھا ہے؟ اس عاجز نے یہ رباعی پیش کی ؎

مظلومی بخت با بدادے نرسید | ایں اخگرِ افسردہ بادے نرسید
صد رہ زمژہ خارِ رہگذر ہا کردیم | یک بار بدامان مرادے نرسید[1]

یہ رُباعی آپ کے حسبِ حال تھی اس لیے بہت پسند فرمائی۔

چونکہ اس عاجز کو آپ کے اشتیاقِ حجاز کا علم تھا، اس لیے یہ رُباعی آپ کی خدمت میں بھیجی تھی ؎

تا شیشۂ دل قبلہ نمائی نہ کند | تن جانبِ کعبہ رہ گرائی نہ کند
اے کاہِ تن از خویش تیاری بر خاست | تا خاکِ حجاز کہربائی نہ کند[2]

شکرِ خدا کہ یہ رباعی پسند آئی۔

---

[1] یعنی: مظلوم مقدر نہ مرا داد کو پہنچا | افسردہ ہوئی آگ کہ آیا نہیں جھونکا
سو طرح رکھا خار مژہ راہ گزر میں | اِک بار نہ پہنچا سرِ دامانِ تمنّا

[2] یعنی: جب تک نہ کرے شیشۂ دل قبلہ نمائی | ممکن نہیں کعبہ کی طرف تن کی رسائی
دشوار ہے اُٹھنا ترا اے کاہِ تنِ زار | جب تک نہ کرے خاکِ حرم کاہ ربائی

ایک مرتبہ یہ عاجز آپ کی خدمت میں تھا، حاضرین میں سے ایک شخص نے اس زمانے کے امیروں اور دولت مندوں کا شکوہ کیا کہ وہ لوگ غریبوں کی پرواہ نہیں کرتے اور انکی عزت نہیں کرتے جیسی کہ پہلے کے امراء کیا کرتے تھے آپنے فرمایا کہ بھائی اس بات کو اس زمانے کے فقیروں کے لیے اللہ پاک کی ایک حکمت جانو۔ کیونکہ پہلے کے فقیروں کو دنیا اور دنیا والوں سے اس قدر پرہیز تھا کہ وہ امراء اُن سے کتنا ہی ارتباط و اعتقاد رکھتے وہ اکثر و بیشتر ان کی صحبت سے دُور رہتے۔ اور آج کے فقیروں کا یہ حال ہے کہ اگر امراء اور اغنیاء ان کے پاس آئیں اور ان سے اختلاط اور اتحاد رکھیں تو لامحالہ ان فقیروں کی وضع اور گوشہ نشینی میں فرق آئے گا۔ پس یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ امیروں کی قلتِ عقیدت اور ان کی تند خوئی نے آج کے فقیروں اور اُن کے فقر کو بچالیا۔

آپ کے ایک مخلص اور پیر بھائی نے اس عاجز کو بتایا کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں آپ اعتکاف میں تھے۔ اُنتیسویں روزے کو عصر کے بعد آپ نے فرمایا کہ آج شام کے بعد ہم اپنے گھر کو جائیں گے کیونکہ عید ہوگی اور عید کے دن روزہ مکروہ ہے۔ جب شام ہوئی اور لوگ مسجد سے باہر آکر چاند دیکھنے کی کوشش کرنے لگے تو تیز نظر جوان بھی دیر تک نظریں گڑانے کے باوجود چاند تلاش نہ کرسکے لیکن جوں ہی آپ وہاں پہنچے کہ چاند نظر آگیا۔ یہ آپ کی کرامت تھی۔

آج جب کہ سنہ ۱۰۴۰ھ ہے آپ کی عمر ساٹھ سے اُوپر پہنچ چکی ہے[1] اللہ پاک

---

[1] حضرات القدس (دفتر اول) میں بدرالدین سرہندی نے آپ سے شرفِ نیاز حاصل کرنے کا واقعہ بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ بھی کہ خواجہ زادہ خواجہ عبیداللہ نے آپ کے حالات میں الگ الگ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام طبقاتِ حسامی ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے اپنی کتاب "خواجہ باقی باللہ" (صفحہ ۵۱) میں یہ کتاب خواجۂ کلاں خواجہ عبداللہ سے منسوب کی ہے۔ مولانا کی اسی کتاب میں (صفحہ ۹۹ کے بعد) خواجہ حسام الدین احمد کے کچھ اور حالات بھی ہیں۔ خواجہ حسام الدین کا انتقال یکم صفر سنہ ۱۰۴۳ھ کو ہوا۔ (حضرات القدس۔ دفتر اول)

آپ کے سایۂ رحمت کو مخلصوں کے سروں پر اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے دوستوں اور مریدوں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین

(۳۱) شیخ الٰہ داد سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ بھی ہمارے خواجہ (باقی باللہ) کے خاص احباب اور خلفاء میں سے ہیں۔ ہمارے خواجہ، جب لاہور سے ماوراء النہر تشریف لے جانے والے تھے تو آپ وہاں (لاہور میں) حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچ چکے تھے۔ وہاں آپ نے عنایتوں کی نظریں پائیں اور طریقہ ذکر و مراقبہ حضرت سے اخذ کیا۔ لیکن اس سفر (ماوراء النہر) میں آپ کو حضرت خواجہ کی رفاقت خود حضرت کے ایماء پر کسی وجہ سے میسّر نہ ہو سکی۔ تاہم حضرت نے آپ کی خدمت میں اپنے مخلصوں کی ایک جماعت اُس وقت چھوڑ رکھی تھی۔ جیساکہ حضرت کے اس مکتوب سے جو اُس وقت ایک مخلص کو لکھا تھا ظاہر ہوتا ہے:-

"ان دنوں ولایت (ماوراء النہر) کی سیر کا جذبہ بہت قوی ہو گیا ہے کہ (انشاء اللہ) چند روز میں ہم لوگ روانہ ہوں گے۔ شیخ الٰہ داد نے خویشتن داری کر کے خود کو یہیں ٹھہرنے اور رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اُن کے ساتھ رہیں اور فوزِ عظیم سے فائز ہوں ۔

داغ بے یاری و درد بیدلی — ایں ہمہ برخود پسندیدیم و رفت

بیدلی اور یار کی فرقت کا غم — ہم نے خود پر لے لیا اور چل دیئے

بہرحال جس کسی کو اُن کی (الٰہ داد کی) رفاقت (خدمت) حاصل ہو جائے بہت غنیمت ہے۔ یہ حق ہے اور تکلف سے نہیں کہتا ۔

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشاں — گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی — فقط[1]

گنجِ مقصد کا دے دیا ہے پتا — ہم نہ پہنچے تو تم پہنچ جاؤ

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ صفحہ ۱۰۷

حضرت سے اسی سفر میں شیخ اللہ داد کو اُن کے التماس کے سلسلے میں جو دقائق و حقائق سے متعلق ہے تحریر فرمایا تھا:

• برادرِ عزیز شیخ اللہ داد! آپ اپنے اس معتقد دعا گو کو توجہِ فی تحریں امداد فرمائیں۔ راستے کی پریشانی اور بے سکونی کی حالت میں میرے لیے بڑی حیائی ہے کہ میں تصوّف سے متعلق بات کروں اور طریقِ انجذاب کے دقائق اور منتہائے کشف کے حقائق (جو آپ نے دریافت کئے ہیں) تحریر کروں۔

ع از خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

ع خود سے مانگو جو چاہو تم سب ہو

تاہم ایک وصیّت آپ لوگوں سے کرتا ہوں کہ اُسے فراموش نہ کریں اور وہ یہ ہے کہ جب ہم جیسے فضول گھومنے والے اور بیابان نورد اگر نہ رہیں تو آپ لوگ اپنی نسبت کو خوب مضبوط پکڑیں اور اسے بہت عزیز سمجھیں کہ وہ کبریتِ احمر سے زیادہ عزیز ہیں۔" والسلام[1]

پھر جب حضرت خواجہ نے اس سفرِ میمنت اثر سے مراجعت فرمائی تو شیخ اللہ داد نے انتہائی عقیدت، عاجزی اور انکساری کے ساتھ خدمت گزاری کی۔ مسافروں کے کھانے پینے اور خانقاہ کے لوازم کا انتظام آپ ہی کے ذمے تھا۔ اور ایسی خدمتِ ظاہری کے باوجود آپ ایک لمحے کے لیے بھی اذکار اور باطنی احوال سے غافل نہ تھے۔ یہاں تک کہ اپنے پیرِ بزرگوار کی خاص توجہات سے آپ اعلیٰ کمالات تک پہنچ گئے۔ چنانچہ اُن کی بیخودی اور خود رفتگی کا مشاہدہ حاضرین بھی کرتے تھے۔

حضرت سیّدی و مرشدی میر محمد نعمان (اللہ انہیں باقی رکھے) سے میں نے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ مذکور، مسجدِ فیروز آباد کی چھت پر اپنے چند احباب کے ساتھ

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ صفحہ ۳۷

بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک شیخ کو کیفیت اور بیخودی طاری ہو گئی۔ چنانچہ سکر اور جوش سے نعرہ مارنے لگے اور دوڑنے لگے۔ قریب تھا کہ مسجد کی چھت سے کہ وہاں سے زمین چالیس گز تھی گر پڑتے۔ لیکن حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کا ہاتھ اور کمر مضبوطی سے پکڑ لی۔ الغرض، شیخ مذکور اپنے زمانے کے بہت اچھے لوگوں میں سے ہیں اچھے ارباب فنا و نیستی و انکسار میں سے ہیں۔ اچھے بُرے لوگوں کی غیبت اور امیر و فقیر کی عیب جوئی سے الگ تھلگ ہیں۔ اور اپنے پیر بزرگوار کے مزار فائض الانوار کے مجاوروں میں سے ہیں۔

اگر کوئی طالب حضرت خواجہ حسام الدین احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آکر اس سلسلے کے ذکر و مراقبہ کی درخواست کرتا ہے تو آپ اُسے جناب شیخ الہ داد کی خدمت میں بھیجدیتے ہیں۔ اور ان دونوں عزیزوں کے درمیان بہت زیادہ محبت اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ اللہ پاک ان دونوں کا سایۂ قائم و دائم رکھے اور ان دونوں کے درجات، آخرت میں تمام اولیائے کرام کے طفیل میں محمود بنائے۔ آمین

مقصدِ دوم

اس کتاب کی تالیف کی غایت غائی یہی "مقصد" ہے اور اس کے ذیل میں احد عشر کوکبًا .. (سورۃ یوسف ۴) کے مصداق، گیارہ فصلیں ہیں۔

فصلِ اوّل

حضرت (مجدّد الف ثانی) کے بعض اجداد اور آپ کے والد بزرگوار کے حالات۔

۱۔ شہاب الدین علی "فرخ شاہ" فاروقی کابلی، ہمارے حضرت کے پندرہویں جدّ تھے اور وہ گیارہ واسطوں سے حضرت سیّدنا عبداللہ ابن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے مل جاتے ہیں۔ یہ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

شہاب الدین علی بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ الواعظ الاصغر بن عبداللہ الواعظ الاکبر بن ابی الفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم۔

شہاب الدین علی، کابل کے بڑے امیروں اور وہاں کے سلاطین کے وزیروں میں سے تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جو غزنہ و کابل سے ہندوستان تشریف لائے۔ اسی وجہ سے وہ قبیلہ جو آپ سے منسوب ہے آج بھی کابلی کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شہاب الدین علی بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اور اسلام کی ترویج، نیز کفر کی توہین میں مشہور تھے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ (م ۶۶۴ھ) کا نسب بھی آپ سے ملتا ہے۔

۲۔ امام رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت (مجدّدِ الف ثانی) کے چھٹے جدّ تھے وہ اس طرح کہ حضرت کے والد ماجد شیخ عبدالاحد تھے۔ اور وہ فرزند تھے شیخ زین العابدین کے، وہ شیخ عبدالحی کے، وہ شیخ محمد کے۔ وہ شیخ حبیب اللہ

کے جو امام رفیع الدین کے بیٹے تھے۔ (رحمہم اللہ) اور امام رفیع الدین کا نسب آٹھ واسطوں سے فرخ شاہ تک اس طرح مل جاتا ہے:۔

امام رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبد اللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن فرخ شاہ (رحمہم اللہ)[1] امام رفیع الدین، علم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ اور انوارِ باطنی کے لیے استفادہ حضرت سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدومِ جہانیاں" (جہاں گشت) کی صحبت و نسبت سے کیا تھا انشاء اللہ اس سید بزرگ کا ذکر مقالۂ رابعہ میں آئے گا۔

امام رفیع الدین کی سرہند میں اقامت کا سبب یہ ہوا کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ پہلے اس میں جنگلی جانور اور درندے رہتے تھے۔ اس سرزمین کے اطراف کے لوگوں نے بالخصوص قریہ سرائس والوں نے (کہ یہ قریہ سر ہند سے ۶، ۷ کوس کے فاصلے پر واقع تھا) شہر سامانہ سے (جو دور بھی تھا اور درمیان میں کوئی اور شہر نہ تھا) خزانۂ عشر کے پہنچانے میں (دقت کی وجہ سے) حضرت قطب الزمان سید جلال الدین "مخدوم جہانیاں" سے اُچھ[2] جا کر التماس کی کہ آپ دہلی جا کر سلطان فیروز شاہ[3]

---

[1] مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی صاحب نے مقاماتِ خیر (دہلی ۱۳۹۲ھ صفحہ ۳۳) میں تفصیل سے بحث کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے آبائے کرام کے نام اس طرح لکھے ہیں۔

۱۔ مخدوم عبدالاحد ۲۔ زین العابدین ۳۔ عبدالحی ۴۔ محمد ۵۔ حبیب اللہ ۶۔ امام رفیع الدین ۷۔ نصیر الدین ۸۔ سلیمان ۹۔ یوسف ۱۰۔ اسحاق ۱۱۔ عبداللہ ۱۲۔ شعیب ۱۳۔ احمد ۱۴۔ یوسف ۱۵۔ شہاب الدین علی فرخ شاہ ۱۶۔ نور الدین ۱۷۔ نصیر الدین ۱۸۔ محمود ۱۹۔ سلیمان ۲۰۔ مسعود ۲۱۔ عبداللہ الواعظ الاصغر ۲۲۔ عبداللہ الواعظ الاکبر ۲۳۔ ابوالفتح ۲۴۔ اسحاق ۲۵۔ ابراہیم ۲۶۔ ناصر ۲۷۔ عبداللہ ۲۸۔ عمر ۲۹۔ حفص ۳۰۔ عاصم ۳۱۔ حضرت عبداللہ (۳۲) حضرت عمر فاروق۔

[2] حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا مزار اُچھ (بہاولپور) میں ہے ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ (۳ فروری ۱۳۸۴ء) کو وفات پائی۔ آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی (م ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) کے خلیفہ تھے۔

ریاست دیر میں بھی اُچھ مقام ہے۔ وہاں سے ۲ میل پر تالاش مقام میں بھی جلال الدین بخاری کا

(جو حضرت مخدوم کا مُرید تھا) سے اُس قرب و جوار میں ایک شہر کو آباد کرائیں۔ حضرت سید صاحب نے ان لوگوں کی بات مان لی اور دہلی کی طرف چل پڑے۔ سلطان[۲] نے کنور[۳] کے مقام تک جو دہلی سے دو منزل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کا استقبال کیا اور پہلی ہی ملاقات میں حضرت کی بات مان کر حکم دیا کہ اس سر زمین میں ایک شہر آباد کریں اور امام رفیع الدین کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ کو جو مقربانِ سلطان میں سے تھے اس کام کے لیے متعین کیا۔ خواجہ نے دو ہزار سواروں کے ساتھ آکر اس مہم کو سر انجام دیا۔ اور قلعہ کی تعمیر سے ابتدا کی۔ لیکن ہر روز جو کچھ تعمیر کا کام ہوتا وہ صبح کو منہدم ہو جاتا۔ جب یہ بات خلیفہ (سلطان) کو پہنچائی گئی تو اُس نے اس کا علاج حضرت سید جلال الدین ہی کے حوالے کیا۔ آپ نے امام رفیع الدین سے جو آپ کے خلیفہ اور امام نماز تھے اور (اس وقت) سنام میں قیام فرما تھے، فرمایا کہ وہ خود جا کر قلعہ کا بنیادی پتھر رکھیں تا کہ اُن کی برکت سے وہ قلعہ تمام آفات سے محفوظ رہے۔ اور وہیں سکونت بھی اختیار کریں۔ کیونکہ وہ وہیں کے لیے صاحب ولایت ہیں۔ چنانچہ حضرت امام رفیع الدین اپنے پیر بزرگوار کے حکم کے مطابق وہاں جا کر متوطن ہوئے اور اُس روز سے آپ کے قیام کی برکت سے اس شہر کی رونق بڑھ گئی اور آپ کی صحبت اور خدمت کی برکتوں سے وہاں کے لوگ بہت سی سعادتوں سے مستفیض ہوئے اور آج بھی وہ بقعۂ شریف ہر قوی و ضعیف کا ٹھکانا ہے۔ اس شہر میں امام صاحب کا مزارِ مبارک بھی ہے کہ وہ پہلے شہر کے باہر تھا۔ لیکن اب وہاں کی کثیر آبادی کی وجہ سے شہر کے اندر ہو گیا ہے۔

ایک رات ہمارے حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادوں اور کچھ درویشوں کو لے کر

مزار ہے۔ انہیں بھی "جہانیاں جہاں گشت" کہتے ہیں۔

[۲] محمد تغلق (م ۷۵۲ھ) کے بعد اس کا چچا زاد بھائی فیروز شاہ تغلق بادشاہ ہوا۔ ۷۹۰ھ میں فوت ہوا۔

[۳] ممکن ہے یہ مقام کھتور ہو جو دہلی سے دو منزل پر گڑھ مکتیسر کے قریب ہے۔

وہاں زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور دیر تک حضرت امام رفیع الدین کے سینۂ مبارک کے سامنے کھڑے مُراقب رہے۔ بعض حضرات نے عرض بھی کیا کہ آپ بیٹھ جائیں۔ لیکن آپ نے بیٹھنے کا خیال نہیں فرمایا۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے اپنی والدہ ماجدہ کی تربت پر بھی اسی طرح خاموش کھڑے رہے کہ وہ تربت بھی اسی مقبرے کے اندر ہے۔

راقم الحروف بھی چونکہ حضرت (مجدّد) کے دامن سے وابستہ لوگوں میں سے تھا اس لیے خیال گزرا کہ اس وقت کیا کچھ رحمتیں وہاں کے اہلِ قبور پر نازل نہ ہوئی ہوں گی۔ اور کیسی کیسی برکتیں پہنچی ہوں گی۔ چنانچہ اس رات کے بعد والی صبح کو مخدوم زادہ مخزن الاسرار والعلوم خواجہ محمد معصوم (ابقاہ اللہ واوصلہ الی غایۃ ما یتمناہ) نے اس زیارت کے عجیب راز کو ظاہر فرمایا۔ مختصر یہ کہ حضرت مجدّد نے اس زیارت سے واپسی پر فرمایا کہ جب میں حضرتِ امام کے روضہ کے سامنے کھڑا ہوا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یاالٰہی۔ اپنے فضل وکرم سے اس قبرستان سے تمام عذاب کو دور فرما دے۔ آواز آئی کہ ایک ہفتے کے لیے ہم نے اس سے عذاب اٹھالیا۔ میں پھر ملتجی ہوا کہ اے پروردگار، تیری رحمت کی انتہا نہیں۔ ان سب کی مغفرت کو بڑھا دے حکم ہوا کہ ایک ماہ تک ہم نے عذاب اٹھالیا۔ اسکے بعد میں!

لہ فارسی متن میں یہاں کی کچھ عبارتیں مقدم ومؤخر ہوگئی ہیں۔ یعنی ایک جگہ ہے کہ "ناد انستہ بر روز دراں عمارت بیگاری گرفتند"۔ پھر آٹھ سطروں کے بعد اسی سلسلے کی عبارت میں اس طرح ہو گیا ہے کہ "منقول است کہ سبب انہدام بنائے قلعہ آن بود کہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر دم ۷۲۵ھ را فرخندہ شبے حضرت ایشاں (یعنی حضرت مجدّد) با مخدوم زادہائے عالی شان و برخے درویشان بزیارت تشریف بُردہ بودند"، ہم یہاں روضۃ القیومیہ (رکنِ اول صفحہ ۲۳، ۲۴) سے تسلسل کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ: "جب امام (رفیع الدین) اس مقام پر آئے اور معلوم کیا کہ بادشاہ کے کسی مردِ خدا کو زبردستی مزدوروں میں شامل کر لیتے ہیں جو رات کو اپنی توجہ سے دیوار کو گرا دیتا ہے پھر حضرت امام نے توجہ کی کہ وہ کون سا مردِ خدا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ شاہ شرف الدین بوعلی قلندر ہیں۔ حضرت امام نے ان سے بہت معافی مانگی۔ شاہ شرف الدین نے فرمایا کہ یہ شہر اُس شخص کے لیے

نے خوب خوب تضرع کیا تو اللہ پاک نے اپنے خاص کرم سے سب کو بخش دیا۔ اس کے دوسرے دن آپ اپنے والد ماجد کے مقبرے پر تشریف لے گئے اور آپ کے دل میں اس مشہور حدیث پاک کا مضمون گزرا کہ:

"جب کوئی عالم کسی مقبرے پر گزرتا ہے تو چالیس دن تک وہاں سے عذاب اُٹھالیا جاتا ہے۔"

محض اس خیال پر آپ کو الہام ہوا کہ ہم نے تمہاری آمد کی وجہ سے قیامت کے لیے اس مقبرے پر سے عذاب اٹھالیا، وہاں بھی آپ نے یہی التماس کی تھی۔ جو قبول ہوئی تھی سہ

تو از ہر در کہ باز آئی بدیں خوبی و زیبائی ‌ ‌ دیے باشد کہ از رحمت بردی خلق بکشائی

تو جس در سے بھی آتا ہے بصد خوبی و زیبائی ‌ ‌ وہی در خلق پر رحمت کا بن جاتا ہے شیدائی

۳۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ۔ (آپ کو اس کتاب میں "حضرت مخدوم" کے نام سے یاد کیا جائے گا)

حضرت مخدوم کو عین جوانی میں اور علوم ربانی کی تحصیل کے زمانے میں اس راہ (معرفت) کا شوق یکایک پیدا ہوا۔ آپ حضرت شیخ عبدالقدوس[۱] گنگوہی (قدس سرہٗ

بنایا جا رہا ہے جو تمہاری نسل سے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی مزدوری پر لگایا ہے، پھر حضرت امام نے اُن سے پوچھا کہ اگر ایسا ہے تو آپ اسے کیوں گرا دیتے ہیں؟ فرمایا، صرف اس واسطے کہ آپ آجائیں (اور آپ ہی بنیاد رکھیں) اب آپ اطمینان سے اس قلعے کو بنوائیں اور کسی قسم کا خیال نہ کریں۔ پھر ایک اینٹ لی گئی اور اُس کا ایک سرا حضرت امام نے پکڑا اور دوسرا سرا شاہ شرف الدین نے پکڑا۔ اور بسم اللہ کر کے قلعے کے مغربی دروازے کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد قلعہ اور شہر دونوں کی تعمیر حضرت امام کی توجہ سے مکمل ہوئی۔"

[۱] شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۸۶۰ھ تا ۹۴۵ھ) صاحب حال و سماع تھے شیخ محمد بن عارف بن احمد عبدالحق چشتی صابری کے مُرید تھے۔ انوار العیون آپ کی مشہور کتاب ہے۔ آپ

کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بیعت ہو کر ذکر و اوراد کی تلقین حاصل کی۔ لیکن جب آپ نے اُس آستانے پر قیام اور وہاں کے درویشوں اور اللہ والوں کی صحبت کی خواہش ظاہر کی تو شیخ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ آپ پہلے علوم شرعیہ حاصل کریں، پھر اُن کی تکمیل کے بعد اس راہ (معرفت) میں آئیں۔ کیونکہ بے علم درویش ایسا ہے جیسے بے نمک کا کھانا جب آپ نے حضرت شیخ کی یہ بات سنی تو حضرت کی پیری و ضعیفی کے خیال سے عرض کیا کہ مجھے خوف ہے کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اگر اس آستانے پر حاضری دوں اور آپ کی صحبت سے محروم ہو جاؤں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ مجھے نہ پائیں تو میرے فرزند رُکن الدین سے استفادہ کریں جو آپ چاہتے ہیں۔ پس حضرت کے ارشاد کے مطابق آپ زبانِ حال سے گویا یوں کہنے لگے کہ:

ع صبرے کنیم تا کرمِ او چہ کند

ع کرتے ہیں صبر دیکھیں کہ اُن کا کرم ہے کیا

چنانچہ آپ نے تحصیلِ علم کی غرض سے وہاں سے مراجعت کی اور ابھی آپ اس تحصیل ہی میں مصروف تھے کہ حضرت شیخ نے رحلت فرمائی۔

ع آں نامۂ سوزِ دل بہ انجام رسید

ع سوزِ دل کا خط بھی آخر ہو گیا

پس حضرت مخدوم نے علوم منقول و معقول کے حصول کے بعد اور بعض شہروں کی سیر و سیاحت (کہ جن کا ذکر انشاء اللہ آئے گا) سے فارغ ہو کر حضرت گنگوہی کے مبارک ایماء پر شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضری دی اور انہوں نے اپنے والد ماجد مرحوم کی ہدایت کے مطابق اور اس وفا کیش طالب کی استعداد دیکھ کر رحمت و عنایت کے طریقے تبائے اور تربیت کے اصولوں پر عمل فرمایا۔ جب انہوں نے اپنے

کے بڑے صاحبزادے شیخ رکن الدین بھی باکمال بزرگوں میں سے تھے۔ شیخ عبدالقدوس کا یہ شعر آج بھی وجد آفرین ہے ؎

گفت قدوسی فقیری در فنا و در بقا ‏ ‏ ‏ خود بخود آزاد گردی خود گرفتار آمدی

فوائد و برکات سے بہرہ ور فرما دیا تو قادریہ اور چشتیہ سلسلوں کا خرقہ پہنا کر طالبوں کی تلقین اور تربیت کے لیے ارشاد فرمایا۔ اور نہایت بلیغ بیان اور فصیح زبان میں ایک اجازت نامہ بھی عنایت فرمایا جو یہاں درج کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بُشریٰ لقد انجز الاقبال ما وعدا — وکوکب المجد من الافق العلی صعدا

(حسبِ وعدہ مل گیا اقبال تم کو مرحبا — اب اُفق سے ہے بزرگی کا ستارہ رونما)

بُشریٰ ترا کہ دولتِ اقبال رو نمود — انجازِ وعدہ کرد نقابے ز رُخ کشود

در آسمان رفعتِ شمسے بر آمدہ — نورے ازاں نیافتہ اندر جہاں نمود

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ..... (ترجمہ) سب تعریف اللہ کیلئے ہے کہ جس نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور اس کو اپنی نیابت سے مکرم فرمایا۔ اور اس سنّت کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرحمۃ کے درمیان جاری رکھا اور اپنے احسان کو اپنے منشا پر مقدم کیا اور اپنے لیے شکر کو اپنی نعمت سے مؤخر کیا۔ وہ اوّل ہے، وہ آخر ہے وہ ظاہر ہے وہ باطن ہے۔ جکو وہ آگے کرے کوئی اُسکو پیچھے نہیں کر سکتا اور جکو وہ پیچھے ہٹا دے۔ کوئی اُسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔ جس کو وہ پوشیدہ کرے کوئی ظاہر نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ظاہر کرے کوئی پوشیدہ نہیں کر سکتا۔ اُس کے اولیاء کی ہمتیں موجودات کی طرف میلان کرنے سے عاری ہیں اور اُن پر صبح و شام اُن کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کوثر سے محبت کی شراب کا دَور چلتا ہے۔ جب اُن پر رات آتی ہے تو اُن کے دلوں کو دوست کی ملاقات کے اشتیاق سے آگ (کی طرح) بنا دیتا ہے۔ اُن کی آنکھیں رات دن آنسوؤں سے بہتی رہتی ہیں۔ اور ظاہر و باطن وہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور علانیہ نیز پوشیدہ طور پر وہ اپنے محبوب (اللہ) کی مناجات سے متمتع ہوتے ہیں۔ اُن کے افکار، وحدت کے خیموں کے گرد چکر کھاتے ہیں۔ ان لوگوں میں ایسے بھی ہیں۔ جن پر زوال نہیں کہ ہر وقت اُن کے چہروں سے معرفت کی تازگی ظاہر ہوتی ہے اور وہ تشنہ لب ہیں اور حیران ہیں عشق کی فضا میں اڑنے کے لیے۔

اُن کے منصود کی غایت صرف رحمٰن کی ملاقات ہے ۔ اور ان کی رضا کی انتہائی منزل صرف منّان کی ذات ہے جس کے آثار تمام آفاق میں ظاہر ہیں اور جس کے انوار تمام دُنیا میں موجود ہیں ۔ ایسے لوگوں کی زبان صرف حق بولتی ہے ، وہ مخلوق کو لوگوں کی طرف بلاتے ہیں تاکہ وہ اندھیروں سے اجالوں کی طرف لے آئیں ۔ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور محبت سکھاتے ہیں ۔ اور صلوٰۃ وسلام ہو اُن پر جو مخلوق اور اس کے احباب میں سب سے افضل ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور اصفیاء کے خاتم ہیں ، وہ رحمت والے رسول ہیں ، روشن شریعت اور واضح طریقت اور نورانی حقیقت والے ہیں ۔ اُن کے چاروں خلفاء اور صحابہ کرام پر بھی (صلوٰۃ وسلام ہو) ۔

امّا بعد ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اسلام کے مضبوط اصول سے ہے اور عمل واحسان کے راستوں میں سے بہت بزرگ طریقہ ہے جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ارشاد ہے :

"مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے سب سے پیارے بندے وہ ہیں ۔ جو اللہ کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو اللہ کا دوست بناتے ہیں اور زمین پر وعظ ونصیحت لے کر چلتے ہیں"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

"آپ فرمادیں ۔ یہ میرا راستہ ہے ، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں ۔ میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں"[1]

آپ کے پیرو کار ۔ آپ کے اقوال واحوال کی رعایت سے ہوں گے ۔ پھر بے شک برادرِ عزیز ، پسندیدہ اور دوست پسندیدہ ، جو ربّ العالمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔ جو مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پر توکل کرتے ہیں (یعنی) ہمارے بھائی العالم

---

[1] سورۃ یوسف (۱۰۸)

الشیخ عبدالاحد بن زین العابدین نے قصدِ صحیح کی طرف آئے اور ہم سے خرقہ پہنا اور علم سیکھا، ذکر میں اور فکر میں پورے شغف کے ساتھ مشغول ہوئے، تو ہم نے انہیں طالبوں کو خرقہ پہنانے کی اجازت دی (جیسا کہ ہم کو ہمارے شیخ اور والد نے اجازت دی تھی)۔

شجرۂ عالیہ چشتیہ

کما اجازلنا شیخنا وابونا شیخ الاسلام قطب الاقطاب الشیخ عبد القدوس قدس سرہ العزیز وھومن شیخہ شیخ الاسلام الشیخ محمد عارف وھومن شیخہ شیخ الاسلام الشیخ احمد عبد الحق وھومن شیخہ الشیخ جلال پانی پتی وھومن شیخہ الشیخ شمس الدین ترک پانی پتی وھومن شیخہ الشیخ فرید الحق والدین مسعود اجودھنی وھومن شیخہ قطب الملۃ والدین خواجہ قطب الدین بختیار اوشی وھومن شیخہ خواجہ معین الدین سنجری وھومن شیخہ الشیخ عثمان الھرونی وھومن شیخہ حاجی شریف زندنی وھومن شیخہ الشیخ مودود چشتی وھومن شیخہ الشیخ ابی یوسف الچشتی وھومن شیخہ الشیخ ابی محمد الچشتی وھومن شیخہ الشیخ ابی اسحق شامی وھومن شیخہ الشیخ حذیفۃ المرعشی و ھومن شیخہ الشیخ سلطان البلخ ابراھیم الادھم وھومن شیخہ فضیل بن عیاض وھومن شیخہ عبدالواحد بن زید وھومن شیخہ الشیخ حسن بصری وھومن شیخہ حضرت امیرالمؤمنین امام المسلمین علی المرتضی وھومن حضرت رسالۃ الرفیعۃ القدسیۃ صلی اللہ علیہ وسلم وھومن اللہ تعالٰی عزوجل۔

شجرہ عالیہ قادریہ

اجزنالہ دامت برکاتہ وزیدت درجاتہ بالباس الخرقۃ المبارکہ القادریہ المحمدیہ لمن یطلبھا ویراہ اھلا ومستحقا لھا کما اجازنا

بالباس الخرقة للطالبین استاذ علماء المشرق والمغرب علامة الوری
علم الهدی المحقق المدقق الکامل المکمل سید السادات امیر
سید ابراهیم معین الحسن الحسینی الایرجی القادری وهو من شیخه
السید السند الشیخ احمد الجلی القادری وهو من شیخه ووالده سید
السادات سید موسیٰ القادری وهو من شیخه ووالده وسیده عبد القادر
وهو من شیخه سید السادات سید حسن وهو من شیخه ووالده سید
السادات محی الملة والدین ابی نصر وهو من شیخه ووالده السید الحسیب
النسیب ابی صالح وهو من والده السید الجید المستند عبد الرزاق و
هو من والده سید السادات قبلهٔ ارباب الکرامات قطب الکونین غوث
الثقلین محی الحق والشریعة والطریقة والحقیقة ابی محمد عبد القادر الحسنی
الحسینی الجیلانی قدس الله روحه وهو من شیخه الشیخ ابی سعید المخزومی وهو من
شیخه شیخ الاسلام ابی الحسن القرشی الهنکاری وهو من شیخه شیخ الاسلام ابی فرح
یوسف الطرطوسی وهو من شیخه شیخ الاسلام عبد الواحد بن عبد العزیز التمیمی و
هو من شیخه الاسلام ابی بکر الشبلی وهو من شیخه شیخ الاسلام سید الطائفه الصوفیه
جنید البغدادی وهو من شیخه شیخ الاسلام سری المفلس السقطی وهو من شیخه شیخ
الاسلام معروف الکرخی وهو من شیخه شیخ الاسلام ابی سلیمان داود الطائی وهو من
الامام علی بن موسیٰ رضی الله عنه وهو من ابیه الامام جعفر الصادق رضی الله عنه وهو من
ابیه الامام علی محمد الباقر رضی الله عنه وهو من ابیه الامام السعید الشهید حسین رضی الله عنه
وهو من ابیه امام المسلمین امیر المؤمنین اسد الله الغالب علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه و
عز اولاده واحفاده وانصاره وهو من سید المرسلین امام المتقین خاتم النبیین والمرسلین
المبعوث رحمة للعالمین محمد النبی العربی صلی الله علیه وبارک
علیه وعلی اله الطیبین الطاهرین ۔

ووصیناله (اور ہم نے اس کو وصیت کی ۔ترجمہ)۔ اس کی برکات ہمیشہ رہیں کہ وہ علوم صوفیہ، اورادالمشائخ اور اُن کے اعمال میں شرع کے حقوق کی، اصل و فرع کے لحاظ سے۔ رعایت کرتے ہوئے مشغول رہے۔ خدا کے احکام کی تعمیل کرے، اُس کی منہیات سے پرہیز کرے اور صوفیوں کے آداب کا جیساکہ چاہیئے لحاظ رکھے۔ دنیا داروں کی طرف نہ جائے۔ اُن کی مجلس میں دنیا طلبی کے لیے نہ جائے۔ شیخ کی اولاد اور اقربا، سے محبت رکھے، اُن کے آداب کے حقوق کو رعایت کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ:

"آپ فرمادیں کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ اقرباءٗ میں مودّت ہو"۔[1]

اور یہ کہ باطن سے اللہ کی طرف مشغول ہو۔ غیر اللہ سے اعراض کرے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے:

"اور اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور سب سے الگ ہو کر اُسی کا ہو جا"۔[2]

دنیا میں زاہد رہے، آخرت کی طرف رغبت رکھے، بیہودہ لوگوں کے رسم و رواج سے ہٹ کر سعادت اور سخاوت پر قائم رہے۔ اپنے سرمایہ (عمر عزیز) کو تنہائی اور گوشہ نشینی میں گزارے، کیونکہ صدق و صفا والوں کا یہی طریقہ ہے۔ اگر اپنے اوقات کو ہمیشہ خلوت میں رکھنے کی طاقت رکھتا ہو تو بہتر اور مناسب ہے۔ اور اگر اتنا نہ ہو سکے تو چاہیئے کہ اپنے لیے اس میں سے کچھ وقت مقرر کرے اور چاہیئے کہ خلوت یا دو خلوتیں اپنے لیے ضرور رکھے۔ پس اگر ایسا ہو کر رہے تو اس کا عزیز ہاتھ ہمارے ہاتھ کا نائب ہو گا۔ اور وہ لوگوں میں ہمارا خلیفہ ہو گا۔ پس خدا اس شخص

---

[1] سورۃ الشوریٰ آیت (۲۳)

[2] سورۃ المزمل آیت (۸)

پر رحم کرے جو ایسے شخص کی تعظیم و تکریم کرتا ہے جس کی ہم تعظیم کرتے ہیں، اور اللہ اُس کو ذلیل کرے جو اُسے ذلیل کرتا ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اُس کے نزدیک یہ برادرِ مذکور پسندیدہ بن جائے اور لوگوں کے نزدیک پیارا ہو۔ اللہ تعالیٰ اُس کو صدیقوں کے مطالب کے منتہیٰ تک پہنچا دے اور اُسے کاملین اور مکملین عرفا و کے درجے تک پہنچا دے۔ بحرمتہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فقیر الحقیر اجازت اور رخصت دینے والا رکن الدین بن عبد القدوس اسمٰعیل حنفی ۹۷۹ھ میں تحریر کیا۔ اور سلام اُس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔

واضح ہو کہ حضرت مخدوم (خواجہ عبدالاحد) کا تعلق چونکہ حضرت عبد القدوس اور اُن کے فرزند سے ہے اس لیے ان دونوں بزرگوں کے مختصر حالات اس کتاب میں عرض کر دینا ضروری ہے۔ (واللہ پاک کی توفیق سے)

شیخ عبد القدوس قدس سرہٗ

آپ ہندوستان کے مشہور شیوخ میں سے ہیں اور شیخ صفی الدین کی اولاد میں سے ہیں جو علوم کے اصول و فروع میں علمائے محققین میں سے تھے۔ اور مشہور و مفید کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ سکر اور قوی جذبہ رکھتے تھے۔ وجد و سماع اور جذبات و غلبات میں شورش کے باوجود سُنّتِ سنیہ اور امورِ دینیہ کی سخت رعایت رکھتے تھے۔ آپ کی کتاب انوار العیون[1] سات فنون پر مشتمل ہے اور ہر فن میں اسرار و معارف کا بیان ہے اور اس فن پر آپ کی کتاب پہلی تصنیف ہے۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ اگرچہ مجھے مخدوم شیخ محمد سے ارادت حاصل ہے تاہم میں نے

---

[1] مولانا عبدالحی نے نزہتہ الخواطر (حیدرآباد دکن جلد ۴ صفحہ ۱۹۹) میں آپ کی تین کتابوں کا ذکر ہے۔ یعنی (۱) حاشیہ بر تعرف (۲) شرح عوارف المعارف اور (۳) انوار العیون و اسرار المکنون۔ ان کے علاوہ فوائد القرادت اور ملفوظات بھی آپ کی یادگار ہیں۔

اُن کے جد امجد[1] شیخ احمد سے بہت سے باطنی فیوض حاصل کئے ہیں۔ اس کتاب میں آپ نے انکی بہت کچھ تعریف کی ہے۔ آپ نے درویش قاسم اودھی سے بھی جو سہروردیہ اور چشتیہ بزرگوں سے تھے۔ اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔ آپ کی اس تصنیف کے علاوہ اور بھی رسالے اور مکاتیب ہیں جو بہت خوب اور حسین ہیں۔

ب۔ ایک مکتوب میں آپ لکھتے ہیں کہ:

"ہمارے شیخ سید محمود محمد گیسو دراز نے زور سے کہا اور حیرانی سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اگرچہ ایسا بھی ہے لیکن چونکہ بندے کو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کی طلب میں سب سے وراء الوراء ہو جاتا ہے اس لیے رفیقوں (بزرگوں) نے کہا ہے کہ رجوع کی نہایت اس کی ہدایت کی طرف ہے اور چونکہ ہدایت کی کوئی ہدایت نہیں نہایت کی بھی نہایت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ طالب کو اس نہایت میں نہایت ہونا چاہیئے تاکہ نہایت میں ہدایت کی طرف رجوع ہو سکے تاکہ مومن حضرات اپنے خدا کو بہشت میں دیکھیں نہ یہ کہ خدا بہشت میں ہوگا۔ (اور بس)

سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا[2] — اُسے پاکی اور برتری اُن لوگوں کی باتوں سے کہیں زیادہ برتری ہے۔

لیکن طالب کو بہشت میں جانا چاہیئے اور بہشت سے ہونا چاہیئے۔ چونکہ جنّت میں اللہ کے سوا ہی ہوگا۔ اس لیے وراء الوراء، اور تحت الثریٰ یک جا ہو جائیں گے اور وراء الوراء کی جگہ کیا ہوگی؟ (انتہیٰ)

---

[1] یعنی شیخ عبدالقدوس کے پردادا پیر۔ اس طرح کہ شیخ محمد بن عارف بن شیخ احمد عبدالحق ردولوی۔

[2] فارسی متن میں ہے "تعالیٰ اللہ عن ذالک عُلُوًّا کبیرا۔ لیکن اوپر سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۴۳ کے مطابق لکھا گیا۔

اس مکتوب میں آپ نے اور بھی بہت سے اسرار (سُکر میں) بیان کئے ہیں. جو ہوش والے ہی جان سکتے ہیں۔

۲۔ ایک مکتوب میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔[1] ہو جاؤ صادقوں کے ساتھ

ایک ایسا فرمان ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں اللہ کے دوستوں کی مدد اور اس کے واقفوں (عارفوں) کی مصاحبت کے بغیر رسائی دشوار ہے۔ اگرچہ نیک اعمال لاکھ ہی ہوں۔

۳۔ ایک شخص نے آپ سے فاسد خیالات سے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ آپ نے افسوس کہ ایک سخت بلا کے بارے میں اور عام ابتلاء کے متعلق سوال کیا ہے کہ اُس سے کوئی پیغمبر یا ولی محفوظ نہیں رہا۔ کیونکہ وہ بھی تو انسان تھے اور اس راہ سے وہ بھی گزرے تھے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ایک شخص کو ابتلا اور امتحان میں مبتلا کرتے ہیں اور وہ اس کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ چیز اس کے قرب اور علوِ ہمت کا سبب بن جاتی ہے۔ اور ایک شخص کو اس کے ذریعے گھاٹے میں ڈال کر اُس میں غرق کر دیتے ہیں اور اُس کی وجہ سے اُس کی پکڑ ہوتی ہے۔ بلکہ ایسے شخص کے بُعد اور ابدی محرومی کا وہ سبب بن جاتی ہے جیسا کہ ہم جیسے بدوں کا حال ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کامیاب اور ناکام لوگوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے، کہ کچھ لوگ تیغ زنی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، کچھ نیزہ زنی کیلئے، کچھ شہادت کیلئے، کچھ صرف کھانے کیلئے جو شخص تلوار چلاتا ہے اور تلوار کا زخم کھاتا ہے وہ دوسرا ہوتا ہے اور جو شخص پیالہ چاٹتا ہے اور ثرید کھاتا ہے وہ اور ہوتا ہے۔

آپ کے اکثر مکاتیب سے انکسار، مسکینی اور خوفِ خاتمہ ظاہر ہوتا ہے

---

[1] سورۃ التوبہ آیت ۱۱۹

اور خاتمہ (مکاتیب کے) سے بھی اسی طرح ظاہر ہے۔ حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا کہ آپ احوال و مواجید کے غلبات کے باوجود، دینی امور میں عزیمت کی رعایت اس درجہ رکھتے تھے کہ ایک مرتبہ جب کہ آپ کی مسجد کے امام موجود نہ تھے، آپ کے بھتیجے عبدالنبی پہنچ گئے اور امامت کرنے لگے اور (سورۃ الفاتحہ میں) اَلَّذِیْنَ اور اَنْعَمْتَ کے درمیان کچھ ٹھہر گئے۔ آپ نے نماز دُہرائی اور غصے سے فرمایا کہ نوجوانوں کو نہیں چاہیئے کہ امامت کریں تاکہ لوگوں کی نماز فاسد نہ ہو۔ وہ نہیں جانتے کہ موصول اور صلہ ایک ہی کلمے کا حکم رکھتے ہیں اور ان کے درمیان وقفہ جائز نہیں۔

۴۔ (ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ) افسوس کہ:

فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ؎	ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں۔

کا معاملہ درپیش ہے اس لیے کہاں کا کھانا پینا؟ کیسا سونا اور آرام کرنا؟ اور کسے قرار و آرام؟

کس می نہ دہد نشانِ آب و گلِ من　　حل می نہ شود دریں جہاں مشکلِ من
از ہیبتِ آں دو راہ خون شد دلِ من　　تا خود بکدام رہ بود منزلِ من!

ہے بھی یا میری یہ آب و گل نہیں　　اس جہاں میں حل مری مشکل نہیں
جنت و دوزخ کی ہیبت ہے سوار　　اپنی ہی معلوم کچھ منزل نہیں

ایک اور جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

در کوئے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا　　چوں برہمنِ پیر بہ بُت خانہ بماندیم
افسوس کٹی عمر بتوں ہی کی گلی میں　　میں بوڑھے پجاری کی طرح ان میں رہا ہوں

اب عمر آخر ہو رہی ہے۔ موت اور آخرت والا سفر درپیش ہے لیکن ابھی تک

؎ سورۃ الشوریٰ (۷)

وہ علم و عمل جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ہو حاصل نہیں ہوا۔ اور خوف و حیرت دامن گیر ہے۔ مسلمانوں کے امام حضرت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"اکثر لوگوں کا ایمان نزع کے وقت سلب کر لیا جاتا ہے۔"

معلوم نہیں اُس دشواری کے وقت اور بے قراری کے موقع پر کیا گزرتی ہے! ایک جگہ آپ نے اپنے بڑے بیٹے شیخ حمید الدین کو لکھا:

"اے فرزند، فرصت کو بہت غنیمت جانو۔ تحصیلِ علم میں دن رات پوری پوری کوشش کرو کہ تحصیلِ علوم کا وقت یہی ہے۔ دوام طہارت فرائض و سنن کا ادا کرنا، نماز کے ارکان کو تعدیل کے ساتھ ادا کرنا، حضور اور خشوع کو ملحوظ رکھنا وغیرہ جس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، اپنے لیے لازم جانو، کیونکہ اسی طرح استقامت میں دونوں جہانوں کی سعادتیں، دولتِ جاودانی اور بے شمار برکتیں، اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی جان لو کہ علم سے مقصودِ عمل ہے کہ قیامت میں عمل کے متعلق پوچھا جائے گا۔ علم کی فراوانی کے متعلق نہیں اور عمل سے مقصود اخلاص اور حق تعالیٰ کی محبت ہے:

لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ[1] تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے

یہ بات خاص و عام کی کمر توڑ دیتی ہے۔ اور اخلاص سے مقصود، محبوب (اللہ تعالیٰ) کی محبت ہے کہ وہی معبودِ برحق اور موجودِ مطلق ہے:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔[2] بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔"

---

[1] سورۃ الاحزاب آیت ۸

[2] " الانعام آیت ۱۶۲

آپ کا انتقال پُر ملال ۹۴۴ھ میں ہوا کہ "شیخ اجل" کے اعداد سے ظاہر ہے۔ آپ کی تُربت شریف، قریہ گنگوہ میں ہے جو دریائے جمنا کے کنارے کرنال کے قریب ہے۔ اللہ اُن پر رحمت نازل فرمائے۔ آمین

ہمارے حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ، شیخ عبدالقدوس کے آخری حالات کے متعلق بیان فرماتے تھے کہ اُن پر ہر گھڑی غیبت اور بیخودی غالب ہوتی جاتی تھی۔ اور استغراق بڑھتا جارہا تھا۔ ایسے حال میں کسی نے اُن سے اس کا راز دریافت کیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ:

"میں نے دل کو ذکرِ الٰہی میں بہت کوفتہ کیا ہے اور اب مجھ پر سلطان الذکر[1] کا غلبہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جارہا ہے اور مجھے مجھ سے دُور کرتا جارہا ہے۔"

شیخ عبدالقدوس کے سات فرزند تھے اور اُن میں سے ہر ایک، حال و قال میں بے مثال تھا۔ شیخ کے تیسرے فرزند احمدؒ سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے خانوادے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بیٹوں کو پہلے کمالاتِ صوری (علوم ظاہری) سے آراستہ کرتے ہیں، پھر مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعے مقامِ قطبیت تک پہنچاتے ہیں۔

میں نے بھی شیخ کی زبان دُرفشاں سے سُنا ہے کہ اُس زمانے میں جب کہ شیخ کے بیٹے دہلی میں تحصیلِ علوم میں مصروف تھے تو اُنہیں اکثر اپنے والد بزرگوار کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوتا تو وہ لکھتے کہ اگر آپ کی اجازت (حکم) ہو تو ہم لوگ آستانۂ عالی میں حاضر ہوں،" شیخ اُن سے فرماتے کہ تمہارا آنا تحصیلِ علوم میں حارج ہوگا۔ اس لیے مجھی کو تمہارے پاس جانا چاہیئے۔ غرض کہ شیخ خود ہی اپنے بڑھاپے اور ضعف کے باوجود دہلی تشریف لے جاتے حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے روایت

---

[1] سلطان الذکر، سلسلۂ نقشبندیہ میں ساتواں سبق ہے۔ دوسرے سلسلوں میں بھی مختلف طریقوں سے ہے

کرتے تھے کہ جب حضرت شیخ اپنے وطن سے دہلی تشریف لاتے تو دہلی کے اکابر اُن کی آمد کی خبر سُن کر اُن کا استقبال کرتے۔ اسی طرح قوّال اور گویّے بھی استقبال کرتے اُن کو سماع کا بہت شوق تھا۔ انتہائی سُکر اور شورش کے عالم میں مستانہ باتیں کہنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ دہلی میں جب کہ ایک بہت بڑی محفل تھی اور علماء بھی موجود تھے۔ شیخ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور اسی کیفیت میں وہ کہنے لگے کہ منصورؒ کو نادانوں نے قتل کر دیا۔ جب انہوں نے یہ بات رقص کے عالم میں بار بار کہی تو ان علماء میں سے ایک بڑے عالم نے بے چین ہو کر اُس زمانے کے ایک عظیم عالم کا حوالہ دیکر کہا کہ اُن جیسے لوگوں کی جماعت کو نادان کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ جس کے درمیان منصورؒ تھے۔ شیخ نے پھر اُسی شورش کے ساتھ کہا کہ میں اُنہی کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ اُس عالم نے اب کہا کہ اے شیخ، منصور جیسے لوگوں کو نادان کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جب اُس عظیم عالم کو خبر ملی تھی کہ منصور کے خون کے قطروں سے انا الحق ظاہر ہوا ہے تو اُنہوں نے اپنی دوات کو زمین پر دے مارا تھا کہ اگر وہ خبر صحیح ہے تو اس دوات کے پھینکنے سے اللہ کا نقش کیوں ظاہر ہوا؟ شیخ پہلے سے زیادہ جوش میں آگئے اور کہنے لگے کہ افسوس اے نادان، کہ جمادات میں سے بھی حق ظاہر ہوتا ہے حالانکہ وہ اُن میں نہیں ہوتا۔

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدّس سرّہ نے اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ دہلی آئے ہوئے تھے تو شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری نے جو کہ سید جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے اور صاحبِ علم تھے۔ ایک تفسیر لکھی تھی جو شیخ کی خدمت میں بھیجی۔ شیخ نے اسے کھول کر دیکھا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے متعلق آیتِ تطہیر کی شرح نظر آئی۔ شیخ عبدالوہاب نے اس جگہ لکھا تھا کہ:

"اولادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کی سب عذابِ آخرت سے مامون ہیں اور ان کی عاقبت یقیناً بالخیر ہے۔"

شیخ عبدالقدوس نے اس کے حاشیے پر لکھ دیا کہ:

"یہ بات اہل السنت والجماعت کے مذہب کے خلاف ہے"۔

اور کتاب واپس کردی۔ پھر اس بات پر وہاں کے علماء اور شیخ کے درمیان کئی دن تک مذاکرات رہے۔ بالآخر وہی بات صحیح قرار پائی جو شیخ نے کہی تھی۔

شیخ رکن الدین

آپ حضرت شیخ عبدالقدوس کے دوسرے صاحبزادے لیکن پہلے خلیفہ ہیں کہ ان کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔ اور طریقہ قادریہ میں خلافت آپ نے سید ابراہیم الایرجی القادری سے حاصل کی جیسا کہ اوپر اجازت نامہ میں مذکور ہوا۔ یہ سید ابراہیم ایک مشہور شخص تھے اور علوم عقلی و نقلی کے عالم تھے، بلکہ ان کے زمانے میں شہر دہلی میں کوئی عالم ان کے پائے کا نہیں تھا۔ اور ان علوم میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ ذکر و اوراد اور تربیت و ارشاد بھی فرماتے تھے۔ وہ شیخ بہاء الدین قادری شطاری کے مرید تھے جن کا ایک رسالہ، طریقہ شطاریہ میں ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواب میں شیخ نظام الدین خالدی سے بھی انہوں نے خرقہ پایا تھا۔ ۹۵۳ھ میں انہوں نے وفات پائی اور حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کے روضے کے پائنتی دفن ہوئے۔

شیخ رکن الدینؒ فرماتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین (بختیار کاکی) رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے دن ان کے روضۂ اقدس پر کچھ لوگ رقص و سماع میں مصروف تھے۔ میں نے آپ (سید ابراہیم) سے عرض کیا کہ آپ اس مجلس میں کیوں شرکت نہیں فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہاں تو زیارت کے لیے جائیں اور حضرت کی روحانیت سے متوجہ ہو جائیں، دیکھیں کیا فرماتے ہیں۔ میں نے ایسا ہی کیا ہے تو قوالوں اور رقاصوں کے جوش و خروش کے دوران حضرت خواجہ مجھ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ:

"ان بد بختوں نے بڑی دیر سے مجھے تنگ کر رکھا ہے۔"

پھر میں سیّد ابراہیم کی خدمت میں آیا اور یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ مُسکرانے لگے اور فرمایا کہ:

"اب مجھے (وہاں جانے سے) معذور رکھو گے یا نہیں؟"

شیخ رُکن الدین بہت بلند احوال و اطوار والے تھے۔ کئی نفیس کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک مرج البحرین ہے۔ اس میں بہت سے دینی اور یقینی اسرار ہیں۔ مکتوبات بڑی برکتوں والے بھی لکھے ہیں۔ اُن میں سے ایک مکتوب جو حضرت خواجہ عبداللہ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ وہ آپ نے ایک محرمِ اسرار کو اس طرح لکھا ہے:۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔[1] اور اپنے رب کی نعمتوں کا اظہار کرو۔

سب تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ اب آنکھوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی شہود نہیں رہا۔ اور اس کے ساتھ سوائے عجز اور افلاس کے کچھ نہیں رہا۔ اور سوائے حیرت اور درماندگی کے کچھ اور حاصل نہیں ہے۔

تشنہ از دریا جدائی می کنم! بر سرِ گنجے گدائی می کنم!

پاس دریا ہے میں پیاسا ہی رہوں ہے خزانہ میں گدائی ہی کروں

شیخ رکن الدین نے اپنے والد بزرگوار کے بعض کلماتِ سکر کے حل کے لیے تحقیقات بھی کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک دن آپ کے والد ماجد نے سماع کے دوران فرمایا کہ:

"خدا ہی جانتا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔"

پھر فرمایا کہ:

"اگر تم کہو کہ خدا نہیں جانتا تو کہہ سکتا ہے۔"

---

[1] سورۃ الضحیٰ، آیت ۱۱

شیخ رکن الدین اس کا حل اس طرح کرتے ہیں کہ:

"علمِ الٰہی سے مراد، تعینِ علمِ اجمالی و تفصیلی ہے جسے وحدت اور واحدیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اُس وقت ہمارے شیخ (والد بزرگوار) کی سیر، تعینِ علمی سے آگے تھی۔"

ایک صاحب نے یہ حل ہمارے حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کی محفل میں عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ شیخ رُکن الدین کا یہ حل، تکلف سے خالی نہیں، کیونکہ شیخ ابنِ عربی اور اُن کے متبعین تو تعینِ علمی سے آگے کی سیر کے قائل نہیں ہیں۔ اور اُن شیخ رکن الدین کے والد بزرگوار شیخ ابنِ عربی ہی کے متبعین میں سے تھے۔ اور اُن کی سیر، تعینِ ذات کے آگے والی سیر تھی، کیونکہ اُن کے حالی اور قال سے سُکر ہی ظاہر ہوتا ہے۔

شیخ رُکن الدینؒ نے ۹۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔ اُن کا اور اُن کے سارے بھائیوں کا مزار اُن کے والد بزرگوار کے پہلو میں ہے۔ سوائے شیخ عبدالنبی شہید[۱] (مصنفِ کتاب سُنن الہدیٰ) کے والد شیخ احمد کے، کہ جن کا مزار شاہ آباد میں ہے۔ شیخ احمد کی وفات ۹۷۲ھ میں ہوئی اور اُن کے فرزند مذکور (یعنی شیخ عبدالنبی) کی شہادت ۹۹۱ھ میں ہوئی۔

چونکہ حضرت مخدوم خواجہ عبدالاحد کو حضرت شیخ فنا فی اللہ شیخ جلال تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ سے پیر بھائی ہونے کی محبت کی وجہ سے بہت سی صحبتیں اور ملاقاتیں

---

[۱] شیخ عبدالحق نے اخبار الاخیار (کراچی ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۸۴) میں شیخ عبدالنبی کو شیخ عبدالقدوس کا فرزند لکھا ہے۔ سیّد ہاشمی فرید آبادی نے بھی تاریخ مسلمانانِ پاک و بھارت کے صفحہ ۴۶۲ میں فرزند لکھا ہے۔ لیکن محمد ہاشم کشمی کا مذکورۂ بالا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اکبر کے زمانے میں صدر الصدور بنا دیئے گئے تھے۔ لیکن خود رائی اور خود پسندی کی وجہ سے اس عہدے سے ہٹا دیے گئے تھے۔ بعد میں حج اور خیراتی کاموں کے حیلے سے حجاز بھیجدیئے گئے تھے۔ واپسی پر اُن کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

رہی ہیں، اس لیے اس بزرگ کا بھی مختصر حال لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

شیخ جلال تھانیسری

آپ حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ علوم ظاہری میں بھی کامل و مکمّل تھے۔ حالتِ استغراق و استہلاک بہت زیادہ تھی۔ کہتے ہیں کہ اس حالت کو کم کرنے کے لیے (بالخصوص) نماز ادا کرنے کے موقع پر آپ کے مریدوں نے بلند آواز سے حق حق کہنا شروع کیا تھا، تاکہ سُکر سے صحو میں آجائیں۔ آپ نے لمبی عمر پائی اور ۹۵ سال کی عمر کے بعد آپ ۹۸۹ھ میں فوت ہوئے اور اپنے شہر ہی میں دفن ہوئے۔

حضرتِ مجدّدِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ اپنے والد ماجد سے نقل کرتے تھے کہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت جلال کے ایّام اقتضاء (موت) زیادہ رہے۔ اس لیے لوگوں میں بہت اضطراب اور شور رہا۔ کہا جاتا ہے کہ سولہ دن کے بعد تھوڑا ہوش آیا تو شیخ نظام نے جو آپ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ اُس کیفیت سے پریشان ہوکر پوچھنے لگے کہ:

"حضرت، یہ کیسا حال ہے؟"

شیخ نے اسی حالت اور کرب میں یہ شعر پڑھا،

قومے ز وجودِ خویش فانی   رفتہ ز حروف در معانی

(جو قوم کہ وجود سے ہوئی ہے فانی   چھوڑے ہیں حروف پائے ہیں معانی)

حضرت مجدّدِ الف ثانی قدّس سُرّہٗ نے یہ واقعہ یہاں تک بیان کیا تو آپ کو گریہ طاری ہوگیا اور رُخسارِ مبارک پر آنسو رواں ہوگئے اور بڑی دیر تک انتہائی عجز کے ساتھ سر جھکائے رہے۔

حضرت جلال نے کئی مفید رسالے لکھے ہیں۔ تبرّک کے طور پر آپ کے رسالہ ارشاد الطالبین میں سے کچھ حصّہ یہاں پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ :

" عشاق صرف کشف وکرامات کی منزلوں پر بیٹھ کر رہ نہیں جاتے بلکہ آگے بھی ترقی کرتے ہیں اور ایک چیز پر مقید ہوکر نہیں بیٹھتے سب سے کٹ کر اور سب سے ہٹ کر جان کی بازی اور جہاں تازی میں لگ جاتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عبادت، ریاضت اور زہد وتقویٰ سے احتراز کرتے ہیں اور ان باتوں کو بُرا سمجھتے ہیں بلکہ وہ ان میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں۔ اپنا خونِ جگر پیتے ہیں اور گم ہوکر مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں اور حق تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس جگہ بہت سے سلوک کے دعویٰ دار اور جاہل صوفیہ نے صحیح راہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی ہے۔ اللہ پاک اس سے پناہ میں رکھے۔ اور سلفِ صالحین رضی اللہ عنہم سے یہ بات آئی ہے کہ حرمانِ اصول کے ضائع کر دینے میں ہے اور اصول محض شریعت اور طریقت کی رعایت میں ہے۔" اور وہ جو کہا گیا ہے کہ تلاوتِ قرآن اور علوم دینیہ میں اشتغال ہی امورِ حسنہ ہیں، لیکن طالب کی شان کچھ اور ہی ہے۔ تو یہ بات زوائد ونوافل سے متعلق کہی گئی ہے کیونکہ طالب کا کام، فرائض وسُنن کے ادا کرنے کے بعد شغلِ باطنی ہے، نہ یہ کہ نوافل اور اعمال جوارح کی کثرت میں لگا رہے۔" انتہیٰ

حضرت خواجہ عبدالاحد کی شیخ کمال سے ملاقات

حضرت شیخ جلال کی مجلسوں میں حضرت خواجہ عبدالاحد کی ملاقات شیخ کمال سے ہو گئی اور برسوں تک ملاقاتیں ہوتی رہیں اور بہت سے فوائد بھی ظہور پذیر ہوئے ملاقات کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت مخدوم عبدالاحد جناب شیخ جلال کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اہلِ سپاہ کے حُلیے میں اس خانقاہ میں وارد ہوا اور حضرت شیخ جلالؒ سے اس نے معانقہ کیا پھر اس مجلس کے حلقے میں بیٹھ گیا اسکو شیخ نے فوجی آدمی

سمجھا، تو اُس سے بادشاہ اور فوج کے متعلق پوچھنا شروع کیا وہ شخص ایسے سوالات سے غصے میں آگیا اور کہنے لگا کہ:۔

"حضرت اگر کوئی اس راہ والا مسکین محض انوارِ الٰہی کے اقتباس کی خاطر اس خانقاہ میں آتا ہے تو آپ کو زیبا نہیں کہ آپ اُس سے بادشاہ اور فوج کی باتیں پوچھیں۔ اگر آپ ان باتوں کے معلوم کرنے کی خواہش ہو تو آپ راستے پر بیٹھ جائیں اور آنے جانے والوں سے یہ باتیں پوچھتے ہیں۔"

شیخ نے نہایت حلم اور بُردباری سے خاموشی اختیار کی اور معذرت کی۔ حضرت مخدوم عبدالاحد اُس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے جب اُس شخص کے جذبے اور بے نیازی کا مشاہدہ کیا تو ارادہ کیا کہ جب وہ شخص حضرت شیخ کی مجلس سے باہر آئے گا۔ تو اُس سے ملاقات کر کے اُس کا نام پتا اور اُس کے مقام کا پتا معلوم کیا جائے گا چنانچہ ایسا ہی کیا اور اُس شخص کو بھی ملاقات اور معانقے کے بعد خَیرُ القُلُوبِ بَیْنَنَا ھٰذَا کے مصداق، اُنس و محبت پیدا ہوئی اور اُس نے بھی اُلفت کا اظہار کیا۔ اور اپنا نام بھی بتایا اور کہا کہ میرا نام کمال ہے، پھر اپنے مسکن اور وطن کی اطلاع بھی دی اور فرمایا کہ میں اکثر پائل میں رہتا ہوں۔ اگر آپ کو مجھ سے ملنے کی خواہش ہے تو آپ وہاں آئیے اور مل بیٹھ کر باتیں کیجئے۔ (پائل ایک بستی ہے جو سرہند سے تعلق رکھتی ہے اور وہاں سے قریب چار پانچ فرسخ[1] کے فاصلے پر واقع ہے)۔ حضرت خواجہ عبدالاحد جب سرہند واپس پہنچے تو وہاں سے پائل تشریف لے گئے اور حضرت شیخ کمال ذوالکمال والا کمال کی خدمت میں حاضر ہوئے، خوب ملاقاتیں رہیں۔ اور بڑی اُلفت پیدا ہوئی، یہاں تک کہ خود شیخ کمال اکثر اپنے اہل و عیال کے ساتھ سرہند تشریف لاتے، کئی کئی دن قیام فرماتے پھر اپنے گھر جاتے۔ بہرحال، حضرت خواجہ عبدالاحد کو اُن کی صحبت اور مجالست

---

[1] ایک فرسخ (فرسنگ) قریب تین میل کا ہوتا ہے۔

میں بے شمار فائدے حاصل ہوئے اور اُن کے بہت سے خوارقِ عادات اور کرامات دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں کسی قدر حالات جو حضرت مجددِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ اور اُن کے صاحبزادوں سے سُنے ہیں قلمبند کرتا ہوں:

"حضرت شیخ کمال اگرچہ اُویسی مشرب تھے۔ لیکن ظاہر میں شیخ فضیل سے ارادت وانتساب رکھتے تھے جو نو واسطوں سے حضرت شیخ الجن والانس عبدالقادر جیلانی قدّس سرّہٗ سے سلسلۂ ارادت رکھتے تھے کیونکہ شیخ فضیل کو سیّد گدا رحمٰن ثانی سے ارادت تھی، اُن کو سیّد شمس الدین عارف سے، اُن کو سیّد گدا رحمٰن اوّل سے، اُن کو سیّد شمس الدین صحرائی سے اُن کو سیّد عقیل سے، اُن کو سیّد بہاء الدین سے، اُن کو سیّد عبدالوہاب سے، اُن کو سیّد شرف الدین سے، اُن کو سیّد عبدالرزاق سے جو حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی کے صاحبزادے بھی تھے اور مُرید بھی (قدّسنا اللہ بسرّہم الاقدس)۔"

شیخ کمال اکثر جذب وشوریدگی کے باعث جزیروں میں یادشت وبیابان میں پھرا کرتے تھے جہاں وادیِ غیرِ ذی زرع[1] کی طرح دانہ پانی نہ ہوتا تھا۔ جب کبھی کھانے پینے اور ٹھہرنے کی ضرورت ہوتی تو دکھا جاتا ہے) ایک شہر نمودار ہوتا جس کے رہنے والے ان کو عزّت واحترام کے ساتھ اپنے گھر لے جاتے اور دعوت کرتے۔ شیخ وہاں کھاتے پیتے اور اَبِیتُ عِندَ رَبِّی[2] کے مصداق وہاں آرام کرتے۔ صبح کو جب

[1] مکّہ معظمہ کے لیے کہا گیا ہے۔ سورۃ ابراہیم آیت ۳۷۔

[2] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی (میں اپنے رب کے پاس شب باشی کرتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صوم وصال رکھا کرتے تھے۔ صحابہ نے بھی چاہا تو آپ نے اُن کو منع فرمایا کہ تم نہیں رکھ سکتے۔ پھر اس طرح (حدیث مذکورہ) فرمایا۔ صومِ وصال کم از کم چالیس دن کا ہوتا ہے اور دن رات مسلسل رکھا جاتا ہے۔ صرف مغرب کے وقت افطار کیا جاتا ہے۔

سُورج طلوع ہوتا، تو نہ وہ شہر ہوتا اور نہ وہ لوگ ہوتے۔ کہا جاتا ہے کہ (جذب و مستی کی وجہ سے) آپ نمازِ جماعت میں کم حاضر ہوتے۔

ایک دن اقامت کے دوران آپ کے ایک مُرید کو قضائے حاجت کے لیے جانا پڑا۔ جب وہ طہارت کے لیے گیا تو دیکھا کہ ایک جگہ ایک دروازہ کھُلا ہوا ہے اور اُس کے اندر ایک باغ نظر آرہا ہے۔ وہ مرید درویش اُس باغ میں چلا گیا۔ وہاں ایک حوض دیکھا جو پانی سے بھرا ہوا تھا اور اُس کے کنارے پر کچھ لوگ باجماعت نماز ادا کر رہے تھے۔

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ[1] گویا وہ عمارت ہیں رانگا پلائی۔

اُن کے امام شیخ کمال رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ درویش کو حیرت ہوئی۔ اسی حیرت کی حالت میں جب درویش نے آنکھ کھولی تو خود کو اُسی جگہ پایا جہاں سے اُس نے قضائے حاجت کے لیے جانے کا ارادہ کیا تھا۔

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے ایک موقع پر شیخ کے متعلق بیان فرمایا کہ ایک دن آپ ایک ویرانے میں ایک قبر کے قریب پیشاب کر رہے تھے۔ وہاں ایک ولی کا مدفن تھا۔ اُس قبر میں سے اُح اُح کی آواز آئی جس سے اس کام کی کراہت اور شیخ کو منع کرنے کا اشارہ تھا۔ شیخ کمال نے جب وہ آواز سُنی تو اپنے جذب و مستی کے عالم میں اُس اُح اُح والے سے کہنے لگے کہ تم برسوں پہلے اس دُنیا سے رُخصت ہو چکے ہو اور خاک میں برابر ہو چکے ہو لیکن ابھی تک تم نے اپنی اُح اُح نہیں چھوڑی ایسا کہہ کر آپ اُس جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیئے۔

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ یہ بھی فرماتے تھے کہ خوارقِ عادات کے ظہور کے باوجود اگر کوئی شخص صرف کرامات کے مشاہدے کی غرض سے شیخ کے پاس جاتا تو آپ سخت بیزار ہوتے۔ ایک مرتبہ ایک مولانا صالونی جو اپنے وقت

---

[1] سورۃ الصف آیت (۴)

کے عظیم علماء میں سے تھے اپنے شاگردوں کے ساتھ غالباً اسی غرض سے (مشاہدۂ خوارق) شیخ کی تلاش میں آئے۔ جب وہ لوگ شیخ کے قریب پہنچے تو شیخ نے اُن کے ارادے سے واقف ہو کر سخت غیظ و غضب کا اظہار کیا اور اینٹ پتھر لے کر مولانا کی طرف متوجّہ ہوئے۔ مولانا مجبوراً اپنے شاگردوں کے ساتھ بھاگے اور شیخ اُن کے پیچھے دُور تک حملہ کرتے رہے، پھر فرمایا: اے صالونی، تو کمال کی کرامات دیکھنے آیا تھا تو اب دیکھ۔

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ نے شیخ کے متعلق یہ بھی بیان فرمایا کہ ایک دن شیخ نے (جذب و مستی کے عالم میں) فرمایا کہ لوگ "گنجِ شکر" "سلطان المشائخ" اور کیا کیا نام لیتے ہیں اور فلاں اور ہمارے فلاں سے بے خبر ہیں، حالانکہ ان لوگوں کا مرتبہ اُن بزرگوں سے کم نہیں ہے۔ (شیخ کی مراد "ان لوگوں" سے خود اپنی ذات اور خود کے صاحبزادوں سے تھی)۔

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ اپنے والد ماجد سے نقل کرتے تھے کہ وہ فرمایا کرتے تھے، شیخ جب معارف و اسرار بیان کرنے پر آتے تو بعض اوقات اُن اسرار کی ایسی باریکیاں بیان کرتے کہ سُننے والوں میں سے ایسے لوگ جو اُن معارف میں مہارتِ کامل رکھتے تھے۔ سخت غور و فکر اور بہت زیادہ تامّل کے بعد ہی سمجھ سکتے تھے۔

ارباب بقا زندہ بجانِ دگراند ۔ بیروں ز دو کون و در جہان دگراند
کس پے بہ زبانِ حالِ ایشاں نبرد ۔ ایں طائفہ گویا بہ زبانِ دگراند[1]

---

[1] دوسری جان سے زندہ ہیں یہاں اہلِ بقا
دو جہانوں سے الگ ہوتی ہے اُن کی دُنیا
کوئی کیا سمجھے گا جو کچھ کہ وہ فرماتے ہیں!
ایسے لوگوں کی زباں رکھتی ہے نگر دیگر معنیٰ!

ایک روز حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ نے خواجہ محمد معشوق طوسی[1] قدس سرّہٗ کے حالات کے سلسلے میں فرمایا کہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیخ کمال بھی اُسی عالم سے (خواجہ محمد معشوق کے عالم سے) تھے اور اللہ کے مقبول یاروں میں سے تھے۔

"حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ نے اپنے والد ماجد سے سُنا کہ ایک دن انہوں نے ایک موقع پر فرمایا کہ نظرِ کشفی سے دیکھا جائے تو سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی قدس سرّہٗ کے بعد شیخ کمال جیسے بہت کم نظر آتے ہیں۔

جب آپ کی عمر شریف اَسّی سال سے تجاوز کر گئی تو ۱۹ جمادی الآخر ۹۸۱ھ کو آپ نے انتقال فرمایا اور سرہند کے مضافات میں قریہ کھیتل میں دفن ہوئے۔

آپ کے بعد آپ کے پوتے شاہ سکندر آپ کے احوال و مواجید اور کرامات کے وارث ہوئے اور ایک مدت تک اپنے بزرگوں کے فیض کو عام کرتے رہے۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ فرماتے تھے کہ سُورج کی طرف تو اطمینان سے دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن شاہ سکندر کے دل کی طرف انوار کے غلبے کی وجہ سے نظر جمائی نہیں جا سکتی۔ شاہ سکندر بھی ۱۰۲۳ھ میں دُنیا سے کُوچ فرما گئے۔

چمن را تر و تازہ آراستند　　چو شبنم نشستند و برخاستند[2]

ان دونوں کثیر الجذبہ بزرگوں کے سلسلے میں حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ نے ایک مرتبہ مجذوبوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"حضرت والد ماجد جب لاہور تشریف لے گئے تو میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صالح شخص آپ کے پاس آئے اور اُنہوں نے شاہ رزق اللہ کا ذکر کیا جو اُس علاقے کے مجذوبوں اور مغلوب الحال لوگوں میں سے تھے کہ آج میں نے شاہ صاحب کو فلاں راستے پر ہنستے ہوئے اور

---

[1] شیخ ابو سعید ابو الخیر (م ۴۴۰ھ) کے معاصر تھے۔ دیکھیں جامی کی نفحات الانس۔

[2] چمن کو تر و تازہ کرتے رہے　　وہ شبنم کی مثل آئے اُٹھ بھی گئے

قہقہہ لگاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اُن سے (شاہ صاحب سے) اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ میں فلاں جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک گھسیارا، سر پہ گھاس کا گٹھا رکھے ہوئے اور درانتی کمر میں باندھے ہوئے آیا۔ گھاس کا گٹھا ایک جگہ رکھ کر قضائے حاجت کے لیے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو آسمان سے فرشتوں کی ایک جماعت نیچے آئی اور اُسے اُٹھا کر رجال الغیب کے گروہ میں شامل کر دیا۔ میں اُس وقت اُس گھسیارے اور اُس کی درانتی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اُس کی اُس لنگوٹی کو بھی دیکھ رہا تھا جو اُس کے ستر پر تھی۔ میری ہنسی اس وجہ سے ہے کہ شاید اُس کی جگہ کسی اور گھسیارے اور درانتی کی ضرورت ہے۔"

حضرت مخدوم عبدالاحد کی سیر و سیاحت

پوشیدہ نہ ہو کہ حضرت مخدوم عبدالاحد علیہ الرحمۃ کے بعض مقامات کی سیر و سیاحت سے متعلق بیان کرنے کا اوپر وعدہ کیا گیا تھا۔ اب اُس وعدے کا ایفاء کیا جاتا ہے۔

آپ جب علوم سے فارغ التحصیل ہوئے تو آپ کے دل میں اہل اللہ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا تاکہ سیر الی اللہ کے لیے استفادہ کیا جائے۔ پس ہندوستان کے بعض مقامات کی سیر شروع کی اور اس سفر میں آپ نے عہد کیا کہ کہیں بھی اسرار و معارف کی تفصیل میں لب کشائی نہ کریں گے اور نہ اہلِ بدعت سے ارادت اور صحبت رکھیں گے۔ آپ نے اس سفر میں بہت سے باعمل علماء اور کامل عرفاء سے ملاقاتیں کیں۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ ایک موقع پر فرماتے تھے کہ اُس زمانے میں جب کہ والد صاحب کا گزر رہتاس سے ہوا تو آپ نے شیخ اللہ داد سے ملاقات کی۔ وہ اس وقت بہت بوڑھے تھے اور بہت سے بزرگوں کو دیکھے ہوئے تھے۔ وہ (شیخ اللہ داد) کہتے تھے کہ:

"کسی راہ کی نہایت نہیں ہے، سوائے راہِ حق کے کہ اُس کی دو نہایتیں ہیں۔"

والد صاحب اس بات سے بہت متعجب ہوئے اور اس کے معنی پر متفکر ہوئے۔ کیونکہ یہ بات جمہور محققین کے صریح خلاف تھی۔ اُنہوں نے تو یہ کہا ہے کہ:

"وصول الی اللہ کی منزلیں ابدالآبدین تک طے نہیں ہو سکتیں۔"

پس حضرت مجددِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ نے فرمایا کہ اس زمانے میں اس قول کے یہ معنی سمجھ میں آتے ہیں کہ:

"کسی چیز کی ذات نہیں ہے، کیونکہ تمام اشیاء کی حقیقتیں سوائے وجوہ و اعتبارات کے کچھ نہیں ہیں۔ اور وجوہ و اعتبارات کی کوئی حد نہیں ہے۔ بخلاف وصول الی اللہ کی راہ کے کہ وہ ذات اقدس تک پہنچتی ہے، کیونکہ جب عارف کو سیرِ اجمالی کے لیے محض عنایاتِ الٰہی سے سیر صفات و شیونات سے گزارتے ہیں تو وہاں تمام وجود و اعتبارات گم ہو جاتے ہیں اور عارف کی سیر محض ذاتِ الٰہی تک پہنچتی ہے۔ اس کے بعد وہ راہ ہی میں رہتا ہے اور ادراک وہاں کوتاہ دست ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ سیر جو ابدالآبدین میں بھی منقطع نہ ہونا کہا گیا ہے۔ وہ اسماء و صفات کی سیر ہے کہ یہی سیر تفصیل ہے اور اسی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔"

اور ہمارے حضرت مجددِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ اپنے والد ماجد سے نقل کرتے تھے کہ وہ فرماتے تھے، شیخ اللہ داد ایک دن ایک مجلس میں موجود تھے جہاں ذکر ارّہ کیا جا رہا تھا۔ جب وہ لوگ فارغ ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ:

"ذکر، تصفیۂ دل اور انجلائے دل کے لیے ہوتا ہے، کیونکہ دل مثل آئینہ کے ہے کہ جب اُس پر زنگ بیٹھ جاتا ہے تو اُسے صیقل

کرنا چاہئے تاکہ وہ جلا حاصل کرے اور یہ بات ذکرِ خفی ہی سے میسّر آتی ہے، کیونکہ دل لوہا نہیں ہوتا کہ اُس پر شدید ضربوں کی ضرورت ہو۔"

راقم الحروف کہ اللہ اُس کو اپنے ذکر میں کامیابی دے، عرض کرتا ہے کہ مشائخ ایک جماعت نے ذکرِ جہری بھی اختیار کیا ہے خواہ وہ ذکر آرہ ہو یا کوئی اور ذکر،

لم آیتہ:

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً۔ [1]

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ سخت۔"

اُنھوں نے دل کو پتھر اور لوہے سے بھی زیادہ سخت قرار دیا ہے اور چاہا ہے کہ ذکر کی سخت گرمی سے قالبِ غلیظ اور جوارح کثیف متاثر ہو جائیں۔ اور یہ کہ جن لوگوں نے ذکرِ خفی اختیار کیا ہے کہ وہ بھی معتبر دلیل رکھتے ہیں اور جو بات شیخ مذکور نے کہی وہ بھی ایک وجہ سے صحیح ہے۔ اور ذکرِ جہر اور ذکرِ خفی دونوں کی صحت کے لیے حدیث موجود ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں کی حالت (ذکر میں) مذکور ہے۔ بہر حال:

لِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۸)

ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اُسی کی طرف منہ کرتا ہے۔ البقرہ ۱۴۸

سے ان اکابر کے طریقۂ ذکر کی حمایت ہوتی ہے۔

نیز جب آپ شہر رُہتاس پہنچے تو مولانا شیخ الاجل محمد بن فخر کے درس میں بھی شریک ہوئے۔ یہ موضح الحواشی وغیرہ کے مصنّف ہیں، اور مشہور فضلاء میں سے ہیں اور تقویٰ و زہد میں بلند مقام رکھتے ہیں، ایک دن وہ فاضلِ ہندی علامہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی علیہ الرحمہ کا حاشیہ پڑھا رہے تھے جو مصباح پر ہے اور اسی ضمن میں وہ بہت سے فوائد اپنی طرف سے بتاتے جا رہے تھے۔ حاشیہ

---

[1] سورۃ البقر آیت (۷۴)

طویل الذیل ہے۔ ایک جگہ آپ نے اس حاشیہ پر جرح وقدح کرتے ہوئے اعتراض بھی لکھا تھا۔ جب آپ کے شاگرد نے اس اعتراض کی عبارت پڑھی تو حضرت مخدوم نے اس پر غور کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اعتراض کسی وجہ سے بھی (قاضی شہاب الدین پر) وارد نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ حضرت مخدوم عہد کر چکے تھے کہ اس سفر میں ایسے معاملات میں لب کشائی نہ کریں گے اس لیے یہاں سوائے خاموش رہنے کے کوئی چارہ نہیں دیکھا۔ لیکن جب اُس حاشیے کی قرارت اور مولانا کے اعتراض کی عبارت اختتام کو پہنچی تو حضرت مخدوم کے حفظِ عہد و پیمان کی برکت سے مولانا اپنی خطا پر یکایک مطلع ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے قاضی شہاب الدین کے کلام کے کچھ اور ہی معنی لیئے تھے، یہ تو ایسا نہیں تھا، وہ تو ایسا ہی ہے اور جیسا صحیح تھا وہ بیان کیا اور خود اپنے ہاتھ سے اپنے اعتراض کو کاٹ دیا۔ حضرت مخدوم اُن کی اس اصلاح وانصاف پر اور اپنے عہد پر قائم رہنے پر اللہ پاک کا شکر بجا لائے اور پھر اس مجلس سے باہر آگئے۔ (میں نے بعض ثقہ فضلا سے سُنا ہے کہ مولانا محمد بن فخر جن کا ذکر اُوپر آیا وہ ایک دن علماء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اپنے شہر کے ایک باغ میں گئے۔ (لیکن) وہاں اُن سب کی نظروں سے (یکایک) غائب ہو گئے، ان حضرات نے ہر چند اُن کو تلاش کیا۔ لیکن پتا نہ چلا۔ واللہ اعلم)

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرُّہٗ نے اس معرفتِ عظیمہ کے سلسلے میں کہ:

> "ذاتِ اقدس ہر چند کہ بسیط ہے اُس میں ایک وسعتِ بیچون بھی ہے جس میں چون کی گنجائش نہیں۔"

اپنے والد ماجد کا ایک واقعہ بیان کیا کہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے بنگال کے ایک شہر میں پہنچے، وہاں ایک درویش شیخ برہان نامی تھا جو ایک مسجد میں شب بیداری کرتا اور رات بھر بے قراری میں گریہ وزاری کرتا۔ وہ میرے ساتھ بہت محبت اور مہربانی سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ آؤ، کچھ وقت ساتھ رہیں۔ لیکن وہ چونکہ بدعتوں کا مرتکب تھا، میرے دل نے اُس کی صحبت کو گوارا نہ کیا۔ وہ درویش اکثر

ہندی اشعار پڑھتا اور اپنی آنکھوں سے افسردگی کے آنسو بہاتا۔ ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ:

"مجھے اپنے محبوب کی لطافت سے حیرت ہے کہ اگر کہا جائے کہ اُس کی نزاکت میں بال بھر بھی فرق نہیں تو بجا ہے اور اگر کہا جائے کہ وہ اس قدر بسیط ہے کہ بہت سے عالم اُس میں گم ہیں تو وہ بھی صحیح ہے۔"

نمکدانے بہ تنگی چوں دلِ مور | نمک چنداں کہ در عالم فتنہ شور
(نمکداں تنگ جوں چیونٹی کا دل ہو | نمک اتنا کہ دنیا میں پڑے شور)

اسی سفر میں حضرت مخدوم کا گزر شہر جونپور میں ہوا، اور وہاں آپ نے حضرت سیّد علی قوام قدِس سرُّہٗ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ وہ سُکر، وجد، سماع، توکل تبتّل اور گوشہ نشینی والے بزرگ تھے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی قدِس سرُّہٗ کے سلسلے سے وابستہ تھے۔ اور حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری کے مُرید تھے جو تین واسطوں سے حضرت شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلوی) سے متعلق ہیں۔ (رحمہم اللہ سبحانہ)۔ اُن کے (سیّد علی قوام کے) متعلق کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرمایا:

"اے علی، تم ڈھول اپنے دروازے پر پیٹتے ہو اور خلق اللہ سے کچھ نہیں لیتے۔"

اُنہوں نے عرض کیا کہ:

"یا رسول اللہ، اگر ڈھول ہے تو وہ بھی آپ کی طرف سے ہے اور اگر دروازہ ہے تو وہ بھی آپ کی طرف سے ہے، علی بیچارہ درمیان میں کون ہے (کیا حیثیت رکھتا ہے)۔"

پھر آپ نے فرمایا کہ:

"مخلوق کے لیے دُعا کرو کہ تمہاری دُعا اُن کے لیے مقبول ہے۔"

اِن کی وفات ۹۵۰ھ میں ہوئی۔

مختصر یہ کہ حضرت مخدوم نے اس سفر میں بہت سے علماء اور عرفاء کی صحبت اُٹھائی۔ پھر اپنے وطن مالوف کو واپس ہوئے اور آخر وقت تک وہیں سرہند میں رہے۔

آپ تمام معقول و منقول کی رائج کتابوں کو بلا تامل اور نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ سمجھا دیتے تھے، کیونکہ آپ تمام علوم میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور فقہ و اصول میں تو بے نظیر تھے۔ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں کہ میں دقائق کو جلد جلد سمجھ لیتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اجتہاد اور استنباطِ مسائل میں سراج الملۃ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تمام مجتہدین مثل شاگردوں کے ہیں۔ آپ چونکہ علوم رسمیہ کے ساتھ علوم باطنی و حضوری کے بھی جامع تھے۔ اس لیے ہمیشہ فیض پہنچانے میں مستعد رہتے تھے۔ اور وہ اس حدیث کے مصداق تھا کہ:

"اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے سے کسی ایک شخص کی بھی ہدایت فرما دے تو یہ تمہارے حق میں دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"

آپ فیوضات و برکاتِ روحانی کے سائلین کو اپنی تربیت و رحمت کے بادل سے سرسبز و شاداب فرماتے رہتے تھے اور بلند پایہ صوفیہ کی کتابوں کا (مثلاً تعرّف عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ کا) درس بہت اچھی طرح سے دیا کرتے تھے ارباب شوق اور اصحابِ ذوق ان کتابوں کو سُننے اور پڑھنے کے لیے دُور اور نزدیک سے آپ کے پاس آتے اور استفادہ کرتے۔ قدوۃ المشائخ شیخ (میاں) میر جو آج کل شہر لاہور میں قیام فرما ہیں۔ اور وجد و حال اور گوشہ نشینی میں شہرت رکھتے ہیں۔ آپ ہی سے فصوص الحکم کا درس لیتے تھے۔

الغرض آپ توحید وجودی والوں کے اسرار کی بڑی اونچی معرفت رکھتے تھے اور شیخ اکبر محی الدین العربی قدس سرہٗ کے دقائق کے حل کرنے میں اپنے علم کے تبحّر اور غلبۂ حال کی وجہ سے یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ اور اسی (شیخ اکبر کے) مشرب پر

تھے۔ اور گو کہ اس مشرب والے علوم اور حالات کے مقتضیات زیادہ تر سُکریات اور شطحیات ہیں۔ لیکن اپنی عالی فطرت، تمکین کی فراوانی اور ہمت کی بلندی کی وجہ سے اور صرف حضرت حق سبحانہٗ کی عنایت و صیانت سے آپ کا حال شیخ ربّانی ابو سلیمان دارانی کے قول (بسا اوقات (اس مشرب والی) قوم کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی کئی دنوں تک میرے قلب پر واقع ہوتا رہتا ہے۔ لیکن میں اُسے قبول نہیں کرتا جب تک کہ شاہدِ عدل کی شہادتیں نہ مل جائیں۔ اور وہ دو شاہدِ عدل کتاب و سنّت ہیں کے مطابق تھا کہ اگر کوئی حال، کتاب و سنّت کے خلاف ہوتا (خواہ وہ اپنا ہوتا یا کسی اور کا) تو آپ ہرگز اُس کا اعتبار نہ کرتے اور نہ اُس کو کوئی اہمیّت دیتے۔ یہ ہے شناخت آپ کے صحتِ احوال، صداقتِ اقوال اور خلوصِ اعمال کی۔ حضرت مخدوم کا وہ کلام بھی صداقتِ احوال کی پہچان کے لیے کافی ہے جو آپ نے شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے بعد فرمایا تھا یعنی حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ نے مسئلہ توحیدِ وجود کے سلسلے میں اور اپنے والد ماجد کے مشرب کے متعلق خود اپنے والد ماجد کی زبانی یہ بتایا کہ وہ ایک مدّت سے شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے آرزو مند تھے۔ وہ شہر سونی پت کے بہت بوڑھے بزرگ تھے۔ اُن سے ایک راز کے متعلق پوچھنا تھا جو اُن سے اُن تک پہنچا تھا۔ وہ راز یہ تھا جو انہوں نے بتایا کہ میرے پیر میرے نانا تھے۔ وفات سے قبل مجھے ایک شوریدہ کار درویش کے ساتھ اپنے قریب بُلایا تاکہ نسبت کا القاء کریں اور نعمت (روحانی) عطا فرمائیں۔ جب ہم دونوں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے اس معاملے (توحیدِ وجودی) کی حقیقت کا راز بیان کیا۔ یہ راز سُنتے ہی وہ وہ درویش وفات پا گیا۔ اور میں حیران و پریشان وہیں کھڑا رہ گیا۔ (للمؤلف)

چہ راز بود کہ شب از تو بر زباں بگذشت
کہ روزِ عمر بسامانِ ترجماں بگذشت!

بگوشِ صید نہ دانم زبانِ تیغ چہ گفت — **کہ در سماع در افتاد و بمدراں بگذشت** [۱]

صرف اس وجہ سے حضرت مخدوم اُن سے (شیخ عبدالغنی سے) ملاقات کر کے (راز معلوم کرنے کے لیے) اُن کے شہر میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ لیکن اتفاق یہ ہوا کہ وہ شیخ ہی ایک کام سے سرہند سے گزرے۔ جب وہ سرہند پہنچے تو ایک سرائے میں ٹھہرے۔ والد صاحب (یعنی حضرت مخدوم) وہاں حاضر ہوئے۔ اور معانقہ اور مجالسہ کے بعد خلوت میں کچھ پوچھنے کے لیے عرض پرداز ہوئے۔ اور اُس راز کے اظہار کے لیے درخواست کی۔ شیخ نے وہ راز بتادیا۔ جب والد صاحب اُن صاحب سے مل کر باہر آئے تو شیخ جمیل الدین نے جو ایک فاضل اور صاحب دل تھے اور والد صاحب کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے شیخ سے وہ بات دریافت کی تھی؟ اُنھوں نے فرمایا، ہاں۔ پھر سوال کیا کہ وہ بات کیا تھی! فرمایا کہ وہ یہی مسئلہ تھا کہ جس پر ہم قائم ہیں اور جو ہمارا مشرب ہے۔ یعنی جو کچھ نظر آرہا ہے وہ واحدِ حقیقی ہے جو کثرت کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ لیکن چونکہ وہ درویش سادہ لوح تھا اور یہ راز اُس کے کان میں دفعتہً پڑا۔ تو وہ اس راز کا تحمّل نہ کرسکا اور ہلاک ہوگیا۔ اور چونکہ شیخ عبدالغنی عالم تھے، صاحبِ تمکین تھے۔ اور اس "خانہ برانداز" راز سے واقف تھے، اس لیے اپنی جگہ قائم رہے۔

پھر حضرت مجدد الفِ ثانی قدّس سرّہٗ نے توحید سے متعلق بہت بلند معارف بیان فرمائے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:

"کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حقیقت کے ظہور سے پہلے بعض مبتدیوں بلکہ متوسطوں کو توحید کے غلبہ کی وجہ سے جیسا کہ اُس کا اقتضاء ہے

---

[۱] وہ راز کیا تھا جو اُن کی زبان پر آیا — کہ ترجمانی میں یہ عمر ہوگئی ناپید
زبانِ تیغ نے کیا کہدیا ہے چپکے سے — کہ ذبح ہونے کو آمادہ ہوگیا ہر صید

غیر محبوب بھی محب کی نظر میں محبوب نظر آنے لگتا ہے اور کثرت جو موہوم و منفی ہے وحدت کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ مثال یوں ہے کہ عشق میں مجاز بھی واقع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میرے والد صاحب قدس سرہٗ نے ایک درویش کی حکایت بیان فرمائی جو کہتا تھا کہ ایک مرتبہ میں ایک شہر میں راستے پر سے جا رہا تھا، میری نظر ایک حسین عورت پر پڑی جو اپنے بام پر ٹہل رہی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی میں بیخود ہو گیا اور وہ چھپ گئی۔ میں نے اس حالت میں جب خود کو دیکھا تو میں نے خود کو اُسی لباس میں اُسی رنگ، صورت، کمیت و کیفیت کے ساتھ دیکھا۔ یہاں تک کہ میں اس نظارہ سے شرمندہ ہوا اور خود کو اس کیفیت سے علیحدہ کرنا چاہا۔ ع

در عشق چنیں بوالعجبیہ باشد

(عشق میں بوالعجبی ایسی ہے)"

پھر حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

"اشیائے متکثرہ (یعنی کثرت) کیونکر واحد حقیقی ہو سکتی ہیں؟ کیونکہ کثرت تو موہوم ہے۔ یعنی حضرت حق سبحانہٗ نے اپنے اسماء و صفات کے ظلال کو اپنی قدرتِ کاملہ سے حس اور وہم کے مرتبہ سے ظاہر کیا ہے۔ اسے لقب بھی دیا ہے اور اس کا نام عالم رکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ خارج میں موجود نہیں ہے۔ سوائے ذات و صفات کے۔ اس لیے موہوم کس طرح عین موجودِ حقیقی ہو سکتا ہے"۔

اس مسئلے کی پوری تحقیق حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات منبع البرکات میں متعدد مقامات پر پوری تدقیق و تمثیل کے ساتھ موجود ہے۔ پس جس شخص کو اس کے متعلق تفصیل یا اجمال درکار ہو وہ ان مکتوبات کی طرف علم و حال کے مطابق رجوع کرے۔

الغرض، حضرت مخدوم نے اپنی حیاتِ مبارکہ اسی طرح افادہ و افاضہ کے ساتھ گزاری ہے اور اپنی بے نفسی اور تفرید کی وجہ سے تلامذۂ کثیرہ میں سے کسی کو بھی اپنی خدمت کے لیے نہیں فرمایا اور اکثر اپنی خانگی ضروری چیزیں خود ہی بازار سے لے آتے تھے اور کسی سے بھی نہ کہتے تھے۔ اور اپنی زندگی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اس طرح صرف کی کہ کسی سنّت کو ترک نہیں کیا۔ یہاں تک کہ حتی الامکان تہمد باندھتے، پاجامہ نہ پہنتے اور چپّل دو پٹیوں والی پہنتے، جوتی نہ پہنتے۔ اور طاعات و عباداتِ مفروضہ و مسنونہ کے علاوہ، مشائخِ طریقت کے بعض وظائف جو عزیمت کے منافی نہ ہوتے بہت شوق سے پڑھتے۔ حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ کو جو نفلی عبادتوں کی توفیق حاصل تھی تو وہ اپنے والد ماجد ہی کی وجہ سے تھی (جیسا کہ آئندہ اس کا ذکر آئے گا) کہ ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے تھے اور رخصت سے اجتناب کرتے تھے۔ اور حضرت مخدوم نے دوسرے سلسلوں کا سلوک طے کیا تھا۔ اور اُن طریقوں کی برکتوں سے بہت عالی نسبتیں حاصل کی تھیں۔ لیکن سلسلۂ نقشبندیہ سے بہت زیادہ خلوص اور اشتیاق تھا۔

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ اپنے والد ماجد کی زبانی بیان فرماتے تھے کہ:

> "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دائرہ (سلوک) کا مرکز اور اس بادیہ کی شاہراہ اِس سلسلۂ نقشبندیہ کے حوالے کر دی گئی ہے۔"

اور اُس کی نسبت کو تمام نسبتوں سے اُوپر بتایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ:

> "ہر چند ہم نے اس طریقہ (نقشبندیہ) کے اکابر کے رسائل سے ان کے طور طریقے اور ان کے اسرار معلوم کئے ہیں۔ لیکن ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ اللہ پاک اس سلسلے کے کسی راہ نما اور کار شناسا کو ہمارے شہر میں پہنچا دے یا ہم ہی اُس کے شہر میں پہنچ جائیں تاکہ اس کی صحبت کی برکتوں سے ہم اقتباسِ انوار کر سکیں۔"

اس کے بعد حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے انتہائی اشتیاق کے ساتھ والد ماجد کا ذکر جب اپنے پیر حضرت خواجہ رضی الملۃ والدین محمد الباقی قدس سرہٗ الاقدس کی خدمت میں کیا تو وہ فرمانے لگے کہ:

"مجھے بھی اُن کے دیکھنے اشتیاق تھا۔ چنانچہ جب میں سرہند پہنچا تو میں نے اُن کا پتا چلایا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی گاؤں کو تشریف لے گئے ہیں"

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جب میں نے حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ سے یہ حکایت سنی تو میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ کیا دیگر مشائخ سلاسل پر بھی حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کی نسبت کا جمال جلوہ گر ہوا تھا، یا وہ صرف حضرت مخدوم تک مخصوص تھا؟ چنانچہ جب میں حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمت سے رخصت ہو کر برہان پور پہنچا تو حضرت شیخ عیسیٰ سندھی[1] (جو کہ اُس علاقے کے عظیم مشائخ میں تھے۔ حال وقال کے جامع اور تفسیر الانوار کے مصنف تھے، شیخ لشکر محمد کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ محمد غوث کے خلیفہ تھے۔ انشاء اللہ ان بزرگوں کا حال مجمل طور پر چوتھے مقالے میں آئے گا) میرے پہنچنے سے ایک سال قبل ۱۰۳۱ھ میں انتقال فرما چکے تھے۔ تو میں بطور تعزیت اُن کے فرزندوں کے پاس گیا۔ اُن کے بڑے فرزند شیخ عبدالستار جو سجادہ نشین ہیں، قابل و فاضل اور صاحبِ دل بھی ہیں، کہنے لگے کہ ہمارے والد اور شیخ اپنی آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام سلسلوں کی نسبتوں کا خلاصہ، نسبتِ

[1] مسیح اولیاء شیخ عیسیٰ جُند اللہ (۹۶۲ھ تا ۱۰۳۱ھ) کے حالات مولانا راشد برہانپوری کی کتاب "برہان پور کے سندھی اولیاء" (سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۷ء) کے صفحہ ۳۱ تا ۱۰۳ میں تفصیل سے درج ہیں۔ پھر اُن کے صاحبزادے شیخ عبدالستار کے حالات بھی درج ہیں۔

نقشبندیہ ہے اور ہم بھی اب خود اسی نسبت پر قائم ہیں۔"

میں نے (دل میں) کہا کہ اس نسبت کے لیے یہ دوسری شہادت حاصل ہوئی اور مدعا کے لیے یہ دو شاہد عادل مل گئے۔ الحمد للہ والمنۃ۔

حضرت مخدوم نے علوم دینیہ میں اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ اور اسرار و معارف میں عمدہ رسالے مرتب کئے ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب کنوز الحقائق اور ایک رسالہ اسرار التشہد ہے کہ ان میں بہت سے بلند نکات بیان کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے طالبین کو نفع پہنچائے۔ اور جوہرِ سخن کو پہچانتے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ سب نکات حضرت واہب العطایا حق سبحانہ کا فیض ہے۔ اور آپ (بذریعہ الہام) ان کے لکھنے پر مامور تھے۔ چنانچہ آپ نے خود بھی رسالہ شریفہ میں یہ بات ظاہر فرمائی ہے کہ:

"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف میں جو تشہد[1] وارد ہوا اُس کے اسرار اللہ تعالیٰ نے اپنے فیضِ قدیم اور فضلِ عمیم سے مجھ پر انعام فرمائے۔ اس لیے میں نے فیض پہنچانے والے حکیم کے حکم پر ان کو پیش کیا۔"

(یہ رسالہ عربی میں ہے لیکن فارسی میں اس کا ترجمہ ہے)

راقم الحروف اس رسالے سے چند نکات یہاں بیان کرتا ہے:۔

۱۔ معراج کی طلب، رویتِ الٰہی کے لیے تھی، وہ معراج، استعداد، کے لحاظ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر لفظی سوال کے (یعنی بغیر دعا کے) حاصل ہوئی تھی، کیونکہ استعداد کے لحاظ سے دعا کی قبولیت الزم و اتم ہے (یعنی دعا

---

[1] معراج شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ

اللہ پاک کی طرف سے جواب ملا:۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ

پھر جبریل علیہ السلام نے کہا:۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

ضرور مقبول ہوتی ہے اگر استعداد ہو۔ اسی لیے لفظی سوال (یعنی دعا کرنے) سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رویتِ الٰہی حاصل نہ ہو سکی، کیونکہ استعداد سے قبل اُس کی طلب کی تھی۔

ب۔ التحیات للہ والصلوات والطیبات کے معنی میں۔ اور وہ ہے کمال کا اظہار جمال کی صفات کے ساتھ۔ اور جلال کے اوصاف بیان کرنا۔ ہر نوع اور ہر اعتبار کے ساتھ اُن لذات کے لیے جو مجموعہ ہیں۔ تمام کمالات کا اور جو منزہ ہیں نقص و زوال سے۔ اور وہ قولی، فعلی اور حالی سے عبارت ہیں۔ قولی یہ ہے کہ اللہ پاک کی عظمت اور کمال کا اظہار، انسان کی زبان سے ہو۔ اور فعلی یہ ہے کہ اوامر کا بجالانا اور نواہی کا چھوڑنا بدنی اعمال اور جسمانی افعال سے اور مختلف اقسام کی نیکیاں اختیار کرنا، اور تمام اعضاء کو جو پیدا کئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرنا۔ اور حالی یہ ہے کہ گویا قلب اور روح کو مشغول رکھنا علمی اور عملی کمالات کے حاصل کرنے میں اور اخلاقِ الٰہیہ کے ساتھ تخلق کرنے میں، کیونکہ انسان اسی کے لیے مامور کیا گیا ہے تاکہ کمالات اُس کے نفس کا ملکہ ہو جائیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ:

"اخلاقِ الٰہیہ کے ساتھ تخلق کرو"

یہ نسبت ہے مختلف فرق کے مقام سے۔ لیکن جو نسبت مقامِ جمع کے ساتھ ہے۔ وہ قولی ہے جیسے حق سبحانہ" کا ذکر کرنا اُس کے اوصافِ ذاتیہ اور کمالاتِ صفاتیہ کے ساتھ، حرفوں میں (یعنی زبانی) اور اُن کمالات کا ذکر کرنا جو منزلہ کتابوں میں ظاہر ہیں۔ اور وہ نسبت جو فعلی ہے وہ اظہار کرنا ہے اُس کے جمال و جلال کا جو غیب سے شہود میں اور باطن سے ظاہر میں اور علم سے عین میں ہیں۔ اور حالی وہ ہے کہ حق سبحانہ کی تجلی اور اُس کا ظہور ہوتا نفس پر۔ اور محض فیض اقدس سے۔ زیادہ نسبت ذاتی، صفاتی اور افعالی کے اعتبار سے ہے۔ پس ذاتی اس طرح کہ حق سبحانہ کا ذکر کرنا وجوب الوجود

کی صفت کے ساتھ۔ اور تحقیق وہ منزہ ہے کُل سے اور کُل کے ساتھ کُل میں ہے۔ یعنی اُس کی احدیت میں اُس کے تمام کمالات اور اسماء و صفات اُس کے اُس حیثیت کے ساتھ اور جملہ ارضی و سماوی چیزوں میں اس حیثیت سے ہرگز کوئی فرق نہیں اور صفاتی اس طرح کہ حق سبحانہ کا ذکر کرنا اُس کی صفت علم اور صفت قدرت کے ساتھ۔ اور افعالی اس طرح کہ حق سبحانہ کی عظمت بیان کرنا زبان کے ساتھ یا بہشت کے ساتھ، اُس کی خالقیت اور رزاقیت کے وصف میں۔ یا اس کے علاوہ اُس کے اسماء و صفات فعلیہ سے۔ اور تحقیق والے عارفوں کے نزدیک اُس کی ثنائے ذاتی معتبر ہے، کیونکہ وہ تمام وجوہِ تعظیم اور اوصافِ کمال کو شامل ہے۔ بخلاف اسمائے وصفیہ و فعلیہ کی ثناء کے، کیونکہ اُس میں تحدید و تقیید واجب ہے۔

ب اسی کتاب میں ایک جگہ آپ نے یوں بھی لکھا ہے کہ بجا ہے اگر ہم اس ثنا کو (یعنی التحیات للہ کو) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربِ فرائض پر محمول کریں کیونکہ حق سبحانہ فاعل ہے اور بندہ آلۂ فاعل ہے۔ قربِ نوافل پر محمول نہ کریں کہ اُس صورت میں بندہ فاعل ہوگا۔

اس لیے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فقر انتہا کو پہنچا اور درمیانی حالت مُرتفع ہو گئی تو محال ہے کہ جو چیزیں آپ سے ظاہر ہوتی ہیں، اُن میں سے کسی چیز کو آپ کی طرف منسوب کیا جائے، کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرف آلہ کی طرح ہیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ الخ — میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

اور یہ بھی فرمایا کہ:

اِنَّ الْحَقَّ یَنْطِقُ بِلِسَانِ عُمَرَ — حق تعالیٰ عمر کی زبان سے گفتگو کرتا ہے۔

اور ممکن ہے کہ اس کو قربِ نوافل سے قرار دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی طرف تنزل فرمانے اور انکسار کے طور پر اور اظہار عجز کے لیے اپنے آپ کو

اور نرم کر دیتا ہے ۔

تمام ایں جا کسے وآں کز تمامی کند یا خواجگی کارِ غلامی[1]

یا اس وجود کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا ہوا ہے اس کے وجود کا بدل قرار دیا جائے جو اُس کی طرف منسوب ہے ۔ اگرچہ حق تعالیٰ کی تنزیہ میں مبالغہ ہے ۔ یا تینوں مقامات (یعنی قربِ نوافل، قربِ فرائض اور ان دونوں کے مجموعے) میں دوران کے اعتبار سے ہو کہ ان میں کسی ایک مقام کے ساتھ مخصوص نہ ہو اور یہی "اَوْ اَدْنیٰ" کا مقام ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے ۔

۴۲ ۔ اور اس رسالۂ شریفہ کے خاتمے پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے میرے دل پر یہ امر وارد ہوتا ہے کہ نماز کے خاتمے میں جو تشہد پڑھنے کا حکم ہے تو اس بات کی خبر ہے کہ نماز ، مومنوں کے لیے معراج ہے ۔ پس یہ بات سزاوار ہے کہ مومنوں کی معراج میں بھی کچھ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوالِ عظیمہ اور تشریفاتِ علیہ میں سے گویا پیالے میں سے ایک گھونٹ حاصل ہو ۔ اور وہ جو تشہد کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم ہے تو وہ اس لیے کہ مومنوں کی معراج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ہے تو وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور متابعت کی برکت سے حاصل ہوئی ہیں اور وہ تنبیہ بھی ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی برکتوں میں اُمت کو شریک کر لیا تو ضروری ہوا کہ اُمت بھی اپنی معراج میں (یعنی نماز میں) آپ پر درود بھیجے ۔ اور وہ ایماء بھی ہے اس کیلئے کہ اگر اُمت کے چند کامل لوگ انتہائی مرتبۂ کمال کو بھی پہنچ جائیں تب بھی وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بندھن سے باہر نہیں جا سکتے ۔ اور اس کمال کے باوجود وہ حضور ؐ کے ابتدائی مقام تک بھی نہیں پہنچ سکتے ۔ بلکہ ہمیشہ اُن کا سر آپؐ کے قدموں کے نیچے رہے گا ۔ نیز یہ بھی ایماء ہے کہ ان سب کی معراج کا منتہیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے ۔ اور حضور انور

---

[1] تمام یہاں وہ ہے اور تمام ہو کر بھی خواجگی کے باوجود غلامی کا کام کرتا ہے ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا منتہیٰ ہے اللہ پاک کی طرف ہے اور اس کی تعظیم و تحمید کی طرف ہے کہ آپ نے شروع ہی میں اللہ پاک کی ثنار التحیات للہ الخ میں کی ہے اور مسلمانوں کو بھی حکم ہے کہ وہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں۔

بعض فوائد جو حضرت مجددِ الفِ ثانی قدسِ سرّہٗ نے اپنے والد ماجد سے نقل کئے ہیں

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرّہٗ نے بتایا کہ اُن کے والد ماجد فرماتے تھے ایک مرتبہ شیخ رکن الدین (مرشدِ والد ماجد) سے ملاقات کے لیے شیخ جلال تھانیسری تشریف لائے، شیخ رکن الدین نے صاحب تعرف[1] کا یہ قول بیان کیا کہ:

"دُنیا میں اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا اور نہ دل سے دیکھا جاسکتا، صرف بھید کے اعتبار سے دیکھا جاسکتا ہے"

شیخ جلال الدین نے فرمایا کہ:

"یہ بات سِرّ اسرار پر مبنی ہے"

لیکن شیخ رکن الدین کو یہ توجیہ دل نشین نہ ہوئی۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ فرماتے تھے کہ میں نے والد ماجد سے دریافت کیا کہ:

"آخر آپ نے اور حضرت شیخ رکن الدین نے اس قول کی ٹھیک توجیہ کیا قرار دی؟"

اُنھوں نے فرمایا کہ:

---

[1] ابوبکر بن ابی اسحاق محمد البخاری الکلاباذی (م ۳۸۵ھ ۹۹۵ء) کی کتاب جو صوفیہ کے عقائد و احوال پر قدیم ترین سمجھی جاتی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن نے لاہور سے ۱۳۹۱ھ میں شائع کیا۔ اس کے صفحہ ۶۳ میں یہ قول (جو اوپر درج ہوا) ملتا ہے۔

"بہت سال گزر گئے۔ اب یاد نہیں رہا۔ البتہ اس وقت جو بات دل پہ وارد ہو رہی ہے وہ یہ کہ مقام اتحاد میں یہی یقین ہے اور بس۔ چنانچہ ہر شخص جانتا ہے مشہود ذاتیت کو چاہتا ہے اور مشاہدہ، مغائرت کو چاہتا ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ:

"میں نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ اہل فرقوں کے اکثر لوگ جو ضلالت میں مبتلا ہوئے اور گمراہ ہوئے اُن کی وجہ یہ ہے کہ وہ طریق صوفیہ میں داخل تو ہوئے لیکن کام کو انجام تک نہیں پہنچایا اور غلطیاں کر بیٹھے، چنانچہ ضلالت میں مبتلا ہو گئے۔"[1]

ایک اور مکتوب میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

"حضرت والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ علم سلوک میں ایک رسالہ میں نے دیکھا ہے جس میں لکھا تھا کہ کھانے کی چیزوں میں حدِ اعتدال کی رعایت رکھنا اور درمیانی حد (وسط) کو ملحوظ رکھنا (یعنی شرع شریف کے حکم کے مطابق کھانے میں احتیاط رکھنا) حصول مطلوب کے لیے کافی ہے اور اس رعایت کو ملحوظ رکھنے سے پھر ذکر و فکر کی ضرورت نہیں رہتی۔"

حضرت مخدوم کے خوارق

مخدوم زادگان اور اُن کے چچاؤں سے میں نے سنا ہے کہ ایک دن حضرت مخدوم کا ایک مخلص آپ کے تنہائی کے حُجرے میں چلا گیا تو دیکھا کہ آپ مقتول اور مقطوع الاجزا پڑے ہوئے تھے اور ہر عضو آپ کے سر کے قریب رکھا ہوا تھا۔ وہ درویش یہ سمجھا کہ کسی چور یا دشمن نے آپ کے ساتھ ایسا کیا ہے۔ تو وہ خوفزدہ

---

[1] مکتوبات امام ربانی ۱ : ۲۰۰

ہوکر گریہ وزاری کرنے لگا اور اپنے سر پر غم کی خاک ڈالنے لگا اور دوڑ کر ایک اور شخص کو اُس نے خبر کردی۔ جب وہ دونوں اُس حجرے میں داخل ہوئے تو حضرت مخدوم کو بالکل صحیح سلامت اور مراقب پایا۔ یہ دونوں حیران وگریاں آپ کے قدموں پر گر پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں یہ بات کسی پر افشار نہ کرنا۔ جب ان لوگوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک راز تھا کہ بیان کے لیے وہاں راہ نہیں۔ لیکن حضرت مخدوم زبانِ حال سے عارفِ رومی کے یہ اشعار فرما رہے تھے ؎

دشمنِ خویشیم و یار آں کہ مارا می کشد — غرقِ دریائیم و مارا موجِ دریا می کشد
نیست عزرائیل را بر عاشقانِ او رہے — عاشقاں را دوست را ہم عشقِ سودا می کشد
تشنگانِ نعرہ زن یا لَیتَ قَومِی یَعلَمُونَ[1] — خفیہ صد جان می دہد دلدار پیدا می کشد
بس کنم من چوں بگو... سرِّ قتلِ عاشقاں — زانکہ منکر خویش را از خشم و صفرا می کشد

اب چونکہ شہادتِ کبریٰ کی بات آپہنچی مناسب ہے کہ زبانِ قلم کو موت اور کبریٰ شہادت کے ذکر سے موڑ کر موتِ صغریٰ کی طرف لے آئیں۔

حضرت مخدوم کی وفات

جب حضرت مخدوم نے اپنی زندگی کی اونٹنی کو اُسی کی حدود کے دروازے پر پہنچا دیا کہ اس عمر والوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک نے "عُتقاءُ اللہ" کہا ہے

---

[1] سورۃ یٰسین آیت ۲۶۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہوسکتا ہے (۱) ظالم ہی اپنے دشمن ہیں (اور رکھتے ہیں کہ) دوست ہم کو قتل کرتا ہے۔ دریا میں خود ہی غرق ہیں اور دکھتے ہیں کہ دریا کی موجیں ہمیں ڈبوتی ہیں۔ (۲) اس کے عاشقوں کو ملک الموت نہیں مارتے، خود ان کا عشق اُن کو مارتا ہے (۳) پیاسے لوگ عاشق نعرہ لگاتے ہیں کہ کاش ہماری قوم علم رکھتی۔ لیکن خود ہی جان دے دیتے ہیں۔ پوشیدہ طور پر سو جان سے قربان ہیں اور یار تو ظاہری طور پر مارتا ہے (۴) جب میں عاشقوں کے قتل کا راز بتاتا ہوں تو اُسی پر بس کرتا ہوں اور اس سے انکار کرنے والا گویا غصہ (انکار) سے خود کو مارتا ہے

تو آپ کی جانِ پاک نے ارجعی کی ندا پر لبیک کہا اور یہ واقعہ ۹۴۵ھ میں ظہور پذیر ہوا اور شہر سرہند کے باہر مغرب کی جانب یہ آفتاب مٹی کے مغرب میں غروب ہو گیا۔ راقم الحروف نے آپ کے انتقال کی تاریخ ایک رُباعی میں اس طرح لکھی ہے ؎

آں شیخ کہ بود اعلم اندر ہر فن — جانش گہرِ سرِّ ازل را معدن
چوں شیخ زمانہ بود در علم و عمل — تاریخ وصالِ او بگو "شیخ زمن"

۱۰۰۷ھ

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ وفات کے وقت موجود تھا۔ سکرات کے عالم میں ناگاہ زبانِ مبارک سے ارشاد کیا کہ:

"بات وہی (سچی) ہے جو شیخ بزرگوار نے فرمائی ہے۔"

میں یہ سمجھا کہ "شیخ" سے مراد شیخ محی الدین ابن عربی ہوں گے۔ اس لیے میں نے عرض کیا:

"کیا شیخ ابن عربی؟"

فرمایا:

"نہیں، شیخ عبدالقدوس"

میں نے دریافت کیا کہ:

"وہ بات کیا ہے؟"

تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ وہ بات یہ ہے کہ:

"حق تعالیٰ کی حقیقت ہستیِ مطلق کی ہے لیکن لباسِ کونیہ نے مجھ یوں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی ہے اور انہیں دور و مہجور رکھا ہے۔"

پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی حکم دیں اور وصیت فرمائیں کہ جس پر میں قائم رہوں

لہ کمال الدین محمد احسان نے روضۃ القیومیہ (رکن اوّل صفحہ ۳۳ ۔ اردو ترجمہ ۔ لاہور) میں ۱۷ جمادی الآخر ۱۰۰۷ھ آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

فرمایا کہ:

"تم کو بس اسی بات کی وصیت کرتا ہوں۔"

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ حضرت والد ماجد کی زبانِ مبارک پر بار ہا یہ قول ہوتا تھا کہ:

"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی محبت ہی حفظِ ایمان اور حسن خاتمہ میں بہت زیادہ دخل رکھتی ہے۔"

تو میں نے آپ کے نزع کے وقت یہ بات یاد دلائی۔ آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ میں اسی محبت میں سرشار اور اسی دریائے نعمت میں غرق ہوں ؎

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ   کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

حضرت مخدوم کے صاحبزادگان

حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کی طرح حضرت مخدوم کے بھی سات فرزند تھے۔ ہمارے حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ آپ کے چوتھے فرزند اور اس دائرے کے مرکز ہیں۔ اس جگہ ایک یہ رمز ہو سکتی ہے کہ آپ رابع تھے اور رابع کا مرتبہ[1] مراتبِ حساب میں مرتبۂ الف ہے اور آپ مجدد الف ہیں۔ آفتاب فلکِ ولایت ہیں۔ اور آفتاب جو تمام نجوم سے زیادہ نور اور عظمت والا ہے وہ فلکِ رابع میں ہے۔

آپ کے تمام بھائی فاضل، صالح اور بزرگی والے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا وہ فقرہ جو حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے حالات کے سلسلے میں بیان کیا جائے گا۔ آپ کے بھائیوں اور صاحبزادوں کے حسنِ استعداد

---

[1] رابع اس طرح ہے: ۱۰۰۰ یعنی اس طرح لکھنے سے ایک ہزار ایک سو گیارہ بن جاتا ہے ۱۲

پر دلالت کرتا ہے۔ آپ کے ایک بھائی شیخ شاہ محمد تھے جو آپ سے بڑے تھے۔ اُنہوں نے اپنے والد ماجد سے تربیت حاصل کی تھی۔ علم ظاہر اور نسبت باطن اپنے والد ماجد سے بہت زیادہ حاصل کئے ہوئے تھے۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ سے میں نے سُنا ہے کہ آپ اس طرح فرماتے تھے کہ:

"والد ماجد نے بارہا شاہ محمد کے متعلق فرمایا کہ وہ حال و قال میں ہمارے تلمیذِ رشید ہیں۔"

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ فرماتے تھے کہ میں اپنے اس بھائی کے انتقال کے وقت سرہانے موجود تھا۔ وہ یکایک مُسکرانے لگے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

"حقیقتِ محمدیہ منکشف ہو گئی ہے میں اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔"

الحمد للہ علی الاحسان۔

آپ کے ایک بھائی شیخ محمد مسعود تھے۔ جنہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرّہٗ سے ذکر کی تلقین حاصل کی تھی۔ اور اُن کی نظر کیمیا اثر کی برکتوں سے حالات و مکاشفات تک پہنچ حاصل کی تھی۔ چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرّہٗ کا وہ عنایت نامہ جو سب سے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے اور جس میں شیخ محمد مسعود کے لیے نصیحت ہے۔ اُس کے ایک فقرے سے ظاہر ہے اور وہ فقرہ یہ ہے:

"مولانا محمد مسعود، کشفِ قبور کا اعتبار نہ کریں کہ کشفِ صوریہ میں خطا اور لغزش کا احتمال ہے۔ وہ کوشش کریں کہ اللہ پاک کی حضوری حاصل ہو اور اس میں استقامت حاصل ہو۔ ہر چند اُن کی نظر میں عالم روحانیت صاف ہو گیا ہو گا۔ اور نظرِ بصیرت سے معنی نورانیت بھی ظاہر ہو گئے ہوں گے لیکن اپنے کام میں سعی چاہیئے، کیونکہ بزرگوں کا مذہب اور حضور کچھ اور چیز ہے۔ اُس مقام میں ماسوٰی کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور کبھی

کلیتہً اور اکثر اصالتہً ایک توجہ ہے جو شش جہت سے معرا ہے کبھی وہ فوق کی طرف ایسی خصوصیت کی جہت میں ہوتی ہے جو عرشِ مجید کی ہے اور وہ وہم و خیال میں آتی ہے۔ اور کبھی وہ تمام جہتوں کو لے لیتی ہے اور وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۔ کے معنی ظہور میں آتے ہیں اگرچہ صورِ معنویہ اور اشکالِ صوریہ محو نہیں ہوئی ہیں اور خیال و سراب کی طرح بے اعتبار ہو گئی ہیں اور ایسے ہی وقت میں جستجو کی حالت میں هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ۔ کی صورتیں درمیان میں آجاتی ہیں۔ اور اگر اُس توجہ کے لینے کے وقت تمام جہتوں کی یا اکثر کی صورتیں اور شکلیں بالکل محو ہو جاتی ہیں اور مکمل صفا و پاکیزگی، ظہور میں آجاتی ہے اور:

لَيْسَ فِي الدَّارِ غَيْرُهُ دَيَّارٌ   کسی غیر کے در میں کوئی دیار نہیں۔

کے معنی جلوہ گر ہو جاتے ہیں (اُس وقت ہوش ہونا چاہیئے کہ لباسِ معنوی درمیان میں ہے لَا اَقَلَّ صفت حیوۃ۔ اور اب ہستی ایک اور باریکی کو سمجھ لیتی ہے جو وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ۔ کے معنی کے ظہور کے وقت بھی سمجھے جا سکتے ہیں کہ (اُس وقت بھی) اسی طرح کا لباسِ معنوی درمیان میں ہوتا ہے۔ بہر حال، مقصود کی حقیقت نہ دریافت ہو سکتی ہے اور نہ ادراک میں آ سکتی ہے کیونکہ وہ عشق و محبت ہی ہے اور ماسوٰی سے پاک ہونا بھی ہے۔"[1]

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کے دوسرے بھائی جو آپ سے چھوٹے ہیں اور جو آپ کی خدمت میں رہے ہیں وہ بھی عنایتوں کی نظروں سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ اور فضائلِ صوری سے بھی با نصیب ہیں۔ اُن میں سے ایک شیخ غلام محمد ہیں۔ اور دوسرے شیخ مودود مکتوباتِ امام ربانی میں ان

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ صفحہ ۳۰۔

دونوں[1] کے نام کئی مکتوب ہیں۔ ایک مکتوب جو شیخ مودود کے نام ہے جب کہ وہ اسباب دُنیا کے حصول میں مُبتلا ہو کر اربابِ غنا میں شامل ہونے لگے تھے۔ وہ یہ ہے:

"اے بھائی، اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق دے۔ زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر آنے والا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی اس فرصت کو بیہودہ امور کے حاصل کرنے میں صرف کرے اور ہمیشہ کی مصیبتوں کو اپنے اوپر لازم کر لے۔

اے بھائی، لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ دُور دُور سے چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح یہاں آ رہے ہیں اور تم اپنے گھر کی دولت کی قدر و قیمت نہ جانتے ہوئے کمینی دنیا کی طلب میں شوق و ذوق کے ساتھ دوڑ رہے ہو اور بہت اشتیاق کے ساتھ اُس کے حصول کے خواہاں ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ حیا ایمان کی شاخ ہے۔

اے بھائی، اہل اللہ کا اس طرح یہاں جمع ہونا اور لِلّٰہ فی اللہ ایسی جمعیت جو آج سرہند میں میسّر ہے اگر تمام عالم میں گھوم کر دیکھو گے تو معلوم نہیں کہ اس دولت کا عُشرِ عشیر بھی پا سکو گے اور شمّہ بھر بھی اس نعمت کا حاصل کر سکو گے اور تم نے مفت میں اس دولت کو کھو دیا ہے اور قیمتی موتیوں کو چھوڑ کر بچّوں کی طرح جوز و مویز پر اکتفا کر لیا ہے ع

شرمت بادا ہزار شرمت بادا

اے بھائی، آیندہ وقت تک شاید فرصت نہ ہو اور اگر فرصت ہو بھی تو کیا معلوم اس قسم کا اجتماع قائم رہے یا نہ رہے، تو پھر اُس وقت کیا علاج ہو گا اور کس طرح تدارک ہو گا اور کس چیز سے تلافی ہو سکے گی؟

---

[1] مکتوبات کے نام ۱/۲۸۷-۲، ۱۲- اور شیخ مودود کے نام ۱/۲۲۶-۲، ۱۰

تم نے غلطی کی ہے اور غلط سمجھے ہوئے ہو۔ پھر ب شیریں لقموں پر فریفتہ نہ رہو اور نفیس و قیمتی کپڑوں سے فریب نہ کھاؤ کہ ان چیزوں کے نتائج سوائے حسرت و ندامت کے، اس دنیا اور آخرت میں اور کچھ نہیں محض اہل و عیال کی رضا طلبی کی خاطر خود کو بلا میں ڈالنا اور عذاب اُخروی کو اختیار کرنا عقل و دانش سے دور ہے۔ حق سبحانہ تم کو عقل دے اور متنبہ کرے۔

اے بھائی، دُنیا جو بے وفائی میں ضرب المثل ہے اور دنیا کے خواہاں جو خست اور کمینہ پن میں مشہور ہیں، افسوس کہ کوئی شخص ایسی بے وفا اور ایسے کمینوں کے پیچھے اپنی قیمتی عمر کو ضائع کرے۔ وما علی الرسول الا البلاغ ۔[1]

---

[1] یہ مکتوب ۱/۲۲۶ والا ہے۔

فصل دوم

اس فصل میں حضرت مجدد قدس سرہ الاقدس کی ولادت صوری۔ آپ کے ابتدائی حالات، دینی علوم کی تحصیل، والد بزرگوار سے استفادہ اور خواجہ عالیشان (حضرت باقی باللہ) طالب ثراہ کی صحبت مبارک میں پہنچنے تک کا حال مذکور ہے۔

منقول ہے کہ حضرت مخدوم چونکہ سیاحت اور قطع تعلق کی طرف رغبت رکھتے تھے اور وطن سے ہجرت کرتے رہتے تھے اکثر (مختلف) شہروں میں خطوں بسر کرتے تھے۔ چنانچہ جس وقت سکندرہ جو کہ اٹاوہ کے قریب ہے اور ہندوستان کے مشہور قصبات میں سے ہے آپ وہاں علوم شرعیہ کے نشر و اشاعت اور عبادات سنیہ کی بجاآوری کا شغل رکھتے تھے چونکہ صلاح کے انوار اور معرفت کے آثار آپ کی پیشانی مبارک پر ظاہر اور درخشاں تھے اس زمانہ میں ایک دن ایک نیک خاتون نے جو اس علاقہ کے شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور سچی فراست کے ساتھ متصف تھیں انہوں نے آپ کے جمال و کمال کا مشاہدہ کیا تو عرض کیا کہ میرے زیر تربیت ایک بہن ہے جو جوہر عفت کی کان اور دُرجِ عصمت (پاکدامنی کی ڈبیا) ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کو آپ کے حبالۂ عقد میں دے دوں اور امیدوار ہوں کہ میری اس درخواست کو شرف پذیرائی بخشیں گے۔ چونکہ تفرید کی لذت اور تجرید کا ذوق آپ کے باطن پر غالب تھا اس لیے فوری طور پر قبولیت کے لیے لب کشائی نہیں کی اور معذرت چاہی۔ لیکن یہ درخواست اصرار کے ساتھ ہوتی رہی اور چونکہ تقدیر و رضائے خداوندی کے موافق تھی اس لیے یہ درخواست قبولیت کی بلندی پر پہنچی اور ان (خاتون کی ہمشیرہ) کو اپنے عقد میں لے آئے۔ اور کچھ دن وہاں بسر کئے۔ آخر کار حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان پردہ نشین کے نیک گمان اور مبارک نیت کی برکت ۔ کی پردہ نشین بچی (دبھو) کو روشن مطلع اور یکتا موتی کا سیپ بنا دیا۔

یعنی حضرت (مجدد) جیسے بزرگ ان نیک خاتون سے ظہور میں آئے۔ اور یہ واقعہ امام ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ثابت رضی اللہ عنہ) کے واقعہ سے پوری مشابہت رکھتا ہے کہ کوفہ کے اتقیاء میں سے ایک بزرگ نے اپنی پاک بچی کو حضرت ثابت کی کثرت پرہیزگاری دیکھ کر ان کے عقد میں دے دیا۔ جیساکہ خیرۃ الفقہاء اور دوسری معتبر کتابوں میں مذکور ہے یہاں تک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے وہاں ان کے نیک گمان کی برکت سے امام الائمہ سراج الامۃ رضی اللہ عنہ جیسا ثمرہ وجود عطا فرمایا، تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے قطب ربانی منور الف ثانی قدس سرہٗ جیسے بزرگ ظہور میں آئے۔

اس آفتاب ولایت کا طلوع یعنی حضرت (مجدد) کی تقریر شریف کے مطابق کہ آپ اندازہ سے فرمایا کرتے تھے نیز آپ کے معمر قریبی رشتہ داروں سے سنا ہے کہ، پیر بزرگوار کی ولادت ۹۷۱ھ کے حدود میں واقع ہوا۔ لفظ خاشع ۹۷۱ اس سعادت قرین سال کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ (ولادت) سرہند کے مبارک شہر میں ہوئی۔ جو ملک ہندوستان کے روح افزا، مشہور و معمور مقامات میں سے ہے اور جو اس برکت آثار دیار کا مرکز ہے۔ بچپن ہی میں جو شخص آپ کو دیکھتا تھا۔ آیت کریمہ یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ پ ۱۸ ع ۱۱ ۔ "اس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا"، حال وقال کی زبان سے ادا کرتا۔

شاہ کمال قادریؒ جن کا ذکر شریف پہلے ہو چکا ہے وہ خصوصی نظر آپ کے حق میں رکھتے تھے یہاں تک کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ بچپن کے زمانہ میں حضرت (مجددؒ) کو کمزوری لاحق ہوئی چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ بہت زیادہ بے آرامی کی وجہ سے آپ کو شاہ (کمال قادری) کی خدمت میں لے گئیں اور دعائے صحت کی درخواست کی۔ حضرت (شاہ کمال) علیہ الرحمۃ نے پورے جذبہ و شورش کے ساتھ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ"

"خاطر جمع رکھو یہ بچہ عمر دراز پائے گا اور باعمل عالم اور عارف کامل ہو گا
میرے اور تمہارے جیسے اس کے دامن سے بہت سے لوگ وابستہ ہوں گے"۔
نیز کئی بار ان شیخ بزرگوار نے حضرت (مجددؒ) کے والد بزرگوار سے خوشخبری پر
مبنی باتیں حضرت (مجددؒ) کے حق میں ارشاد فرمائیں۔ حضرت مجددؒ سات آٹھ سال کے
تھے کہ شیخ کمالؒ دنیا سے انتقال فرما گئے۔ شیخ (کمالؒ) کا حلیہ مبارکہ خصوصیت کے
ساتھ حضرت کے دل میں محفوظ تھا۔ اور وہ گھر بھی آپ کو یاد تھا جہاں اپنے والد بزرگوار
کے ساتھ شیخ (کمالؒ) کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ مختصر یہ کہ جب حضرت (مجددؒ) مکتب
میں گئے تو تھوڑے ہی دن میں قرآن حفظ کر کے[1] اپنے والد کے پاس علوم کی تحصیل
میں مشغول ہو گئے۔ اور چند روز کی توجہ سے پوری فتح و کشائش حاصل ہوئی۔ چنانچہ
دقیق باتوں کو تحقیق کے ساتھ حل کرتے تھے۔ اور دقیق کتابوں کے بعض مقامات
دلکش عبارتوں کے ذریعے کھول کر مشکلات کو تحریر فرماتے۔ زیادہ تر علوم اپنے
والد بزرگوار سے اور کچھ علوم اس زمانہ کے بعض علمائے کبار سے حاصل کئے۔ سیالکوٹ
بھی گئے۔ مولانائے محقق مولانا کمال کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو پرہیزگار سربرآوردہ
دانشوروں میں سے تھے ان سے بعض مشکل کتابیں مثلاً عضدی اور اس طرح کی
کتابیں پڑھیں۔ اور بعض کتب احادیث شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمۃ کے پاس پڑھیں
اور یہ شیخ یعقوب شیخ معظم و قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کبروی قدس سرہما
کے بزرگ خلفاء میں سے تھے۔ اور حرمین محترمین زادہما اللہ شرفاً میں اس جگہ کے
کبار محدثین کے نزدیک حدیث کی تصحیح کی تھی۔ نیز حضرت (مجددؒ) نے واحدی کی
تفسیر اور ان کی تمام تالیفات مثلاً بسیط، وسیط اور اسباب نزول نیز بیضاوی کی
تفسیر اور ان کی تمام تصنیفات مثلاً منہاج الوصول اور غایۃ القصوی وغیرہ

---

[1] یہاں اور حضرات القدس میں بھی ہے کہ آپ نے بچپن میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ لیکن مکتوبات شریف (دفتر سوم۔ مکتوب ۱۲۲) سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے نظر بندی کے زمانے میں حفظ کیا تھا۔

اور صحیح بخاری مع ان کی تمام مولفات کے مثلاً ثلاثیات، ادب مفرد افعال العباد اور تاریخ وغیرہ۔ اور تبریزی کی مشکوۃ اور شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطی اور شیخ سعید بوصیری کا قصیدہ بردہ اور حدیث مسلسل جو اسناد کے ساتھ عنقریب ذکر کی جائے گی۔ عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت و اجازت حاصل کی تھی جو کہ حضرت (مجدد) کے مخلصوں اور مریدوں میں سے تھے۔ اور قاضی مذکور (بہلول بدخشانی رح) کو ان مذکورہ کتابوں اور حدیث مسلسل کی اجازت شیخ معظم عبدالرحمٰن بن فہد سے حاصل کی تھی جو کہ خود اور ان کے آباء ان بلاد معظمہ میں کبار محدثین میں سے تھے۔ اور ان کا گھر باپ دادا کے وقت سے ہی بیت الحدیث تھا۔ چونکہ تمام کتابوں کی سند کا بیان کرنا ان اوراق میں طویل ہوگا اس لیے ان میں سے مشکوٰۃ کی اجازت کو اس حدیث مسلسل کی سند کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے۔

حدیث مسلسل بالاوّلیت کی سند یہ ہے۔

قال الشیخ عبد الرحمن بن فهد سمعته من لفظ سیدی والدی عبدالقادر بن عبدالعزیز بن فهد (ومن لفظ شقیقه سیدی عمی الحافظ جار الله بن فهد)[1] وهو اوّل حدیث سمعته منه قال حدثنی به جدی الحافظ الرحلة تقی الدین محمد بن فهد الهاشمی العلوی وهو اوّل حدیث سمعته منه قال حدثنی به جمع من المشائخ الاعلام اجلهم العلامة برهان الدین الابناسی سماعا من لفظه وقاضی القضات ابو الحامد المطری بقرأتی علیه بالحرم الشریف المکة و اوّل حدیث سمعته منهما قالا اخبرنا به الخطیب صدر الدین ابو الفتح محمد بن البیردی قال الابناسی وهو اوّل حدیث سمعته منه وقال المطری وهو اوّل حدیث رویته عنه قال اخبرنا به الشیخ نجیب الدین عبد اللطیف الحرانی وهو اول حدیث سمعته منه قال اخبرنا به الحافظ ابو الفرج ابن الجوزی

---

[1] قوسین کے درمیان کے الفاظ حاشیہ پر دئے ہوئے ہیں۔

وھواول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح النیشاپوری وھواول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ ابوصالح احمد بن عبدالملک المؤذن وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا بہ ابوطاھر محمد بن محمس الزمادنی وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا بہ ابوحامد احمد البزاز وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا بہ عبدالرحمٰن بن بشیر ابن الحکیم الصدری وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا بہ سفیان بن عیینہ وھواول حدیث سمعتہ عن سفیان بن عمرو بن دینار عن ابی قابوس مولی عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنہما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الراحمون یرحمھم الرحمن تبارک وتعالی ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

جہاں تک مشکوٰۃ المصابیح کا تعلق ہے تو وہ ایسی کتاب ہے جو حدیث کی دوسری مذکورہ کتابوں کے اعتبار سے زیادہ مسند اول اور مشہور ہے اور دیگر کتب حدیث کے اعتبار سے اجازت اور اسناد کی زیادہ محتاج ہے اور مؤلف تک اس کی اسناد میں کم سے کم واسطے یہ ہیں جو ذکر کئے جاتے ہیں۔ ہمارے حضرت مجددؒ سے شیخ عزالدین بن فہد تک سند وہی ہے جو گذشتہ حدیث میں تحریر کی گئی۔ لیکن شیخ عزالدین بن فہد مشکوٰۃ کی شیخ تقی الدین بن فہد ہاشمی سے اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہما اللّٰہ سے بھی اجازت رکھتے ہیں (مشکوٰۃ کی سند یہ ہے۔)

قال الشیخ تقی الدین اخبرنا بہ عالیا الشیخ الامام اشرف الدین عبدالرحیم بن عبدالکریم الحرمی قال اخبرنا بہ العلامۃ امام الدین علی بن مبارک شاہ الصدیقی الساوجی عرف بخواجہ وقال الشیخ الاسلام ابن حجر اخبرنا بہ العلامۃ البغوی قاضی الاقضیۃ المجد بن محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشیرازی الصدیقی الشافعی

قال اخبرنا به الحافظ جلال الدین حسین والحجۃ الهمام شمس الدین محمد المقدسی قالا والصدیقی الساوجی اخبرنا به مؤلفہ ناصر السنۃ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی قال الساوجی قراءۃ واجازۃ قال الآخران اذنا فقط

مذکورہ بالا کتابوں کی اجازت حاصل کرنے کے بعد حضرت (مجدد رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ محسوس ہوتا ہے کہ مجھ کو طبقۂ محدثین میں داخل کر دیا گیا۔

اور حضرت مجدد رحمہ اللہ نے انتہائی شفقت اور مہربانی سے راقم الحروف محمد ہاشم بن محمد قاسم التبغالی[1] بدخشانی عفی عنہ کو بھی مذکورہ بالا کتابوں، نیز حدیث مسلسل کی اجازت رجب سنہ ۱۰۳۳ھ[2] کے ابتداء میں شہر سرہند میں عطا فرمائی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

جب راقم الحروف آپ سے حدیث مسلسل مذکور سن چکا تو مخدوم زادہ جامع الفنون وحدقۃ العیون خواجہ محمد سعید (سلمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک نکتۂ زیبا کی طرف اشارہ کیا کہ وصول حدیث بالاولیہ (الراحمون یرحمہم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء)[3] میں آپ نے اُس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو آپ نے اپنے ایک مکتوب میں دو چشمی[4] رموز اور اپنے مرتبہ و معاملہ کے متعلق اشارہ کیا ہے۔ (پس سمجھا جس نے سمجھا)

الغرض جب آپ تمام علوم نقلیہ و عقلیہ اور اصول و فروع کے استفادے سے

---

[1] یہ لفظ نبغالی یا بنغالی (بنگالی) جیسا ہے۔

[2] محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ نے زبدۃ المقامات میں رجب سنہ ۱۰۳۳ھ ہی لکھا ہے۔ یہی صحیح ہوگا۔ ڈاکٹر سراج احمد خان نے اپنی کتاب "مکتوبات امام ربانی" کی دینی اور معاشرتی اہمیت" کے صفحہ ۱۲۶-۱۲ میں اس مدت کی تعیین کی ہے

[3] (رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرے گا۔ تم زمین والوں پر رحم کرو۔ تم پر آسمان والا رحم کرے گا)

[4] مکتوبات امام ربانی (دفتر سوم، مکتوب ۸۴)۔ "وآن از سرچشمۂ شکر جوش زدہ است و این از مین صحو بر آمدہ است" لیکن مکتوب ۱۰۳ میں "دو چشمی ھا" (حروف مقطعات) کی کچھ وضاحت فرمائی ہے۔

فارغ ہوچکے تو آپ مسندِ افادہ پر بیٹھے اور ایک مدّت تک طالبانِ علوم کو اپنے فیوض سے بہرہ ور فرمایا۔ اور بعض رسالے عربی و فارسی میں نہایت فصیح و بلیغ زبان میں تصنیف فرمائے۔ ان میں سے رسالہ تہلیلیہ اور رسالہ ردِّ مذہبِ شیعہ شنیعہ ہے۔ اُس زمانے میں۔ (یہ مؤخر الذکر رسالہ لکھا جب کہ) اہلِ تشیع ان علاقوں میں بہت زیادہ جاہ و حشمت رکھتے تھے اور بادشاہ وقت کے بہت مقرب تھے۔ اور خود بادشاہ (اکبر) بھی دین اور دینداروں سے بہت زیادہ عداوت رکھتا تھا۔ لیکن غیرت اسلام کے جوش کی وجہ سے جو اللہ تعالےٰ نے حضرت (مجدد) کو عطا فرمایا تھا۔ آپ کے دل میں این و آن کا خیال نہیں ہوتا تھا۔ ابوالفضل کو جو تقرّب شاہی حاصل تھا وہ محتاج بیان نہیں اور ضروریات کی بنا پر فضلا کا آنا جانا اس کے پاس ہوتا تھا۔ حضرت (مجدد رح) اس زمانہ میں کئی بار اس کی مجلس میں آئے گئے۔ وہ (ابوالفضل) حضرت (مجدد رح) کے فضائل کثیرہ سے آگاہ ہوکر آپ کا لحاظ کرتا تھا چنانچہ اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس فقیر سے بیان کیا کہ ایک روز جبکہ وہ (ابوالفضل) اپنے کسی دوست کو چند کلمہ تحریر کر رہا تھا اس مقام پر حضرت شیخ سے جو کچھ سُنا تھا اس کو نقل کرتے ہوئے بہت سے فقرے تمہارے شیخ کی توصیف میں تحریر کئے۔

(نیز) ابوالفضل کے مصاحبین میں سے ایک نے بیان کیا کہ ایک دن جبکہ تمہارے حضرت شیخ اس (ابوالفضل) کی مجلس میں موجود تھے۔ اس نے فلاسفہ اور ان کے علوم کی تعریف میں زبان کھولی۔ اور اس میں بہت زیادہ مبالغہ کیا اس حد تک کہ اس میں علمائے دین کی توہین ہوتی تھی۔ تمہارے حضرت شیخ (اللہ اُن کو سلامت رکھے) اسلام کی محبت کی وجہ سے برداشت نہیں کرسکے۔ اور فرمایا کہ امام غزالی قدس اللہ سرّہٗ نے اپنے رسالہ شریفہ المنقذ من الضلال[1] میں تحریر فرمایا ہے کہ

فلاسفہ جن علوم کا موجد اپنے آپ کو جانتے ہیں ان میں جو علوم کام آنے والے

---

[1] امام غزالی رہ (م ۵۰۵ھ) نے موجودات کے حقائق کی تشریح میں المنقذ من الضلال لکھی تھی

ہیں مثلاً ہیئت و نجوم اور حکمت و طب تو ان علوم کو اگلے انبیاء کی کتابوں اور ان کے کلام سے چُرایا ہے۔ اور جو علوم ان فلاسفہ کے طبعزاد ہیں مثلاً ریاضی وغیرہ وہ دین کے کس کام آتے ہیں۔"

ابوالفضل نے جب یہ سُنا تو کہا کہ غزالیؒ نے نامعقول بات کہی۔ تمہارے حضرت شیخ اس کی ان باتوں کو سُن کر متغیر ہوئے اور اس کی مجلس سے اُٹھ گئے اور اُٹھتے وقت فرمایا کہ "اگر اہل علم کی صحبت کا ذوق تم رکھتے ہو تو ادب سے دور ایسے کلمات سے زبان کو روکو۔"

اور (یہ فرماکر) چلے گئے۔ اور کئی روز تک اس کی مجلس میں حاضر نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اس نے خود کسی شخص کو بھیج کر معذرت کرتے ہوئے بُلا بھیجا۔

نیز ایک دن حضرت (مجددؒ) اس کے بھائی ابوالفیض کے گھر پہ آئے جو غیر منقوطہ[1] تفسیر لکھنے میں (مشغول) تھا۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو خوش ہوا اور کہا آپ خوب تشریف لائے۔ تفسیر میں ایک ایسا مقام پیش آیا کہ اس کی تفسیر و تاویل غیر منقوطہ الفاظ کے ذریعے مشکل ہوگئی۔ میں نے بہت دماغ سوزی کی لیکن دل پسند عبارت دستیاب نہیں ہوئی۔ حضرت (مجددؒ) نے گو کہ بے نقط عبارت کی مشق نہیں کی تھی لیکن کمال بلاغت کے ساتھ مطالب کثیرہ (پر مشتمل) ایک صفحہ لکھ دیا جس سے فیضی حیرت میں پڑ گیا۔

مقصود اس حکایت کے لکھنے سے یہ ہے کہ ان دنوں جب کہ آپ ابھی طریقۂ صوفیہ میں داخل نہیں ہوئے تھے آپ کی دینی حمیت اور غیرت اس درجہ تھی کہ ایسے لوگ بھی آپ کی صحبت کے خواہاں تھے۔

فارسی رسالہ ردِّ شیعہ میں آپ نے شروع ہی میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

---

[1] یعنی سواطع الالہام۔ لیکن یہ تفسیر محض عبارت آرائی ہے۔ فنِ تفسیر اور دیگر تحقیقات سے خالی ہے۔ لیکن اس میں فیضی نے شروع میں نعتیہ کلمات بھی کسی مصلحت سے لکھے ہیں جو اُس کی اکثر تصانیف میں نہیں ہیں۔

"اس دوران میں جبکہ عبداللہ خاں روز بک نے مشہد کا محاصرہ کیا تھا شیعہ نے علمائے ماوراء الہند کو رسالہ لکھا تھا۔ ان کے رسالہ کے جواب میں جو شیعہ کی تکفیر اور ان کے قتل کے مباح ہونے اور مسلمانوں کے لئے اُن کے مالوں پر قبضہ کر لینے کے متعلق تھا جب اس کم بضاعت حقیر کو معلوم ہوا کہ شیعوں کے رسالے میں ابلہ فریب مقدمات کی ترتیب کے بعد اس کا حاصل خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذمت اور تشنیع ہے ؎

ترسم ایں قوم کہ بر دُرد کشاں می خندند
در سر کار خرابات کنند ایمان را![1]

تو دل میں یہ بات طے پائی کہ ان لوگوں کے واہیات شکوک کو رفع کرنے اور فرقہ ناجیہ مذہب کی تحقیق میں ایک رسالہ تحریر کیا جائے تاکہ کوئی سادہ لوح شخص ان کے پُر فریب مقدمات سے غلطی میں نہ پڑے اور صراط مستقیم سے منحرف نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالٰے کے حسنِ توفیق سے اس کام کو شروع کیا اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں اور اسی پر بھروسہ ہے۔ ویسے بعض شیعہ طلبہ جو اس علاقہ میں آمد و رفت رکھتے تھے اور ان مقدمات پر فخر و غرور کرتے تھے اور امراو سلاطین کی محفلوں میں ان مغالطوں کو شہرت دیتے تھے۔ یہ ناچیز ہر جلس اور معرکہ میں معقول اور منقول مقدمات کے ذریعے بالمشافہہ ان کا رد کرتا تھا، اور ان کی صریح غلطیوں سے ان کو مطلع کرتا تھا۔ لیکن حمیت اسلام اور میری رگِ فاروقی نہ صرف اسی قدر رد و الزام پر کفایت نہیں کرتی تھی اور نہ اس بے کینہ سینہ کی سوزش کو اس سے تسکین ہوتی تھی۔ چنانچہ دل میں قرار پایا

---

[1] میں ڈرتا ہوں کہ جو لوگ دُرد کشوں پر ہنستے ہیں وہ تو خود بھی اپنے ایمان کو خرابات کے کام میں صرف کرتے ہیں)

کہ ان لوگوں کے مفاسد کا اظہار اور بدکیشوں کے سرمایہ کا ابطال جب تک قید کتابت اور معرض تحریر میں نہ آئے اس وقت تک پورا فائدہ اور نفع عام نہ ہوگا۔" آپ کا کلام ختم ہوا۔

جس زمانہ میں کہ آپ آگرہ میں تشریف فرما تھے چونکہ ایک مدت اس پر گذر چکی تھی اس لیے آپ کے والد ماجد اپنے فرشتہ صفت فرزند کے شوقِ دیدار میں کبرسن اور بُعد مسافت کے باوجود آگرہ تشریف لائے۔ اس علاقہ کے ایک فاضل آپ کی زیارت کو آئے اور پوچھا اس تکلیف فرمانے کا سبب کیا تھا؟ فرمایا

"فرزند دلبند شیخ احمد سلمہ اللہ کی ملاقات کا شوق اس کا باعث تھا۔ چونکہ ان کو بعض ضروریات کی بنا پر میرے پاس آنے کا موقع میسر نہ تھا۔ اس لیے ہم آگئے۔ مصرعہ

یوسف نزد کنعاں یعقوب بروں آید۔

ع (یوسف نہ جائیں کنعاں، یعقوب پھر تو آئیں)

چونکہ آپ کے والد ماجد کو آپ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اور اپنی جانِ عزیز سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ہمیشہ اپنی صحبت میں مشغول رکھتے اور دینی علوم کے دقائق اور یقینی اسرار کی باتیں ہوتی تھیں (اس لیے) حضرت (مجدد) بھی اس مذکورہ سفر کے بعد وطن کی طرف لوٹ گئے اور والد بزرگوار کی صحبت و خدمت کو لازم پکڑا۔ اور ان عالی قدر بزرگوار سے تمام انوار حاصل کئے۔ اور ان سے بہت سے باطنی فوائد کا مشاہدہ کیا۔ جیسا کہ رسائل و مکاتیب میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ منجملہ ان کے وہ آپ کا پہلا فقرہ ہے جو رسالہ مبدا و معاد میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ

"اس فقیر کو نسبت فردیت کا مرتبہ اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوا تھا اور ان کے والد بزرگوار کو ایک عزیز سے جو قوی جذبہ رکھتے تھے۔ اور خوارق میں مشہور تھے یہ مرتبہ حاصل ہوا تھا۔ نیز اس فقیر کو نفل عبادت خصوصاً نفل نمازوں کے ادا کرنے کی توفیق اپنے والد سے

حاصل ہوئی ہے اور آپ کے والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ سے

حاصل ہوئی جو سلسلہ چشتیہ میں تھے"[1]

یہاں "بہت جذبہ اور خوارق والے عزیز" سے حضرت (مجدد) کی مراد شیخ کمال قادری[2] مذکور ہیں اور سلسلہ چشتیہ والے دوسرے بزرگ سے مراد شیخ عبدالقدوس[3] مذکور ہیں اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے۔

حضرت (مجدد) نے والد بزرگوار کے واسطہ کے بغیر حضرت شاہ کمالؒ کی برکت نظر سے جو بچپن میں مشاہدہ کیا تھا قادریہ نسبت سے حصہ پایا تھا۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت سے واپسی کے بعد آپ کو خرقہ اور اجازت کی نسبت کاملہ بھی حضرت شیخ کمالؒ کی روحانیت سے پہنچی اور اس معاملہ یعنی خرقہ اور نسبت نامہ اور اجازت کے حصول کا بیان یہ ہے کہ حضرت شاہ سکندرؒ[4] جو حضرت شیخ کمال کے پوتے اور اُن بزرگ دین کے باکمال قائم مقام تھے۔ ایک دن جبکہ حضرت مجدد دوستوں کے ساتھ مراقبہ کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ شاہ سکندر نے کیتھل سے آکر حضرت شاہ کمالؒ کا خرقہ مبارک حضرت مجددؒ کے کاندھے پر ڈال دیا جب حضرت (مجددؒ) نے آنکھ کھولی تو شاہ (سکندر) کو دیکھا۔ تواضع کے ساتھ معانقہ کیا۔ شاہ (سکندر) نے فرمایا چند مرتبہ سے ایسا ہوتا رہا ہے کہ معاملہ میں اپنے دادا حضرت شاہ کمال کی جانب سے مجھے حکم ملتا ہے کہ میرا خرقہ فلاں کو یعنی آپ کو پہنچا دو۔ باوجودیکہ میرے لیے یہ مشکل تھا کہ ان کے مبارک خرقہ کو گھر سے باہر نکالوں اور پھر کسی کو دے دوں۔ لیکن چونکہ تاکید کے ساتھ مجھ کو حکم دیا گیا مجبوراً میں حکم بجا لایا۔ حضرت (مجددؒ) اس خرقہ کو پہن کر حرم سرا میں

---

[1] مبدا و معاد (منہاء) لیکن اصل مبدا و معاد میں کچھ عبارت یہاں زیادہ ہے۔

[2] المتوفی سنہ ۹۸۱ھ

[3] المتوفی سنہ ۹۴۴ھ

[4] المتوفی سنہ ۱۰۲۳ھ

تشریف لے گئے۔ کچھ وقت کے بعد جب باہر تشریف لائے تو بعض واقفانِ راز سے فرمایا کہ حضرت شاہ کمالؒ کا خرقہ پہننے کے بعد عجیب معاملہ ظاہر ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ جب خرقہ کو میں نے پہنا تو دیکھا کہ شیخ الجن والانس حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بڑے خلفا کے ساتھ جو حضرت شیخ کمالؒ تک گزرے ہیں موجود ہوئے غوث ربانی رضؓ نے میرے دل کو اپنے قبضے میں لیا اور خاص نسبتوں کے اسرار و انوار سے منور کیا اور میں ان انوار و احوال کی موجوں میں غرق ہو گیا۔ اور اس دریا کی غوطہ زنی میں داخل ہو گیا۔ ابھی تھوڑی دیر یہ حالت بھی گزری تھی کہ ان احوال کے غلبہ میں میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ تو تو اکابر نقشبندیہ کا تربیت یافتہ تھا اور تیرے معاملات کی اصل ان بزرگوں کی نسبتیں تھیں اب یہ صورت اختیار کر لی۔

اس خیال کے گزرتے ہی میں نے دیکھا کہ سلسلہ شریفہ نقشبندیہ کے مشائخ (خواجۂ جہاں خواجہ عبدالخالق[1] سے لے کر ہمارے شیخ خواجہ باقی باللہ قدس اللہ اسرارہم تک) پہنچے اور میرے معاملہ میں جھگڑنے لگے۔ اکابر نقشبندیہ (قدس اللہ اسرارہم) نے فرمایا کہ یہ ہمارا تربیت یافتہ ہے اور ہماری تربیت سے ذوق و حال اور کمال واکمال تک پہنچا ہے آپ لوگوں کا اس میں کیا دخل ہے؟ اکابر قادریہ (رحمہم اللہ) نے کہا کہ بچپن میں ہماری اس پر نظر تھی اور ہمارے خوانِ نعمت سے مزہ حاصل کیا ہے اور اب بھی ہمارا خرقہ پہنے ہوئے ہے۔ ھ

زبہر آں بُتے چوں شمع و چوں گل ... گرفتہ جنگ با پروانہ بلبل[2]

یہ حضرات ابھی اسی مباحثہ میں تھے کہ مشائخ کبرویہ و چشتیہ (رحمہم اللہ) کی جماعت پہنچی۔ اور ان حضرات نے آکر مصالحت کر لی۔ اس کے بعد دونوں نسبت شریفہ سے اپنے باطن میں کامل حصہ اور وافر بہرہ پایا۔ آخر کار حضرت (مجددؒ) شاذ و نادر

---

[1] المتوفی ۵۷۵ھ۔

[2] صنم کے واسطے جو شمع و گل ہے ... جھگڑتے ہیں پتنگے اور بلبل

سلسلہ قادریہ میں بھی مرید کرتے تھے اور اس کے مشائخ کا شجرہ اور کلاہ و دامن بھی دیتے تھے اور اگر کوئی طالب اس سلسلہ کے ذکر کا طالب ہوتا تو اس کو تعلیم دیتے تھے اور اس کی نسبت کی تربیت دیتے تھے ایک دن ایک طالب صادق نے آپ سے طریقہ شریفہ قادریہ کی نسبت اور ذوق کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ اکثر صحبت اور خدمت میں حاضر ہوتے رہو۔ وہ طالب حاضر ہوتا رہا حضرت (مجدد ؒ) خود کو ان بزرگوں کی نسبت کے ساتھ رکھ کر احوال کا فیضان اس شخص پر ڈالتے رہے۔ جب دو تین دن اس حال میں گزر گئے تو آپ کے جلیل القدر ساتھیوں نے جو نقشبندیہ سلسلہ کے خوانِ نعمت کے ریزہ چین تھے اپنے احوال میں بستگی دیکھی۔ اور ان میں سے ایک نے تنگیٔ دل سے مجبور ہو کر اپنے احوال کے بستہ ہونے کا حال آپ سے بیان کیا۔ کہ اپنے کو ان دو تین دنوں میں اپنی نسبت سے بیگانہ پا رہا ہوں۔ ہم لوگوں سے کیا کوتاہی ہوئی ہے؟ دوسرے نے بھی آکر اسی طرح بیان کیا۔ حضرت (مجدد ؒ) نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ تم سے کوئی کوتاہی نہیں واقع ہوئی ہے۔ بلکہ اس بستگی کا راز یہ ہے کہ تم لوگ ہم سے اکابر نقشبندیہ کے انوار حاصل کرتے ہو۔ اور ہم ان دو تین دنوں میں ایک طالب کو فیض پہنچانے کی خاطر نسبت قادریہ سے نسبت رکھتے تھے اور اس کے القا کا دریچہ کھولے ہوئے تھے مجبوراً تم لوگ چونکہ اس سے مناسبت نہیں رکھتے ہو معطل رہے اور خلل پیدا ہوا پھر جب اکابر خواجگان (نقشبندیہ) کی نسبت کی طرف ہماری سیر دوبارہ ہونے لگی۔ تمہاری بستگی کھل جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا تھا۔

نیز حضرت (مجدد ؒ) کو سلسلہ شریفہ چشتیہ میں بھی اپنے والد بزرگوار سے ارشاد کی اجازت تھی۔ اور کمال تقویٰ اور اتباع سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سرود اور وجد وغیرہ سے پرہیز فرماتے تھے جو اس سلسلہ علیہ میں رائج ہے۔

مختصر یہ کہ اپنے والد بزرگوار سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔ اور قبل اس کے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت سے مشرف ہوں والد ماجد کی خدمت میں برابر وطن میں اپنے باطن کے کام میں اور علوم ظاہری کے درس میں گزار رہے تھے

اور باوجودیکہ آپ کا معطّ قلب سفر حجاز کی طرف مائل تھا والد کی خدمت کے پیش نظر وطن سے کہیں نہیں جاتے تھے۔

اسی زمانہ میں ایک بار آپ کو بہت زیادہ ضعف پیدا ہو گیا۔ آپ پر کمزوری کا غلبہ دیکھ کر مخدوم زادوں کی والدہ (یعنی آپ کی اہلیہ صاحبہ) کو بے چینی پیدا ہوئی۔ انہوں نے وضو کرکے دو رکعت نماز حاجت ادا کر کے روتے ہوئے عاجزی کا چہرہ خاک پر رکھ دیا۔ اسی گریہ کی حالت میں ان کو نیند آگئی اور اس میں خواب دیکھا کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ مطمئن رہو۔ ہم کو اس مرد سے بڑے بڑے کام لینے ہیں کہ ہزاروں میں سے ایک سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حضرت (مجدد) نے اس بیماری سے جلد ہی شفا پائی[1]

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد آپ حضرت خواجہ (باقی باللہ) کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ اور اس علم اتم کو احوال اکمل کا ہم آغوش بنا دیا۔ اور احوال سابق کی اس نہر کو کمال و تکمیل کے سمندر تک پہنچا دیا اور آپ نادرہ روزگار، قطب دوران، اور پناہ جہانیاں ہو گئے۔

حضرت قدوۃ الاولیا خواجہ محمد پارساؒ[2] نے فصل الخطاب میں اور اسی طرح اکابر محققین (رضی اللہ عنہم اجمعین) نے دوسری کتابوں میں آیت کریمہ "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا"[3] (اللہ سے اس کے علماء بندے ہی ڈرتے ہیں) کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ

"علماء کے تین گروہ ہیں۔ بعض علم ظاہر کے عالم ہیں اور بعض علم باطن کے اور کچھ ایسے ہیں جو علم باطن اور علم ظاہر دونوں کے عالم ہیں اور یہ تیسری قسم بہت کم ہوتی ہے۔ اگر ہر صدی میں ایک بھی ہو تو اس کی برکت مشرق و مغرب کو پہنچتی ہے۔ اور وہ اپنے وقت کا قطب ہوتا ہے اور تمام عالم والے اس کی دولت کے پناہ میں ہوتے ہیں۔"

(ان کا کلام شریف یہاں اختتام کو پہنچا)

---

[1] دیکھیں حضرات القدس ۲ حضرت سوم ۔۰۰ ر جب ۱۸ ار

[2] خواجہ محمد پارساؒ (م ۸۲۲ھ) نے "فصل الخطاب لوصل الاحباب" آٹھ ابواب پر مشتمل کتاب شریعت و طریقت پر لکھی تھی اس میں زمان و مکان کے مسئلے پر بحث ہے۔ قاہرہ، تہران، نور عثمانی اور کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں۔

[3] سورۃ فاطر آیت (۲۸)

فصل سوم

حضرت مجدّد کا اپنے پیر بزرگوار خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچنا اور ایسے اخیار کے مقتدا کی تربیت اور توجہ کی برکت سے کمال و اکمال کی بلندی پر پہنچنا۔

ان سطور سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے کہ حضرت (مجدّدؒ) کو بیت اللہ کے طواف کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی زیارت کا شوق ہمیشہ بے آرام رکھتا تھا لیکن چونکہ آپ کے والد بزرگوار سن رسیدہ حیات تھے، آپ کو اپنے والد کی خدمت سے دوری اختیار کرنا پسند نہ تھا۔ یہاں تک کہ ۱۰۰۷ھ میں وہ دار باقی کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ پھر حضرت (مجددؒ) ۱۰۰۸ھ میں یثرب و بطحا کے سعادت نشان سفر کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب دار الاولیائے دہلی پہنچے تو ایک فاضل مولانا حسن کشمیریؒ[1] نے جو آپ کے آشنا اور حضرت باقی باللہؒ کے مخلصوں میں تھے حضرت (مجددؒ) کو ان کی تلاش کی طرف رہنمائی کی اور کہا کہ آج کل سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے اس طرح کا ایک گوہر اس علاقہ کے چاروں اطراف میں آیا ہوا ہے کہ طلب کرنے والے اس کی ایک نظر سے وہ پا لیتے ہیں جو متواتر ریاضتوں کثیر چلوں میں بھی نہیں پاتے ہیں۔

آنکہ بہ تبریز دید یک نظر شمس دین — سخرہ کند بر دہہ طعنہ زند بر چلہ[2]

---

[1] مولانا شیخ حسن کشمیریؒ (مکتوبات۔ دفتر اول ۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۲۷۹۔ دفتر سوم ۱۲۲) بڑے عالم تھے دہلی میں قیام رہا۔ پہلے آپ شیخ نجم چائیں سہنویؒ سے پھر حضرت خواجہ باقی باللہ سے مستفیض ہوئے۔ ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی۔ حضرت مجدّدؒ نے دفتر اوّل کے مکتوب ۲۷۹ میں ان کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ان کے توسط سے حضرت خواجہ باقی باللہ کے دربار میں رسائی ہوئی تھی۔

[2] شمسِ دین کو اک نظر میں جو ملا تبریز میں — ہنس رہا ہے وہ دہہ پر، طعن چلّہ پر کرے۔

الکمال وارشاد کے تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نعمت عظمیٰ کی طرف رہبری کے شکریہ میں عالی حضرت (مجددؒ) نے ان عزیز (مولانا حسن کشمیری) کو ایک مکتوب کے ضمن میں جیسا کہ تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

"فقیر کو آپ کی رہبری کی نعمت کے شکریہ کی ادائیگی میں کوتاہی کا اعتراف ہے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ چکانے میں عاجزی کا معترف ہوں۔ یہ سارے کاروبار اُسی نعمت پر مبنی ہیں اور یہ دید و داد اسی احسان سے وابستہ ہے۔ آپ کے حسن توسط سے جو کچھ ملا ہے وہ کم کسی نے دیکھا ہے اور آپ کے توسّل کی برکت سے جو کچھ مجھے بخشا ہے کم کسی نے چکھا ہے مخصوص عطایا سے اس قدر عطا ہوا ہے کہ اکثر کو عام عطایا میں سے اس قدر میسّر نہیں ہوا ہے۔ احوال و مقامات، اذواق و مواجید، علوم و معارف، اور تجلّیات و ظہورات ان سبھوں کو عروج کے راستہ کے زینے بناکر فقیر کو وصول کی منزلوں تک پہنچایا ہے۔ قرب و وصول کا لفظ عبارت کی تنگیٔ میدان کی وجہ سے اختیار کیا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے۔ نہ وصول ہے نہ عبارت ہے اور نہ اشارہ، نہ شہود ہے نہ حلول اور نہ اتحاد۔ نہ تو کیف ہے نہ این ہے نہ زمان و مکان ہے نہ احاطہ ہے نہ سریان۔ نہ علم و معرفت ہے نہ جہل و حیرت ؎

چگویم با تو از مرغے نشانہ | کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامے پیش مردم | زمرغ من بود آں نام ہم گم

چونکہ خداوند جلّ سلطانہ، کے ان احسانات کا اظہار کہ عالم اسباب میں اس کا ظہور آپ کی اس نعمت پر مرتب ہوا تھا آپ کی نعمت کے شکر کو شامل رہا ہے اس لیے چند فقروں کے ضمن میں درج کرکے قید تحریر میں لایا کہ آپ کی اس نعمت کا کچھ شکر ادا ہو جائے۔"[۱]

---

[۱] دفتر اول کا مکتوب ۲۰۷۔ اشعار کا ترجمہ یہ ہے: پتا کیا مرغ کا اپنے بتاؤں جو کہ ہے عنقا سے جو ہم آشیانہ
مگر عنقا تو ہے لوگوں کو معلوم نہیں اس مرغ کا بیرے ٹھکانا

چونکہ حضرت (مجددؒ) نے اپنے والد بزرگوار سے بھی سلسلہ نقشبندیہ اور اس کے بزرگوں کے اوصاف سُنے تھے۔ اور ہمیشہ اس طریقہ اور اس کے بزرگوں سے اپنے والد بزرگوار کے شوق کا مشاہدہ کیا تھا۔ نیز ان کے رسائل میں بھی ان کے شیوہ نازنین کو دیکھا تھا۔ نیز آپ کو اس نسبت کے ساتھ مناسبت و نشست و برخاست اور قابلیت و استعداد کی بلندی کامل درجہ کی تھی۔ اس لیے حضرت خواجہ (باقی باللہ) سے ملاقات کی طرف پورے شوق کے ساتھ متوجہ ہوئے۔ اور کہا کہ اس راہ مجاز کا توشہ اس سے بہتر کیا ہو گا کہ اس مقتدا سے ان عزیزوں کے ذکر و مراقبہ کو اخذ کر کے اس پر قائم ہو جاؤں ؎

بگیریم زادِ رہِ ایں سراغ　　زشور رابہ اشک وزقرص داغ[۱]

جب آپ حضرت خواجہ کی دست بوسی سے مشرف ہوئے تو حضرت خواجہ نے بہت زیادہ بشاشت اور مہربانی ظاہر فرمائی اور آپ کا قصد و ارادہ دریافت فرمایا آپ نے اپنا ارادہ بیان کر دیا باوجودیکہ حضرت خواجہ کا پسندیدہ طریقہ یہ نہیں تھا کہ کسی طالب کو بہ نفس نفیس اپنی صحبت کے التزام اور اپنی ذات سے طریقہ کے اخذ کے لیے رہنمائی کریں یا اس قسم کے مبارک سفر کی بجائے اپنی خانقاہ میں قیام کے لیے اشارہ فرمائیں۔ لیکن چونکہ آپ کی نظر عالی اس شہباز بلند پرواز کی بلند استعداد اور مبارک قابلیت پر پڑ چکی تھی، اس لیے بے آرام ہو گئے اور اپنی عادت سے تجاوز کرتے ہوئے فرمایا اگرچہ سفر مبارک آپ کو درپیش ہے لیکن کیا چند دن آپ فقرا کی صحبت میں رہ سکتے ہیں؟ کم از کم ایک مہینہ یا ایک ہفتہ میں کیا مانع ہے چنانچہ حسب الحکم آپ نے ایک ہفتہ ٹھہرنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن رفتہ رفتہ نوبت ایک ماہ اور دو ہفتے تک پہنچی۔ اور ابھی دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت خواجہ عالی مقدار (باقی باللہؒ) کے تصرف اور کشش کے آثار نمودار ہونے اور انابت اور حضرت خواجگان کے طریقہ کے اخذ کرنے کا شوق حضرت (مجددؒ) پر غالب آ گیا جس کو آپ نے حضرت خواجہ (باقی باللہ) سے بیان کیا۔ جب حضرت خواجہؒ نے سُنا تو بغیر اس کے

---

[۱] ان اشکوں سے اور دل کے داغوں سے اب ∴ کروں گا میں طے اپنی راہ طلب

کہ طرفین سے استخارہ وقوع میں آئے، یا جیساکہ حضرت خواجہ کا پیارا طریقہ تھا کہ تکلف اور تامل ہو آپ کو خلوت میں بُلا کر دل کے ذکر کی طرف رہبری فرمائی۔ اور توجہاتِ عالیہ (اس طرح) کام میں لائے کہ اسی لمحہ میں آپ کا دل جو منزلِ حق تھا ذکر کرنے والا ہوگیا۔ سکون، حلاوت اور پوری لذت ظاہر ہوئی۔ روز بروز بلکہ ہر لمحہ ترقیات اور عروجات ظاہر ہونے۔ یہاں تک کہ دیکھا جو کچھ کہ دیکھا جیساکہ آپ کے کلام سے اس کا بیان آئے گا۔

گویا آپ خانۂ کعبہ کے طواف کے لیے جارہے تھے لیکن راستہ ہی میں صاحبِ خانہ کا وصال میسر ہوگیا۔ حضرت (محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کی روشنی کی بھیک کے لیے جارہے تھے لیکن سفر کے دوران ہی اس روضہ مطہرہ کے مکین کے انوار حاصل ہوگئے۔

اس معاملے کے چند روز بعد جب حضرت خواجہ قدس سرہ نے بلند استعداد مرید میں رشد و ہدایت کے آثار دیکھے تو ایک خلوت میں ان وقائع کے اظہار کے لیے زبان کھولی جو چند سال پیشتر آپ نے دیکھے تھے اور جو حضرت مجددؒ کے حال کی بلندی اور کمال و اکمال کی بشارت دینے والے تھے۔ ان (وقائع) میں سے ایک یہ تھا۔

آپ نے فرمایا کہ جب ہمارے مخدوم مولانا نے بزرگ خواجگی امکنگی[1] قدس سرہ نے ہم کو حکم دیا کہ تم ہندوستان جاؤ تاکہ یہ سلسلہ شریفہ تمہاری وجہ سے رائج ہو۔ اور ہم خود کو اس کام کے لائق نہ سمجھتے تھے اس لیے ہم نے عجز ظاہر کیا۔ آپ نے استخارہ کا حکم دیا۔ اس استخارہ میں ہم نے دیکھا کہ گویا ایک طوطا ایک شاخ پر بیٹھا ہے ہم نے اپنے دل میں نیت کی کہ اگر وہ طوطا شاخ سے اُتر کر ہمارے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو ہم کو اس سفر میں کشائش حاصل ہوگی۔ اس خیال کے گزرتے ہی وہ طوطا اُڑ کر ہمارے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ اور ہم اپنا لعاب دہن اسکی چونچ میں ڈال رہے تھے، اور وہ طوطا میرے مُنہ میں شکر ڈال رہا تھا اس شب کی صبح کو جب میں نے یہ واقعہ حضرت مولانا خواجگی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا تو آپ نے فرمایا کہ طوطا ہندوستانی پرندہ ہے۔ ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک عزیز وجود میں

---

[1] آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کے پیر تھے۔ ۱۰۰۸ھ میں وفات ہوئی۔

آنے گا کہ ایک عالم اس سے منوّر ہوگا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا اور یہ آپ کے حال کی طرف اشارہ سمجھا۔

دوسرا واقعہ یہ تھا آپ نے فرمایا کہ جب میں تمہارے شہر سرہند پہنچا تو واقعہ میں مجھ پر ظاہر ہوا کہ تم قطب کے جوار میں اترے ہو۔ اور اس قطب کے حلیہ سے بھی آگاہ کیا۔ اس روز کی صبح کو میں اس شہر کے گوشہ نشینوں اور درویشوں کی تلاش میں گیا۔ جس جماعت کو دیکھا اس کو اس حلیہ کے مطابق نہیں پایا۔ اور نہ قطبیت کے آثار و حالات کسی میں دیکھے۔ میں نے سوچا کہ شاید اس شہر کے رہنے والوں میں کوئی شخص اس کی قابلیت رکھنے والا بعد میں ظاہر ہو۔ جس دن کہ میں نے تم کو دیکھا تمہارا سارا حلیہ اس کے مطابق پایا اور اس قابلیت کا نشان بھی تم میں دکھائی دیا۔ نیز میں نے دیکھا کہ میں نے ایک بڑا چراغ روشن کیا اور دکھائی دیا کہ ہر ساعت اس چراغ کی روشنی بڑھ رہی تھی۔ نیز دکھائی دے رہا تھا کہ لوگوں نے اس سے اتنے بہت سے چراغ روشن کئے ہیں کہ جب ہم سرہند کے اطراف میں پہنچے تو وہاں کے دشت و صحرا کو مشعل سے بھرا ہوا دیکھا۔ اس کو بھی ہم تمہارے معاملہ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ دو تین مہینوں میں اللہ کی عنایت سے خواجہ باقی باللہؒ کی نظر اور تربیت کی برکت جو حضرت (مجددؒ) کے حق میں ظاہر ہوئی زبان کا قلم اور قلم کی زبان اس کی تحریر و تقریر سے قاصر ہے حضرت (مجددؒ) نے خود ایک طالب کو شوق دلانے کی خاطر جو اس واقعے کو تحریر فرمایا ہے تبرکاً مختصر طور پر اس کو بھی ذکر کیا جاتا ہے تھوڑا زیادہ پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

"اس فقیر کو جب اس راہ کی ہوس پیدا ہوئی تو عنایت خداوندی جلّ وعلا نے اس کام میں رہنمائی کی اور ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، اندراج النہایۃ فی البدایہ کے طریقہ کے رہبر۔ اور مریدین کو درجۂ ولایت تک پہنچانے والے مویدالدین المرضی ہمارے شیخ و امام محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا گیا جو حضرات اکابر نقشبندیہ کے خانوادہ کے خلفائے کبار میں سے تھے انہوں نے اس فقیر کو اسم ذات کے ذکر کی تعلیم دی۔ اور معہود طریق پر

توجہ دی یہاں تک کہ پوری شدت مجھ میں پیدا ہوگئی۔ اور کمال شوق کی وجہ سے گریہ حاصل ہوا، ایک دن کے بعد بیخودی کی کیفیت ظاہر ہوئی جو ان اکابر کے نزدیک معتبر ہے اور جو غیبت کے نام سے موسوم ہے اور اس بیخودی میں ایک دریائے محیط دکھائی دیا کہ عالم کی شکلیں اور صورتیں سایہ کے طور پر اس دریا میں پا رہا تھا۔ اس بیخودی نے رفتہ رفتہ غلبہ پیدا کیا اور طول کھینچا کبھی دن کے ایک پہر تک اور کبھی دن کے دو پہر تک اور کبھی ساری رات یہ کیفیت ظاہر ہوتی تھی۔ جب اس معاملہ کو حضرت (باقی باللہؒ) کی خدمت میں پہنچایا آپ نے فرمایا "کسی قدر فنا کی کیفیت حاصل ہوگئی ہے،، اور ذکر کرنے سے منع فرمایا اور صرف اس آگاہی کے نگاہداشت کا حکم دیا۔ دو روز کے بعد مجھ کو فنائے اصطلاحی حاصل ہوئی میں نے آپ سے عرض کیا تو فرمایا اپنے کام میں مشغول رہو اس کے بعد فنا نے فنا حاصل ہوئی جب میں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا کیا تم تمام عالم کو ایک دیکھتے ہو اور متصل واحد پاتے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا کہ

"فنائے فنا میں معتبر یہ ہے کہ باوجود اس اتصال کی دید کے بے شعوری حاصل ہو"

پھر اُسی رات مجھے فنائے فنا اسی صفت کے ساتھ حاصل ہوئی جو میں نے آپ سے بیان کی اور فنا کے بعد جو حالت حاصل ہوئی تھی وہ بھی بیان کی اور کہا کہ

"میں حق سبحانہ کی نسبت اپنے علم کو حضوری پاتا ہوں"

اس کے بعد وہ نور جو تمام اشیا کو محیط سے ظاہر ہوا اور میں نے اس کو حق جل و علا جانا اور وہ نور سیاہ رنگ رکھتا تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا تو فرمایا کہ

"یہ انبساط جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے علمی ہے اس تعلق کے واسطہ سے جو ذات جل شانہ کو بلندی و پستی میں واقع ہونے والی اشیا کے ساتھ ہے منبسط ہوتا ہے۔ انبساط کی نفی کرنی چاہیئے،،

اس کے بعد وہ منبسط سیاہ نور انقباض کی طرف مائل ہو کر تنگ ہونا شروع ہوا یہاں تک

کہ نقطہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا اس نقطہ کی بھی نفی کرنی چاہیئے اور حیرت میں آنا چاہئے۔ میں نے اسی طرح کیا چنانچہ وہ نقطۂ موہوم بھی درمیان سے زائل ہو کر حیرت تک انجام پذیر ہوا۔ کہ اس مقام میں حق سبحانہ کا شہود خود بخود ہو جاتا ہے۔ جب میں نے یہ بات عرض کی تو فرمایا "یہی حضور نقشبندیہ کا حضور ہے۔ اور نقشبندیہ کی نسبت سے مراد یہی حضور ہے اور اس کو حضورِ عینیّت بھی کہتے ہیں نہایت کا بدایت میں اندراج اسی مقام میں صورت پذیر ہوتا ہے اور اس طریق میں طالب کے لئے اس نسبت کا حصول ایسا ہی ہے جیسے طالب دوسرے سلاسل میں پیر سے اذکار و اوراد اخذ کرتے ہیں تاکہ اس پر عمل کریں اور مقصود حاصل کریں ؏ قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

بہار کیا ہے گلستان کو دیکھئے پہلے

یہ عزیز الوجود نسبت اس فقیر کو تعلیم کے ذکر کے شروع ہونے کے دو ماہ اور کئی روز بعد حاصل ہوگئی تھی اور اسی نسبت کے متحقق ہونے کے بعد دوسری فنا حاصل ہوئی جس کو فنائے حقیقی کہتے ہیں اور دل کو اس قدر وسعت پیدا ہوئی کہ تمام عالم عرش سے مرکز زمین تک اس وسعت کے مقابلہ میں رائی کے دانہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس کے بعد خود کو اور عالم کے ہر فرد کو بلکہ ہر ذرہ کو حق جل و علا دیکھتا تھا۔ اس کے بعد ہر ذرّہ عالم کو فرداً فرداً اپنا عین دیکھتا تھا اور اپنے کو بلکہ ہر ذرہ کو اس قدر منبسط اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم بلکہ کئی گنا عالم کی اس میں گنجائش ہو جائے۔ بلکہ خود کو اور ہر ذرّہ کو ایسا وسیع نور پایا کہ ہر ذرّہ میں سرایت کئے ہوئے ہے اور عالم کی شکلیں اور صورتیں اس نور میں مضمحل اور ٹکڑے ٹکڑے ہیں اس کے بعد خود کو بلکہ ہر ذرّہ کو تمام عالم کو قائم رکھنے والا پایا۔ جب میں نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ توحید میں

حق الیقین کا مرتبہ یہی ہے اور جمع الجمع سے مراد یہی مقام ہے۔ اس کے بعد عالم کی شکلوں اور صورتوں کو جیسا کہ ابتدا میں حق پاتا تھا۔ اس زمانے میں موہوم دیکھا اور ہر ذرہ کو جیسے میں پہلے حق پاتا تھا بغیر کسی فرق اور تمیز کے اسی ذرہ کو موہوم پایا۔ اب بہت زیادہ حیرت ہوئی۔ اسی اثنا میں فصوص کی عبارت یاد آئی جو والد بزرگوار علیہ الرحمۃ سے سُنی تھی کہ انہوں نے (ابن عربی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

"اگر تم چاہو تو کہو کہ وہ یعنی عالم حق ہے اگر تم چاہو تو کہو کہ وہ خلق ہے اگر چاہو تو کہو کہ ایک اعتبار سے حق ہے اور ایک اعتبار سے خلق ہے، اگر چاہو تو حیرت کی وجہ سے عدم تمیز کے قائل ہو جاؤ۔"

یہ عبارت اس اضطراب میں سکون کا باعث بنی۔ اس کے بعد آپ کی خدمت میں جاکر عرض حال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہوا ہے اپنے کام میں مشغول رہو تاکہ موجود اور موہوم کا فرق ظاہر ہو فصوص کی عبارت جو عدم تمیز کی خبر دیتی تھی پڑھی تو فرمایا کہ

"شیخ نے حال کا بیان پورے طور پر نہیں کیا ہے عدم تمیز کی نسبت تو بعض (دوسرے سالکین) کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔"

پھر میں آپ کے حکم کے مطابق اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے محض حضرت (باقی باللہ رض) کی توجہ شریف کی وجہ سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم کا فرق ظاہر کر دیا۔ یہاں تک کہ وجود حقیقی کو موہوم متخیل سے ممتاز پایا۔ اور صفات و افعال کو بھی موہوم محض پایا۔ اور خارج میں بجز ایک ذات کے موجود نہیں دیکھا۔ جب اس حالت کو آپ کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا فرق بعد الجمع کا مرتبہ یہی ہے۔

لہ فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ وغیرہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصانیف ہیں۔ وہ اندلس کے شہر مرسیہ میں ۵۶۰ھ پیدا ہوئے اور دمشق میں ۶۳۸ھ میں فوت ہوئے۔ فلسفہ اشراقیت اور توحید وجودی کے عقیدے کے بانی تھے۔

اور سعی کی انتہا یہیں تک ہے، اس سے پہلے جو کچھ ہر شخص کی سرشت میں رکھا گیا ظاہر ہوتا ہے اور اس مرتبہ کو مشائخ طریقت نے تکمیل کا مقام کہا ہے" (آپ کا مبارک کلام ختم ہوا) [1]

اور اس کے بعد احوال شریفہ کے واردات کے متعلق بلند نکات قلم مبارک پر لائے ہیں جو پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہ ہوں گے، اور یہ مذکورہ بلند معاملات کہ ہر نسبت کے سالکوں کو برسوں میں حاصل ہوتے ہیں حضرت (مجددؒ) کو محبوب اور مراد ہونے کے طور پر قلیل فرصت میں حاصل ہو گئے۔ حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) قدس سرہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "

"یہ محبوبوں اور مرادوں میں سے ہیں اور ان کے سیر کی تیز رفتاری اسی سبب سے ہے"

حضرت (مجددؒ) کو خواجہ عالی قدر (باقی باللہؒ) کی صحبت میں چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ انہوں نے (حضرت خواجہ نے) اپنے ایک مخلص کو ایک خط لکھا کہ

"شیخ احمد نامی سرہند کے ایک کثیر العلم اور قوی العمل شخص ہیں۔ کئی دن فقیر نے ان کے ساتھ نشست و برخاست کی۔ ان کے روزگار اوقات سے بہت سے عجائبات مشاہدہ کئے۔ وہ اس کے مشابہ ہیں کہ ایک چراغ ہیں کہ ایک عالم اس سے روشن ہو۔ الحمد للہ تعالیٰ ان کے احوال کاملہ نے مجھ کو یقین تک پہنچایا اور یہ شیخ جن کی طرف اشارہ کیا گیا ان کے کئی بھائی اور رشتہ دار ہیں جو سب کے سب مرد صالح اور طبقہ علماء سے ہیں ان میں سے کئی ایک کی خدمت میں یہ دعا گو رہا۔ جواہر عالیہ میں سے معلوم ہوئے عجیب استعداد رکھتے ہیں۔ اور اس شیخ کے فرزندان جو بچے ہیں اسرار الٰہی ہیں۔ مختصر یہ کہ پاکیزہ درخت ہیں کہ انبتہ اللہ نباتاً حسناً

---

[1] مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۰۔

اور باب اللہ کے فقرا میں عجیب دل رکھتے ہیں۔[1] آپ کا کلام صادق و لطیف انتہا کو پہنچا)

اس فقیر (مصنف کتاب) نے حضرت (مجددؒ) قدس اللہ سرہ کی زبان مبارک سے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ

"جس روز سے میں نے اپنے خواجہ (باقی باللہؒ) کی خدمت بابرکت میں طریقت کی تعلیم حاصل کی مجھ کو یقین ہو گیا کہ عنقریب اللہ سبحانہ محض اپنے کرم سے مجھے اس راہ کی انتہا تک پہنچائے گا اگر حال و اعمال کی کوتاہی دیکھ کر اس یقین کی نفی کرتا تھا جو متصور نہیں ہوتی تھی اور اکثر یہ بیت میرے ورد زبان رہتا تھا ؎

از یں نورے کہ از تو بر دلم تافت
یقین دانم کہ آخر خواہمت یافت" [2]

یہ بات بیان کر کے حضرت (مجددؒ) عاجزی و نیازمندی اور پورے استغراق کے ساتھ آبدیدہ ہو کر کلمہ تحمید زبان مبارک پر لائے۔ آپ کے ایک مخلص نے آپ کی زبان مبارک سے یہ بھی نقل کیا آپ نے فرمایا کہ

"ابتدائے احوال میں اپنے خواجہ (باقی باللہؒ) قدس سرہ کی خدمت میں جو رنگی اور نسبتی ظاہر ہوتی تھی ہمارے حضرت خواجہ نے ہمارے برادر طریقت شیخ تاج سے فرمایا تھا کہ بعضے دوستوں کے احوال سُن کر آپ کی خدمت میں پہنچائیں، لیکن میرے احوال کو اس سے مستثنیٰ کر کے خود ہی پوچھتے تھے۔ میں شیخ موصوف کے پاس جاتا لیکن مجبوراً ان سے کچھ نہ کہتا یہاں تک کہ ایک دن شیخ تاج نے مجھ سے فرمایا کہ اے فلاں تجھ کو کیا ہوا ہے کہ اپنے احوال میں سے کچھ نہیں کہتا ہے۔ میں نے عاجزی

---

[1] مکتوبات خواجہ باقی باللہ۔ مکتوب ۶۵۔

[2] وہ نور آکر جو چمکا میرے دل میں ‌:‌ یقین ہے اُس سے آخر تجھ کو پاؤں

ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ میرے احوال آپ کے سننے کے لائق نہیں شیخ تاج نے اصرار کیا اور کہا کہ کم از کم کوئی واقعہ ہی دیکھا ہو وہی بیان کر دو۔ اتفاقاً انہی دنوں میں ایک واقعہ دیکھا تھا کہ میں شیخ تاج کی طرف متوجہ ہوا۔ اور شیخ پر تصرف کیا۔ اس طرح کہ شیخ بیخود ہو کر گر پڑے۔ چونکہ شیخ کو اظہار واقعہ کے لیے بہت زیادہ اصرار کرتے ہوئے دیکھا مجبوراً جذبہ کی وجہ سے اس مذکورہ واقعہ کو بیان کر دیا۔ شیخ متغیر ہو گئے اور ہم دونوں خاموش رہے۔

اس حکایت کی تحریر سے مقصود حضرت (مجدد) کی ہمت بلند کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ابتداء سے انتہا تک ہمت و فطرت کی بلندی، استعداد و قابلیت کے علو، علم و عبادت کی کثرت اور رفیع المرتبت پیر قدس سرہ کے آداب کی رعایت کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں آپ پہنچے جس جگہ کہ پہنچے۔ اور حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ نے اس شکرانہ میں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر بلند قابلیت اور کثیر الفضائل مرید کو ان کی صحبت میں پہنچایا تھا۔ اور نظر تربیت کی برکت اور ان کی ہدایت کی برکات سے کمال و تکمیل تک پہنچایا تھا۔ قولی و فعلی محامد بجا لا کر ایسی ساعت میں کہ گویا مشتری بھی اُن سے کسب سعادت کرنے حضرت (مجدد) کو اجازت کاملہ کا خلعت پہنایا اور سرہند کی طرف جو آپ کا وطن مالوف تھا رخصت فرمایا۔ اور اپنے طالبان صادق کی ایک جماعت کو آپ کی خدمت میں متعین فرمایا۔ چنانچہ حضرت (مجدد) کثیر نعمتوں کے ساتھ شاہباز بلند سیر ابو سعید ابوالخیر کے شیخ الاقطاب ابوالعباس قصاب قدس سرہما کے واپس لوٹنے کی طرح وطن واپس لوٹ گئے، جیسا کہ آپ نے خود فرمایا کہ

"ہم لاکھوں خلعت و فتوح کے ساتھ واپس لوٹے"[۱]

---

[۱] نفحات الانس میں شیخ ابو سعید ابوالخیر کے واقعات میں ہے کہ انہوں نے شیخ ابوالعباس قصاب قدس سرہ کے حکم سے وطن کو واپس ہونے پر فرمایا "ما بحکم اشارت او رباز آمدیم با ہزار خلعت و فتوح" اوپر بھی (یعنی زبدۃ المقامات میں) یہ عبارت ہے کہ "درباز آمدیم با صد ہزار خلعت و فتوح" شیخ ابو سعید کا سال وفات، نفحات الانس میں ۴۴۰ھ ہے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کے حکم سے اس شہر میں طالبان حق کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں ایک جمِ غفیر کو اپنے فیوضات کے سرچشمہ سے شاداب بنایا۔ ان افاضات کے دوران چونکہ آپ کی ہمت عالی ایسے مقصد کی تلاش میں تھی جو بہت کم عارفوں کے وہم و فہم میں آتی ہے اس لیے اچانک آپ نے اس کثیر کو قلیل سمجھا اور اس بلند مقصد کو پانے کے بہت زیادہ غم کی وجہ سے مریدوں کو رخصت کر دیا اور چاہا کہ صحبت کی بجائے تنہائی اختیار کریں بعض خود غرضوں اور رشک کرنے والوں نے حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) قدس سرہ کی خدمت میں یہ بات دوسرے انداز میں پہنچائی۔ جب حضرت (مجددؒ) کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے پیر بزرگوار کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کیا۔

"جس روز سے کہ آپ کی صحبت سے نکلا تھا فوق الفوق کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے ارشاد کے مقام سے چنداں مناسبت نہیں رکھتا ہوں کئی بار اس کی ہمت کی کہ گوشہ میں گھس جاؤں۔ اور صحبت میں لوگ شیر و ببر کی طرح نظر آتے تھے۔ گوشہ نشینی کا ارادہ مصمم ہو گیا تھا لیکن استخارہ موافق نہیں آتا ہے۔ غایۃ الغایۃ کے قرب کے مدارج میں عروج کی اگرچہ انتہا نہیں ہے وہ میسر ہوا اور ہوتا ہے، اور لے جاتے ہیں۔ اور لے آتے ہیں۔ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (ہر دن ایک حالت میں ہے)، تمام مشائخ کے مقامات پر جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا گزارا ۔

گلے بر دند ازیں دہلیزۂ پست   بداں درگاہ والا دست بدست [1]

اس درمیان میں اگر مشائخ کی روحانیت کے توسط کو شمار کراؤں تو طول ہو گا۔ مختصر یہ کہ مقامات ظل کے رنگ میں اصل کے تمام مقامات سے گزارا۔ عنایات کے متعلق کیا لکھوں۔ جس کو قبول کرنا تھا بلا سبب

---

[1] وہ مٹی گو کہ تھی جو کھٹ کی ادنیٰ ⁂ مگر پہنچی بہ درگاہ معلّیٰ

قبول کیا ولایت وکمالات کے اس قدر وجوہ مجھے دکھائے کہ کیا تحریر کروں ذی الحجہ کے مہینہ میں مدارج نزول میں مقام قطب تک نیچے اُتارا اور یہ مقام تکمیل وارشاد کا مقام ہے۔ لیکن ہنوز بہت سی پوری اور کامل کرنے والی چیزوں کی اس مقام کے واسطے ضرورت ہے۔ (دیکھیں) کب تک میسر ہوتا ہے۔ کام آسان نہیں ہے۔ مرادیت کے باوجود اتنے منازل طے کئے جاتے ہیں کہ مریدوں کو عمر نوح میں بھی معلوم نہیں کہ میسر ہو جائے بلکہ اس کا وجود مرادوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مرید اس پر قدم کی جگہ نہیں رکھتے کیونکہ افراد کے عروج کی نہایت مقام اصل کی بدایت تک ہے بیشتر افراد اس پر گزر نہیں رکھتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) تکمیل وارشاد کے مراتب میں توقف کی وجہ یہ ہے لوگ اپنے خیال کے مطابق باتیں پہنچاتے ہیں ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے ؎

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام   بس سخن کوتاہ باید والسلام

اس قسم کے ظنیات کے اندیشہ میں ضرر کا احتمال غالب ہے اس جماعت کو حکم دیں کہ اس خستہ حال کے احوال سے اپنے خیال کی نظر پوشیدہ رکھیں نظر کی جولانگاہ کے لیے دوسری بہت سی جولانگاہ ہے ؎

من گم شدہ ام مرا مجوئید   از گم شدہ گان خبر مگوئید[1]

عزت خداوندی جل سلطانہ کے متعلق سوچنا چاہئے جس امر کو اللہ تعالیٰ اس کا کمال کہتا ہے اس کی تنقیص میں بات کہنا بہت ہی نامناسب ہے بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معارضہ کرنا ہے۔ (آپ کا کلام شریف یہاں ختم ہوا)[2]

---

[1] میں ہوں گم نام مجھے مت ڈھونڈو ÷ گم شدہ لوگ کہاں ملتے ہیں

[2] مکتوبات امام ربانی رح دفتر اوّل۔ مکتوب ۱۶۔

یہاں تک کہ آپ جس مقصد کو گوشہ نشینی میں ڈھونڈتے تھے وہ حضرت حق سبحانہ نے محض اپنے فضل سے آپ کو عطا فرمایا۔ اس وقت طالبوں کے فیض رسانی کی طرف پھر متوجہ ہوئے جیسا کہ خود اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ

"جب میرے خواجہ (باقی باللہؒ) نے مجھ کو اس طائفہ علیہ کی اصطلاح کے مطابق کمال تک پہنچا کر اجازت دی۔ مجھ کو فی الجملہ اس وقت اپنے حاصل شدہ کمال و اکمال میں تردد تھا۔ جس کا علم آپ کو کرامت کی بنا پر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس راہ میں تردد کو راہ نہیں دینا چاہئے کہ اس تردد کی وجہ سے مشائخ نے کمال میں تردد لازم آتا ہے حکم شریف کے مطابق میں طریقت کی تعلیم دینے میں مشغول ہو گیا اور مریدوں میں برسوں کا کام ساعتوں میں ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اس دوران میں پھر مجھے اپنے نقص کا علم ظاہر ہوا۔ ان لوگوں کو جو کہ میرے ارد گرد تھے اور مجھ سے فائدہ اٹھا رہے تھے جمع کر کے ان سے اپنے نقص کی بات کہی اور رخصت چاہی۔ لیکن طالبوں نے اس بات کو کسر نفسی پر محمول کیا اور جو کچھ رکھتے تھے اس سے برگشتہ نہ ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ نے احوال منتظرہ کو حاصل کرا دیا۔"

(انتہا کو پہنچا جو کچھ ہم نے آپ کے مفصل و مکمل کلام سے اخذ کیا)

پھر حضرت (مجددؒ) خواجہ عالی مرتبت (باقی باللہؒ) کی خدمت کا شرف پانے کے شوق میں سرہند سے دہلی[1] تشریف لے گئے۔ اور ایک زمانہ تک پیر بزرگوار کی خدمت میں بسر کیا اور نادر صحبتیں گزاریں اور معاملہ کو پہلے سے کئی درجہ زیادہ تک پہنچایا۔ حضرت خواجہ کے اس قدر زیادہ الطاف، بلند معاملات اور مبارک فضائل کے باوجود پیر بزرگوار

---

[1] حضرت مجددؒ تین مرتبہ دہلی تشریف لے گئے۔ پہلی بار ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہؒ سے بیعت ہوئے۔ دوسری بار رمضان سے ذی قعدہ ۱۰۰۹ھ تک حاضری دی۔ تیسری بار ۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہؒ کے وصال کے چند ماہ قبل۔ اس بار جب واپسی ہوئی تو لاہور جانا ہوا۔ وہاں حضرت خواجہؒ کے وصال کی خبر ملی تو فوراً دہلی واپس تشریف لائے۔

کے ادب کا اس قدر لحاظ کرتے تھے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

راقم الحروف نے جناب خواجہ حسام الدین احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی زبان مبارک سے سنا انہوں نے حضرت (مجددؒ) کی مدح وثنا کے بعد فرمایا کہ باوجود بلندیٔ مرتبت اور کثرت فضیلت کے جو آپ کو حاصل تھی حضرت پیر دستگیر کے آداب کمال رعایت میں کوئی شخص ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) کے اصحاب میں ان کے مثل نہ تھا۔ اسی لیے دوسروں سے زیادہ برکات آپ کے حصہ میں آئیں۔ اس پر شاہد عدل خواجہ حسام الدین ہیں۔ اُن کا یہ ارشاد بھی ہے کہ حضرت باقی باللہ قدس سرہ کے مقبولوں میں سے ایک شخص نے اس فقیر سے کہا کہ جس زمانہ میں کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) ان عالی مرتبت خلیفہ یعنی تمہارے شیخ کی طرف بہت زیادہ التفات رکھتے تھے اور ان کے عزت واحترام میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے مجھے ان کے بلانے کے لیے بھیجا جونہی میں نے ان کی خدمت میں آکر کہا کہ حضرت پیر دستگیر نے آپ کو طلب فرمایا ہے اس خبر کے سنتے ہی آپ کے رخسار کا رنگ خوف زدہ لوگوں کے متغیر چہرے کی طرح متغیر ہو گیا۔ اور بہت زیادہ خوف کی وجہ سے ایک اضطراب تقریباً رعشہ ان میں ظاہر ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ جو کچھ میں سنتا تھا۔ ع

نزدیکاں را بیش بود حیرانی (ع قرب والے زیادہ حیران ہیں)

اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ حضرت (مجددؒ) نے بھی رسالہ مبداء و معاد میں تحریر کیا ہے کہ

"ہم چار شخص تھے کہ اپنے خواجہ کی خدمت میں لوگوں کی نظر میں تمام ساتھیوں سے ممتاز تھے اور ہم میں سے ہر شخص کا حضرت خواجہ قدس سرہ کی نسبت اعتقاد علیحدہ تھا۔ اور معاملہ جدا جدا تھا۔ یہ فقیر یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور اجتماع اور اس طرح کی تربیت اور ارشاد آنحضرت علیہ وآلہ الصلوٰت والتسلیمات کے بعد کبھی وجود میں نہیں آئی، اور اس نعمت کا شکر بجالانا چاہئے کہ اگرچہ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف سے مشرف نہ ہوئے تھے

لیکن اس صحبت کی سعادت سے ہم محروم نہ رہے اور ہر شخص کو اعتقاد کے مطابق حصہ پہنچا" (آپ کا کلام انتہا کو پہنچا)[1]

آخر کار آپ نے ان رعایتوں کی وجہ سے اور برکات حاصل کرنے کے دوسرے اسباب کی برکت سے دیکھا جو کچھ دیکھا اس حد تک کہ حضرت خواجہؒ نے جو کچھ بلند نسبتوں کے جواہر عالیہ رکھتے تھے آپ پر نثار کر دیے۔ اور جس طرح بشارت اساس شیخ ابوالعباسؒ نے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے حق میں فرمایا تھا کہ

"کل بہت سی ایثاریں عمل میں آئیں۔ وہ سب اس جوان (ابوسعیدؒ) کے نصیب میں آگئیں۔ اُسے مبارک ہو۔"[2]

اسی طرح حضرت خواجہؒ نے اس فاروقی نژاد مبارک سایہ والے سر پر لوائے تربیت رکھا اور اپنے کارخانۂ ارشاد کو حضرت امجدؒ کے حوالے کر کے طالبوں کی تربیت آپ پر چھوڑ دی۔ اور یہ تحریر گرامی آپ کو لکھی:۔

"احباب کی ایک جماعت جو بار وجود میں گرفتار تھی اور چونکہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ[3] (ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک متعین مقام ہے) کی تنگنائے میں بند تھی (اس لیے) ہمارے فکر و عقل کی مصلحت کا تقاضا یہی ہوا کہ اس برسات میں رنگارنگ کے مقابلے سے دور رہ کر آفتاب شہود کے تحت زندگی گزاریں۔ انشاءاللہ نیکی اور پاکی پر خاتمہ ہوگا۔ صحبت اور جماعت کے فوائد ایک ثابت شدہ امر کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے اظہار کی کیا ضرورت ہے۔

ہم تو قید و بند میں ہیں ہم پہ تم برساؤ تیر سو رہیں گے ان پہ برساؤ جو ہیں بے دار و گیر"[4]

---

[1] دیکھیں مبداء و معاد (منہا ۲۶)

[2] نفحات الانس میں شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے حالات میں ہے کہ شیخ ابوالعباسؒ گفت آرے دوش ایثار یار فت وہمہ نصیب این جوان شنگی (یعنی ابوسعید) آمد۔ مبارکش باد"۔

[3] سورہ والصافات (آیت ۱۶۴)

[4] کلیات باقی باللہ۔ مکتوب ۸۴۔

پھر حضرت (مجدد) نے وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور ایک مدت تک اس شہر کے سالکین الی اللہ کی فیض رسانیوں میں مشغول رہے، اور خود اپنے عظیم احوال، اور اپنے دوستوں اور پیر بھائیوں کی ترقیات کے متعلق حالات زبان قلم کے ذریعے پیر بزرگوار کی خدمت میں پہنچاتے رہے کہ ان میں سے بعض عریضے اس فصل کے ختم ہونے کے بعد ایک علیحدہ فصل میں تحریر کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ جن کے شوق دل کو اس کی خواہش ہو کہ تفصیل کے ساتھ اس کی خبر معلوم کریں تو ان سے کہیے کہ ان عرائض کو جو مکتوبات قدسی آیات کے دفتر اول کے عنوان میں درج ہوئے ہیں مطالعہ کریں۔ خود حضرت خواجہؒ بھی اپنے ان احباب کے حالات آپ سے غائبانہ دریافت کرتے رہتے تھے جو دہلی میں آپ کی خدمت میں آئے تھے کہ آپ سرہند سے اُن کی ترقیات اور صلاحیتوں کے متعلق لکھتے رہیں۔ ایک دن آپ کے مخلص اصحاب میں سے ایک نے بہت ہی عاجزی کے ساتھ عنایات خاصہ کی نظر کی درخواست کی تھی ان سے فرمایا کہ انشاء اللہ اب کی دفعہ جب جناب (مجددؒ) سرہند سے یہاں آئیں گے تو ان سے درخواست کریں گے کہ تمہارے حق میں خاص توجہ فرمائیں گے اور تھوڑی مدت میں تم کو بلند مقامات تک پہنچا دیں گے۔ اسی طرح حضرت خواجہؒ بعض علوم طریقت کی باریکیاں اور ارباب معرفت و تحقیق کے مقامات و درجات کے متعلق بھی استفسار فرماتے تھے اور جو کچھ حضرت (مجددؒ) ان امور کے متعلق عرض کرتے وہ آپ کے دل کے اطمینان کا موجب ہوتا۔ اور بہت زیادہ شکر زبان پر لاتے۔

یہ مکتوب شریف جو خواجہ عالیشانؒ نے حضرت (مجدد) کو ارسال فرمایا تھا بلاواسطہ خط شریف سے نقل کیا جاتا ہے ان مطالب پر گواہ ہے۔ وہ مکتوب یہ ہے۔

"مسند ارشاد وسیع اور روشن ہو، رسالہ جو طریقہ خواجگان کے متعلق مکمل ہو کر خواجہ برہان [1] نے مشتاقوں کی آنکھ کا سرمہ بنایا۔ اللہ سبحانہ کا شکر

---

[1] خواجہ برہان کا ذکر حضرت مجددؒ کے مکتوبات (دفتر اول۔ مکتوب ۵) میں ہے کہ وہ زیر تربیت تھے اور دہلی لئے ہیں اور یہ کہ حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ، خواجگان نقشبندیہ کی طریقت کے بیان میں لکھ کر خواجہ برہان کے ہاتھ حضرت خواجہؒ کو بھیجا ہے۔

اور احسان ہے بہت بلند اور لطیف ہے۔ لیکن دل میں ایک بات آتی ہے کہ عرض کیا جائے، کہ خواجہ احرار قدس سرہ کے احوال کی تحقیق کریں شاید دوسرے امور بھی ظاہر ہوں۔ جس روز اس لطیفہ غیبیہ کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اونگھ کے دوران خیال آیا کہ بایاں ہاتھ یعنی عالم ارواح آپ سے تعلق رکھتا ہے جب بیدار ہوا تو ضعف حافظہ کے باعث متردد ہو گیا کہ مشار الیہ کون تھے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اشارہ حضرت خواجہؒ کی طرف تھا۔ ایک تو یہ کہ طبقہ ائمہ میں دیکھے جاتے ہیں ممکن ہے کہ کوئی چیز ظاہر ہو۔ دوسرے ان کی باتوں سے عصمت کے معنی سمجھ میں آتے ہیں اور یہ بھی بعض خوابوں سے معلوم ہوا کہ آپ پیدائش کے اعتبار سے نہایت درہدایت پر مخلوق ہوئے ہیں کیا عجب اگر مقام وحدت علیا یعنی قابلیت مطلقہ کے نیچے نقطۂ علم کے اوپر مخلوق ہوئے ہوں۔ کرم کرکے وہاں بھی دیکھا جائے۔ نیز حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے مقام میں بھی نظر ڈالیں کہ اس مقام میں داخل ہو کر نزول میں آئے ہیں یا دوسرے راستہ سے کنارے پہ آئے ہیں۔ شاید البتہ کہ نقطہ سے فوق پیدا کیا جانا اس مقام میں عدم تقرر کے سبب سے ہوا ہو۔ ایک بار پھر ضرور عنایت فرمائیں اور اچھی طرح تحقیق کریں کہ بہت دل نگراں ہے دوسری التماس یہ ہے کہ فنائے بشریت کے باب میں بھی توجہ فرمائیں کہ فنا فی اللہ کے مقام کے علاوہ بھی کوئی مقام ہے یا اسی مقام میں داخل ہونے میں منحصر ہے۔ ان تمام جماعتوں سے جو اس مقام کے فوق پہ مخلوق ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ اسی طرح محفوظ ہوں گے اور فنائی لبشریت کے ظہور میں کسب کی حاجت نہ رکھتے ہوں گے۔ نیز جو جماعت کہ اسی مقام وحدت کے نیچے محو ہو گئی ہو اگرچہ جذبۂ قبولیت یا اس کے علاوہ دوسری راہ سے گئی ہو یہ بھی وجود بشریت کے طرف لوٹنے سے محفوظ ہو گی۔ نیز ایک نظر خانہ جبروت پر بھی کریں جو

انبیا صلوۃ الرحمن علی نبینا و علیہم کا مقام ہے کہ وہاں بھی ایک مقام ہو گا جو مذکورہ واپسی سے بے خوف کر دیتا ہے۔ نیز فنافی اللہ کے مقام پر ایک نظر فرمائیں کہ شاید اس ظاہری راہ کے علاوہ تفصیل میں کوئی دوسری راہ بھی ہو، اور بعض عزیز اس راہ سے داخل ہوئے ہوں۔ باقی اس راہ (موقف) کے احوال آپ کو بہتر معلوم ہیں۔ میں کیا لکھوں۔ مقامات کی علامتیں اور اُن کے نام ہم کو معلوم نہیں، تغیرات کو کس طرح لکھ سکتے ہیں۔ انشاء اللہ جو مرضی ہے وہی ہو گا۔ محمد صادق اور تمام برادران و اعزّہ نیازمندی قبول فرمائیں [۱] (مکتوب یہاں ختم ہوا)

یہ استفسارات اور خواجۂ بلند مرتبہ کی نوازشیں ایسے خلیفۂ بلند منزلت پر اس حد تک ہوئی تھیں اور ان کے یعنی حضرت مجددؒ کے احوالِ بلند پرواز کا سُننا آپ کو اس قدر عزیز تھا کہ حضرت مجددؒ اپنے وفور تعطش و تعشق سے یہ دو شعر اکثر اپنی زبانِ مبارک پر لاتے رہتے تھے:۔

ع بس تشنہ و بس خرام اے دوست   در حسرت یکدمے آیم اے دوست

ع ہر جا کہ ترشحّ تو بینم   درالعطش آیم و نشینم [۲]

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ تازہ اور مخصوص احوال جو حضرت (مجددؒ) کی استعداد کے مطابق ظہور میں آئے سافل سے عالی کی روایت کے طریقے پر جیسا کہ محدثین میں سے بعض اساتذہ نے اپنے شاگردوں سے حدیث اخذ کی ہے حضرت خواجہ بزرگوار نے ان احوال کو اپنے ایسے عالی قدر نائب سے اخذ فرمائے اور حضرت (مجددؒ) سے

---

[۱] حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مطبوعہ مکتوبات میں یہ مکتوب نہیں ملتا۔ لیکن جو استفسارات اس میں ہیں اُن کا ذکر حضرت مجددؒ کے مکتوبات (دفتر اوّل، مکتوب ۱۱) میں آیا ہے۔

[۲] ع میں ہوں پیاسا اور مست اے میرے دوست ، گھونٹ اک مل جانے یہ ارمان ہے
ع جس جگہ ہے تیری بخشش کی پھُوار ، پیاس لکنے لگتی ہے (رہ) آن میں۔

ان چیزوں کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا جو ضمیر منیر میں ہے۔ حضرت (مجددؒ) نے مجسمہ تواضع وانکسار بن کر معذرت کی راہ اختیار کی کہ مبادا یہ اپنے حق میں امتحان ہو اور ترک ادب کا سبب ہو۔ لیکن چونکہ حضرت خواجہؒ کا اصرار اس حد تک پہنچا کہ امر واجب الاطاعت کا نہ بجالانا ترک ادب تک پہنچتا مجبوراً حضرت (مجددؒ) نے پورے ادب واحترام اور تواضع کے ساتھ عرض کیا کہ حاصل ہونے والے احوال حاضر خدمت ہیں۔ دعا اور توجہ تام اس چیز کے حصول پر مرکوز رکھی جو پیر بزرگوار چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے وہ مطلب حاصل ہوا۔ حضرت خواجہ نے مخلص ساتھیوں سے اس ماجرے کو اشارۃً بیان کیا تھا۔ جیسا کہ میں نے تھوڑے فرق کے ساتھ شیخ تاج اللہ سلمہ اللہ کی زبان مبارک سے سنا جو مشارٌالیہ حضرت خواجہ کی زبان مبارک سے نقل کرتے تھے اور جو کہ حضرت (مجددؒ) کے بعض عرائض میں تحریر ہے کہ چناں وچنیں میں توقف کرنے والے عزیز سے اشارہ کاملین کے اُن مقتدا کے حال کی طرف ہے کہ جن کے حکم سے ان کے حال کے متعلق اُن کو خبر دی ہے۔

غرض حضرت خواجہؒ کا معاملہ حضرت (مجددؒ) کے ساتھ لوگوں پر اس ماجرا کا گواہ تھا کہ نیازمندی کا طریقہ جو مریدوں کو پیروں کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے آپ اپنے بزرگوار خلیفہ کے ساتھ اختیار کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے سامنے اپنے ساتھیوں میں ان کو سر حلقہ رکھتے۔ اور صبح وشام کے مراقبہ کے حلقوں میں ان کو مقتدا بناتے اور خود تمام مریدوں کی طرح اس حلقہ میں داخل ہوتے۔ جب اس مجلس یا حلقہ سے واپس ہوتے جس میں حضرت (مجددؒ) ہوتے تو کئی قدم قہقری طور پر رکھتے (یعنی آگے منہ کرکے پیچھے کی طرف چلتے) اور دوستوں کو بھی ان کے غایت ادب کے لیے تاکید کرتے تھے کہ جو استقبال ومتابعت آپ کی کرتے ہیں وہ حضرت مجددؒ کی بھی کریں اور یارانہ سلوک اختیار کریں بلکہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ حضرت (مجددؒ) کی موجودگی میں اپنے باطن کو بھی میری طرف متوجہ نہ رکھیں۔

جناب سیدی ومرشدی میر محمد نعمان سلمہ اللہ کی زبان سے حضرت خواجہ عالیشان

کے حضرت مجددؒ کے ساتھ تواضعات کے سلسلے میں میں نے سُنا ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت مجددؒ اپنے حجرہ میں اپنے فرش پر سوئے ہوئے تھے، اچانک حضرت خواجہ باقی باللہ تنہا دیگر درویشوں کی طرح آپ کا حال معلوم کرنے کی غرض سے حجرہ کے دروازے پر پہنچے۔ حضرت (مجددؒ) کے خادم نے چاہا کہ آپ کو بیدار کرے حضرت خواجہؒ نے بیدار کرنے سے اُسے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور آستانہ کے نزدیک دروازہ کے باہر آپ حضرت (مجددؒ) کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ ایک لمحہ گزرا تھا کہ حضرت (مجددؒ) نے بیدار ہو کر آواز دی کہ دروازہ کے باہر کون ہے؟ حضرت خواجہ نے پورے ادب کے ساتھ جواب دیا "فقیر محمد باقی" حضرت (مجددؒ) اپنے فرش سے اُچھل کر اضطراب کے ساتھ باہر آئے اور پورے تواضع وانکسار کے ساتھ خدمت میں بیٹھے۔

"نیز سیدی ومرشدی کی زبان سے میں نے سُنا انہوں نے فرمایا کہ جس زمانہ میں کہ یہ فقیر حضرت دُرۃ الاعظم حضرت خواجہ کی خدمت میں تھا۔ اور آپ نے اپنے تمام ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ امام المحققین حضرت (مجددؒ) کی خدمت میں جاؤ۔ اور جس قسم کے شغل کا حکم وہ دیں اسی طریقہ کے مطابق مشغول رہو اور ان کی خدمت میں ہماری تعظیم نہ کرو، بلکہ اپنی توجہ کو ہماری طرف نہ کرو۔ اس اثنا میں اس فقیر محمد نعمان سے فرمایا کہ میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہیں کہ ہماری طرح کے ہزاروں ستارے ان کے ضمن میں گم ہیں اور متقدمین اولیائے کاملین میں ان کے مثل کم گزرے ہوں گے۔ اس کے بعد پورے اعتقاد کے ساتھ میں آپ کی خدمت میں پہنچا، جیسا کہ میر مذکور نے مخدوم زادہ گرامی خواجہ محمد معصومؒ کی بیاض میں اپنے دستخط اس کو تحریر فرمایا ہے [1]

---

[1] یہ عبارت یمہ کے صفحہ ۹۴ پر بھی ہے جس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

نیز حضرت خواجہ بزرگوارؒ کے وہ مکتوبات جو ان دنوں سے کچھ پہلے آپ نے حضرت (مجددؒ) کو تحریر فرمائے ہیں مذکورہ بالا بیان کی خبر دینے والے ہیں۔ یہ دو مکتوب جو اس دعوے کے شاہد ہیں یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

مکتوب ۱[1] :۔ حق سبحانہ الکمال کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچائے۔ اور زمین کے لیے سخیوں کے پیالے میں سے حصہ ہے۔ کوئی تکلف کی بات نہیں ہے (بلکہ) جو کچھ حقیقتِ حال ہے لکھا جاتا ہے۔ پیر انصاری قدس سرہ فرماتے تھے کہ میں خرقانی کا مرید ہوں لیکن اگر خرقانی اس وقت ہوتے تو اپنی پیری کے باوجود میری مریدی کرتے۔ جب ان بے صفتوں کی صفت یہ ہو تو آثارِ صفات کے گرفتار کیوں طلب کے لوازم پر اپنی جان نہ فدا کریں اور جس جگہ بھی ان کی ناک میں خوشبو پہنچے اس کے پیچھے کیوں نہ جائیں۔ اب ہمارا تامل اور اہمال کسی استغنا اور بے نیازی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اشارہ پر موقوف ہے ؎

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

اس بارے ہمارا ارادہ اور نسخۂ حال یہ ہے۔ خدا نے بزرگ و برتر جو مناسب ہو اس کی طرف رہبری فرمائے اور غرور و پندار سے خلاصی بخشے باقی مقصود یہ کہ جناب سیادت مآب امیر صالح نیشاپوری سلمہ اللہ نے اظہار طلب کیا تھا۔ چونکہ وقت اس کو مقتضی نہ تھا ان اوقات کا ضائع کرنا مسلمانی میں سے نہ معلوم ہوا۔ آخر کار آپ کی خدمت میں بھیجے گئے انشاء اللہ بقدرِ استعداد بہرہ مند ہوں گے۔ اور لطفِ کامل کی توجہ پائیں گے۔ والدعا۔

مکتوب ۲ :۔ اللہ تعالیٰ درماندہ فقراء اور مساکین کو برگزیدہ لوگوں کی برکات سے

---

[1] کلیات باقی باللہؒ۔ مکتوب ۳۰

علاج کے لیے پہنچانے۔ میں نے ایک مدت سے درگاہ ولایت میں عرض نیازمندی نہیں کیا ہے۔ ہاں قاصدانِ صادق اس ایک کلمہ کے حامل ہو سکتے ہیں۔ الحمدللہ یہ قسم خود ظاہر ہو رہی ہے۔ مزید کیا لکھوں؟ فقیروں کی بات آپ کی خدمت میں لکھنا بہت ہی بے شرمی ہے ظاہری حالات کی حکایت بہت بیجا ہے الغرض ہم کو اپنی حد جاننی چاہیئے اور فضول سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ والدعا[1]

الغرض یہ صحبت اور معاملہ کہ ان پیر اوران مرید قدس سرہما کے درمیان ظاہر ہوا کم کسی نے سُنا ہوگا اور روزگار کے عجائب میں سے ہے۔ بصیرت والوں کی حیرت کا موجب ہے یہ وہ معاملہ ہے جو حضرت خواجہ رح کے فنائے اتم اور کمال تشنگی پر شاہد ہے اور ہمارے شیخ کے بلندیٔ مرتبہ پر گواہ ہے جو مقربین کے خلاصہ اور اخیار کے مقتدا ہیں۔ اسی طرح حضرت خواجہ بزرگوار آخر کار میں فرماتے تھے کہ " اواخر میں ہم کو فلاں کی صحبت کے اثر سے (اور اشارہ حضرت (مجددؒ) کی طرف ہوتا) معلوم ہوا کہ توحید ایک تنگ کوچہ تھا۔ اور اس کے اوپر وسیع شاہراہ ہے" (آپ کے کلام کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے)

تیسرے[2] سفر میں کہ حضرت (مجددؒ) سرہند سے خواجہؒ صفاکیش کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سُنتے ہی حضرت خواجہ دروازہ کابلی تک جو آپ کے منزل شریف سے تقریباً تین تیر پرتاب ہوگا[3] پیادہ پا آپ کے استقبال کو آئے۔ اُسی سفر میں آپ نے فرمایا کہ ضعف بدن کے آثار بہت زیادہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ زندگی کی امید کم رہی پھر اپنے برخوردار فرزندوں خواجہ عبیداللہ اور خواجہ محمد عبداللہ کو کہ اس

---

[1] کلیاتِ باقی باللہؒ مکتوب ۸۵۔

[2] یعنی ۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہؒ کے وصال سے چند ماہ پہلے۔

[3] تیر پرتاب وہ فاصلہ جہاں تک تیر جا سکے۔ اس طرح ایک تیر کے جانے کا فاصلہ، پھر دوسرے تیر کا اور پھر تیسرے تیر کے جانے کا فاصلہ

وقت شیر خوار تھے منگوا کر ان دونوں نور کے حق میں حضرت (مجددؒ) سے توجہ کی درخواست کی، اور حضرت (مجددؒ) نے پیر بزرگوار کی موجودگی میں آپ کے حکم سے پیرزادوں کے حق میں توجہات عالیہ فرمائیں چنانچہ اس توجہ کا اثر حضرت خواجہ پر بھی ظاہر ہوا۔ نیز حضرت کے فرمانے پر آپ کی والدات کے حق میں غائبانہ توجہ کی۔ جیسا کہ مخدوم زادگان کے ذکر میں آپ کے مکتوب شریف سے نقل کر کے اشارہ کیا گیا۔ نیز تعریفی جملے جو حضرت خواجہؒ درویشاں کی زبان در فشان سے حضرت (مجددؒ) کے حق میں ظاہر ہوئے اس سے زیادہ ہیں کہ تحریر میں آئیں لیکن ان میں سے کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک دن فرمایا کہ

"آپ کامل مردوں اور محبوبوں میں سے ہیں"

ایک بار فرمایا کہ

"آج آسمان کے نیچے اس مبارک گروہ میں ان کے مثل کوئی نہیں"

ایک دن زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ

"صحابہؓ و کامل تابعین اور مجتہدین کے بعد آپ کے مثل اخص الخواص میں سے معدودے چند نظر آتے ہیں"

نیز فرمایا کہ

"ہم نے ان تین چار سالوں میں شیخی نہیں کی۔ چند روز کھیل کھیلے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ ہمارا یہ کھیل اور ہماری یہ دکانداری بے فائدہ نہیں رہی کہ ان جیسا شخص بروئے کار آیا"

نیز فرمایا کہ

"فقیر نے حضرت (مجددؒ) کی زبان مبارک سے سنا آپ نے فرمایا کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ کی طالبوں کی تربیت میں سرگرمی اسی زمانے تک تھی جب تک کہ ہمارا معاملہ انتہا کو نہیں پہنچا تھا جب میرے کام سے فارغ ہوئے تو دکھائی دیا کہ اپنے آپ کو شیخی کے کام سے کھینچ لیا اور طالبوں کو ہمارے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بیج کو ہم سمرقند اور بخارا سے لائے اور

ہندوستان کی برکت آئین زمین میں اس کو بویا؛

نیز صاحب برکات خواجہ (باقی باللہ) کی وفات کے بعد مسودات مکاشف خاصہ میں سے ایک مسودہ نکلا جس میں آپ نے چار دائرے کھینچے تھے۔ ایک دائرہ میں ولایت (بفتح واد) تحریر کیا تھا اور چوتھے دائرہ میں کمال مطلق اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد اخص الخواص میں سے چاروں دائروں کے اصحاب کے نام ان کے مرتبہ کے موافق اس طرح تحریر کئے تھے کہ گویا غیب میں کشف سے بلاشبہ کے معاینہ کیا ہو۔ ان میں دس بارہ حضرات کو ان کے سرداروں میں سے ہر دائرہ میں علیٰ وجہ الکمال داخل دیکھا۔ ہمارے حضرت (مجددؒ) کو بھی ان دس بارہ میں داخل پایا۔ نیز خواجہ عالی شان نے حضرت (مجددؒ) کی قطبیت کی طرف کئی بار اشارہ فرمایا۔ اور ہمارے حضرت (مجددؒ) کے بعض رسائل و مکاتیب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ قطب ارشاد اور قطب افراد دونوں کے جامع تھے۔ منجملہ ان کے رسالہ مبدا و معاد کے دو ابتدائی فقرے ہیں ان میں پہلا فقرہ اکابر کے ان روحانی افاضات پر مشتمل ہے جو حضرت (مجددؒ) پر ہوئے، وہ دو فقرے آیندہ فصل کے آخر میں عرائض کے فقرات درج کرنے کے بعد انشاءاللہ ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت (مجددؒ) تیسرے سفر میں اپنے پیر بزرگوار سے رخصت ہوکر جس کے بعد اس دنیا میں آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ دہلی سے سرہند تشریف لے گئے۔ چند دن وہاں گزار کر امر و اشارہ کی وجہ سے لاہور کے مبارک شہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہاں سے بڑوں چھوٹوں نے آپ کی محترم تشریف آوری کو غنیمت شمار کیا اور خواص و عوام میں سے بہت سے لوگ ان غوث الانام کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہوئے اور صحبت گرم ہوئی۔ اور حلقہ اور شغل و مراقبہ نے وسعت اختیار کی۔ عالم و عامل معنوی مولانا جمال تلوی رحمۃ اللہ کے شاگردوں میں سے ایک فاضل نے فقیر سے کہا کہ اس سفر میں ہمارے استاد یعنی مولانائے مذکور (جمال الدین تلوی) پوری نیازمندی اور اخلاص کے ساتھ تمہارے بزرگوار شیخ کی خدمت میں پہنچتے تھے۔ یہاں تک کہ

ایک دن شیخ کی اس مبارک صحبت سے مولانا نے اُٹھتے وقت چاہا کہ چند قدم مولانا کی متابعت کریں۔ مولانا نے آپ کی جوتیاں اُٹھا کر آپ کے پاؤں کے سامنے رکھ دیں یہاں تک کہ شاگردوں کو مولانا کا یہ افراط تواضع گراں گزرا کیونکہ مولانا کے حق میں ہمارا اعتقاد علم کے لحاظ سے آپ سے زیادہ تھا اور پرہیزگاری اور باطنی صفائی کے اعتبار سے بھی ہم انہیں آپ سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ جب ہم باہر آئے تو گستاخی کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ جیسے لوگوں کی جانب سے اس قسم کے تواضع اور خاکساری کی کوئی وجہ نہیں ہے تو فرمایا کہ یہ لوگ علماء باللہ ہیں اور "لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ" (میرے لیے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے) کے راز کے رازدار ہیں ہم لوگوں پر ان لوگوں کا احترام لازم ہے، ہم کو اس سلسلہ میں معذور بلکہ ماجور (اجر پانے والا) سمجھو۔ نیز حضرت (مجدد) کے ایک مخلص نے جو مولانائے مذکور سے شاگردی اور ہمسائیگی کا تعلق رکھتے تھے اس فقیر سے کہا کہ جس زمانے میں حضرت (مجددؒ) لاہور تشریف لے گئے تھے، اور مولانا جمال، صاحبانِ کمال کے ان مقتدا کی صحبت میں پہنچتے تھے۔ ایک دن خلوت میں مولانا نے حضرت (مجددؒ) سے عرض کیا کہ آپ آج کل علم احکام اور علم اسرار کے جامع ہیں، اور حال و عرفان سے سرشار ہیں۔

مسئلہ وحدت الوجود جو ظاہر شرع کے چنداں موافق نہیں ہے لیکن بہت سے اولیائے کاملین اس کے قائل ہیں، اس کا حل آپ کے نزدیک کیا ہے؟ حضرت (مجددؒ) نے مولانا کے کان کے پاس اپنا سر لے جا کر چند ایسی باتیں فرمائیں کہ مولانا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ان کے چہرے میں صاحبانِ حال کے تغیّر کی طرح تغیّر پیدا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہاتھ آپ کے زانو پر اس طرح پورے انکسار کے ساتھ لے جا کر رخصت ہوئے کہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ حضرت (مجددؒ) کی زبان گوہر فشاں نے کیا کہا اور مولانا کے گوشِ ہوش نے کیا سُنا ؎

ندانم چہ گفتی چہ انگیختی   کہ گفتے وازدیدہ خوں ریختے [1]

---

[1] نہ جانے کیا کہا اور کیا کر گیا کہ اُن کی آنکھوں سے خون جاری ہوا

اس معاملہ اور توحید کی نسبت کے سلسلے میں حضرت (مجددؒ) کے مخلص اصحاب میں سے ایک نے آپ کی زبان مبارک کے ذریعے اس حقیر سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا کہ احاطہ وسریان اور معیت کی نسبت کے غلبہ کے ابتدا میں ایک دن ایک شخص نے میرے سامنے قلم پر قط لگایا تو میری انگلی کٹ گئی۔

الغرض اس دوران میں کہ لاہور میں ارباب فضل اور اصحاب حضور کے ساتھ حضرت (مجددؒ) کی مجلس گرم تھی کہ اچانک خواجہ بزرگوار کے دار القرار کی طرف انتقال کی خبر حضرت (مجددؒ) کے کان میں پہنچی۔ دلوں کا آرام بے آرامی سے بدل گیا۔ اور ان رنگین صحبتوں کے شربت شیریں کا مزہ بالکل تلخ ہوگیا۔ حضرت (مجددؒ) اس خبر کے سنتے ہی دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب روضہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور مخدوم زادوں اور پیر بھائیوں کی تعزیت کرلی۔ تو حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کے ساتھیوں نے دل کی شکستگی کے لیے مرہم، حضرت (مجددؒ) کی صحبت اور تربیت کی برکت سے طلب کیا۔ آپ بھی پیر بزرگوار کی وصیت اور حکم کے مطابق اور زخمی دل دوستوں کے التماس کی وجہ سے وہاں ٹھہر کر ان لوگوں کے احوال کی تحقیق میں مشغول ہوئے۔ چنانچہ پھر ارشاد کی رونق۔ اور افاضہ کی تازگی اور حلقہ کی سرگرمی نے از سر نو تازگی اس درجہ پائی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدسنا اللہ بسرہ الاقدس کی حیات بابرکات میں تھی۔ اور توجہات کے آثار اور جذبات کے انوار ان طالبین باطن پر جلوہ گر ہوئے ان افادات وافاضات کی سرگرمی کے دوران بعض بھلائی کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے والوں نے حضرت خواجہ عالی شان کے حضرت (مجددؒ) سے استفادہ کرنے کے معاملہ کو جیسا کہ گزرا مختلف طریقوں سے درمیان میں لاکر حضرت خواجہ کے مخلصین کے دل میں شبہات ڈالے۔ حضرت (مجددؒ) اس سے مطلع ہوکر اس کے دور کرنے میں ایسی نصیحتوں کے ذریعے مشغول ہوئے جو ان کے اخلاص واتحاد کی زیادتی کے موجب اور ان کے لیے فائدہ پہنچانے والے تھے۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ مفید نہیں ہوا ان میں سے بعض کی نسبت کے سلب کی طرف توجہ کی۔ اس سے بھی یہ لوگ متنبہ نہ ہوئے بلکہ

ان میں سے اکثر نے حضرت خواجہ قدس سرہ کے روضہ منورہ پر جاکر توجہ اور التجا کی۔ اس توجہ میں ان میں سے ایک کو جو صاحب کشف تھے۔ نظر میں آیا کہ ان التجا کرنے والے درویشوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک چراغ روشن کیا ہوا تھا۔ اچانک ایک اُچک لے جانے والی بجلی آئی اور ان سبھوں کے چراغوں کو بجھا دیا۔ اور سبھوں نے معاملہ میں اس دیکھنے والے کو بتایا کہ یہ چراغ ان درویشوں کی دعا اور توجہ کے تھے۔ اور وہ بجلی حضرت (مجددؒ) کی توجہ عالی تھی لیکن اس کے باوجود جیساکہ استفادہ کرنا چاہئے تھا آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اور حضرت (مجددؒ) وطن کو لوٹ گئے ایک مدت کے بعد بعض پیر بھائیوں نے معذرت کی۔ حضرت (مجددؒ) نے بھی مہربانی فرماکر معاف کر دیا۔ اور آخر میں جانبین سے صفائی ہوگئی جیساکہ اس کی طرف اشارہ خواجہ حسام الدین کے حال میں بھی گزر چکا ہے۔

پھر حضرت (مجددؒ) جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ کے مہینے میں جو شیخ عبدالاحد کی وفات کا مہینہ ہے پیر بزرگوار کے روضہ منورہ کی زیارت کے لیے سرہند سے آئے۔ پھر سرہند تشریف لے گئے۔ دو تین بار آگرہ بھی تشریف لے گئے ہوں گے۔ اس کے علاوہ سرہند سے اور کسی جگہ نہیں گئے۔ مگر آخر عمر میں کہ دو تین سال سلطان وقت کی مزاحمت کی وجہ سے لشکر کے ساتھ بعض شہروں پر آپ کا گزر رہوا۔ اور اس میں بھی حکمتیں تھیں کہ ان شہروں کے باشندے اس کی وجہ سے آپ کی صحبت سے مشرف ہوں۔ اور آپ کی نظر کی برکتوں سے حصہ پائیں ایک دن لشکر بڑے گاؤں میں سے ایک گاؤں کے اطراف میں پہنچا۔ حضرت (مجددؒ) کے خادموں نے اس گاؤں کے نزدیک قیام کر کے خیمہ بلند کرنے لگے۔ اسی درمیان میں بندہ نے حضرت (مجددؒ) کو دیکھا کہ تنہا اس گاؤں کی گلی میں داخل ہوئے۔ بندہ آپ کے پیچھے دوڑا۔ جب مجھ کو دیکھا تو فرمایا کہ دل میں آیا کہ اس دیہات میں کوئی مسجد ہوگی وہاں جاکر تازہ وضو کر کے دو رکعت ادا کروں۔ چند قدم بھی نہ چلے تھے کہ ایک مسجد بہت صاف ستھری ظاہر ہوئی اور ایک کنواں لوازم اسباب وضو کے ساتھ تھا اس مسجد کے صحن میں وضو کر کے آپ مسجد میں داخل ہوئے فقرا میں سے ایک فقیر جو وہاں تھا اس نے اس فقیر سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں؟ بندہ نے اس کو خبر دی وہ پورے

ذوق کے ساتھ دوڑ کر گیا اور ایک عزیز کو جو اس جگہ کا مقتدا تھا اور مسجد کے پہلو میں اس کا مکان تھا۔ حضرت (مجدد) کے اوصاف سُنے ہوئے تھا۔ صاحبِ برکات کی ملاقات اور دیدار کا آرزومند رہتا تھا۔ لیکن بوڑھاپے اور دوسری رکاوٹوں کے سبب اس کے لیے آپ کی خدمت میں پہنچنا آسان نہ تھا۔ وہ عزیز آکر قدم مبارک پر گر پڑا۔ اور زبان اس بیت کے مضمون کے مطابق کھولی ؂

ہماری اوج سعادت بدام ما افتد　　　　اگر ترا گزری برمقام ما افتد [1]

اور اس رات آپ کو اور تمام فقیروں کو اپنے گھر لاکر مہمانی کی اور دوسرے دن صبح کو متوجہ ہوکر ذکر کی تعلیم حاصل کی۔ اور اس کے فرزند اور کئی درویش بھی معمور اور صاحب حضور ہو گئے۔ رخصت کے وقت ایک منزل تک ساتھ ساتھ متابعت بھی کی۔

اب وقت آگیا ہے کہ اپنا پہلا وعدہ پورا کروں اور وہ یہ کہ ہم نے کہا تھا کہ ایک علیحدہ فصل لکھوں گا جو حضرت (مجدد) کے بعض ان عریضوں پر مشتمل ہوگا جو آپ نے اپنے تین سفروں کے دوران اپنے پیر بزرگوار کے احوالات فائقہ اور وارد ہونے والے اسرار و حقائق کے متعلق تحریر کئے ہیں (اللہ تعالیٰ ان دونوں کے باطن اور ان دونوں کی روحوں کو پاک کرے اور ہم پر ان دونوں کی فتوح و برکات کا فیضان کرے۔) اور وہ اسرار وصل کی خبر دینے والی فصل یہ ہے۔

---

[1] ہمارے اوج سعادت بھی دام میں آجائے　:　اگر تمہارا قدم اس مقام میں آگئے۔

فصل چہارم

حضرت (مجدد) کے بعض عریضوں اور ان کے بعض عریضوں سے اخذ کردہ بعض فقروں کا ذکر۔

کمترین بندہ احمد خدمت عالی میں عرض کرتا ہے۔ اور حکم شریف کے مطابق گستاخی کرتا ہے اور احوال پریشان کو عرض کرتا ہے۔ کہ اثنائے راہ میں اسم ظاہر نے اس قدر تجلی کی کہ تمام اشیاء میں تجلئ خاص ظاہر ہوئی خصوصاً کسوت نساء میں بلکہ اُن کے اجزاء میں جدا جدا ظاہر ہوئی اور میں اس گروہ کا اس قدر مطیع ہوا کہ کیا عرض کروں۔ میں اس تابعداری میں مجبور تھا۔ جو ظہور اس لباس میں تھا وہ کسی جگہ نہ تھا۔ لطائف کی خصوصیات اور عجائب کی خوبیاں جو اس لباس میں تھیں وہ کسی مظہر سے ظاہر نہ ہوئیں۔ میں اِن سب کے آگے بالکل پگھل کر پانی ہو کر چل رہا تھا۔ اسی طرح ہر کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں جدا جدا جلوہ گر ہوا۔ وہ لطافت اور خوبی جو لذیذ پُر تکلف کھانے میں تھی وہ کسی اور کھانے میں نہ تھی۔ شیریں اور غیر شیریں پانی میں بھی یہی فرق تھا۔ بلکہ لذیذ و شیریں چیز میں کمال کی ایک خصوصیت درجات کے فرق کے لحاظ سے جدا جدا تھی۔ اس تجلی کی خصوصیات کو بذریعۂ تحریر عرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر خدمت مبارکہ میں ہوتا تو شاید عرض کر سکتا۔ لیکن ان تجلیات کے دوران رفیق اعلیٰ کی آرزو رکھتا تھا۔ اور ان کی طرف جس قدر ممکن تھا متوجہ نہ ہوتا تھا۔ لیکن مغلوب تھا۔ کوئی چارہ نہ تھا۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ یہ تجلیٔ نسبتِ تنزیہی کے خلاف نہیں ہے۔ اور باطن اسی طرح اس نسبت میں گرفتار ہے ظاہر میں بالکل متوجہ نہیں ہے۔ اور ظاہر کو جو اس نسبت سے خالی اور معطل تھا اس تجلی سے مشرف بنایا اور ہم نے ایسا پایا کہ باطن نگاہ کی کجی میں بالکل مبتلا نہیں ہے۔ اور تمام معلومات و تلموات معروض ہیں۔ اور ظاہر جو کثرت اور دوئی کی طرف متوجہ تھا اس تجلی سے سعادت

پانے والا ہوا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد یہ تجلیات پوشیدہ ہوگئیں۔ اور وہی حیرانی اور نادانی کی نسبت طاری ہوگئی۔ اور وہ تجلیات ایسی ہوگئیں گویا کوئی قابلِ ذکر شے نہیں تھیں اس کے بعد ایک فنائے خاص ظاہر ہوئی۔ اور وہ تعینِ علمی جو تعینِ ذاتی کے ٹوٹنے کے بعد ظاہر ہوا تھا اس فنا میں گم ہوگیا اور انانیت اور نفسانیت کا کوئی اثر نہ رہا۔ اس وقت حقیقی اسلام کے آثار اور شرکِ خفی کے نشانات منہدم ہونے کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ اسی طرح اعمال کی کوتاہی اور نیتوں اور ارادوں کو تہمت زدہ سمجھنا بھی نظر آیا۔ مختصر یہ کہ عبودیت و نیستی کی علامتیں پھر ظاہر ہوئیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ آپ کی توجہ کی برکت سے بندگی کی حقیقت تک پہنچائیں۔[1]

کمترین بندہ احمد عرض کرتا ہے۔ کہ اپنی کوتاہیوں کے متعلق کیا عرض کرے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہیں ہوا۔ گناہ سے بچنے کی طاقت اور عبادت کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کے ذریعے سے ہے جو بلند ہے عظیم ہے۔

وہ علوم جو فنافی اللہ اور بقا باللہ کے مقام کے ساتھ تعلق رکھتے تھے حق سبحانہ نے اپنی عنایت سے ظاہر کر دیئے۔ اور اس طرح معلوم کیا کہ ہر شے کی وجہ خاص کیا ہے۔ اور سیر فی اللہ کس معنی میں ہے۔ تجلیِ ذاتی برقی کیا ہوتی ہے اور محمدی المشرب کون ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ہر مقام میں اس کے لوازم اور ضروریات دکھاتے ہیں۔ اور سیر کراتے ہیں۔ اور بہت کم چیز رہی ہوگی کہ اولیاء اللہ نے اُن کا نشان دیا ہے۔ وہ چھوڑا ہو اور نہ دکھایا ہو۔ جس کو قبول کرنا ہوتا ہے اس کو بغیر علت کے قبول کرتا ہے۔ جس طرح اصل اشیا کو پیدا کیا ہوا جانتا ہے۔ قابلیتوں اور استعدادوں کی اصل کو بھی پیدا کیا ہوا اور اسی کا بنایا ہوا جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قابلیتوں کا محکوم نہیں ہے۔ اور نہ کوئی چیز اس لائق ہے کہ اُس پر حاکم ہو۔ زیادہ گستاخی مناسب نہیں

ع بندے کو چاہئے کہ وہ حد اپنی جان لے[2]

ایک عریضہ میں تحریر کیا کہ کئی مرتبہ بعض امراض کے دفعیہ کے لئے توجہ کی گئی اور اس کا اثر ظاہر ہوا۔ اسی طرح بعض مُردوں کے احوال بھی جو عالم برزخ میں ظاہر ہوئے تھے۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی۔ دفتر اوّل۔ مکتوب نمبر ا۔

[2] ایضاً۔ دفتر اوّل۔ مکتوب نمبر ۱۲۔

نیز اُن کی تکلیفوں اور سختیوں کے دفع کے لئے توجہ کی گئی۔ لیکن اب توجہ پر قدرت نہیں رہی ہے۔
کسی چیز پر اپنے آپ کو جمع نہیں کر سکتا ہوں۔ لوگوں کی طرف سے فقیر پر بعض سختیاں گزریں۔
ان لوگوں نے ظلم کئے اور اینجانب کے متعلقین کی ایک کثیر جماعت کو ناحق ویران کیا اور
جلاوطن کیا۔ کلفت کے غبار نے دل میں راہ نہیں پائی چہ جائیکہ ان کی برائی کا دل میں گزر ہو۔[1]
اُسی عریضہ میں ہے کہ جیسے کہ پہلے ارادے کا تعلق مُرادوں سے برطرف ہو گیا تھا۔
لیکن ارادۂ اصل باقی تھا جیسا کہ عرض کیا تھا۔ اب ارادہ بھی دور ہو گیا ہے اور اس وقت نہ
مراد ہے اور نہ ارادہ۔ اور اس فنا کی صورت بھی نظر آئی۔ اور بعض علوم کا جو اس مقام کے
مناسب تھے فیضان بھی ہوا۔ ان علوم کے لکھنے میں دقیق اور غامض ہونے کی وجہ سے
دشواری تھی آخر کار اس کی تحریر سے عنانِ قلم کو پھیر دیا۔ اس فنا کے ثابت ہونے اور علوم کے
فیضان کے وقت ماوراء وحدت میں ایک خاص نظر پیدا ہوئی۔ اگرچہ طے شدہ ہے کہ ماوراء
وحدت میں کوئی نظر نہیں ہے بلکہ کوئی نسبت نہیں ہے لیکن جو کچھ کہ پاتا ہے عرض کرتا ہے۔ اور
جب تک یقین تک نہ پہنچا لکھنے کی جراءت نہیں کی۔ اور اس مقام کی صورت وحدت سے
پرے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے آگرہ دہلی سے پرے ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ راہ نہیں
پاتا۔ اگرچہ نظر میں نہ وحدت ہے اور نہ اس کے ماوراء اور نہ کوئی اور مقام کہ حقیقت کے
عنوان سے جانے تاکہ حق کو اس کے ماوراء جانے۔ حیرت اور جہل اسی صراحت کے ساتھ
ہے۔ اور اس دید سے کوئی فرق نہیں ہوا۔ میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں۔ سب تناقض ہی
تناقض ہے جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور حال بے شبہ ثابت ہے۔ اللہ سے مغفرت
چاہتا ہوں اور اللہ کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں ان تمام چیزوں سے جو اللہ تعالیٰ کو قولاً،
فعلاً اور حاضراً و ناظراً ناپسند ہیں۔

نیز اس زمانے میں ایسا معلوم ہوا کہ پہلے ان صفات کے متعلق جو کچھ جانتا تھا وہ
حقیقت میں مابہ الامتیاز صفات کی خصوصیت کا فنا تھا جو وحدت کے ضمن میں داخل ہو گئے

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر اول۔ مکتوب ۱۱۔

تھے۔ اور خصوصیات زائل ہوگئیں۔ اب اصل صفات بھی (اگرچہ داخل اور مندرج ہوئے اعتبار سے ہوں) برطرف ہوگئیں۔ اور احدیت کے غلبے نے کسی چیز کو نہیں چھوڑا علمِ اجمالی یا تفصیلی کے مرتبے کی جو تمیز حاصل ہوئی تھی باقی نہ رہی۔ اور پوری نظر خارج پر آ گئی۔

حدیث:۔ کان اللّٰہ ولم یکن معہ شئ الآن کما کان (اللہ ہی تھا اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اب بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔ اس وقت حال کے مطابق ہے۔ اور پہلے علم اس حدیث کے مطابق تھا۔[1]

۵۔ خداوند کریم کی مہربانیاں اور عنایتیں جو آنجناب کی توجہاتِ عالیہ کی برکت سے اس خاکسار پر متواتر فائض ہوتی رہتی ہیں انہیں کیا عرض کیا جائے۔

من آں خاکم کہ ابر نو بہاری | کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم | چو سوسن شکرِ لطفش کے توانم

(وہ مٹی ہوں کہ ابرِ نو بہاری۔ | کرے رحمت سے جس پر قطرہ باری
اگر ہوں مثلِ سوسن سو زبانیں | ادا ہو ایک شکر اس کا نہ سو میں)

اگرچہ اس قسم کے احوال کا ظاہر کرنا جرأت و گستاخی ہے اور فخر و مباہات پر شامل ہے۔

ولے چوں شہ مرا بر داشت از خاک | سزد گر بگذرانم سر ز افلاک

(اٹھایا شاہ نے مجھ کو زمیں سے | کروں اونچا نہ سر چرخ بریں سے)

عالمِ صحو و بقا کی ابتدا ماہ ربیع الآخر کے اواخر سے ہے اور اب تک بقائے خاص کے ساتھ ہر ایک مدت میں مشرف کرتے ہیں۔ ابتدا حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ[2] کی تجلیِ ذاتی سے ہے۔ صحو میں لاتے ہیں۔ پھر سکر میں لے جاتے ہیں۔ نزول و عروج میں علومِ غریبہ اور معارف عجیبہ کا افاضہ فرماتے ہیں۔ اور احسان و شہود خاص کے ساتھ ہر مرتبہ میں جو اس مقام کی بقا کے مناسب ہے مشرف فرماتے ہیں۔ رمضان کے ماہ مبارک کی تیمتی تاریخ کو بقا کے ساتھ مشرف فرمایا اور ایسا احسان و اخلاص میسر ہوا کہ بندہ کیا عرض کرے۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۱۱۔

[2] یعنی حضرت غوثِ الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ (م ۵۶۱ھ)

معلوم ہوتا ہے کہ استعداد کی انتہا یہیں تک تھی اور جو وصل کہ مناسب حال تھا وہ ابھی نہیں میسّر ہوا۔ اور جذبہ کی جہت اب تمام ہو گئی ہے اور سیر فی اللہ میں جو مقام جذبہ کے مناسب ہے اس میں قدم رکھا ہے۔ جس قدر فنا پورے طور پر ہوگی اُسی قدر وہ بقا جو اس پر مرتب ہوگی زیادہ کامل ہوگی۔ اور جس قدر بقا زیادہ کامل ہوگی اُسی قدر صحو زیادہ ہوگا اور جس قدر صحو زیادہ ہوگا اُسی قدر شریعت غرّا کے موافق علوم کا فیضان ہوگا۔ کیونکہ کمال صحو تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے تھا۔ اور وہ معارف جو اُن سے صادر ہوئے ہیں وہ شریعت کے احکام اور عقائد ہیں جو ذات و صفات کے متعلق انہوں نے بیان فرمائے ہیں اور اس کے ظاہر کی مخالفت سُکر کے بقیہ میں سے ہے اور فی الحال جو معارف کہ اس کمینہ پر فائز ہوتے ہیں وہ زیادہ تر معارف شرعیہ کی تفصیل اور اُن کی توضیح ہے اور استدلالی علم، کشفی اور ضروری علم سے بدلتا جاتا ہے اور علم مجمل مفصّل ہوتا جاتا ہے۔

ع گر بگویم شرح ایں بے حد شود (گر کروں میں شرح، ہو بے انتہا) ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ گستاخی تک معاملہ پہنچ جائے۔

ع بندہ باید کہ حدِ خود داند (چاہیئے بندہ حد کو پہچانے)[1] ۔۔ مرشد علی الاطلاق (یعنی اللہ تعالیٰ) نے آنجناب کی توجہات عالیہ کی برکت سے جذبہ و سلوک دونوں طریقوں سے تربیت فرمائی اور جمال و جلال دونوں صفتوں سے اصلاح فرمائی۔ اب جمال، عین جلال اور جلال، عین جمال ہے (رسالہ قدسیہ کے[2] بعض حاشیوں میں اس عبارت کو اپنے ظاہری مفہوم سے پھیر کر اپنے خیال کے مفہوم پر محمول کیا گیا ہے۔ حالانکہ عبارت اُس کے اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ تغیر و تبدل و تاویل کے قابل نہیں) اس تربیت کی علامت، محبتِ ذاتی کا متحقق ہونا ہے کہ متحقق ہونے سے پہلے یہ ممکن نہیں اور محبتِ ذاتی فنا کی علامت ہے اور فنا سے مراد ماسوی کا بھول جانا ہے۔ چنانچہ جب تک علوم بالکلیہ سینے سے

---

[1] مکتوبات امام ربانی ۔ دفتر اول ۔ مکتوب ۲۔

[2] دیکھیں، خواجہ محمد پارسا کا رسالہ قدسیہ، مرتبہ ملک محمد اقبال طبع پنڈی ۱۳۹۵ھ اس کے صفحہ ۱۲۳ میں ہے چوں سالک را بروصف ستون ... ، اس کی شرح بھی ہے۔

نکال نہ دیئے جائیں اور جہل مطلق کے ساتھ متحقق نہ ہو جائیں۔ فنا سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور یہ جہل و حیرت دائمی ہے۔ اس میں زوال کا امکان نہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی حاصل ہو جائے اور کبھی زائل ہو جائے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ بقا سے پہلے جہالت محض ہے اور بقا کے بعد جہالت اور علم ایک ساتھ جمع ہیں اور نادانی عین شعور میں ہے اور عین حیرت میں حضور میں ہے کہ یہی مقام حق الیقین ہے کہ علم و عین ایک دوسرے کے حجاب نہیں بن سکتے اور وہ علم جو ایسی جہالت سے پہلے حاصل ہو وہ محلِ اعتبار سے خارج ہے۔ اس کے باوجود اگر علم ہے وہ خود میں ہے اور اگر شہود ہے تو وہ بھی خود میں ہے۔ اگر معرفت، حیرت کے ساتھ ہے تو وہ بھی خود ہی میں ہے۔ جب تک نظر، خارج میں ہے اگرچہ اپنے آپ ہی میں نظر رکھی ہو۔ چاہئے کہ نظر خارج سے بالکل منقطع ہو جائے۔ حضرت خواجۂ بزرگ یعنی خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ، فنا اور بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے آپ میں پہچانتے ہیں۔ اُن کی حیرت اپنے وجود ہی میں ہے۔

اس طرح صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ شہود، معرفت اور حیرت خود اپنے نفس میں ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ جب تک ان تینوں میں سے کوئی ایک چیز خارج میں ہے، اگرچہ اپنے اندر ہی بھی رکھتا ہو، فنا حاصل نہیں ہوتی، پھر بقا کیسے حاصل ہوگی؟ فنا اور بقا میں انتہائی درجہ یہی ہے اور یہ فنائے مطلق ہے اور مطلق فنا، عام ہے۔ اور بقا، فنا کے اندازے کے مطابق ہے۔ اسی لئے بعض اہل اللہ، فنا اور بقا کے تحقق کے بعد باہر میں بھی مشہود رکھتے ہیں۔ لیکن ان عزیزوں (یعنی مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم) کی نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے۔[1]

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند ‏ ‏ ‏ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(کوئی آئینہ گر رکھے سکندر بن نہیں جاتا ؎ منڈائے سر اگر کوئی قلندر بن نہیں جاتا)

(جب اس سلسلے کے بڑے بڑے مشائخ میں سے ایک یا دو ہی بہت سے قرنوں کے بعد اس نسبت سے مشرف ہیں تو پھر دوسرے سلسلہ کی نسبت کے متعلق کیا کہا جائے۔[1]

---

[1] قوسین کی یہ عبارت زبدۃ المقامات میں نہیں ہے نفس مکتوب شریف میں ہے۔

یہ نسبت خواجہ خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ کی ہے اور اس نسبت کو تمام و کمال تک پہنچانے والے حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ ہیں۔ اور اُن کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ علاؤ الدین قدس سرہ اس دولت سے مشرف ہوئے تھے۔

ع این کار دولت ست کنوں تاکرا دہند

(یہ دولت اب کسے دیکھیے آخر کسے ملے) [1]

عجیب معاملہ ہے کہ پہلے جو کچھ بلا اور مصیبت نازل ہوتی تھی وہ فرحت و سرور کا باعث ہوتی تھی۔ اور ھل من مزید (کچھ اور) کہتا تھا۔ اور جس قدر دنیوی ساز و سامان میں کمی ہوتی تھی اُسی قدر اچھا معلوم ہوتا تھا اور اُسی قسم کی خواہش (اُسی طرح کی حالت کی آرزو) کرتا تھا۔ اور اب جب کہ عالمِ اسباب میں نیچے اُتار لائے ہیں اور اپنی عاجزی اور محتاجی پر نظر جاتی ہے تو اگر تھوڑا سا بھی ضرر لاحق ہوجاتا ہے تو پہلے ہی مرحلے میں ایک قسم کا غم پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ جلد ہی زائل ہوجاتا ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح اس کے پہلے اگر بلا و مصیبت کے دفعیہ کے لئے دعا کرتا تھا تو اس سے مقصود اُس کا دور کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اُدعونی (مجھے پکارو) کے حکم کا بجالانا مقصود ہوتا تھا۔ اور اب دُعا سے مقصود بلا و مصیبت کا دور کرنا ہوتا ہے اور خوف و حیرت جو زائل ہو گئے تھے وہ پھر لوٹ کر آنے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ وہ کیفیت سُکر کی وجہ سے تھی اور صحو کی حالت میں عجز و محتاجی، خوف و حُزن اور غم و شادی جس طرح عام لوگوں کو لاحق ہے اُسی طرح اس خاکسار کو بھی لاحق ہے۔

ابتداء میں دعا سے دفعِ بلا جو مقصود نہیں ہوتا تھا تو یہ بات دل کو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن حال غالب تھا دل میں گزرا کہ انبیاء کی دعا اس نوع کی نہیں تھی کہ مراد کا حصول نہ چاہتے ہوں۔ اب جب کہ اس حالت کے ساتھ مشرف کیا اور حقیقتِ کار کو واضح کیا تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعائیں عجز و احتیاج اور خوف و حزن کی وجہ سے تھیں محض حکم بجالانے کی وجہ سے نہیں تھیں۔ بعض امور جو ظاہر ہوتے ہیں حکم کے مطابق

---

[1] قوسین کی یہ عبارت زبدۃ المقامات میں نہیں ہے۔ اصل مکتوب شریف میں ہے۔

کبھی ان کو عرض کر کے گستاخی کرتا ہوں [1]

۔۔ مسئلہ وحدت وجود اور اس کے توابع کے متعلق جو کچھ بزرگوں نے کہا ہے ابتدائے حال میں اس سے مشرف کیا۔ اور کثرت میں احدیت کا شہود میسر ہوا۔ اس مقام سے اوپر کے درجے پرے گئے اور اس ضمن میں طرح طرح کے علوم کا افاضہ کیا۔ لیکن ان مقامات و معارف کا مصداق قوم کے کلام میں صراحۃً نہیں پایا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں کے کلام مبارک میں اشارات اور اجمالی رموز ہیں۔ لیکن ان کی صحت کے لئے عادل گواہ ظاہر شریعت اور علمائے اہل سنت کا اجماع ہے کہ کسی جز میں شریعت غراء کے ظاہر کی مخالفت نہ رکھتے ہوں [2] لیکن حکماء اور ان کے اصول معقولہ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے ہیں بلکہ علمائے اسلام کی ایک جماعت جو اہلِ سنت سے مخالفت رکھتی ہے ان کے اصول کے بھی موافق نہیں ہے۔

استطاعت فعل کے ساتھ منکشف ہوئی ہے۔ فعل سے پہلے قدرت نہیں ہوتی اور قدرت فعل کی مقارنت میں بخشتے ہیں اور تکلیف کو اسباب و اعضاء کی سلامتی پر موقوف جانتے ہیں۔ جیسا کہ علمائے اہلِ سنت نے قرار دیا ہے اور اس مقام میں خود کو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ الاقدس کے قدم پر پاتا ہوں یہ اس مقام میں تھے۔ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ کو بھی اس مقام سے حصہ ملا ہے۔ اور اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں میں سے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس اور ہمارے متقدمین مشائخ میں حضرت خواجہ معروف کرخی، امام داؤد طائی، خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بھی اسی مقام میں تھے۔ ان سب کا حاصل، کمال بُعد و بیگانگی ہے۔

اب کام، علاج سے گزر گیا ہے۔ جب تک پردے لٹکے ہوئے تھے ان کے رفع کرنے کی گنجائش تھی اور اس کے لئے سعی و کوشش کی جاتی تھی (لیکن اب تو) اس (مقام) کی بزرگی اس کے لیے حجاب ہے۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اوّل۔ مکتوب ۶۔

[2] قوسین کی جو عبارت، اصل متن کے حاشیے میں ہے اُس کا یہ ترجمہ ہے۔

ع۔ فَلَا طَبِیْبَ لَهَا وَلَا رَاقِی
(نہیں طبیب کوئی اس کا اور نہ افسوں گر)

لیکن افسوس کہ کمال بیگانگی اور بے مناسبتی کو اتصال کا نام دے رکھا ہے۔ افسوس افسوس۔
مثنوی یوسف و زلیخا (جامیؒ) کا یہ شعر اس کے مناسب حال ہے ؎

در انگندہ دف این آوازہ از دوست ۔ کز و بر دستِ دف کو باں بود پوست
(نکلتا دف سے ہے آوازۂ دوست ؛ نہیں دف کوب کو حاصل بجز پوست)

شہود کہاں ہے! شاہد کون ہے! مشہود کیا ہے! ع

خلق را روئے کے نماید او ۔ (خلق کو وہ کب رخ دکھاتا ہے)

مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ ۔ (کہاں خاک اور کہاں ہے ربّ ارباب؟)

(اب خاکسار) خود کو بندہ مخلوق غیر کو مقدور جانتا ہے اور اسی طرح تمام عالم کو مخلوق جانتا ہے اور خالق و قادر اور خدائے بزرگ و برتر کو جانتا ہے۔ اس کے سوا کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا۔ کجا کہ اپنے آئینہ ہونے کی نسبت

ع در کدام آئنہ در آید او ۔ (وہ تو کس آئنہ میں آئے گا) [1]

۸۔ ایک مدت ہوئی کہ آستانہ علیہ کے خادموں کے احوال کی اطلاع نہیں ہے۔ منتظر ہوں ؎

عجبے نیست اگر زندہ شود جانِ عزیز ۔ چوں ازاں خضر جدا ماندہ پیامے برسد
(عجب نہیں کہ مری جان زندہ ہو جائے ؛ جدا شدہ کو جو اُن کا پیام اب آئے)

جانتا ہوں کہ حاضر خدمت ہونے کے لائق نہیں ہوں ع

ایں بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم ۔ (یہ بھی کافی ہے سنوں دور سے آوازِ جرس)

عجیب کاروبار ہے کہ انتہائی دوری کو قُرب کا نام دے رکھا ہے اور انتہائے فراق کو وصل کہا ہے گویا اس ضمن میں قرب و وصال کی نفی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا ۔ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ
(کس طرح پہنچوں میں اپنے یار تک ؛ راہ میں ہیں پُرخطر غار و جبال)

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اوّل مکتوب ۔

چنانچہ حزنِ ابدی اور فکرِ دائمی آخر کا دامنگیر ہوتی ہے۔ مراد کو بھی آخر کار مرید کے ارادے کے موافق ہونا چاہئے۔ اور محبوب کو محب کی محبت میں محب ہونا چاہئے۔ سرورِ دین علیہ من الصلوات اکملہا و من التحیات افضلہا مرآتیت (آئینہ ہونے) اور محبوبیت کے مقام کے باوجود محبین میں سے ٹھہرے اور مریدین میں سے ہوئے۔ آخر کار آپ کے حال کے متعلق خبر دی کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الحزن دائم الفکر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر غم میں اور ہمیشہ فکر میں رہتے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ (کسی نبی کو اتنی تکلیف نہیں دی گئی جس قدر مجھے دی گئی)

محبت کرنے والے محبت کا بار برداشت کر سکتے ہیں۔ محبوبوں کے لیے اس بار کا اٹھانا دشوار ہے۔ اس قصہ کی کوئی انتہا نہیں

ع قِصَّۃُ الْعِشْقِ لَا انْفِصَامَ لَھَا (قصۂ عشق ختم ہوگا نہیں)[1]

۹۔ جب حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے توجہات عالیہ کی برکت سے احوال کی غلامی سے آزاد کیا اور تلوین سے تمکین کی طرف مشرف فرمایا تو حیرت و پریشانی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ وصل سے ہجر اور قرب سے بُعد کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔ اور معرفت سے نادانی اور علم سے جہل کے سوا کچھ نہ ملا۔ اسی لیے عریضے لکھنے میں تاخیر ہوئی[2]۔ اور عجب یہ ہے کہ اب حق الیقین کیساتھ مشرف فرمایا ہے کہ اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کے حجاب نہیں ہیں۔ اور اس میں فنا و بقا جمع ہیں۔ عین حیرت و بے نشانی میں علم و شعور ہے اور نفسِ غیبت میں حضور ہے۔ علم و معرفت کے باوجود جہل کی زیادتی کے سوا کچھ نہیں۔

ع عجب ایںست کہ من واصل و سرگردانم

(عجب یہ کہ واصل بھی ہوں اور پریشاں)

اللہ تعالیٰ نے محض اپنی بے انتہا عنایت کی وجہ سے کمالات کے مدارج میں ترقیاں بخشی ہیں

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۱۰

[2] زبدۃ المقامات میں اس جگہ دو سطریں اور ایک شعر نہیں ہے جو اصل مکتوب میں ہے۔

مقامِ ولایت کے اوپر مقامِ شہادت ہے۔ اور ولایت کی نسبت شہادت کی طرف وہی ہے جو تجلیٔ صوری کو تجلیٔ ذاتی سے ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان بُعد ان دونوں تجلیات کے بُعد سے زیادہ ہے۔ اور شہادت کے مقام کے اوپر صدیقیت کا مقام ہے۔ اور جو تفاوت کہ ان دو مقامات کے درمیان ہے وہ اس سے برتر ہے کہ اس کو عبارت میں بیان کیا جائے اور اس سے بلند تر ہے کہ انگلیوں سے اشارہ کیا جائے اور اس کے اوپر کوئی مقام نہیں ہے۔ بجز نبوت کے (علی اھلھا الصلوات والتسلیمات) اور نہیں چاہیئے کہ صدیقیت اور نبوت کے درمیان کوئی مقام ہو بلکہ محال ہے اور اس کے محال ہونے کا یہ حکم کشفِ صریح و صحیح سے معلوم ہوا اور بعض اہل اللہ نے ان دو مقاموں کے درمیان جو واسطہ ثابت کیا اور اس کو قُربت کا نام دیا ہے اس سے بھی مشرف فرمایا۔ اور اس مقام کی حقیقت سے اطلاع دی۔ بہت زیادہ توجہ اور بے شمار تضرع کے بعد پہلے تو اُسی طرح ظاہر ہوا جس طرح اکابر نے فرمایا ہے۔ آخر کار حقیقت کو معلوم فرمایا۔ ہاں عروج کے وقت اس مقام کا حصول صدیقیت کے مقام کے حصول کے بعد ہے۔ لیکن واسطہ ہونا محل تامّل ہے۔ بالمشافہ ملاقات کے بعد انشاء اللہ حقیقت کو تفصیل کے ساتھ عرض کروں گا۔ وہ مقام بہت بلند ہے۔ منازلِ عروج میں اس کے اوپر کوئی مقام معلوم نہیں ہے۔ اللہ بزرگ و برتر کی ذات پر وجود کا زائد ہونا اسی مقام میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ علمائے اہلِ حق نے قرار دیا ہے۔ اللہ ان کی کوششوں کو قبول کرے۔ اور یہاں وجود بھی راہ میں رہ جاتا ہے۔ اور اس کے اوپر عروج واقع ہوتا ہے۔ ابو المکارم رکن الدین شیخ علاء الدولہ اپنی بعض تصنیفات میں فرماتے ہیں فوق عالم الوجود عالم الملک الودود (عالمِ وجود کے اوپر ملکِ ودود کا عالم ہے) اور صدیقیت کا مقام بقا کے مقامات میں سے ہے جو عالم کی طرف رُخ رکھتا ہے۔ اور اس مقام کے نیچے نبوت کا مقام ہے جو حقیقت میں سب سے بلند ہے۔ اور صحو و بقا کا کمال ہے۔ قربت کا مقام ان دو مقاموں کی برزخیت کی لیاقت نہیں رکھتا کہ اس کا رُخ تنزیہ محض کی طرف ہے۔ اور عروج کی انتہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ہر چہ استادِ ازل گفت بگو می گویم

(مثلِ طوطی مجھے رکھا ہے پسِ آئینہ ٭ وہی کہتا ہوں جو استادِ ازل نے ہے کہا)

نظری واستدلالی علوم شرعیہ کو کشفی وضروری (بدیہی) بنایا۔ نظریت سے بداہت کی طرف لائے۔ ایک شخص نے خواجہ بزرگ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے پوچھا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا

"کہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی کشفی ہو جائے"۔

یہ نہیں فرمایا کہ ان کے علاوہ دیگر علوم حاصل ہوں۔ ہاں راہ میں بہت سے علوم وفنون ظاہر ہوتے ہیں جن سے گزر جانا چاہیے اور جب تک نہایۃ النہایۃ تک نہ پہنچے جو کہ صدیقیت کا مقام ہے اس وقت تک ان علوم سے حصہ نہیں پاتا ہے۔ کاش معلوم ہوتا کہ بعض اہل اللہ جو اپنے لیے اس مقام شریف کے حصول کے قائل ہیں (حالانکہ ان کو اس مقام کے علوم و معارف سے کوئی مناسبت نہیں) اس کی کیا وجہ ہے اور ہر ذی علم کے اوپر علم والا (اللہ) ہے اور مسئلۂ قضاء وقدر کے راز سے بھی آگاہ کیا اور اس کی تعلیم اس طور پر دی کہ کسی طرح بھی ظاہر شریعت غرّاء کے حصول کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ اور وہ ایجاب کے نقص اور جبر کی آمیزش سے مُبرّا اور پاک ہے۔ اور ظہور میں وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ جب یہ مسئلہ، اصول شریعت کے منافی نہیں ہے تو پھر اُسے پوشیدہ کیوں رکھا گیا۔ اگر اس میں کچھ مخالفت کا شائبہ ہوتا تو اُس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا مناسب ہوتا۔ لیکن جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اُس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا ہے

کہ از ہرہ آں کہ از بیم تو ٭ کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

(ترے خوف سے کس کی ہے یہ مجال ٭ کہ تسلیم سے ہٹ کے کھولے زبان)

علوم ومعارف ابرِ نیساں کی طرح برستے ہیں کہ قوتِ مُدرکہ اُن کے برداشت کرنے سے عاجز ہے۔ قوتِ مُدرکہ محض تعبیر ہے۔

وَ اِلَّا یُحۡمَلُ عَطَایَا الۡمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ (ورنہ بادشاہ کے عطیوں کو اُسی کی سواریاں اُٹھا سکتی ہیں)

شروع میں شوق تھا کہ ان علوم غریبہ کو قید تحریر میں لایا جائے لیکن اس امر کی توفیق نہ پاتا تھا اور اس سے گزرنا بھی دشوار تھا۔ آخر کار تسلّی فرمائی کہ مقصود ان علوم کے افاضے سے صرف ملکہ کا

حصول ہے۔ ان علوم کا یاد کرنا نہیں۔ جس طرح کہ علوم (ظاہر) کے طلبہ تحصیل علوم اس لیے کرتے ہیں کہ معنویت کا ملکہ بہم پہنچائیں۔ نہ کہ صرف و نحو وغیرہ کے اصول حفظ کریں[1]

(یہاں حضرت مجددؒ کے عرائض شریفہ ختم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان عریضوں کے لکھنے والے کی روح کو آرام پہنچائے۔)

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے بھی آپ کے ہر ایک عریضے کے جواب میں گرامی نامہ لکھا تھا اور آپ کے حق میں دعاء و ثناء کی زبان کھولی اور صحت و علو کے ساتھ ان تمام احوال و اسرار کے مرتبے کا حکم لگایا۔ جیسا کہ حضرت خواجہؒ نے ایک گرامی نامے میں اپنے محترم قلم سے ارقام فرمایا ہے کہ :۔

کشوف کے متعلق جو کچھ مذکور ہوا اس کا طریقہ بہت ہی پسندیدہ۔ صحیح، مستقیم اور مستحسن ہے جب آپ کا یہ طریقہ اس نہج پہ واقع ہے کہ قول و زبان کے بغیر ہی چیزیں مکشوف ہوتی ہیں تو ضرورت نہیں کہ تمام وجوہ کا بیان کیا جائے۔ انشاء اللہ ملاقات کے بعد جو کچھ کہنا ہے بالمشافہ کہا جائے گا۔[2]

نیز جو وعدہ اوپر کیا تھا کہ حضرت مجددؒ کے رسالہ مبدأ و معاد میں سے دو اقتباس ان عریضوں کے بعد پیش کیے جائیں گے تو اب اس وعدہ کا ایفا بھی لازم ہے۔ وہ اقتباسات اس طرح ہیں :۔

(۱) جب اس فقیر (یعنی حضرت مجدد قدس سرہ) کو اس راہ (سلوک) کا شوق پیدا ہوا تو حق تعالیٰ جل سلطانہ کی عنایت نے مجھے سلسلۂ عظامِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بزرگ خلیفہ (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وہیں سے میں نے ان بزرگوں کے طریقے کو اخذ کیا اور ان بزرگ کی صحبت اختیار کی۔ ان بزرگ کی توجہ کی برکت سے حضرات خواجگان (نقشبندیہ) کا

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اوّل۔ مکتوب ۱۸۔

[2] کلیاتِ باقی باللہؒ۔ مکتوب ۱۵۔

وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت میں کمالِ فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا اور اندراج النہایت فی البدایت سے بھی کسی قدر سیرابی نصیب ہوئی۔ جب یہ جذبہ اچھی طرح پختہ ہو گیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا۔ اور میں نے اس راہ کو شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روحانی تربیت کے ذریعے انجام تک پہنچایا۔ یعنی اس اسم تک عروج حاصل ہو گیا جو اس (فقیر) کا مربی یعنی پرورش کنندہ تھا۔ پھر حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت کی مدد سے اس اسم سے قابلیت اولی کے درجے تک عروج حاصل کیا جسے حقیقت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی دستگیری سے اس قابلیت اولی سے بھی بلندی نصیب ہوئی اور وہاں سے پھر اسی مقام تک پہنچ گیا جو اس قابلیت سے بھی بلند تر ہے اور یہ قابلیت گویا اسی مقام کی خصوصی تفصیل ہے اور وہ مقام اس کا اجمال ہے اور یہ مقام اقطاب محمدیہ کا مقام کہلاتا ہے اور اس فقیر کو اس مقام تک ترقی حضرت ختمی مرتبت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی روحانی تربیت سے حاصل ہوئی۔ اس مقام تک پہنچنے کے وقت اس فقیر کو حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ کی روحانیت سے ایک گونہ امداد حاصل رہی جو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہ کے خلیفہ اور خود قطب ارشاد ہیں اور دائرہ ظلیت بھی اسی مقام تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اصلِ خالص کا مقام ہے یا اصل اور ظل ملے ہوئے ہیں۔ افراد کی ایک جماعت کو اس دولت تک پہنچنے کا امتیاز حاصل ہے بعض اقطاب کو بھی افراد کی صحبت کے ذریعے اس مقام ممتزج (یعنی اصل ظل آمیز) تک عروج حاصل ہو جاتا ہے جہاں انہیں اس اصل ظل آمیز کا مشاہدہ میسر ہو جاتا ہے لیکن اصلِ خالص تک پہنچ جانا یا اصل خالص کا بتفاوت درجات مشاہدہ کرنا صرف افراد ہی کا خصوصی امتیاز ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (یعنی یہ خدا کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے)

اور اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے سردارِ دین و دنیا علیہ الصلوات والتسلیمات المبارکات والتحیات النامیات کی جانب سے قطبیتِ ارشاد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا۔ اس کے بعد پھر عنایت خداوندی جل شانہ وعم احسانہ شاملِ حال ہوئی تو اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا چنانچہ ایک مرتبہ اصل ظلّ آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور اس مقام میں بھی گذشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی اور پھر وہاں سے اصل کے مقامات تک ترقی عطا فرمائی گئی یہاں تک کہ اس فقیر کو مقام اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا کہ اس آخری عروج میں جو کہ مقاماتِ اصل کا عروج ہے اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت کی امداد حاصل رہی۔ اور ان کی قوّت تصرّف نے ان تمام مقامات سے گزار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرما دیا۔ اور پھر وہاں سے اس دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کرتے رہے تھے۔

اور اس فقیر کو اس نسبتِ فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے اپنے والد بزرگوار (مخدوم عبدالاحد قدس سرہ) سے حاصل ہوا تھا اور اس کے والد بزرگوار کو یہ نسبت اپنے ایک عزیز (بزرگ حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ) سے جو جذبہ قوی کے مالک تھے اور کرامات وخوارق عادات میں مشہور تھے حاصل ہوئی تھی۔ لیکن یہ فقیر اپنی بصیرت کی کوتاہی اور اس نسبت کے محض گاہے گاہے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے سلوک کی منزلیں طے کر لینے سے پہلے تک اس نسبت کو اپنے اندر نہیں پاتا تھا اور نہ اس بات کا قطعاً کوئی علم تھا کہ یہ نسبت مجھے حاصل ہے۔ نیز اس فقیر کو عبادات نافلہ خصوصاً نفل نمازیں ادا کرنے کی توفیق بھی والد بزرگوار کی مدد سے حاصل ہوئی تھی اور والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (شیخ عبدالقدوس گنگوہی) سے حاصل ہوئی تھی جو چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

نیز اس درویش کو علوم لدنی کی توفیق حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام

والتحیۃ کی روحانیت سے حاصل ہوئی۔ لیکن اسی وقت تک صورت حال رہی جب تک کہ مقام اقطاب سے نہیں گزر گیا۔ مگر اس مقام سے گزر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ وہ درمیان میں آسکے۔

نیز اس فقیر کو نزول کے وقت میں جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے کافی حصہ حاصل کیا اور ہر مقام کے مشائخ اس فقیر کے کام میں معاون و مددگار رہے انہوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین انتخابات سے ایک بڑا حصہ عطا فرمایا۔ سب سے پہلے اکابر چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور اس مقام پہ بہت بڑا حصہ اس کے حصے میں آیا ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین کی روحانیت نے دیگر مشائخ سے کہیں زیادہ میری امداد فرمائی۔ سچ یہ ہے کہ یہ حضرت اس مقام میں بڑی شان کے مالک ہیں اور اس مقام کے رئیس ہیں۔ اس کے بعد اکابر کبرویہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام پر گزر ہوا یہ دونوں مقامات عروج کے اعتبار سے مساوی درجہ کے ہیں لیکن یہ مقام فوق سے نزول کے وقت اسی شاہراہ کے دائیں جانب ہے اور پہلا مقام اس صراط مستقیم کے بائیں جانب پڑتا ہے اور یہ وہ شاہراہ (یا صراط مستقیم) وہ راستہ ہے کہ اقطاب ارشاد میں سے بعض اکابر اسی راستہ سے فردیت کے مقام تک پہنچے ہیں۔ اور آخری انتہا تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ افراد تنہا (یعنی بلا قطبیت) کا راستہ دوسرا ہے بغیر قطبیت کے اس راہ سے گزرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ مقام، مقام صفات اور اس شاہراہ کے درمیان میں واقع ہوا ہے۔ گویا کہ یہ مقام ان دونوں مقامات کے درمیان میں ایک برزخ ہے جسے دونوں طرف سے فیوض و برکات کا حصہ ملا ہے اور پہلا مقام اس شاہراہ کے دوسری جانب واقع ہوا ہے جو صفات سے کم مناسبت رکھتا ہے۔

اس کے بعد اکابر سہروردیہ کے مقام پر عبور حاصل ہوا جس کے رئیس طریقہ حضرت

شیخ شہاب الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہیں۔ یہ مقام اتباع سنّت کے نور سے آراستہ و پیراستہ ہے علیٰ مصدر ہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ اور مشاہدہ فوق الفوق و برتر از برتر کی نورانیت سے مزیّن ہے اور عبادتوں کی توفیق اس مقام کی رفیق ہے۔ بعض سالکوں کو جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے اور عباداتِ نافلہ میں مشغول اور اس پر مطمئن ہیں انہیں بھی اس مقام کی مناسبت کے ذریعے اس مقام کا کچھ حصّہ نصیب ہوا ہے اصل کے اعتبار سے عبادات نافلہ اس مقام کے مناسب ہیں دوسرے لوگوں کو خواہ وہ مبتدی ہوں یا منتہی اس واسطہ سے اس مقام کے ساتھ مناسبت ہے۔ اور یہ مقام نہایت ہی عجیب و غریب ہے جو نورانیت کہ اس مقام میں مشاہدہ میں آتی ہے دوسرے مقامات میں بہت کم ہے اس مقام کے مشائخ بوجہ کمال اتباع کے نہایت عظیم الشان اور بلند مرتبہ ہیں۔ اور اپنے ہم جنسوں میں پوری طرح ممتاز ہیں۔ جو کچھ ان حضرات کو اس مقام میں میسّر ہوا ہے وہ دوسرے مقامات میں میسّر نہیں ہے۔ اگرچہ عروج کے اعتبار سے وہ مقامات اس مقام سے بلند ہیں۔

اس کے بعد مقام جذبہ میں نزول حاصل ہوا اس مقام میں بے شمار جذبات کے مقامات شامل ہیں۔ پھر اس مقام سے بھی نیچے نزول ہوا۔ نیچے نزول ہونے کے جو مراتب ہیں ان کی انتہا مقام قلب پر ہوتی ہے۔ جو ایک حقیقت جامعہ ہے اور ارشاد و تکمیل کا تعلق اسی مقام تک نزول ہونے پر ہے چنانچہ اس مقام پر نزول حاصل ہوا۔ اس سے پیشتر کہ اس مقام میں قرار و پختگی حاصل ہو۔ پھر ایک عروج نصیب ہوا۔ اس وقت سایہ کی طرح اصل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اس عروج سے جو مقام قلب میں نصیب ہوا پوری پختگی حاصل ہو گئی۔ والسلام[1]

(۲) دوسرا فقرہ، قطب ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے۔ بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ بہت صدیوں اور زمانوں کے بعد اس انداز کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ دنیائے تاریک اس کے ظہور کے نور سے منور ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ارشاد و ہدایت کا نور ساری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے۔ عرش کے دائرہ سے زمین کے

---

[1] رسالہ مبدا و معاد کی ابتدائی عبارت (منہا ۱) یہاں ختم ہوئی۔

مرکز تک جس کو بھی رشد، ہدایت، ایمان اور معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اُسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے اس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی نہیں پاسکتا مثال کے طور پر اس کا نور ہدایت ایک بحر بیکراں کی صورت میں پوری دنیا کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اور وہ دریا گویا کہ منجمد (جما ہوا اور لبستہ) ہے کہ اس میں مطلقاً کوئی حرکت نہیں۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے، یا یہ کہ وہ بزرگ خود کسی طلبگار کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران گویا کہ ایک سوراخ اس طلبگار کے دل میں کھل جاتا ہے اور اس راستے سے جس قدر توجہ اور اخلاص ہوتا ہے اسی قدر وہ اس دریا سے سیراب ہوتا جاتا ہے اسی طرح وہ شخص بھی جو ذکر الٰہی جلّ شانہ کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز بزرگ کی طرف متوجہ نہیں ہے لیکن اس کی یہ بے توجہی کسی انکار کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس بزرگ کو پہچانتا ہی نہیں ہے تو اسی انداز کی فیض رسانی اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ فیض رسانی پہلی صورت میں دوسری صورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ البتہ جو شخص اس بزرگ کا منکر ہو یا اس بزرگ کو اس شخص سے کوئی گرانی ہو تو وہ کتنا ہی ذکر الٰہی تعالےٰ وتقدس میں مشغول رہا کرے لیکن وہ رُشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہی رہتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کو فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اُسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے، اس کا یہ انکار ہی اس کے فیض کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے ہدایت کی حقیقت اس کو حاصل نہیں ہو گی جو کچھ حاصل ہے وہ ہدایت کی صورت ہے۔ بلا حقیقت کے کہ صرف صورت سے لوگوں کو بہت کم نفع پہنچتا ہے۔

اور جو گروہ اس بزرگ کے ساتھ اخلاص محبت رکھتا ہے خواہ وہ توجہ مذکور اور ذکر الٰہی تعالیٰ شانہ سے کتنا ہی خالی کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگوں کو بھی محض ان کی محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ[1] (جو لوگ ہدایت کی پیروی کریں اُن پر سلامتی ہو)

---

[1] یہاں مبداء و معاد میں سے (منتخبہ) عبارت ختم ہوئی۔

فصل پنجم

آپ کے ان معاملات بزرگ اور مراتب عجیب کا بیان جو حق سبحانہ و تعالےٰ نے آپ کو بالخصوص عطا فرمائے۔

اگرچہ ان مقامات میں سے بعض اخص الخواص کو بھی عطا ہوا ہے لیکن چونکہ یہ بہت ہی نادر ہے اس لیے یہ بھی آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے نیز ان دیگر معاملات کو بھی ان میں شامل کیا ہے جو دوسروں سے سننے میں نہیں آئے۔

ان مراتب بلند کا ان قطب البریہ (حضرت مجددؒ) کے ساتھ مخصوص ہونے کا راز اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو الف ثانی کو مجدد اور منور کرنے والا بنایا تھا اور اس بات کو کئی بار آپ پر الہام کیا اور اس امر کے ظاہر کرنے کا حکم کیا۔ جیسا کہ خود ایک مکتوب میں آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس لئے اس عظیم مرتبہ کے مالک کے لیے خصوصیات بلند کا ہونا ضروری ہے اُس مُدعا کی طرف بھی آپ کے قلم محترم سے اشارہ ہوا ہے جہاں آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ

"اے فرزند یہ وہ وقت ہے کہ گزشتہ امتوں میں اس طرح کے ظلمت بھرے ہوئے وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتے تھے۔ اور نئی شریعت کی بنیاد رکھتے تھے۔ اور اس امت میں جو کہ خیر الامم ہے اور اس امت کے پیغمبر خاتم الرسل درسولوں کے ختم کرنے والے) ہیں علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات۔ علماء کو بنی اسرائیل کے انبیا کا مرتبہ دیا ہے علماء کے وجود کو انبیا کے وجود کی بجائے کافی بنایا ہے اسی لیے ہر سو سال پر اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد متعین فرماتے ہیں جو شریعت کا احیاء کرتا ہے خصوصاً ایک ہزار سال کے

بعد کہ پہلی امتوں میں اولوالعزم پیغمبروں کا وقت ہوتا تھا اور اس وقت میں ایک پیغمبر پر کفایت نہیں کرتے تھے۔ اس طرح کے وقت میں اس امت کے لیے ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے جو معرفت تامہ رکھتا ہو۔ تاکہ اولوالعزم انبیاء کے قائم مقام ہو۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید ۔۔۔ دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد۔ [1]

(آپ کا کلام شریف انتہا کو پہنچا)

اور دوسرے مکتوب میں اس مدعا کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ

"اے بھائی یہ بات آج کل اکثر لوگوں پر گراں ہے اور ان کی سمجھ سے بعید ہے۔ اگر انصاف سے دیکھیں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں اور احوال کے صحت و سقم کا شریعت کی مطابقت یا عدم مطابقت کے اعتبار سے ملاحظہ کریں اور شریعت و نبوّت کی توقیر و تعظیم کو دیکھیں کہ ان میں کون ایک سے زیادہ ہے تو شاید ان کا استبعاد دور ہو جائے۔

انہوں نے دیکھا ہو گا کہ فقیر نے اپنے کتب و رسائل میں لکھا ہے کہ طریقت وحقیقت خادمان شریعت ہیں اور نبوّت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اُسی نبی کی ولایت ہو اور لکھا ہے کہ کمالات نبوّت کے مقابلہ میں کمالات ولایت کی کوئی قدر نہیں۔ کاش کہ اس کو وہی نسبت حاصل ہوتی جو قطرے کو سمندر سے ہے"

اور اس کے مثل آپ نے بہت زیادہ تحریر فرمایا ہے خصوصاً اس مکتوب میں جو فرزند کے نام تحریر فرمایا ہے اور اس میں طریق کا بیان کیا ہے وہاں دیکھیں (آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ)

"اس گفتگو سے مقصود حق سبحانہ و تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے اور اس طریقت کے طالبوں کو اس کی ترغیب دلانا ہے دوسروں پر اپنے آپ کو

---

[1] مکتوبات ۱/۳۲ میں بھی کچھ مضمون اسی طرح کا ہے لیکن حضرات القدس (۲) کے حضرت چہارم میں اوپر کا مضمون جیسہ موجود ہے۔
شعر کا ترجمہ اس طرح ہو سکتا ہے فیض روح القدس اب بھی جو مؤید ہو جائے ۔۔۔ دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحا نے کیا

فضیلت دنیا مقصود نہیں ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو کافر فرنگ سے بھی اپنے کو بہتر جانے چہ جائیکہ بزرگان دین سے اپنے آپ کو افضل جاننا ؎

ولی چوں شہ مرا برداشت از خاک　　سزد گر بگذرانم سر ز افلاک
من آن خاکم کہ ابر نو بہاری　　کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم　　چو سوسن شکر لطفش کی توانم[1]

(آپ کا کلام شریف انتہا کو پہنچا)

راقم الحروف کہتا ہے کہ میرے دل میں یہ بات گزرتی تھی کہ حب اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے آپ کو مجدد الف بنایا ہے۔ اگر اعاظم علمائے وقت اس بات کو تسلیم کر لیتے تو پوری تائید حاصل ہو جاتی یہاں تک کہ ایک روز یہی خطرہ اس وقت دل میں گزرا جبکہ میں حضرت (مجددؒ) کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپ نے اس ناچیز کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں اور بلند مرتبہ تصانیف کے لحاظ سے دیار ہند میں ان کے کوئی مثل نہیں انہوں نے ایک خط مجھ کو لکھا تھا۔ اور مسکراتے ہوئے بیان فرمایا کہ ان تعریفی کلمات میں سے ایک کلمہ یہ تھا،

"مجدد للالف الثانی،، (یعنی الف ثانی کے مجدد)

یہ بات مخفی نہ رہے کہ ایک رات مولانا مذکور (عبدالحکیم سیالکوٹی) نے واقعہ میں حضرت (مجددؒ) کو دیکھا کہ آیت قُلِ اللّٰہَ ثُمَّ ذَرْهُمْ[2] (تم کہو اللہ پھر ان کو چھوڑ دو)

---

[1] مکتوبات ۱: ۲۶۱ - اشعار کا ترجمہ اس طرح ہو سکتا ہے:-

اٹھایا شہ نے مٹی سے تو حق ہے　　کہ میں اونچا کروں سر آسماں سے
اسی مٹی پہ باران بہاراں　　ہوا کرتا ہے لطف مہرباں سے
اگر ہوں سو زبانیں مثل سوسن　　ادا ہو شکر کیوں کر! کس زباں سے

[2] سورت الانعام آیت ۹۱

پڑھی تو اس واقعہ کے دیکھنے کے بعد انہوں نے حضرت (مجددؒ) کی خدمت میں آکر طریقہ کی تعلیم حاصل کی اور حقیقی مخلصوں میں سے ہو گئے ظاہری ملاقات سے پہلے کہا کرتے تھے کہ میں حضرت (مجددؒ) کا اویسی ہوں اس لیے تجدید الف کے اس مرتبہ کے حامل کو اگر ان خصوصیات سے نوازا ہو جن کا ذکر ہو رہا ہے تو یہ عجیب و غریب نہیں ہے۔ وہ خصوصیات کہ جن میں سے بعض پہلے فصل سوم میں مذکور ہوئیں وہ مجملاً اکیس خصوصیات ہیں پھر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ مرشد عالی مرتبت کی خدمت میں پہنچنے سے کئی سال پہلے پیر بزرگوار پر آپ کی قطبیت کی استعداد کا ظاہر ہونا۔

۲۔ آپ کے عالم افروز نور کو آپ کے معاملہ کے ظاہر ہونے سے کئی سال پیشتر ایک عظیم شمع کی صورت میں دیکھنا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۳۔ خواجہ ذوالمکاشف (یعنی حضرت باقی باللہؒ) کا حضرت (مجددؒ) کے ابتدائے سلوک میں ایک مخلص کو تحریر فرمانا کہ فلاں (یعنی حضرت مجددؒ) ایک چراغ کی طرح ہیں کہ ان سے سارا عالم منور ہو گا۔ [1]

۴۔ احوال دکمال کے طالب ایک مخلص سے فرمانا کہ جب وہ (حضرت مجددؒ) آئیں تو اُن سے درخواست کر دں گا تو وہ پانچ چھ دنوں میں تمہارے کام کو انتہا تک پہنچا دیں گے۔

۵۔ مرادیت اور محبوبیت کے مرتبے کا خصوصیت کے ساتھ حضرت (مجددؒ) کے لیے حاصل ہونا اور پیر عالی منقبت کا آپ کو اس کی خوشخبری دینا۔

۶۔ آپ کا اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں اس تیزی کے ساتھ سیر و سلوک کے منازل طے کرنا کہ ڈھائی مہینے میں کمال تک پہنچ گئے۔

۷۔ اپنے فیض طلب کرنے والوں کو اپنی زندگی ہی میں پیر عالی مرتبت کا آپ کے حوالہ کر دینا [2]

---

[1] مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ مکتوب ۷۶۔

[2] " مکتوب ۸۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ضمیمہ مکتوب ۸۳ وغیرہ۔

۸۔ پیرِ دستگیر کا آپ کو آفتابِ شہود اور اپنے کو بو قلمون فرمانا [۱]

۹۔ پیرِ بزرگوار کا آپ کو تحریر فرمانا کہ ایک مدت ہوئی کہ درگاہِ ولایت میں میں نیاز نہیں بجا لایا ہوں [۲]

۱۰۔ مرشدِ عالی مرتبت کا آپ کو تحریر فرمانا کہ فقیروں کی بات آپ کی خدمت میں تحریر کرنا بے شرمی ہے [۳]

۱۱۔ صفا کیشوں کے سردار (حضرت باقی باللہؒ) کا آپ کو تحریر فرمانا کہ ہم کو اپنی حد کو دیکھنا چاہئے اور فضول باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے [۴]

۱۲۔ مقتدائے جہاں (حضرت باقی باللہؒ) کا تحریر فرمانا کہ لِلْاَرْضِ مِنْ کَاْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ (زمین کے لیے سخیوں کے پیالہ سے حصہ ہے) [۵]

۱۳۔ اولیا کے مقتدا (حضرت باقی باللہؒ) کا تحریر فرمانا کہ شیخ الاسلام انصاری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں خرقانی کا مرید ہوں۔ لیکن اگر خرقانی [۶] اس زمانہ میں ہوتے تو اپنی پیری کے باوجود میری مریدی کرتے۔ یعنی میرا حال تمہارے ساتھ ایسا ہی ہے۔

۱۴۔ تحریر فرمانا کہ ہمارا خط نہ لکھنا استغنا کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اشارہ پر موقوف ہے۔ [۷]

۱۵۔ خواجہ عالیشان کا اپنے احوالِ عالیہ کو آپ کے مکاشفہ کی نظر سے تحقیق کرنا اسی طرح اپنے دوستوں کے حالات کا غائبانہ آپ سے دریافت فرمانا۔

۱۶۔ سب سے عجیب بات اِن بزرگوار (حضرت باقی باللہؒ) کا آپ سے استفاضہ فرمانا جیسا کہ تیسری فصل میں بیان کیا گیا۔

ان کے علاوہ پانچ بلند خصوصیات ہیں جو تیسری فصل کے آخر میں تحریر کی گئیں۔ حضرت (مجددؒ) کی وہ خصوصیات جو آپ پر افقِ مبین کی طرح ظاہر اور نمایاں ہوئیں نیز خود آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعے صراحۃً و کنایۃً ان کی طرف اشارہ فرمایا۔

---

[۱] ایضاً مکتوب ۸۴

[۲] ایضاً مکتوب ۸۵ [۳] ایضاً مکتوب ۸۵۔ [۴] ایضاً۔ مکتوب ۸۵۔

[۵]۔[۶]۔[۷] مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ۔ مکتوب ۸۳۔

۱۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اپنے پیر بزرگوار سے نسبتہائے عالیہ کے افاضہ کے بعد دوسرے طریقوں کے تمام مشائخ نے سُرخ گلاب کی طرح تربیت کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنی خالص نسبتیں عطا فرمائیں جیساکہ پہلے رسالہ مبدأ و معاد کے حوالہ سے مذکور ہوا

۲۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ ولایت اور اقتباس کمالات نبوت کی جو نسبتیں بعض اولیاء رحمہم اللہ سے ظاہر ہوئیں اور بعض سے نہیں ظاہر ہوئیں حضرت (مجددؒ) کو ان تمام نسبتوں سے نوازا۔ اور آپ کو ہر ایک کی معرفت سے سرفراز فرمایا، جیساکہ بارہا آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس کمترین بندہ کے حق میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کمال عنایات میں سے یہ ہے کہ اس راہ کا کوئی کوچہ ایسا باقی نہیں رہا جس سے اس حقیر کو نہ گزارا ہو۔ اور سریان و معیت، احاطت و وحدت، تشبیہ و تنزیہ، ایں جہانی اور آنجہانی اسرار اور وجوبی و امکانی نسبتہائے عالیہ سے علیحدہ علیحدہ کرم محض سے بہرہ ور فرمایا۔

۳۔ از آنجملہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ المقدس نے آپ کو آسمانوں کا علم عطا فرمایا جیساکہ آپ نے خود اشارہ کیا ہے اور گزشتہ خطوط میں مذکور ہوا۔

۴۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حضرت خضر و الیاس علیہما السلام نے آپ سے ملاقات کر کے اپنی زندگی اور موت کی حقیقت بیان کی جیساکہ حضرت (مجددؒ) قدس سرہ نے ایک مکتوب میں اس کی تصریح کی ہے۔

۵۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ سلوک روحانی کی ابتدا میں حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو علوم لدنی سے نوازا جیساکہ اس راز کا ذکر مبدا و معاد کے حوالہ سے پہلے کیا گیا۔

۶۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حضرت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے آپ کو علم کلام کا مجتہد بنایا اور اس کی خوشخبری کے ساتھ نوازا جیساکہ خود آپ نے اپنے ایک مکتوب میں بیان فرمایا ہے ناظرین علوم سے اس دعوی کی صداقت پوشیدہ نہیں ہے۔ راقم الحروف عفی اللہ عنہ کا ارادہ ہے کہ آپ کے اجتہاداتِ کلامیہ کو مکتوبات کے دفاتر اور رسائل متبرکہ سے نکال کر ایک رسالہ تیار کرے انشاء اللہ تعالیٰ سبحانہ۔

۷۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ ایک دن آپ مراقبہ کے حلقہ میں تھے۔ انکسار کی وجہ سے اعمال کی کوتاہی پر نظر تھی کہ ایک آواز پہنچی کہ غَفَرْتُ لَکَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِکَ بِوَاسِطَةٍ اَوْ بِغَیْرِ وَاسِطَةٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ [1] (یعنی میں نے تجھ کو بخش دیا اور اس کو جو تمہارے ذریعے وسیلہ ڈھونڈے بالواسطہ یا بغیر واسطہ کے قیامت کے دن تک بخش دیا) اور اس کے اظہار کا حکم دیا گیا جیسا کہ آنحضرت قدس سرہ نے خود رسالہ مبدا و معاد کے ایک فقرہ میں اس بات کو تحریر فرمایا ہے۔

۸۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو خطاب کیا گیا کہ اِنَّکَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (بے شک تم متقیوں میں سے ہو) اور اس خطاب کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن اپنے وفات پائے ہوئے فرزند کی روح کو ایصال ثواب کے لیے کھانا پکوایا تو غلبہ انکسار کی وجہ سے آپ کی زبان سے نکلا کہ یہ صدقہ ہماری طرف سے کس طرح قبول ہوگا جبکہ اللہ تعالےٰ صدقہ قبول کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (اللہ تعالیٰ صرف متقیوں سے قبول کرتے ہیں) ابھی یہ فرما ہی رہے تھے کہ ندا آئی اِنَّکَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (بے شک تم متقیوں میں سے ہو)

۹۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کے لیے میں کبھی خود سے نہیں اٹھا بلکہ ہمیشہ اذان، اعلام، صدا اور اس قسم کی چیزوں سے رات کی آخری تہائی میں بیدار کیا گیا۔ بلکہ ایک بار تو صریحًا آواز پہنچی میں بیدار ہوا تو میں نے کہا میں کون ہوں کہ خود سے اٹھوں اور اللہ تعالےٰ کی طاعت اور بندگی میں الجھوں۔ پھر سو گیا ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ ہر طرف سے اذان و اعلام کی آواز آنے لگی۔

۱۰۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو بشارت دی گئی کہ آپ جس جنازہ میں شریک ہوں گے وہ میت مغفور ہے۔

۱۱۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ جس مقبرہ پر آپ مُردوں کے لیے مغفرت طلب کرتے تو آپ کو

---

[1] مبدا و معاد۔ (منہا ۵)

الہام کیاجاتا کہ عذاب اہل قبر سے اُٹھالیا۔ جیساکہ آپ کے اجداد میں سے امام رفیع الدینؒ کے ذکر میں اس دعویٰ کے دو شاہد کا پہلے ذکر ہوا۔

۱۲۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپکو بشارت دی گئی کہ جو علوم آپ نے زبان سے فرمائے یا تحریر کئے وہ سب ہماری طرف سے اور ہمارے کیے ہوئے ہیں۔ خصوصًا وہ علوم جن میں آپ کو کسی طرح کا تردد ہوا ہو آپ نے اس کی حقیقت اور صدق کو ظاہر کیا ہے۔

۱۳۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ شریعت کو میں نے دیکھا کہ ہمارے محلے میں اُتری جس طرح قافلہ سرائے میں اترتا ہے۔

۱۴۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ مولانا عبد القادر رانبالی جو حضرت (مجددؒ) کے ثقات اصحاب میں سے ہیں انہوں نے نقل کیا کہ انتقال کے بعد حضرت (مجددؒ) کو دیکھا کہ آپ نے تبسم فرمایا

۱۵۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرے میں تراویح ادا کرنے کے بعد میں نے اپنے اندر سستی محسوس کی چنانچہ میں بستر پر لیٹنے کے لیے گیا لیٹتے وقت سستی کے غلبہ کی وجہ سے میں دائیں پہلو پر لیٹتا جیسا کہ مسنون ہے لیکن بائیں پہلو پر لیٹ گیا۔ دراز ہونے کے بعد خیال آیا کہ ترک سنت ہو گیا۔ کاہلی کی وجہ سے نفس نے باور کرایا کہ سہو و نسیان کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ لیکن ترک سنت کا خوف نہیں گیا۔ آخر کار پورے طور پر اُٹھ کر دائیں کروٹ پر لیٹ گیا۔ اس عمل کے فورًا بعد کرم الٰہی سے بے انتہا انوار کی فیوضات ظاہر ہوئیں اور ندا آئی کہ تم نے جو اس قدر رعایت کی تو میں آخرت میں تم کو کسی طرح کا عذاب نہ دوں گا۔ اور تمہارے اس رعایت کی وجہ سے تمہارے اُس خادم کو بھی بخش دیا جو اس وقت تمہارا پاؤں دبا رہا تھا۔

۱۶۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اسی رمضان کے آخری عشرہ میں آپ نے فرمایا کہ آج ایک عجیب معاملہ گزرا۔ میں اپنے فرش پر لیٹا ہوا تھا میری آنکھ لگ گئی تو محسوس ہوا کہ کوئی دوسرا آدمی آکر میرے فرش پر بیٹھ گیا میں کیا دیکھتا ہوں کہ رحمۃ للعٰلمین و آخرین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے اجازت

نامہ لکھوں۔ اور اب تک میں نے کسی کے لیے اس طرح کی تحریر نہیں لکھی۔ میں نے دیکھا کہ اس اجازت نامہ کے متن میں وہ الطاف عظیمہ درج تھیں جو اس دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کی پشت پر وہ عنایات کثیرہ درج تھیں جو اس عالم سے تعلق رکھتی ہیں جیسے کہ اس بات کو دفتر سوم کے ایک مکتوب میں[1] آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

۱۷۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ملی کہ کل (قیامت کے دن) کئی ہزار آدمیوں کو تمہاری شفاعت سے بخش دیں گے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ جس روز سید انس و جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے آپ کو یہ بشارت ملی اس کے شکرانہ میں آپ نے کھانے کی دعوت کی اور قصہ بیان کیا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اس معرفت کی تقریب میں حضرت مجددؒ نے جو فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَۃً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ الخ (شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے دو دریاؤں کے درمیان صلہ بنایا) میرے اور ایک عزیز کے درمیان اختلاف ہوا وہ کہتا تھا خدا کی قسم اس قسم کا عظیم معاملہ جس کا اشارہ سرور دین و دنیا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہو لازمی ہے کہ وہ وقوع میں آئے۔ جیسا کہ مہدی موعود علیہ الرضوان کے سلسلے میں واقع ہوا۔ میں نے اس سے کہا تم کس طرح ایسی بات کہتے ہو جبکہ احادیث میں اس قسم کا اشارہ وارد نہیں ہوا ہے اور ہم کو تمام احادیث کا علم بھی نہیں ہے؟ اس عزیز نے کہا کہ شیخ سیوطیؒ کی احادیث کی کتاب جمع الجوامع میرے پاس ہے بہت کم حدیث ہے جو اس میں نہ ہو۔ آؤ مل کر اس امت کے فضائل کے باب میں تلاش کریں۔ درمیان میں ایک حدیث نکل آئی جو اس دعویٰ پر پورے طور پر دلالت کرتی تھی۔ اور وہ حدیث یہ ہے یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ صِلَۃٌ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بِشَفَاعَتِہٖ کَذَا وَکَذَا۔ (یعنی میری امت میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کو صلہ کہا جائے گا۔ اس کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

---

[1] یعنی مکتوب ۱۰۶۔

میں نے ان فاضل سے کہا کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ حدیث آپ کی حالت کی طرف اشارہ ہو۔ انہوں نے کہا احتمال رکھتا ہے اور خاموش ہو گئے آپ کے قلم کی زبان سے صراحتہً صلہ ہونے کو میں سُن چکا تھا اور نظر دوسرے مقولہ یعنی شفاعت پر تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ خوشخبری بھی امید کے کان میں پہنچی۔ آنحضرت (مجدد) نے تبسم فرمایا۔ اور اس کا شکریہ زبان سے بجا لا کر اس بندے کے حق میں بہت زیادہ التفات فرمایا۔

۱۸۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو حضرت خاتمیت علیہ الصلوۃ والتحیۃ کی متابعت کے سات درجات کے انوار و برکات کے ساتھ مشرف فرمایا۔ ان سات درجات کی تحقیق اور آپ کے حق میں اس دولت کے حصول کی تحقیق دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۵۰ میں تحریر فرمائی ہے۔ پڑھنے والے آپ کے مرتبہ کی بلندی وہاں سے معلوم کر سکتے ہیں۔

۱۹۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خناس اور وسواس کو اپنے کرم محض سے آپ کے بے کینہ سینہ سے باہر نکال دیا ہے جیسا کہ خود فرماتے تھے کہ میں نماز چاشت میں مشغول تھا۔ تو دیکھا کہ ایک عظیم بلا اچانک میرے سینے سے باہر نکل گئی۔ اس کے بعد دکھائی دیا کہ اس کے آشیانہ کو بھی سینہ سے دور کر دیا۔ اور بہت ساری تاریکیاں جو اس کے اطراف میں تھیں ان کا کوئی اثر نہیں رہا اور ایک عجیب قسم کا شرح صدر ہوا اور بتایا کہ تمہارے سینے سے جو باہر نکلا وہ خناس تھا جس سے پناہ مانگنے کا حکم پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو دیا گیا تھا۔ نیز یہ بھی ظاہر کیا کہ جو خطرات اصول دین میں پیدا ہوتے ہیں ان کے پیدا ہونے کا سبب یہی خناس ہے جو سینہ میں آشیانہ رکھتا ہے اور ہر وقت نیش زنی کرتا ہے۔

۲۰۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ محض عنایت کے ذریعے شرک خفی کو آپ کی عبادت سے دور کر دیا۔ آپ فرماتے تھے کہ چند روز تک اپنے اعمال کی کوتاہی کا خیال اسی طرح مسلط تھا کہ جب نماز میں سورہ فاتحہ میں لفظ اِیَّاکَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں)

پر پہنچتا تو حیران ہو جاتا تھا کہ اگر اس لفظ کو میں پڑھوں اور اس کے مفہوم کے مطابق میں ثابت نہ ہوں تو دورانِ قراٰت آیت کریمہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ[1] (کیوں تم وہ بات کہتے ہو جو نہیں کرتے ہو) کا مصداق ہو جاؤں گا اور اگر نہ پڑھوں تو اس کے بغیر نماز درست نہ ہو گی یہاں تک کہ حضرت حق سبحانہ نے محض کرم کی بنا پر شرک کو میری عبادت سے اٹھا لیا اور اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ[2] (خبردار اللہ ہی کے لیے خالص دین ہے) کی نعمت ظاہر ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

۲۱۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غایت اتباع اور رسوخ علم اور امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ اور امام مکرم شافعیؒ اور ان کے تلامذہ رضی اللہ عنہم کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے فنا اور بقا ظاہر ہوئی۔ جیسا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں ایک صحیح حلقۂ ذکر میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک مخصوص قسم کی فنا ظاہر ہوئی چنانچہ میرا تعین جاتا رہا اور یہ حالت بہت دیر تک رہی یہاں تک کہ اُسی دن عصر کی نماز کے بعد دیکھا کہ امام الائمہ سراج الامۃ ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ اپنے تمام شاگردوں، اور اپنے مذہب کے تمام علمائے مجتہدین کے ساتھ میرے اردگرد جمع ہیں اور میرا احاطہ کر لیا ہے۔ اور امام موصوف کے بعض اساتذہ مثلاً ابراہیم نخعیؒ بھی نظر آئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ امام (ابوحنیفہؒ) اور ان آئمہ کرام میں سے ہر ایک کے انوار مجھ میں داخل ہوئے۔ اور میں نے ان کے انوار سے تعین اور بقا کو پایا میں ان سبھوں کا مجسمۂ انوار ہو گیا اور ہر ایک کے نور کو الگ الگ اپنے اجزاء میں دیکھا۔ اس معاملہ کے دو تین دن بعد اسی قسم کے تعین و بقا کا معاملہ امام شافعیؒ اور ان کے تلامذہ اور اُن کے علمائے مذہب کے ساتھ ظاہر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ علمائے حنفیہ مجھ سے باہر نکلے اور امام شافعیؒ اپنے تلامذہ اور مجتہدین مذہب کے

---

[1] سورۃ الصف، آیت ۲

[2] سورۃ الزمر، آیت ۳

ساتھ مجھ میں داخل ہو گئے اور پہلی جماعت کی طرح ان کے انوار میرے اجزا بن گئے چند ساعت کے بعد دیکھا کہ انوار حنفیہ پہلے کی طرح لوٹ آئے۔ اب میں خود کو فریقین کے انوار کے ساتھ متحقق پاتا ہوں اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت الیسا دکھائی دیا کہ حق ان دونوں اماموں سے باہر نہیں ہے۔ جو کچھ حنفی سے رہ گیا اس کو شافعیؒ نے اختیار کیا۔ اور ان سے تجاوز نہ کیا۔ دو تہائی حصہ امام ابوحنیفہ کے لیے اور ایک تہائی امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے لیے مسلم ہے۔

۲۲۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ اور مشائخ قادریہ قَدَّسَ اللہُ اَسْرَارَہُمْ کے درمیان آپ کے بارے میں بحث ہوئی یہانتک کہ دوسرے طریقوں کے مشائخ رحمہم اللہ نے پہنچ کر صلح کرادی جیسا کہ فصل دوم میں گزرا۔

۲۳۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ ہمارے طریقے میں قیامت تک بالواسطہ یا بلاواسطہ داخل ہوں گے خواہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں سبھوں کو ہماری نظر کے سامنے لایا گیا اور نام ونسب، مولد اور مسکن مجھے بتایا۔ اگر میں چاہوں تو سب کو ایک ایک کر کے بیان کر دوں۔

۲۴۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ پر ظاہر کیا گیا کہ ہندوستان میں انبیاء علیہم السلام تھے جن میں سے بعض پر تین آدمی اور بعض پر دو آدمی اور بعض پر ایک آدمی ایمان لائے اور تین آدمیوں سے زیادہ کسی پر ایمان نہ لائے، نیز ان انبیاء میں سے بعض کے قبور متبرکہ بھی دکھلائی گئیں جہاں وہ آسودہ ہیں۔ اور ان کے انوار کا مشاہدہ کیا[1]

۲۵۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ دوردراز پہاڑی علاقوں میں رہنے والے جن تک کسی نبی کا پیغام نہ پہنچا اور رسولوں سے خالی زمانہ کے مشرکین کے اُخروی احوال کے متعلق ماتریدیہ کہتے ہیں کہ یہ جماعت دوزخ میں ہوگی۔ اور اشعریہ اس کے خلاف ہیں۔ لیکن حضرت مجددؒ پر اس طرح منکشف کیا گیا کہ بعثت اور احیائے اُخروی کے بعد ان کو مقام حساب

---

[1] دیکھیں۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۵۹۔

میں رکھ کر ان کے جرم کے مطابق عتاب و عذاب دیا جائے گا اور حقوق کے پورے طور پر وصول کر لینے کے بعد غیر مکلف حیوانات کی طرح اُن کو بھی معدوم مطلق اور لاشئے محض بنا دیں گے۔ اور ان دو امور کی تحقیق دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۹ میں مذکور ہے۔ اس انکشاف کے تحریر کرنے کے بعد اسی مکتوب میں فرمایا ہے کہ اس عجیب مسئلہ کو جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا تو ان سبھوں نے تصدیق فرمائی۔ اور تسلیم کیا۔ العلم عند اللہ سبحانہ،

۲۶۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ قضائے مبرم کی ایک قسم کے حکموں میں سے ایک حکم آپ کی درخواست کی وجہ سے مقبول ہوا۔ اور قضائے مُبرم و معلّق اور محو و اثبات کی جو قسمیں ہیں ان کے اسرار کی اطلاع کے ساتھ آپ کو مخصوص بنایا۔ جیسا کہ اجمالاً آپ کے ایک خلیفہ شیخ طاہر کے حال کے بیان میں انشاء اللہ ذکر ہوگا[1]

۲۷۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو علمائے راسخین میں سے اور متشابہات قرآنی کے اسرار منکشف کرنے والوں اور مقطعات قرآنی کے رموز کے واقف کاروں میں سے بنایا۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے اور تحریر کیا ہے کہ

"یہ فقیر ایک مدت تک متشابہات کے راز کو حضرت حق سبحانہٗ کے علم کے حوالہ کرتا تھا۔ اور علمائے راسخین کے لیے متشابہات پر ایمان لانے کے سوا حصہ نہیں سمجھتا تھا اور جو تاویلات کہ بعض علمائے صوفیہ نے بیان کی ہیں ان کو ان متشابہات کی شان کے لائق نہیں جانتا تھا۔ اور ان تاویلات کو ان اسرار میں نہیں سمجھتا تھا کہ پوشیدہ رکھے جانے کے لائق ہوں جیسا کہ عین القضاۃؒ نے الف لام میم سے الٓمٓ مراد لیے جو درد کے معنی میں ہے اور عشق کے لیے لازم ہے اور اسی طرح کی دیگر تاویلات ہیں۔ آخر کار جب حضرت حق سبحانہٗ نے محض فضل سے متشابہات کی تاویلات کا

---

[1] مکتوبات امام ربانیؒ دفتر اوّل۔ مکتوب ۲۱۰ دیکھیں۔

ایک شمہ اس فقیر پر ظاہر کیا اور ایک نہر اُس دریائے بے پایاں سے اس مسکین کے استعداد کی زمین کی طرف کھول دیا تو معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو متشابہات و مقطعات کی تاویل میں کافی حصہ ملا ہے۔" سلہ

اور جس طرح کہ بعض نے وجہ سے ذات اور ید سے قدرت مراد لیا ہے تو یہ بھی نہیں ہے بلکہ ان کی تاویل ان اسرار غامضہ میں سے ہے جو اخص الخواص پر ظاہر کئے ہیں۔ حروف مقطعات کے متعلق کیا کہوں کہ ان حروف میں سے ہر حرف عاشق و معشوق کے خفیہ رازوں کا موجیں مارتا ہوا ایک سمندر ہے اور محب و محبوب کے دقیق رموز میں سے ایک رمز ہے۔ اور محکمات اگرچہ اُمہاتِ کتاب ہیں۔ لیکن ان کے نتائج وثمرات وہ متشابہات ہیں۔ کتاب کے مقاصد متشابہات ہیں۔ اور امہات کی حیثیت وسائل سے زیادہ نہیں۔ عالم راسخ وہ شخص ہوتا ہے جو اس کو اُس کے ساتھ جمع کرے۔ اور حقیقت کی صورت گری کر سکے۔ اور جو شخص محکمات کے علم اور ان کے مطابق عمل کے بغیر متشابہات کی تاویل ڈھونڈتا ہے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑتا ہے وہ شخص جاہل ہے اور اپنے جہل سے بے خبر اور گمراہ ہے اور اُسے اپنی گمراہی کا شعور نہیں ہے۔" سلہ

نیز تحریر فرمایا ہے کہ

"متشابہات کی تاویل کا علم رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے علیہم الصلوات والتسلیمات۔ اور اُمتیوں میں سے شاید بہت ہی کم تعداد کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم کا کچھ ذوق بخشتے ہیں اور اس دنیا میں ان متشابہات کے جمال سے برقع ان لوگوں کے لیے ہٹا دیتے ہیں لیکن امید ہے کہ اخروی زندگی میں اس اُمت کے ایک جم غفیر کو اتباع کی برکت سے اس دولت تک رہنمائی

سلہ مکتوبات ۱، ۲، ۳۔ اصل مکتوب میں یہاں کی عبارت متقدم و موخر ہو گئی ہے۔ یعنی یہاں تک عبارت مکتوب ۱/۲۷۶ میں آخر کی ہے اور اس کے بعد کی عبارت اس مکتوب میں پہلے آتی ہے۔ دفتر دوم کے مکتوب ۳ میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے۔ مبدا و معاد صفحہ ۱۳ بھی دیکھیں

کریں۔ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس زندگی میں اقل قلیل کے علاوہ بعض دوسروں کو بھی اس دولت سے مشرف بنائیں لیکن حقیقت معاملہ کا علم نہیں دیتے ہیں اور تاویل کو منکشف نہیں کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جائز ہے کہ متشابہات کی تاویل کا علم ان بعض کو حاصل ہو لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کیا حاصل ہوا اس لیے کہ متشابہات کنایہ ہیں معاملات سے۔ اور جائز ہے کہ معاملہ تو حاصل ہو لیکن اس معاملہ کا علم حاصل نہ ہو اس معنی کو میں نے اپنے منتسبوں میں سے ایک فرد میں مشاہدہ کیا ہے دوسروں تک کیا پہنچے (آپ کا کلام عالی انتہا کو پہنچا) سلہ

اس حقیر راقم الحروف عفی اللہ عنہ نے جامع اسرار و علوم خواجہ محمد معصوم اور آپ کے برادر عزیز مد ظلہما سے جو حضرت (مجددؒ) کے خصوصی اسرار کے محرم تھے تنہائی میں بہت ہی عاجزی کے ساتھ دریافت کیا کہ آیا قرآن کے حروف مقطعات میں سے کسی حرف کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ لوگوں کے سامنے کوئی اشارہ کیا ہے یا نہیں؟ اگر آپ کے درمیان بیان کیا ہے تو بندہ بھی امیدوار ہے کہ اشارہ سے سرفراز ہو۔ تو فرمایا کہ کئی بار خلوتوں میں حضرت مجددؒ سے درخواست کی گئی کہ ان متشابہات و مقطعات کے اسرار میں سے کوئی رمز ظاہر فرما دیں۔ تو حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ ان اسرار کے بیان کرنے والوں کے خیمہ کے اردگرد شیطان ہمیشہ گھومتا رہتا ہے کہ شاید یہ ان اسرار کو دل سے زبان پر لائیں تاکہ چوری چھپے سن لے۔ اور علمائے راسخین میں سے جن کو ان اسرار کی اطلاع دی گئی ہے انہوں نے اس کو پوشیدہ رکھا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت! آپ تو اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ اسرار کو بیان فرمائیں اور اپنے اطراف سے شیطان کو دفع کریں جب ہماری درخواست اور اس پر اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان حروف میں

سلہ یہ عبارت جو یہاں ختم ہوئی اور شروع اس طرح سے ہے کہ "متشابہات کی تاویل کا علم رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے" بعینہٖ یہی عبارت حضرات القدس دفتر دوم کے حضرت چہارم میں بھی درج ہے لیکن مکتوبات شریف میں یہاں نہیں ہے۔ کچھ فرق کے ساتھ کئی جگہ ہے (جیسے ۱/۳۰۱ وغیرہ)

ایک حرف کے راز کو ظاہر کرنے کے لائق دیکھا اور اس کے بیان پر میں مامور ہوا وہ حرف قَ تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کے راز کو بیان فرمایا اور ہم کو از خود رفتہ بنا دیا نیز ہم کو اس کے ظاہر کرنے سے تاکید کے ساتھ منع فرمایا۔ اس لیے ہم کو معذور رکھو۔[1]

۲۸۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حضرت (مجدد) کو مقامات صغریٰ کی سیر میں قطبیت ارشاد اور قطبیت افراد کا جامع بنایا تھا۔ اور یہ مرتبہ عالیہ نوادرات میں سے ہے جیسا کہ مبدا و معاد کے فقرہ مذکورہ میں بیان کیا گیا۔

۲۹۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ مشارب نیز انبیا علیہم الصلوٰۃ والتحیات کے کمالات ولایات، اسی طرح یہ کہ کون طالب کس پیغمبر کے قدم پر ہے آپ پر مکشوف ہو گئے تھے۔ نیز ان مشارب میں ہر ایک کے قدموں کے تفاوت کو بھی آپ پر ظاہر فرما دیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ فلاں شخص ولایت موسوی میں ہے۔ اور فلاں شخص فلاں مرکز کے نقطہ کے قریب اور فلاں دائرہ کے نزدیک ہے وغیر ذلک اور یہ نوادرات میں سے اور بہت ہی عظیم ہے۔

آپ کے مخلصوں میں سے ایک فقیر نے بیان کیا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے فلاں! تم ولایت ابراہیمی (علی صاحبہا السلام) سے ہو۔ اس فقیر کے دل میں آیا ہو گا کہ اگرچہ حضرت (مجدد) کا علم اس بارے میں کافی ہے۔ لیکن اگر مجھ کو بھی کسی طرح حضرت (مجدد) کی توجہ سے معلوم ہو جاتا تو عنایت ہوتی۔ اُسی رات معاملہ دیکھا کہ حضرت خلیل الرحمٰن (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) بہت ہی شان و شوکت اور نورانیت کے ساتھ موجود ہیں، اور حضرت (مجدد قدس اللہ سرہ الاقدس) آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں پورے طور پر باادب کھڑے ہیں اور دوسرے لوگ جنہیں ولایت ابراہیمی کی بشارت دی گئی تھی حاضر ہوئے۔ حضرت (مجدد) نے ہمارے ہاتھوں کو

---

[1] یہی بات حضرات القدس (حضرت چہارم) میں بھی درج ہے۔

پکڑ کر حضرت خلیل (علیہ السلام) کے قدم مبارک میں ڈال دیا ہم آپ کے قدم کو بوسہ دے کر واپس لوٹ گئے۔ یہ راوی بیان کرتا ہے کہ اس واقعہ کے دیکھنے کے بعد جب آپ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ نے تبسم فرمایا۔ اور فرمانے لگے کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس میں تردد کی گنجائش نہیں ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ طالبوں کو دقائق احوال اور مشرب و استعداد کا علم کس طرح دیتے ہیں؟ بہت سی مدت میں جا کر خواص کاملین میں سے کسی ایک کو ان علوم کی دولت سے نوازتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ جیسے بزرگ کہ اپنے زمانہ کے اولیا کے قطب تھے ان کو معلوم نہ تھا کہ کن نبی کے قدم پر ہیں۔ یہاں تک کہ اس امر کی تحقیق کی نیت سے اپنے طالبوں میں سے ایک کو ایک دوسرے بزرگ قدس سرہ کے پاس بھیجا جنہیں ان اسرار کے علم سے نوازا گیا تھا۔ شیخ (نجم الدین کبریٰ) کے احوال دریافت کرتے ہوئے اُن بزرگ نے اس طالب سے فرمایا کہ ہمارا جہود ک (یہودی بچہ) کیسا ہے؟ وہ مرید اس بات سے رنجیدہ اور حیران ہو کر شیخ نجم الدین (کبریٰ) کی خدمت میں واپس آیا اور جو کچھ سنا تھا بیان کر دیا۔ شیخ خوشی میں جھومتے ہوئے اُٹھے اور کہا کہ میرا مقصد حاصل ہوا، اور معلوم ہو گیا کہ ہم کلیم اللہ علیہ السلام کے قدم پر ہیں۔ جہود ان کی امت کو کہتے ہیں اور یہ کلام ان بزرگ کی طرف سے ہمارے لیے ان کی ولایت کے اتباع کی طرف اشارہ ہے۔

۴۰۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ نے آپ کو محض کرم سے قدرت عطا کی تھی اور تصرف بخشا تھا کہ ایک شخص کو جو کسی ولایت و مشرب میں ہوتا اُس کو اُس سے اوپر والی ولایت میں پہنچا دیتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے مخدوم زادہ بزرگ کو تحریر فرمایا تھا کہ تم کو ولایت موسوی کے بعد ولایت محمدی کی طرف لایا گیا۔ اور یہ عجائب روزگار اور عظیم ترین تصرفات میں سے ہے۔

۴۱۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ تعین وجودی اور تعین علمی جن کے متعلق کسی عارف نے اس حد تک زبان نہیں کھولی آپ پر ظاہر کئے گئے اور اس مرتبہ بلند کے اسرار و

برکات سے آپ کو مشرف بنایا۔ جیسا کہ آنحضرت قدس سرہٗ نے اس امر کی تحقیق جلد سوم مکتوب ۹۰ میں کی ہے۔

۲۲۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو قلوب خمسہ کے معاملات کے اسرار سے نوازا ہے۔ خصوصاً اس عظیم مرتبہ کے ساتھ جو پانچویں قلب کے ساتھ متعلق ہے اور وہ نادر مقامات میں سے ہے جیسا کہ خود مبدا و معاد کے بارہویں فقرہ میں آپ نے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

فاذا بلغ العارف الاتم معرفته والاکمل شهوداته المقام العزیز وجوده الشریف رتبتهٗ یصیر ذلك العارف قلباً للعوالم کلها والظهورات جمیعها وهو المتحقق بالولایة المحمدیة والمشرف بالدعوة المصطفویة علی صاحبها الصلوٰة والتحیة فالاقطاب والابدال والاوتاد داخلون تحت دائرة ولایة والافراد والاوحادُ وسائر فرق الاولیاء مندرجون تحت انوار هدایة لما هو نائب مناب رسول الله والمهدی لهدیٰ حبیب الله وهٰذه النسبة الشریفة العزیز وجودها مخصوصة باحاد المرادین لیس للمریدین من هٰذا الکمال نصیبٌ هذا هو النهایة العظمیٰ والغایة القصویٰ لو وجد بعد الوف سنة مثل هٰذا العارف لاغتنم وجوده ولسری برکته الی مدة مدیدة واٰجال

متباعدة وهو الذی کلامہ دواءٌ ونظرہ شفاءٌ والحضرت المهدی سیوجد علیٰ هٰذہ النسبۃ الشریفہ من هٰذہ الامۃ الخیرۃ ذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

"جب کوئی ایسا عارف جس کی معرفت مکمل تر اور جس کا حضور (شہود) کامل تر ہو اس مقام تک پہنچتا ہے جس کا وجود نادر ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے شریف تر ہے تو ایسا عارف تمام جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے۔ یہی شخص ولایت محمدیہ کا صحیح حقدار اور دعوات مصطفویہ کے ساتھ شرف اندوز ہوتا ہے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ چنانچہ اقطاب، اوتاد اور ابدال سب اس کے دائرہ ولایت کے تحت میں داخل ہوتے ہیں اور افراد اور آحاد اور اولیاء کے تمام گروہ اسی کے انوارِ ہدایت کے ماتحت مندرج ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے اور خدا کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت کے ساتھ ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ نسبت شریفہ جو بہت ہی کم پائی جاتی ہے مرادین میں سے کسی کسی کے ساتھ مخصوص ہے اس کمال میں مریدین کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یہ وہ عظیم الشان انتہا اور بعید ترین غایت ہے کہ اس کے اوپر کوئی کمال کا درجہ ہی نہیں ہے اور اس سے زیادہ عزت والا اور کوئی عطیہ الٰہی نہیں ہے۔ اگر اس انداز کا کوئی عارفِ کامل ہزاروں سال کے بعد بھی پایا جائے تو اُسے غنیمت سمجھا جائے گا۔ اس کی برکات طویل مدتوں اور بعید ترین عرصوں تک جاری رہتی ہیں یہی وہ عارف کامل ہے جس کی گفتگو دوا ہے اور جس کی نظر شفا ہے۔ حضرت امام مہدی (رضی اللہ عنہ)

اس بہترین امت کی اسی نسبت شریفہ کے ساتھ عنقریب تشریف لائیں گے
یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بہت ہی
بڑے فضل والا ہے "

۳۳ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کی دنیا کو کرم محض سے آخرت بنا دیا۔ عالی مرتبہ مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ نے اس معنی کے حل کرنے میں تحریر فرمایا ہے کہ

"اس دنیائے فانی کی بعض تمتعات ایسی ہیں کہ اُخروی درجات میں کمی کا باعث ہیں۔ لیکن آپ کے حق میں ایسا ہوا کہ دنیوی نعمتوں نے اُخروی نعمتوں کا حکم ظاہر کیا۔ نیز دنیا میں جو کچھ مشہود ہوتا ہے وہ ظلیت کے شائبہ کے بغیر نہیں۔ اور یہ عالم اس کی تاب نہیں رکھتا کہ شائبہ کے بغیر جلوہ گر ہو۔ مگر دین و دنیا کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دولت عطا فرمائی تھی۔ اور حضرت (مجددؒ) کو اگر کمال اتباع کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان کے پس خوردہ سے کچھ حصہ ملا ہو تو عجیب نہیں [1] کیونکہ ہر وہ کمال جو پیغمبر کو حاصل ہوتا ہے کامل متبعین کو اس میں سے وراثت کے طور پر حصہ ملتا ہے۔ حضرت (مجددؒ) نے بھی اس حصہ کی طرف بعض مکاتیب میں اشارہ فرمایا ہے۔ نیز ممکن ہے کہ آپ کے فرمانے سے مقصود یہ ہو کہ عارف کا شہود کتنا ہی کامل ہو۔ لیکن جب تک اس دنیا کی زندگانی میں مقید ہے خیال کی رسی میں بندھا ہوا ہے اور قیدِ خیال سے مکمل رہائی اس عالم میں محال ہے جیسا کہ مولانا رومی قدس اللہ سرہ العالی نے وفات کے وقت فرمایا ہے

من شوم عریاں زخود او از خیال تا خرامم در نہایات الوصال [2]

مگر یہ جو فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے کامل متبعین میں سے کسی کسی کو ان سے حصہ پہنچا ہو تو وہ اس لیے کہ قیدِ خیال سے اس عالم میں رہائی ولایتِ انبیاء میں ہے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی ؒ (۲/۷) میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے۔

[2] مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب ۱۸۹۔

جو کہ اصل الاصل سے متعلق ہے۔

۳۴۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو حقیقت قرآنی کے اسرار و انوار سے اور کعبہ ربانی کی حقیقت سے اور بیت المقدس کی حقیقت سے کافی حصہ عطا کیا۔ جیسا کہ آپ کے کئی مکتوبات سے سمجھا جاتا ہے[1]

۳۵۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ورائے آفاق و اَنفُس کا معاملہ کیا گیا ہے کہ انفس و آفاق ان کے نزدیک ایک ہی ہیں۔ اور اس کا بیان مجملاً مبدأ و معاد کے ایک فقرہ (نہم) میں کیا ہے اور تفصیل کے ساتھ مکتوبات جلد دوم کے مکتوب ۴۴ میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ اور انفس و آفاق کے مشاہدہ کا یہ معاملہ کہ یہ رُویت نہیں ہے بلکہ رویت کے مماثل ہے تو اس کو ثابت کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ یہ وہ دولت عظمیٰ ہے کہ اصحاب نبی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد سے کم ہی کوئی شخص اس دولت سے سعادت اندوز ہوا ہے۔ اگرچہ آج یہ بات مستبعد نظر آتی ہے اور بہت سے لوگ اُسے قبول نہیں کرتے۔ لیکن (یہ فقیر) اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کر دیتا ہے خواہ کوتاہ اندیش لوگ اُسے قبول کریں یا نہ کریں اور یہ نسبت اسی خصوصیت کے ساتھ کل (یعنی آئندہ) حضرت مہدی (رضی اللہ عنہ) میں ظاہر ہوگی[2]

۳۶۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حق سبحانہ، وتعالےٰ نے آپ کو حق الیقین کے ساتھ مشرف بنایا کہ دوسروں کا حق الیقین آپ کے نزدیک علم الیقین ہے جیسا کہ اس مفہوم کو جلد دوم مکتوب چہارم میں آپ نے بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حق الیقین کے متعلق کیا کہوں، اور اگر کہوں تو کون سمجھے گا اور کیا معلوم کرے گا؟ یہ معارف ولایت کے احاطہ سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت علمائے ظواہر کے رنگ میں اُن کے سمجھنے سے عاجز اور ان کے پانے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم مشکوٰۃ انوار نبوت (علی اہلہا الصلوٰت

---

[1] بعض مکتوبات امام ربانی ۲ ۲، ۳۰، ۴۴، ۱۲ وغیرہ۔

[2] مبدأ و معاد منہاد، مکتوبات ۳ ۴۔

والتسلیمات) سے ماخوذ میں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد اتباع اور وراثت کے ذریعے تازہ ہوگئے ہیں [1]

۳۷۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو وہ راہ دکھائی ہے جو جذبہ وسلوک سے باہر ہے اور اس کو حضرت (مجدد) نے اقتباس نبوت کی راہ سے تعبیر کیا ہے، اور اس کا بیان جلد اول مکتوب نمبر تین سو ایک میں کیا ہے۔

۳۸۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ سید الانبیا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوری متابعت کی وجہ سے آپ کو اس مقام سے مشرف بنایا جو مقام رضا کے اوپر ہے۔ اور اس کو محبت ذاتی کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور بہت ہی نادر ہے اس کا بیان جلد دوم کے مکاتیب میں سے دو مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے [2]

۳۹۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ پر تینوں ولایت [3] یعنی صغریٰ، کبریٰ اور علیا کے درجات منکشف کئے جو کہ اولیاء کی ولایت، انبیا کی ولایت اور ملائکہ کی ولایت ہے۔ اور ہر ایک کے کمالات کے ساتھ متحقق کیا۔ جیسا کہ ان درجات کی تفصیل مکتوبات عالیہ میں شرح ووضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

۴۰۔ اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ لطف محض سے آپ کو خزینہ رحمت بنایا۔ جیسا کہ خود دفتر اول کے مکتوب نمبر ۳۱۱ تین سو گیارہ میں دو چشمی اسرار کے ضمن میں اس مفہوم کو ذکر کیا ہے۔

۴۱۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو بتلایا گیا کہ آپ سے لے کر مہدی آخر الزمان کے ظہور تک کوئی ان باطنی کمالات ومعاملات کا رکھنے والا ظہور میں نہیں آئے گا [4]

---

[1] مکتوبات۔ دفتر اول مکتوب ۱۳۰، دمکتوب ۲۳۴ بھی دیکھیں۔

[2] یعنی مکتوب ۶-۷۔

[3] تفصیل سے دیکھیں مکتوبات ۱/۲۶۰-۲۸۷-۳۰۲-وغیرہ-۲/۳ بھی دیکھیں۔

[4] مبدأ ومعاد (منہا ۹) منہا ۲ بھی دیکھیں۔

۴۲۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ رسالہ مبدا، ومعاد میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ابتدائے حال میں میں دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ میں طواف کر رہا ہوں اور ایک جماعت بھی میرے ساتھ طواف میں شریک ہے لیکن اس جماعت کی رفتار اس قدر سست ہے کہ جب تک میں ایک دو طواف مکمل کرلوں وہ جماعت دو تین قدم مسافت طے کرتی ہے۔ اس دوران میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ عرش کے اوپر ہے اور ان طواف کرنے والوں کی جماعت فرشتوں کی ہے (علی نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات) اللہ اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔[1]

۴۳۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپ کو الف کا مجدد اور ہزار کا منوّر بنایا جیسا کہ اس فصل کے شروع میں ذکر ہوا۔ اور یہ تمام خصائص اسی پر مبنی ہیں۔ اور منجملہ بلند خصوصیات کے ہیں۔

ان خصوصیات کے علاوہ پانچ بڑی خصوصیات بھی ہیں جو یہ ہیں:۔

پہلی خصوصیت تو آپ کی اس دعائے شریف میں مندرج ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ (یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے دو دریاؤں کے درمیان صلہ بنایا اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنایا) اور یہ جلد دوم کے مکتوب ششم میں مرقوم ہے۔

دوسری خصوصیت آپ (قدس سرہٗ) کا ان سابقین کے مقام پر پہنچنا ہے جن کا مرتبہ اصحاب یمین کے اوپر ہے۔ جس طرح کہ اصحاب یمین کو اصحاب شمال پر رتبہ کی بلندی حاصل ہے۔ اور یہ آپ کے قلم مبارک سے جلد دوم کے مکتوب نمبر ۴ میں تحریر ہوا ہے۔

تیسری خصوصیت اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کا بلاواسطہ افراد انبیاء علیہم الصلوات والطیبات سے آپ قدس سرہ کی معیت میں کلام کرنا ہے۔ اور یہ چیز بعض کامل متبعین کو اتباع اور وراثت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور جب اس قسم کا کلام کسی کے ساتھ زیادہ ہو تو

---

[1] مبدا ومعاد (منہا ۲۳)

اُس کو مُحدَّث کہتے ہیں جیسا کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے ۔[1]

یہ اشارہ ہے اس طرف جیسا کہ مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہٗ نے بیاض[2] میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت (مجدد رح) کو اپنے جدِ مکرم فاروق اعظم کی وراثت کے طور پر محدَّث (بفتح دال) بنایا ہے، اور اس پر اللہ تعالےٰ کا شکر ہے ۔

چوتھی خصوصیت آپ کی اس معرفت میں مندرج ہے جو آپ نے جلد سوم کے مکتوب ۹، میں قلم مبارک سے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ نے آپ (قُدِّسَ سِرُّہٗ) کو وہ ذات عطا کی جو عالم یعنی اعراض مجتمعہ کے لیے قیوم ہے ۔

پانچویں خصوصیت وہ معرفت ہے جو آپ کی اصل کے متعلق ہے کہ آپ کا خمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خمیر کے بقیہ سے ہے جس طرح کھجور کا خمیر حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر کے بقیہ سے ہے[3] اور آپ کی عظیم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ زمانہ وصال کے قریب آپ نے فرمایا کہ ہر وہ کمال جو[4] نوعِ بشر میں ممکن ہے مجھ کو عطا فرمایا۔ اور سیدالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت اور وراثت کے ذریعے اس سے متحقق فرمایا۔ اور اگر میں چاہوں کہ ان کو معقول مقدمات کے ذریعے سننے والوں کو سمجھاؤں تو عقل والے کی عقل اس عجیب تر بیان کو نہ سمجھے۔ منجملہ ان خصوصیات کے ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری نسبت[5] خاصہ اس عالم کے خاتمہ تک ہماری اولاد میں رہے گی۔ اور سب سے عجیب تر آپ کی بلند خصوصیات یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو تبعیت و وراثت کے باوجود اصالت کے ایک حصہ سے ممتاز فرمایا جیسا کہ اس کی تحقیق و تفصیل مکاتیب شریفہ میں مذکور ہیں ؎ قلم اینجا رسید و سر بشکست (قلم اس جگہ پہنچا اور ٹوٹ گیا)

گر بگویم شرح آں بیحد شود　　　　مثنوی ہفتاد من کاغذ شود

اگر کوئی عالم عارف آپ کے مکاتیب شریفہ اور رسائل مبارکہ کو دیکھیگا تو اسکو عالی حضرت متعالی منقبت کی ان سے زیادہ خصوصیات معلوم ہونگی، اگرچہ جسقدر ہم نے بیان کیا ہے یہ بھی کافی ہے پڑھنے والوں اور سننے والوں کے یقین و قبول کی نسبت سے ؎

راز جز با رازداں انباز نیست　　　　راز اندر گوش منکر راز نیست[6]

اللہ تعالیٰ صاحب احوال سے راضی ہو ۔

---

[1] مکتوبات۔ دفتر دوم۔ مکتوب ۵۱ ۔ [2] ایضاً ۳/۸۷ میں اس سے ملتی جلتی عبارت ہے ۔

[3] دیکھیے حضرات القدس ۲/۱۱ حضرت ششم بمکاشفہ ۲۱-۲۸-۳۵ ۔ [4] ایضاً مکاشفہ ۲۹-۳۰-۳۳-۳۷۔

[5] (راز داں ہی رازمیں دیکے گا داد ؎ جو کرے انکار وہ کیا سمجھے گا راز)

فصل ششم

عزیمت کے مطابق حضرت مجدد کے شب و روز کی عبادتوں اور عادتوں کا اور غایت اتباع سنت کا بیان اور کچھ آپ کے بعض عقائد شریفہ کا ذکر۔

گذشتہ فصل جس میں حضرت مجددؒ کے مرتبہ اور منزلت کی رفعت و بلندی وضاحت کے ساتھ بیان کی اس سے انصاف پسند عقل رکھنے والوں کو معلوم ہو گا کہ ان نادر معاملات کا مالک سنت سنیہ کی اتباع میں اور اخلاص پسندیدہ اور طاعات کثیرہ میں کیا مرتبہ رکھتا ہو گا۔ اس کے باوجود اجمالی طور پر طالبوں کے لیے خواہ وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ کے مرید ہوں دستور العمل کے طور پر تحریر کرتا ہے۔ اگرچہ حضرت (مجددؒ) کے شب و روز کے وظائف کو حضرات مخدوم زادگان کی تائید سے آپ کے بعض سعادت نصیب ساتھیوں نے جمع کیا ہے۔ لیکن یہاں بہتر طریقے پر فوائد کے اضافہ کے ساتھ اللہ سبحانہٗ کے کرم اور اس کی توفیق سے تحریر کیا جاتا ہے۔

اس کمترین نے حضرت (مجددؒ) کی زبان مبارک سے کئی بار سنا آپ نے فرمایا کہ اگرچہ ہمارے عمل اور کام کی کیا حقیقت ہے لیکن جو کچھ بھی ہم کو عطا کیا ہے میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سبب سے جانتا ہوں مثال کے طور پر اگر کوئی امر کرم کا بہانہ ہو تو وہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہو گی کہ میں اسی پر اپنے کام کا مدار سمجھتا ہوں۔ جو کچھ ہمیں دیا ہے وہ اسی اتباع کی راہ سے جزئیاً و کلیاً دیا ہے اور جو کچھ نہیں دیا ہے۔ تو اس لیے نہیں دیا کہ پورے طور پر اتباع میں بتقاضائے بشریت کوئی نقص رہ گیا ہو اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ ایک دن سہواً بیت الخلاء جانے میں دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا اس دن کئی احوال مجھ پر بستہ ہو گئے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ ایک دن میں حضرت (مجددؒ) کی خدمت میں بیٹھا تھا اور آپ معارف کے تحریر فرمانے میں مشغول تھے کہ اچانک استنجا کی شدید حاجت کے باعث تیزی

کے ساتھ وضو خانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن جس تیزی کے ساتھ وضو خانہ کی طرف گئے تھے اسی طرح بہت ہی تیزی کے ساتھ باہر آگئے۔ بندے کو حیرت ہوئی کہ اتنی تیزی سے جانے اور اس قدر جلد واپس آنے کا کیا سبب تھا۔ بیت الخلاء سے باہر آتے ہی پانی کا لوٹا منگوا کر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھو کر پھر بیت الخلاء واپس تشریف لے گئے۔ جب کچھ دیر کے بعد واپس ہوئے تو فرمایا کہ پیشاب زور سے لگ رہا تھا اس لیے تیزی کے ساتھ میں وضو خانہ میں داخل ہوا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ میری نظر ناخن پر پڑی دیکھا کہ ایک سیاہ نقطہ اس پر تھا جو میں نے قلم کا امتحان کرنے کے لیے اس پر لگایا تھا۔ اس سیاہی کے نقطہ کے ساتھ جو حروف قرآنی کی کتابت کے اسباب میں سے ہے وہاں بیٹھنا مناسب اور ادب کی رعایت کے مطابق نہیں دیکھا باوجودیکہ استنجا کے شدید تقاضا کے باعث مجھے محنت اُٹھانی پڑی لیکن ترک ادب کی محنت کے مقابلہ میں یہ محنت حقیر دکھائی دی اس لیے باہر آکر اس سیاہی کے نقطہ کو میں نے دھویا اور پھر واپس ہوا۔

یہ بندہ ایک روز کسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے مولانا صالح ختلانی کو حکم دیا کہ چند لونگیں تھیلی سے نکال لائیں۔ انھوں نے چھ لونگیں پیش کیں۔ آپ غصہ میں آگئے اور فرمانے لگے کہ ہمارے اس صوفی نے اتنا بھی نہیں سُنا ہے کہ "اَللّٰہُ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ" (اللہ وتر ہے وتر کو پسند فرماتا ہے) وتر (طاق) کی رعایت مستحبات میں سے ہے۔ مستحب کو لوگ کیا جانیں۔ مستحب اللہ تعالیٰ کا پسند کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پسند کئے ہوئے ایک عمل کے بدلے اگر دنیا و آخرت کو دیدے تو کچھ بھی نہ دیا۔ اور فرمایا کہ ہم استحباب کی رعایت اس حد تک پیشِ نظر رکھتے ہیں کہ چہرہ دھوتے وقت قصد کرتا ہوں کہ پانی پہلے دائیں رخسار پر پڑے کہ تیامن (دائیں طرف سے شروع کرنا) بھی مستحبات میں سے ہے۔

نیز دیکھنے میں آیا کہ کئی روز نفل روزوں کی طرف پوری توجہ کی۔ حالانکہ بدن کی کمزوری کی وجہ سے ان دنوں میں آپ کے لیے روزہ رکھنا بہت دشوار تھا۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے روزے ہیں: تو فرمایا کہ اس رمضان کے روزوں کی احتیاطی قضا ہے کہ ان دنوں میں روزانہ استنجا کیا تھا۔ اس موقع پر فرمایا کہ والد ماجد علیہ الرحمۃ جس قدر

ممکن ہوتا رمضان میں استنجا نہیں کرتے تھے۔ اور اگر ضرورت ہوتی تو پھر اس روزہ کی قضا کرتے تھے کس قدر اچھے ہیں سلف اور کسی قدر اچھے ہیں خلف۔

ایک دن آپ اپنے فرش پر لیٹے ہوئے تھے اچانک مضطرب ہو کر بستر سے نیچے اتر آئے اور فرمایا کہ بستر کے نیچے ایک کاغذ دیکھا اگرچہ معلوم نہ تھا کہ اس میں کچھ لکھا ہے اور کیا کچھ لکھا ہے اتنی دیر بھی بستر پر بیٹھنے کو بے ادبی سمجھا کہ کسی کو اُس کو اٹھانے کے لیے کہوں۔

ایک وقت دیکھنے میں آیا کہ ایک حافظ جس نے سرہانے کے پاس فرش بچھایا ہوا تھا قرأت میں مشغول ہوا حضرت (مجددؒ) نے دیکھا کہ آپ جس جگہ بیٹھے ہیں وہ اس فرش سے کسی قدر بلند ہے جس پر حافظ قرآن تلاوت کرتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس زائد فرش کو اپنے پاؤں کے نیچے سے لپیٹ کر کنارے پر کر دیا۔

ایک عزیز نے جو حضرت (مجددؒ) کی خدمت میں (برہان پور سے) پہنچے تھے اور دیگر مشائخ وقت کو بھی دیکھا تھا بیان کیا کہ آپ کی خدمت میں حاضری کے بعد جب میں شیخ معظم اور اس دربار سے محبت کرنے والوں کے مقتدا محمد بن فضل اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا تو شیخ نے مجھ سے ان بزرگوار کے طور طریقے پوچھے کہ تم سرہند میں ان کی خدمت میں پہنچے ہو بتاؤ تم نے کیا دیکھا؟ میں نے کہا کہ ان کے احوال باطنی کی مجھ جیسے نامراد کو کیا خبر؟ لیکن بظاہر آداب سنت کی اور ان کے دقائق کی رعایت میں مَیں نے ان کو ایسا پایا کہ اگر مشائخ وقت جمع ہو جائیں تو ان کا عُشرِ عشیر بھی ان سے نہ ہو سکے۔ شیخ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جب ایسی بات ہے تو جو کچھ یہ بزرگِ دین اسرار حقیقت کے متعلق کہتے اور لکھتے ہیں سب صحیح اور اصلی ہے اور وہ اس میں سچے ہیں۔ اور یہ متحقق ہے کہ صدق مقال اور علوِ حال کمال اتباع کی نشانی ہے۔ شیخ مذکور قدس سرہٗ کو حضرت (مجددؒ) کے ساتھ اخلاص اور کامل محبت تھی۔ اس بات کو راقم الحروف سے جبکہ ان کی خدمت میں پہنچا کئی بار ظاہر فرمایا۔ جس زمانہ میں کہ سلطانِ وقت سلیم جہانگیر نے حضرت (مجددؒ) کو قید میں ڈال دیا تھا جب بھی یہ فقیر شیخ (محمد بن فضل اللہ قدس سرہ) کی خدمت میں پہنچا تھا تو فرماتے کہ

ہر نماز کے بعد حضرت (مجددؒ) کی رہائی کے لیے دعا و فاتحہ کا ورد کیا ہے۔ ایک دن ایک شخص نے سرہند سے شیخ (موصوف) کی خدمت میں آکر درخواست کی کہ بیعت کر لیں۔ شیخ نے حضرت مجددؒ کا نام لیتے ہوئے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اس طرح کے بزرگ تمہارے شہر میں موجود ہوں اور تم دوسری جگہ مرید ہو۔

نیز امرائے وقت میں سے ایک کو حضرت (مجددؒ) کے معاملہ میں تردد تھا ایک دن وقت کے قاضی القضاۃ سے جو حضرت (مجددؒ) کے ہمسایہ تھے ان سے خلوت میں پوچھا کہ آپ عالم آدمی ہیں قول کے سچے اور دیانتدار ہیں ان عزیز کے احوال کچھ بیان کیجئے جو آپ کے ہمسایہ ہیں انہوں نے جواب دیا کہ اس گروہ کے باطنی احوال ہمارے علم سے ماوراء ہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ان بزرگوار کے اطوار کے مشاہدہ نے ہم کو اولیائے متقدمین کے متعلق مزید یقین بخشا کیونکہ جب باکمال متقدمین کی عجیب عجیب ریاضتوں اور بہت زیادہ عبادتوں کے متعلق ہم کتابوں میں پڑھتے تھے تو خیال ہوتا تھا کہ شاید ان سے محبت کرنے والوں نے مبالغہ کے ساتھ لکھا ہوگا لیکن جب ان عزیز کے طریقوں کو دیکھا تو تردد جاتا رہا۔ بلکہ ان کے حالات لکھنے والوں سے لڑتا ہوں کہ اب بھی کم ہی لکھا ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ ایسے ہی تھے جیسا کہ ان عالم منصف نے انصاف و دیانت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا کریں۔

اس حقیر راقم الحروف نے ایک درویش سے جن کے حوالے وضو کے پانی، مصلے اور عبادات کے متعلق امور کا انتظام کرنا تھا سُنا وہ بیان کرتے تھے کہ سارے دن میں صرف قیلولہ کے وقت اور رات کی دوسری تہائی میں فرصت میں پاتا ہوں ان دو وقتوں کے علاوہ آپ کو طاعت سے فرصت نہیں ہے۔ اسی طرح اپنے اصحاب کو بھی اکثر دوام ذکر، حضور اور مراقبہ کا شوق دلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دنیا دارِ عمل ہے، اور کھیتی اور کاشتکاری کی جگہ ہے۔ حضور باطنی کو ظاہری آداب و اعمال کی رعایت کرتے ہوئے کام میں مشغول رہو۔ اور آپ فرماتے تھے کہ حضرات خواجگان نقشبندیہ رضی اللہ عنہم کے بعض رسائل سے کچھ لوگوں نے جو قلت عمل کا مفہوم لیا ہے تو بات ایسی نہیں ہے کیونکہ ان بزرگوں کا طریقہ اتباع نبوی میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور طریقوں میں سے سب سے

زیادہ موافق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کثرت عبادت سے متورم ہو جاتے تھے باوجودیکہ آپ محبوبیت اور بلند مرتبہ پر فائز تھے اس بات میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ چونکہ ہمارے خواجگان کا طریقہ ابتدا میں بلکہ وسط کی انتہا میں بھی جذبات سے متعلق ہے اس لیے لازماً ان کا حال اس وقت کثرت شکر واستغراق کی وجہ سے اعمال جوارح کی کثرت کی مقتضی نہیں ہے۔ بلکہ حضور و توجہ کے ساتھ فرائض و واجبات و سنن موکدہ کی بجا آوری کو جمع کر کے ان ہی پر اکتفا کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عزیمت کی رعایت کو تو لازمی شمار کیا ہے کہ یہ عظیم ریاضتوں میں سے ہے۔ خصوصاً اسی حال میں جبکہ جذبات اور غلبات ہوں لیکن جب خداوند بزرگ و برتر کی عنایت سے تلوین کے احوال سے تمکین تک پہنچتے ہیں تو لازماً کثرت طاعت کی طرف آتے ہیں۔ اور جس قدر عبادات زیادہ ہوتی ہیں اُسی قدر ترقیاں زیادہ دیکھتے ہیں۔

باوجودیکہ حضرت (مجددؒ) کو مسائل فقہ پورے طور پر مستحضر تھے اور اصول فقہ میں بھی بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے لیکن احتیاط کی بنا پر اکثر قابل اعتماد اور معتبر کتابوں کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ سفر و حضر میں فقہ کی بعض معتبر کتابیں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور آپ کی ساری ہمت اس میں صرف ہوتی تھی کہ مفتیٰ بہ اور فقہائے کبار کے مسلک مختار کے مطابق عمل کریں اور جس عمل میں بعض فقہا جواز کی طرف اور بعض فقہا کراہت کی طرف مائل ہیں تو کراہت کے پہلو کو ترجیح دے کر اس کے مطابق عمل کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر جواز و عدم جواز، حلت و حرمت میں تعارض واقع ہو تو ترجیح عدم جواز اور حرمت کو ہے۔

جب تک ممکن ہوتا حضرت (مجددؒ) تمام مذاہب کو جمع کرتے چنانچہ جن روایات میں امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک طرف تھے اور صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) رضی اللہ عنہما دوسری طرف تھے اور اگرچہ فتوی صاحبین کے قول پر ہو تو اس صورت میں کبھی امام اعظم کے احترام کے پیش نظر ان کے قول پر بھی عمل کر لیتے تھے۔ جیسا کہ زیارت قبور کا معاملہ ہے کہ آپ اکثر اس میں قرآن پڑھتے تھے کہ صاحبین کے مذہب کے

مطابق جائز ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے لیکن کبھی کبھی اس کو ترک بھی کر دیتے تھے اور صرف دعا پر اکتفا کرتے تھے کیونکہ امام اعظم کے مذہب کے مطابق قبور پر قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔

یہ ناچیز دیکھتا تھا کہ حضرت (مجددؒ) ہمیشہ بہ نفس نفیس امامت کرتے تھے ایک دن دل میں خیال گزرا کہ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اس خیال کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو جمع مذاہب کی بحث چھیڑتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ شافعیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ قرأت فاتحہ کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے اس لیے وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں اور احادیث صحیحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن ہمارے امام، امام ابو حنیفہ رح امام کے قرأت فاتحہ کو مقتدی کی قرات قرار دے کر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں اور جمہور فقہائے حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ سے بعض روایات مرجوحہ امام کے پیچھے قرأت کے جواز کے متعلق بھی منقول ہیں۔ جس قدر ممکن ہوتا ہے میں جمع مذاہب کی کوشش کرتا ہوں اور جمع کی صورت اسی میں دیکھتا ہوں کہ امامت کروں سلہ

ع گر نویسم شرح آں بے حد شود (ع گر لکھوں میں شرح اس کی حد نہ ہو)

مختصر یہ کہ حضرت (مجددؒ) کا عمل جاڑے اور گرمی میں اور سفر و حضر میں یہ تھا کہ اکثر نصف اخیر میں اور کبھی رات کی آخری تہائی میں اٹھ کر اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے پھر پورے طور پر احتیاط کے ساتھ وضو کرتے تھے۔ آپ اس کے قائل نہ تھے کہ وضو میں کوئی دوسرا شخص آپ کے ہاتھ پر پانی ڈالے۔ وضو کے پانی میں آپ سے اس قدر احتیاط ظاہر ہوتا تھا کہ اس سے بڑھ کر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں قبلہ رو ہونے کی رعایت کرتے تھے لیکن دونوں پاؤں کے دھونے کے وقت شمال یا جنوب کی طرف پھر جاتے تھے۔ اور مسواک کو ہر وضو میں اور وضو کو ہر نماز میں لازم سمجھتے تھے الا ماشاء اللہ (بجز اس کے کہ کبھی کبھی جب اللہ تعالیٰ چاہیں) اور ہر عضو کو تین بار دھوتے تھے۔ اور ہر بار ہاتھ سے پانی کو نچوڑتے تھے تاکہ قطرہ گرنے کا احتمال نہ تو دھوئے ہوئے عضو میں اور نہ دھونے والے ہاتھ میں رہے۔ اور

سلہ مبدأ و معاد (منہا ۲۸)

اس کی حکمت یہ ظاہر کرتے کہ چونکہ غسالہ کی نجاست و طہارت میں اختلاف ہے اور اگرچہ فتوائے اس کے پاک ہونے پر ہے لیکن احوط پر عمل کرتے تھے اور ہر عضو کے دھونے میں کلمہ شہادت درود اور وہ ماثورہ دعائیں بھی پڑھتے تھے جو احادیث کی کتابوں مثلاً تکملہ مشکوٰۃ اور بعض کتب فقہ اور عوارف میں منقول ہیں۔ وضو کے بعد چشم حق بین کے گوشہ کو آسمان کی طرف کرتے اور جو دعا اس وقت کے لیے منقول ہے پڑھ کر تہجد کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اور اطمینان، اور پورے حضور و جمعیت اور طویل قیام کے ساتھ تہجد ادا کرتے تھے اس طرح کہ طاقت بشری بغیر تائید الٰہی جل شانہ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔

ابتدائے احوال میں اکثر تہجد، چاشت اور فئے زوال میں سورہ یٰسین کی قرأت بار بار کرتے اس طرح کہ کبھی تو اس کی قرأت اسّی مرتبہ تک پہنچ جاتی کبھی کم ہوتی اور کبھی اس سے بھی زائد ہو جاتی اور اواخر میں اکثر نماز میں ختم قرآن میں مشغول ہو جاتے۔ تہجد ادا کرنے کے بعد پورے خشوع و استغراق کے ساتھ خاموش اور مراقبہ میں بیٹھتے۔ فجر سے دو تین گھڑی پیشتر ایک گھڑی سنت کے مطابق اونگھ لیتے تاکہ تہجد دو نیندوں کے درمیان ظہور پذیر ہو۔ پھر طلوع فجر سے پہلے بیدار ہو کر نماز فجر میں مشغول ہوتے۔ فجر کی سنت گھر ہی میں ادا کرتے اور سنت اور فرض کے درمیان سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کا تکرار مخفی طور پر کرتے۔ فجر کے فرض ادا کرنے کے بعد اشراق کے وقت تک اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد ہی میں حلقہ کر کے مراقبہ میں بیٹھتے اس کے بعد نماز اشراق طویل قرأت کے ساتھ چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ ادا کر کے ان تسبیحات اور ماثورہ دعاؤں میں مشغول ہوتے جو اس وقت کے لیے منقول ہیں۔ اس کے بعد حرم میں جا کر عورتوں بچوں کی خبر گیری کرتے اور معاش کے متعلق جو امور ہوتے ان کا حکم دیتے۔ اس کے بعد خلوت میں چلے جاتے اور قرآن مجید کی قرأت کی طرف توجہ فرماتے۔ تلاوت کے بعد طالبوں کو طلب فرما کر ان کے حالات دریافت فرماتے، یا مخلص اصحاب کو بلا کر اسرار خصوصی بیان فرماتے اور ان کو سنا کر سامعین کو از خود رفتہ کر دیتے کیونکہ اس معرفت کے سنانے میں نسبت کا القا کرتے اور نعمت عطا کرتے اچانک ہر ایک دوست کو اس کے حال در استعداد کے

مطابق کسی امر کی طرف رہنمائی فرماتے۔ اور جو بھی حالت یا کیفیت کا اس پر فیضان ہوا ہوتا اسکی اطلاع دیتے۔ اور سبھوں کو علوِ ہمت، اتباع سنت، دوام ذکر و حضور، اور مراقبہ اور اخفائے حالی کی تاکید کرتے تھے اور فرماتے تھے اگر تمام دنیا و ما فیہا کے عوض اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا ایک پسندیدہ فعل معلوم ہو جانے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو عظیم غنیمت سمجھو۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص خزف ریزہ خرچ کر کے عالم کو خرید ے اور فضول بے جان چیزوں کے عوض روح قبضے میں لائے۔

نیز کلمہ مقدس لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تکرار کی ترغیب کے موقع پر فرماتے کہ اس عظیم کلام کے مقابلہ میں کاش تمام عالم کو وہی نسبت حاصل ہوتی جو قطرے کو سمندر سے ہے یہ کلمہ طیبہ تمام کمالاتِ ولایت و نبوت کو جامع ہے۔ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے کہنے کی وجہ سے کس طرح جنت کا داخلہ میسر ہوگا۔ اس فقیر کو محسوس ہوا اور مشاہدہ میں آیا کہ اگر تمام عالم کو اس ایک کلمہ کے کہنے پر بخش دیں اور جنت میں بھیج دیں تو اس کی گنجائش ہے۔ اور اگر اس کلمہ کی برکات کو تقسیم کریں تو تمام عالم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معمور اور سیراب ہو جائے

نیز فرماتے کہ اس کلمہ کی عظمت کا ظہور اور برکت کا حصول اس کے کہنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہے۔ اس کلمہ کا کہنے والا جس قدر عظیم ہوگا اس کی عظمت اور برکت کا ظہور اسی قدر زیادہ ہوگا۔ اور یہ مصرعہ زبان پر لائے یزیدك وجهه حسنا اذا ما زدته نظرا۔ (اس کا چہرہ تیزی نگاہ میں حسن کے لحاظ سے بڑھتا ہی جائے گا جس قدر تو نظریں زیادہ کرے گا)

نیز فرماتے کہ دنیا میں کوئی ایسی آرزو معلوم نہیں ہے جو اس کے برابر ہو کہ کسی گوشہ میں گھس کر اس کلمہ طیبہ کی تکرار سے لذت یاب اور محظوظ ہو۔ لیکن کیا کر سکتے ہیں تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتی ہیں۔

نیز اپنے ساتھیوں کو فقہ کی معتبر کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت کرتے اور فرماتے کہ علمائے دین سے شرع مبین کے احکام کی تحقیق کرنی چاہیئے کہ کونسا حکم مفتی بہ ہے، کون سا عمل مسنون و معمول ہے اور کون بدعت اور مردود ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے زمانہ بہت دور ہو گیا ہے اور فاسد ہو گیا ہے۔ اور بدعت و فجور کی تاریکیاں شامل ہو گئی ہیں۔ ان تاریکیوں میں چراغ سنت کی روشنی کے بغیر نجات کی راہ نہیں پا سکتے۔

نیز فرماتے تھے کہ کشف میں معلوم ہوتا ہے کہ عالم کو بدعت نے تاریک بھنور کی طرح غرق کر دیا اور اس میں سنت کی روشنی رات کو روشن کرنے والے کیڑے کی طرح دکھائی دیتی ہے۔

آپ کی صحبت اکثر خاموشی کی حالت میں گزرتی۔ اور کبھی مسلمانوں کے عیب اور غیبت کا ذکر نہیں ہوتا تھا۔ آپ کے ساتھیوں کو آپ کی ہیبت بہت زیادہ ادب اور خشوع کی حالت میں رکھتی تھی اور اُن کو کھلنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آپ کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ ان عظیم احوال کے وارد ہونے کے باوجود تلوین کے آثار آپ پر ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ شور، چیخ بلکہ بلند آواز سے آہ بھی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ دو سال کی مدت تک بندہ حاضر خدمت رہا لیکن اس مدت میں تین چار بار دیکھا گیا کہ آنسو کے قطرے چہرہ مبارک پر گرے۔ اور اس کے علاوہ تین چار بار معارفِ عالیہ بیان کرتے وقت آپ کے چشم و رخسار میں سرخی اور دونوں مبارک گالوں پر حرارت کا پسینہ دکھائی دیا۔

ایک دن معرفت کے بیان کے دوران تھوڑی دیر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خاموشی کے اس وقفہ میں عجیب احوال اور عظیم معاملہ ظہور میں آیا۔ اور اس وقت آپ کی آنکھوں سے غیر حاضر ہونے کا اور چہرے سے ایک گونہ سرخی کا اثر ظاہر تھا۔ تلوین کا اس کے علاوہ کوئی اثر نہ ظاہر ہوتا تھا۔

جب ضحوہ کبری ہو جاتا تو نماز چاشت خلوت میں ادا کر کے پھر باہر تشریف لے جاتے اور اس جماعت کے ساتھ کھانا تناول فرماتے خود بنفس نفیس توجہ فرماتے اور تمام فرزندوں اور درویشوں کو جو کچھ پکا ہوا ہوتا ایک ایک کر کے پہنچاتے اگر اس وقت فرزندوں اور درویشوں میں سے کوئی حاضر نہ ہوتا تو حکم دیتے کہ اس کا حصہ رکھ دیں۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد ماثورہ دعائیں پڑھتے جو اس وقت کے لیے منقول ہیں۔ اور آخیر زمانہ میں جبکہ آپ نے تنہائی اختیار کر لی تھی اور روزہ تھا تو آپ کھانا اُسی خلوت خانہ میں تناول فرماتے۔ کھانا کے بعد فاتحہ کا پڑھنا جیسا کہ لوگوں کے درمیان معروف ہے آپ سے بہت کم دیکھا گیا کیونکہ احادیث صحیحہ میں نہیں ذکر آیا ہے۔ روزانہ دوپہر سے پہلے کوئی چیز کھالیتے اور وہ بھی بہت ہی کم مقدار میں ہوتی اس کے باوجود فرماتے کہ کیا کیا جائے آخری عمر کے تقاضا کی بنا پر بھوک کی حالت میں سرور دین و دنیا صلی اللہ وسلم کا کامل اتباع میسر نہیں ہوتا ہے

نیز فرماتے تھے کہ جو امور عارف کو ملکیت سے بشریت کے نزدیک کر دیتے ہیں ان میں کوئی چیز کھانے کی طرح نہیں ہے۔ کبھی تہجد کے وقت اس کی کدورتوں کی صورت مثالیہ نظر میں آتی ہے۔ کھانا پورے پورے خشوع وحضور کے ساتھ تناول فرماتے اور ساتھیوں کو بھی اس وقت خشوع وحضور کی تاکید فرماتے۔ کھانا کھانے کے وقت بائیں زانو کو لٹا دیتے اور دائیں زانو کو اس پر رکھتے اور کبھی غیر مجالس میں دیکھا گیا کہ دونوں زانو کو اٹھا کر تناول فرماتے۔ کھانا تناول کر لینے کے بعد تھوڑی دیر سنت کے حکم کے مطابق قیلولہ فرماتے۔ اور آپ کا مؤذن ظہر کے اوّل وقت میں اذان کہتا۔ اذان سننے کے بعد بلا تاخیر وضو کی طرف متوجہ ہوتے اور سنت زوال میں مشغول ہوتے اور فرماتے تھے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت کے زمانہ سے رحلت تک سنت زوال کو ترک نہیں کیا۔ اور اس میں قرأت کبھی تو طوال مفصل کی کرتے اور کبھی قصار کی کرتے اس کے بعد ظہر کے فرض کی رکعتیں اور دو رکعت سنت پڑھتے۔ اور چار رکعت اور بھی ادا کرتے۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر بیٹھتے اور حافظ سے قرآن کا ایک پارہ یا کم وبیش سنتے اور اگر کوئی درس ہوتا تو درس دیتے۔ اگر کوئی حافظ موجود نہ ہوتا تو خلوت میں جا کر خود تلاوت کرتے تھے۔ اور نماز عصر اوّل وقت میں مثلین کے گزرنے کے بعد ادا کرتے۔ یہ نہیں دیکھا گیا کہ عصر سے پہلے کی چار رکعت سنت کو آپ نے ترک کیا ہو۔ عصر کے بعد سے وقت غروب کے قریب تک ساتھیوں کے ساتھ سکوت اور مراقبہ میں گزارتے تھے۔ فجر وعصر کے ان حلقوں میں باطنی طور پر مریدوں کے احوال کی طرف متوجہ ہوتے اور نماز مغرب بھی اگر بادل نہ ہوتے تو اوّل وقت ہی میں ادا کرتے۔ فرض ادا کر لینے کے بعد اسی جلسہ میں دس بار آہستہ سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ[1] پڑھتے۔ اور سنت اور فرض کے درمیان فصل کرنے کے لیے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ دو رکعت سنت اور چار رکعت اوّابین ادا کرنے کے بعد اس وقت کی ماثور دعائیں پڑھتے اور اوّابین کبھی چار رکعت اور کبھی

---

[1] اذکار معصومیہ میں اس کلمہ کے پورے الفاظ اور طریقہ اس طرح درج ہے کہ فجر ومغرب کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد قبل اس کے کہ قعدہ کی حالت حرکت کرے دس بار پڑھے: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ ۱۲ شرف

چھ رکعت ادا کرتے اور اس میں اکثر سورہ واقعہ کی قرات کرتے۔ افق کی سفیدی کے زائل ہونے کے بعد عشاء کی نماز ادا کرتے کیونکہ امام اعظم کے نزدیک شفق سے یہی مراد ہے۔ عشاء کے فرض سے پہلے چار رکعت سنت اسی طرح عشا کی دو رکعت سنت کے بعد بھی چار رکعت سنت ادا کرتے۔ اور آخری سنت کی چار رکعتوں میں الم سجدہ، سورۃ تبارک۔ قل یاایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد کی قرأت کرتے۔ کبھی ان چاروں رکعتوں میں چاروں قل پڑھتے۔ اگر ان چار رکعتوں میں الم سجدہ اور سورہ الملک نہ پڑھی ہوتی تو وتر ادا کرنے کے بعد ان دونوں سورتوں کو سورہ دخان کے ساتھ پڑھتے۔ اور ساتھیوں کو بھی ان وقتوں میں ان سورتوں کے پڑھنے کی ہدایت کرتے۔ وتر کی پہلی رکعت میں اکثر سبح اسم اور دوسری میں قل یا ایھا الکفرون اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھتے۔ قنوت حنفی کے ساتھ قنوت شافعی کو بھی ملاتے۔ وتر ادا کرنے کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر ادا کرتے۔ ان دو رکعتوں میں اذا زلزلت اور دوسری میں قل یاایھا الکفرون پڑھتے۔ آخری زمانہ میں شاذ و نادر ان دو رکعتوں کو ادا کرتے اور فرماتے تھے کہ اس کے متعلق فقہاء نے بہت ہی قیل و قال کیا ہے اور وتر کے بعد جو دو سجدے متعارف ہیں وہ نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علماء نے اس کی کراہت کا فتوے دیا ہے۔

وتر کبھی اوّل شب میں اور کبھی تہجد کے بعد پڑھتے۔ اور جب اوّل شب میں وتر پڑھ لیتے تو اخیر شب میں اس کو دوبارہ نہیں پڑھتے تھے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے ہیں اور فرماتے تھے کہ ایک رات انہیں دکھایا گیا کہ وتر کے تاخیر سے ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی سو جاتا ہے اور نیت کرتا ہے کہ آخر شب میں وتر ادا کرے گا تو اس کے کاتبین اعمال ساری رات اسی کے نام سے نیکیاں لکھتے رہتے ہیں یہانتک کہ وہ وتر ادا کرے اس کے ساتھ ساتھ فرماتے تھے اور تحریر بھی فرمایا کہ وتر کے جلد پڑھنے یا دیر سے پڑھنے میں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سوا اور کوئی چیز پیش نظر نہیں ہے اور کسی فضیلت کو متابعت کے ہم پلہ نہیں قرار دیتا ہوں۔ اور حضرت رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وتر کبھی اوّل شب میں اور کبھی آخر شب میں ادا فرمایا ہے۔ اور اپنی خوش نصیبی اس کو سمجھتا ہوں کہ کسی امر میں آنسرور صلی اللہ

علیہ وسلم سے تشبہ اختیار کروں اگرچہ وہ تشبہ صورت ہی کے اعتبار سے ہو۔ لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری اور اس طرح کی نیت کو دخل دیتے ہیں ان کی کوتاہ اندیشی پر تعجب ہوتا ہے ان کی ہزاروں شب بیداریوں کو آدھی متابعت کے عوض ہم نہیں خریدتے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں ہم اعتکاف کے لیے بیٹھے۔ دوستوں کو جمع کر کے ہم نے کہا کہ متابعت کے علاوہ اور کوئی نیت نہ کرو کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہو گا۔ ایک متابعت کے حصول کے عوض ہمیں سینکڑوں گرفتاریاں قبول ہیں لیکن ہزاروں تبتل اور انقطاع توسل و متابعت کے بغیر ہمیں قبول نہیں ہے

آنرا کہ درسرائے نگاریست فارغ ست   از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

(دوست کے ساتھ جو ہے فارغ ہے۔ باغ و بُستان لالہ زار سے وہ)

اللہ سبحانہٗ ہمیں آپ کا کمال اتباع نصیب فرمائیں علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات انمہا و اکملہا۔

نیز اس موقع پر تحریر فرمایا ہے کہ ایک وقت میں درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی اس فقیر نے اپنی محبت کی بنا پر جو آنسرور (علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا و اکملہا) کے غلاموں سے ہے ان سے اس طرح کہا کہ آنسرور کی محبت اس طور پر مسلط ہوئی کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب ہے۔ حاضرین اس بات سے حیرت میں پڑ گئے لیکن مخالفت کی مجال نہ رکھتے تھے۔ یہ بات حضرت رابعہ بصری کی اس بات کے خلاف ہے جو انہوں نے آنسرور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جواب میں کہی تھی کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی محبت اس طور پر مسلط ہو گئی ہے کہ آپ کی محبت کے لیے جگہ باقی نہیں رہی ہے یہ دونوں باتیں اگرچہ سُکر کی خبر دیتی ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے! انہوں نے عین سکر میں یہ بات کہی ہے اور میں نے ابتدائے صحو میں کہی ہے۔ ان کی بات مرتبہ صفات میں ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد کی ہے اس لیے کہ مرتبہ ذات تعالیٰ میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں ہے تمام نسبتوں کا مرتبہ اس سے کوتاہ ہے۔ جہل کی بنا پر بلکہ ذوق کی بنا پر اس مرتبہ میں محبت کی نفی کرتے ہیں۔ اور کسی طور پر اپنے کو اس کی محبت کے لائق نہیں جانتے ہیں۔ محبت و معرفت صرف صفات ہی میں ہے محبت ذاتی جو کہتے ہیں تو اس سے مراد ذات احدیت ہے۔ بلکہ

ذات بعض اعتبارات ذات کے ساتھ مراد ہے چنانچہ حضرت رابعہؒ کی محبت مرتبہ صفات میں ہے۔
واللہ سبحانہ اعلم آپ کا کلام شریف انتہا کو پہنچا)۔ [1]

نماز عشا اور وتر ادا کرنے کے بعد جلد ہی خوابگاہ کی طرف جاتے اور سو جاتے۔ لیٹنے کے پہلے ماثورہ دعائیں پڑھتے۔ عشاء کے بعد فوراً جو سو جاتے تو اس کی حکمت بیان فرماتے تھے کہ عشاء کے بعد کی یہ بیداری آخیر شب کی بیداری میں سستی پیدا کرتی ہے اس کے علاوہ یہ کہ اگر کوئی شخص بیٹھے گا تو بعید نہیں ہے کہ رسمی باتیں بھی کرے گا اور اس وقت میں یہ بات کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق منقول ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے بعد رعایا کے دریافت حال کے لیے چھپ کر تنہا نکلے ہوئے تھے۔ اچانک پہرہ داروں نے ان کو نہ پہچانا اس لیے پکڑ کر قید کیا اور گھر لے آئے صبح کی روشنی میں کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو خلیفہ ہیں ان پہرہ داروں نے معذرت کی اور عرض کیا اے خلیفہ آپ نے کیوں نہ بتایا کہ میں فلاں ہوں؟ انہوں نے فرمایا میں عشاء کی نماز ادا کر چکا تھا اس کے ادا کرنے کے بعد دنیا کی بات مکروہ ہے۔

آپ درود بھی اکثر پڑھتے تھے خصوصاً جمعہ کی شب میں اور جمعہ کے دن میں اور دوشنبہ کی شب میں اور دوشنبہ کے دن ہی۔ آخری زمانے میں جمعہ کی راتوں میں احباب کو جمع کر کے ہزار بار درود بھیجتے تھے اس عدد کے پورا کرنے کے بعد ایک گھڑی مراقبہ میں جاتے اور پورے انکسار کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس پر مامور کئے گئے تھے۔ رسالہ صلوات ماثورہ جو ایک جزو سے زیادہ ہوتا یا درود کا وہ رسالہ پڑھتے جو حضرت شیخ الجن والانس سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا ترتیب دیا ہوا ہے نماز جمعہ جامع مسجد میں اور عیدین عیدگاہ میں ادا کرتے۔ جمعہ ادا کرنے کے بعد احتیاطاً ظہر بھی ادا کرتے۔ جمعہ کا فرض ادا کرنے کے بعد چار سورتیں یعنی سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس میں سے ہر ایک کو سات سات بار پڑھتے۔ عیدالاضحی کے دن تکبیرات راستہ میں بلند آواز سے کہتے اور کبھی مضمرات کے فتویٰ کی بنا پر آہستہ کہتے ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں

---

[1] مبدا و معاد۔ (ص ۱۰۔ ۵۰)۔ مکتوبات ۳/۱۲۱ بھی دیکھیں۔

بال اور ناخن حاجیوں کی مشابہت اختیار کرنے کی غرض سے نہیں کٹواتے تھے جیساکہ مستحب ہے۔ لیکن عرفہ کے دن لوگ جو اہل عرفات کی مشابہت اختیار کرتے ہیں تو آپ یہ نہیں کرتے تھے۔

اس عشرہ میں روزانہ سورہ والفجر ولیالٍ عشر کی قرأت کرتے تھے۔ اسی طرح اس مہینہ کے باقی حصہ میں بھی پڑھتے تھے۔ نماز کسوف وخسوف ادا کرتے اور نماز تراویح مفرد حصہ میں پوری دلجمعی کے ساتھ ادا کرتے تھے، اور ختم قرآن کئی بار کرتے تھے۔ ہر ترویحہ کے درمیان کبھی تو خاموش رہتے اور کبھی درود شریف پڑھتے اور کبھی وہ دعائیں آہستہ سے پڑھتے جو منقول ہیں۔ غیر رمضان میں نیز ہمیشہ زبانی ختم کرتے اور فرماتے کہ ختم احزاب جو لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کو فمی بشوق[1] کے ساتھ مقرر کیا ہے مسنوناً اس طریقہ کی صحت میں کلام ہے۔ اور فرمایا کہ ایک عزیز نے تحریر کیا ہے کہ مولانا یعقوب چرخی کے خط میں دیکھا گیا کہ ختم احزاب اس طرح ہے۔

فاتحہ انعام ویونس گیر وطٰہٰ اے ہمام عنکبوت آنگہ زُمَر پس واقعہ دان والسلام

تلاوت کے وقت آپ کی پیشانی سے اور پڑھنے کے طریقہ سے سننے والوں پر ظاہر ہوتا تھا کہ قرآنی اسرار اور آیات فرقانی کی برکات کا آپ پر فیضان ہو رہا ہے۔ ایک دن دوران تلاوت میں اس فقیر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ سبحان اللہ وبحمدہ کیسے کیسے راز ہیں جو اللہ سبحانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قرآن میں درج ہوئے ہیں کہ ان کا سمجھنا علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور فرمایا کہ کبھی بعض آیات تلاوت کرنے والے کو ایسی جگہ لے جاتے ہیں کہ فہم اور وہم میں نہیں آتے۔ اور نماز میں اور نماز کے باہر خوف کی آیات کو اس طرح ادا کرتے تھے کہ خشیت کا فائدہ ظاہر ہوتا تھا اور رجا (امید) کی آیتوں سے رجا (امید) کا فائدہ حاصل کرتے تھے، اور تعجب سے تعجب کا۔ استفہام سے استفہام کا اظہار ہوتا تھا اور مطلقاً مقررہ اوقات کی رعایت بھی فرماتے تھے۔

سفر میں دیکھا جاتا کہ گاڑی میں بیٹھے ہوتے اور ایک چادر اپنے چہرے پر ڈال کر قرآن پڑھتے۔ میں شمار کرتا تو کبھی چار سیپارے اور کبھی تین اور کبھی اس سے کم اور گاڑی میں تلاوت

---

[1] فمی بشوق۔ یعنی قرآن پاک کی سات منزلیں ہیں۔ ف: فاتحہ، م: مائدہ، ی: یونس، ب: بنی اسرائیل، ش: شعراء، و: والصافات، ق: سورہ ق۔

کرتے جب سجدہ کی آیت پر پہنچتے تو نیچے اتر کر سجدہ کرتے اور چہرے پر جو چادر ڈالتے تو اس میں حکمت یہ تھی کہ عورتوں پر نظر نہ پڑے۔ رکوع و سجود کی تسبیح میں تنہا نماز کی صورت میں اکثر سات، نو، گیارہ تک پہنچا دیتے اور فرماتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ تنہا نماز پڑھنے میں قوت و استطاعت رکھتے ہوئے کمتر تسبیحات پر اکتفا کروں۔ اور فرماتے تھے کہ نماز میں سنن و مستحبات اور آداب کی رعایت حضور قلب کا کام معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ تمام رعایتیں ذکر ہی ہیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ سبحانہ کی یاد کرنا اور اس کی طرف توجہ ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ لوگ ریاضت و مجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت و مجاہدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں ہے۔ خصوصاً فرض و واجب اور سنت نمازیں آپ اسی طرح ادا کرتے کہ بہت ہی مشکل ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الایۃ (بقرہ آیت ۴۵)

نیز فرماتے تھے کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع کو دیکھا جاتا ہے کہ رعایتوں اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آداب نماز میں سستی برتتے ہیں۔ مکتوبات کے دفاتر میں اس قسم کی نصیحت آموز باتوں کو جو نماز کی محافظت اور اس کے اسرار کے متعلق ہیں آپ نے بہت زیادہ تحریر فرمایا ہے۔ جو پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہ ہوگا۔

نماز تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کو ترک نہ کرتے تھے۔ اور سنن رواتب کی طرح سنن زوائد بھی سفر و حضر میں بے تکلف ادا کرتے تھے اور اس بات میں بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے کہ کسی فعل اور ماثور عمل میں کوئی کمی یا زیادتی نہ ہونے پائے۔ در تراویح کے سوا کوئی نفل نماز جماعت سے نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ نفل نماز میں جماعت کو مکروہ جانتے تھے اور جو لوگ کہ عاشورہ کے دن یا شب برات اور شب قدر میں نوافل جماعت سے ادا کرتے تو آپ ان کو منع فرماتے تھے۔ اور اس باب میں ایک مکتوب آپ نے تحریر فرمایا ہے جن کی معتبر روایات فقہیہ سے تائید کی گئی ہے اور اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بعض متاخرین تہجد کو جو جماعت سے ادا کرتے ہیں ان پر آپ تعجب کرتے کہ اس سلسلہ شریفہ کے لوگوں سے یہ عمل کس طرح واقع ہو سکتا ہے جب کہ ان کے طریقہ کی بنیاد عزیمت اور کمال اتباع پر ہے۔

نمازِ استخارہ سے کام شروع کرتے اور کبھی استفتائے قلب اور دعائے مسنون پر اکتفا فرماتے۔ جیساکہ احادیث میں منقول ہے۔ ہر کلی و جزئی مہم میں استخارہ کو لازم رکھتے۔ اور کبھی کئی مہم کو ایک استخارہ میں جمع کرتے اور ان کو اسی میں شمار کرتے اگر مہم کی ابتدا میں اتفاقاً استخارہ بھول جاتے تو درمیان میں یا آخر میں اس کا تدارک فرماتے

تشہد میں سبابہ سے اشارہ نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگرچہ بعض احادیث کا ظاہر اس کے فعل پر دلالت کرتا ہے اور حنفیہ سے بھی بعض روایات اس کے جواز کے متعلق منقول ہیں۔ لیکن جب اچھی طرح تلاش اور جستجو کی گئی تو احوط اور مفتیٰ بہ اس کا ترک معلوم ہوا کہ بہت سے علماء نے حرام و مکروہ بھی کہا ہے۔ اور جب کوئی امر حلت و حرمت کے درمیان دائر ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے۔ نیز حنفیہ کا عمل اصل اور ظاہر الروایۃ کی روایت پر ہے۔ اور امام محمدؒ نے اس عمل کے کرنے کو اصل میں ذکر نہیں کیا بلکہ نوادر میں ذکر کیا ہے جلد اول کے آخر میں ایک مکتوب میں بھی آپ نے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے، کبھی بعض نوافل میں احتیاطاً اور احتمالِ سنت کی بنا پر ایسا کر لیا کرتے تھے۔

ادائے فرائض کے بعد گزرے ہوئے لوگوں کی روح پر (ایصالِ ثواب کے لیے) اور مہمات دین و دنیا کے لیے جیساکہ مشہور ہے فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ کیونکہ فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ فجر اور عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے۔ لیکن دوسری تین نمازوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور اسکو مستحسن شمار کرتے تھے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے تھے۔ اور ہر نیک و بد کی نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ مریض کی عیادت کرتے تھے اور مریض پر دعائے ماثورہ پڑھتے تھے، اور بعض بیماروں کے رفع مرض کے لیے توجہ باطنی سے بھی کام لیتے اور بہت سے امراض ان مظہر فیاض کی توجہ سے دور ہو گئے۔ جیساکہ ان میں سے بعض کا آپ کے خوارق کے بیان میں انشاء اللہ ذکر آئے گا۔ زیارت قبور کے لیے جاتے اور استغفار اور ماثورہ دعاؤں کے ذریعے اعانت کرتے تھے نیز توجہ خاص کے ساتھ مُردوں کے احوال کی طرف متوجہ ہوتے۔ ابتدائی زمانہ میں جب اپنے پیر عالی مرتبت اور پیر بزرگوار کی قبروں کی زیارت کے لیے جاتے تو ہاتھ قبر پر

پہنچاتے کہ فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور آخری زمانہ میں اس عمل کو ترک کر دیا۔ کیونکہ فقہاء سے اس باب میں منع کی روایت بھی منقول ہے۔ الغرض قبروں کے بوسہ کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن مُردوں سے استعانت کو جائز قرار دیتے تھے۔

آپ دعوت قبول کرتے تھے لیکن جس مجلس میں منکرات اور سماع و رقص ہوتے تو اس میں شریک نہ ہوتے۔ ذکر جہر کو بھی بجز شریعت کے شمار کئے ہوئے مقامات مثلاً تکبیرات تشریق وغیرہ کہ ان کے سوا جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ اور اس حالی کو جس میں سر مو بھی شریعت اور اہل سنت و جماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی قبول نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ احوال شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت احوال کے تابع نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت قطعی ہے وحی سے ثابت ہے۔ اور احوال ظنی ہیں جو کشف والہام سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور فرماتے تھے کہ ان بعض خام ناتمام درویشوں پر تعجب ہوتا ہے جو اپنے کشف پر اعتبار کر کے اکابر دین شریعت کے انکار اور مخالفت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس بلند مرتبہ کے باوجود جو ان کو حاصل ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا مرتبہ ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو اسی شریعت کی پیروی کرتے ان بے سروسامان تہیدستوں کی کیا حقیقت ہے؟ علمائے ماتریدیہ کی رائے کو مقدم رکھتے علمائے اشعریہ پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ یہ بزرگوار فلسفیانہ دخل اندازی سے دور ہیں اور نورِ نبوت سے اقتباس کے قریب ہیں۔ خواص بشر کو خواص ملک سے اور نبوت کو ولایت سے افضل کہتے تھے اگرچہ اُس نبی کی ولایت ہو۔ اور صحو کو سُکر پر ترجیح دیتے تھے لوگوں کی صحبت میں رہنے والے ولی کو گوشہ نشین ولی سے بہتر جانتے تھے۔

تمام صحابہ کو خواہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ تمام اولیائے امت پر ترجیح دیتے تھے خواہ وہ کوئی ولی ہوں اور اصحابہ کے منازعات و مشاجرات کو نیک محل پر حمل کرتے تھے۔ اور اجتہاد رائے کا نتیجہ سمجھتے تھے ہوا و ہوس کا نہیں کیونکہ یہ ان کی شان کے مناسب نہیں ہے اس کے متعلق آپ نے کئی مکاتیب تحریر فرمائے ہیں۔ مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے کو اندراج النہایہ فی البدایہ کے تعلق کی بنا پر بعینہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ کہتے تھے۔

اور فرماتے تھے کہ اس طریقہ کے لوگوں نے جو کہا ہے کہ یہ نسبت تمام نسبتوں سے اوپر ہے تو اسی وجہ سے کہا ہے کہ ان کا طریقہ سنت کی پیروی اور عزیمت کی رعایت کے لحاظ سے دوسرے تمام طریقوں سے بڑھا ہوا ہے اس لیے لازماً ان کی نسبت بھی تمام طریقوں کی نسبت سے بڑھ کر ہوگی اور آپ اُن رخصتوں کو پسند نہیں فرماتے تھے جو اس طریقہ کے متاخرین نے خواجہ بزرگ اور خواجہ علاؤ الدین عطار، اور خواجہ محمد پارسا، اور خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ حقہ کے خلاف ایجاد کر لیا ہے۔

شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کو بہت بزرگ جانتے تھے۔ اور اچھے طور پر یاد کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اس محبت کے باوجود مجھ کو شیخ قدس سرہٗ سے ہے شیخ کے بعض کشفی علوم کو میں پسند نہیں کرتا ہوں۔ اور حق اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ خطا خطائے کشفی ہے اس لیے مواخذہ سے بری ہے اور اس خطا کے مرتکب خطائے اجتہادی کی طرح ہیں۔ لیکن خطا کرنے والے مجتہد کا مقلد مجتہد کی طرح قابل مواخذہ نہیں ہے بخلاف اس کے جو کشف خطا والے کا مقلد ہے کہ کشف خطا کی پیروی میں اس کا مواخذہ ہوگا اس لیے کہ ایک کا کشف دوسرے پر حجت نہیں ہوتا ہے۔

بعض دینی کتابوں مثلاً بیضاوی، بخاری، مشکوٰۃ، عوارف، بزدوی، ہدایہ اور مواقف کا درس بغیر کسی کلام، بحث اور اختلاف کے دیتے تھے۔

اور طلبہ کو علوم دینی کی تحصیل کا شوق دلاتے تھے۔ اور علوم کی تحصیل کو طریقہ صوفیہ کے سلوک پر مقدم رکھتے تھے۔ جب کہیں کا سفر کرتے تو ایام مسنونہ میں سفر کرتے تھے اور نجومیوں کی ساعتوں کے پابند نہ تھے اور فرماتے تھے کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد دنوں کی نحوست اٹھالی گئی اس حدیث کی بنا پر کہ اَلْاَیَّامُ اَیَّامُ اللّٰہِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰہِ (دن اللہ کے دن ہیں، اور بندے اللہ کے بندے ہیں)

سفر کے شروع میں استخارہ کی نماز ادا کرتے اور دیگر ماثورہ دعائیں پڑھتے جو اس باب میں منقول ہیں۔ نیز کپڑا پہننے، پانی پینے، کھانا کھانے، چاند اور آئینہ دیکھنے کے وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھتے تھے۔ ہم نے ان دعاؤں کے محض بیان پر اکتفا کیا۔ ایک عزیز نے آپ کے

وظائفِ روز و شب کو جمع کیا ہے اور اس میں ان اکثر دعاؤں کی تصریح کی ہے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ حضرت مجددؒ بہت زیادہ حمد و استغفار کرنے والے تھے تھوڑی نعمت پر بہت زیادہ شکر ادا کرتے تھے۔ اور اولیٰ عمل کے تھوڑا سا چھوٹنے پر بہت زیادہ استغفار کرتے۔ اگر کوئی مصیبت پہنچتی تو فرماتے کہ ہمارے شامت اعمال کا نتیجہ ہے لیکن اس مصیبت کو بہت سے گناہوں کے لیے بمنزلہ صابون کے سمجھتے اور اس کو بہت سی ترقیات کا زینہ فرماتے۔

ایک دن کسی نے آپ سے پوچھا کہ سلطانِ وقت سلطان سلیم جہانگیر نے ادب سے تجاوز کرتے ہوئے جو آپ کو تکلیف پہنچائی تو اس کا سبب کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے اعمال بد کا نتیجہ تھا۔ اور یہ آیت پڑھی۔ مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ[1] (جو کچھ مصیبت تم کو پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے) کثرتِ عمل کے باوجود عمل کی کوتاہی کا خیال آپ پر پوری طرح مسلط رہتا۔ اور ساتھیوں کو بھی اس کی ہدایت کرتے اور فرماتے کہ غرور عملِ صالح کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح کہ آگ سوکھی لکڑی کو ختم کر دیتی ہے۔ اور غرور کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ عمل عامل کی نگاہ میں بھلا معلوم ہوتا ہے۔ چاہئے کہ اپنی پوشیدہ برائیوں پر نظر کرے اور نیکیوں کو متہم کرے بلکہ نیکیاں کر کے شرمندہ ہو۔ عمل کرنے والوں کی ایک جماعت ایسی ہے کہ اعمال کی کوتاہی کا خیال اس قدر ان پر غالب ہوتا ہے کہ اپنے کاتبِ یمین کو بیکار اور معطل جانتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ کاتبِ شمال ہمیشہ کام میں مصروف ہیں اس سے اشارہ اپنے حال کی طرف تھا۔

جس زمانہ میں کہ اُس سلطان کے حکم سے ایک قلعہ[2] میں مقید تھے آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے عریضہ لکھ کر آپ کو اپنے قبضِ حال اور ملامتِ خلق کی شکایت کی تو آپ نے اس کے جواب میں یہ تحریر لکھ کر بھیجی۔

"الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آپ کا ارسال کردہ

لے (پ ۲۵ ع ۵) ستہ گوالیار یہ وسطی ہند میں ایک شہر ہے یہ اسلام شاہ کے زمانہ میں ہند کا صدر مقام تھا جہاں اسلام شاہ نے سنہ ۱۵۵۲/۹۶۱ میں وفات پائی۔ یہ اپنے قلعہ اور محمد غوثؒ کے مزار اور اکابر کے مدفن کی وجہ سے مشہور ہے۔

صحیفہ شریفہ پہنچا۔ جفا اور ملامت خلق کے متعلق تحریر کیا تھا یہ تو اس طائفہ کا جمال اور ان کے زنگ کا صیقل ہے۔ پھر قبض و کدورت کا سبب کیوں ہو؟ ابتدائے حال میں جب یہ فقیر قلعہ پہنچا تو محسوس ہوا کہ ملامتِ خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں کی طرف سے نورانی بادلوں کی شکل میں متواتر آرہے ہیں معاملہ پستی سے بلندی تک پہنچا۔ برسوں تربیتِ جمالی کے ذریعے مراحل طے کرا رہے تھے اب تربیت جلالی کے ذریعے مسافت طے کرا رہے ہیں آپ مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہیں اور جمال و جلال کو مساوی جانیں آپ نے لکھا تھا کہ فتنہ کے ظہور کے وقت سے نہ ذوق باقی رہا ہے اور نہ حال باقی رہا ہے چاہئے کہ ذوق و حال مضاعف ہو جفائے محبوب اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہے۔ کیا مصیبت آگئی کہ عوام کی طرح آپ نے بات کی ہے اور محبتِ ذاتی سے دور جا کر اس کے خلاف چلے گئے جلال کو جمال سے زیادہ سمجھیں اور ایلام (تکلیف رسانی) کو انعام سے زیادہ تصور کریں۔ کیوں کہ جمال و انعام میں محبوب کی مراد کے ساتھ اپنی مراد کی آمیزش ہے اور جلال و ایلام میں صرف محبوب کی مراد ہے اور اپنی مراد کے خلاف ہے۔ یہاں وقت و حال گذشتہ وقت و حال کے ماورا ہے۔ ان دونوں میں کتنا بُعد ہے۔

(خط انتہا کو پہنچا) [1]

نیز اس قلعہ سے انہی دنوں میں یہ نامہ مبارک حضرت سیدی مرشدی میر محمد نعمان کو ارسال فرمایا تھا۔

" الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے جو جلال و غضب کی صورت میں جلوہ گر ہوئی قید خانہ کے پنجرہ میں مقید نہ ہوا ایمان شہودی کے تنگ میدان سے بالکل رہائی نہ پائی۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی ج ۳ / ۶۔

ظلال وخیال اور مثال کے بہت سے کوچوں سے پورے طور پر باہر نہ نکلا۔ شاہراہ ایمان میں غیب مطلق تک راستہ طے نہیں کیا۔ حضور سے غیب تک عین سے علم تک، شہود سے استدلال تک پورے طور پر نہ پہنچا۔ دوسروں کے ہنر کو عیب دوسروں کے عیب کو ہنر کامل وذوق ووجدان سے نہیں پایا۔ بے ننگی وبے ناموسی کا خوشگوار شربت اور خواری ورسوائی کا مزیدار مربا نہیں چکھا خلق کے طعن اور ملامت سے مزہ نہیں لیا۔ حسن بلا اور لوگوں کے جفا سے محفوظ نہیں ہوا اور اس میت کی طرح جو غسال کے سامنے ہوتا ہے بالکلیہ ارادہ واختیار کو ترک نہیں کیا۔ اور آفاق وانفس کے تعلق کے رشتوں کو پورے طور پر نہیں توڑا۔ تضرع والتجا، انابت واستغفار اور ذلت وانکسار کی حقیقت حاصل نہیں کی۔ حضرت حق سبحانہ کے استغنا کے بلند مرتبہ میزان کا جو عظمت وکبریائی کے خیموں سے گھری ہوئی ہے مشاہدہ نہیں کیا۔ اور اپنے آپ کو خوار وزار، ذلیل وبے ہنر، بے قدرت اور مکمل احتیاج والا نہیں جانا۔ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ [1] (میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ نفس ہمیشہ بدی کا حکم کرتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی رحم کرے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) اگر محض فضل کی وجہ سے واردات الٰہی جل سلطانہ کے فیضان کا تواتر، اور اللہ سبحانہ کے بے انتہا انعامات وعطیات کا تسلسل اس محنت کدہ میں اس شکستہ دل کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ یاس وناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے عین بلا میں مجھے عافیت بخشی اور نفس جفا میں مجھے مکرم بنایا۔ رنج کی حالت میں میرے ساتھ احسان کیا آرام وتکلیف میں مجھے شکر کی توفیق عطا کی اور مجھ کو انبیاء کی اتباع کرنے والا اور اولیاء کے نقش قدم کی پیروی کرنے والا، اور علماء وصلحاء سے محبت کرنے والا بنایا۔

صلوات اللہ سبحانہ وتسلیماتہ علی الانبیاء اولاً وعلی مصدقیھم ثانیاً۔ [2]

---

[1] پ۱۳ ع۶ [2] مکتوبات امام ربانی ۳/۵۔

فصل ہفتم

آپ کے معارف بلند کی مدح، اور اسرار عالیشان کے کثرت سے ظاہر ہونے کے راز کا بیان

اس میں جب معرفتوں کا ذکر انصاف پسند پڑھنے اور سننے والوں اور معرفت کی نظر رکھنے والوں اور ان کے مطالعہ کے لیے پیش کیا جائے گا جنہوں نے کامل عارفین کے میکدۂ احوال سے جرعہ نوشی کی ہے اور اولیاء و علمائے محققین کے کلامہائے مبارک کے دسترخوان کا مزہ چکھا ہے۔ جب حضرت (مجدد) کے مکتوبات و رسائل شریفہ کا جن میں سے ہر ایک اسرار حقیقت و شریعت کا سمندر ہے مطالعہ کرے گا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد کے بموجب کہ اَلْمَرْءُ مَخْفِیٌّ تَحْتَ لِسَانِہٖ (آدمی اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے) مجبوراً ان اقوال کے کہنے والے کے مرتبہ کی بلندی اور عظمت کی طرف راہ پائیگا۔

ع زدُرِّ او نہ دہ یا فاش پیدا است

(وہ موتی جس سے نو دریا میں پیدا)

اس ناچیز راقم الحروف نے ایک عالم باعمل جو حضرت (مجدد) کے مریدوں میں سے نہیں تھے آپ کے اقوال عالیہ کے بارے میں سنا وہ کہتے تھے کہ لوگوں کے رسائل و کتب دو قسم کے ہیں۔ یا تو تصنیف ہے یا تالیف ہے۔ تالیف یہ ہے کہ لوگوں کی باتوں کو سیاق و سباق کے ساتھ اچھی طرح جمع کر دے۔ اور تصنیف یہ ہے کہ اپنے علوم و نکات کو تحریر میں لائے خواہ وہ نکات، علمی مہارت اور بلندئ فطرت کی بنا پہ ظاہر ہوئے ہوں خواہ الہام ربانی اور سچے کشف کے ذریعے جلوہ گر ہوئے ہوں، ایک مدت سے اہل روزگار میں صرف تالیف باقی رہ گئی تھی اور تصنیف ختم ہو گئی تھی۔ مگر یہ کہ شاذ و نادر بعض مؤلفین اپنی تالیفات میں اپنے ذاتی علم یا ذوق سے بات کرتے ہیں۔ اب انصاف یہ ہے کہ اس

زمانہ میں سنجیدہ اور مناسب تصنیف تمہارے شیخ بزرگوار کے رسائل و مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ کہ جس قدر بھی ہم نے اس پر نظر ڈالی ہم نے ان کو کہیں سے نقل کرتے نہیں دیکھا مگر یہ کہ شاذ و نادر یا ضرورت کی بنا پر ایسا کیا ہے اُن میں زیادہ تر ان بزرگانِ دین کے مکشوفات و الہامات ہیں اور سب کی سب بلند و نازنین اور شرع متین کے موافق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو طالبین کی طرف سے جزائے خیر عطا کریں۔ ان عالم کا کلام ہمارے شیخ طاب ثراہ کے حق میں انتہا کو پہنچا۔[1]

ایک اور فاضل جو بہت سے شرفاء اور علماء کی صحبت میں پہنچے تھے اور برسوں اس طائفہ عالیہ کی باتیں سُنی اور دیکھی تھیں جب حضرت (مجدد) کے کلمات بلند کے متعلق اہل زمانہ کے قیل و قال کو سُنا تو کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کا مزاج اور ان کی فطرت ان بزرگوار کے حقائق و دقائق کو سمجھنے کے لائق نہیں ہے۔ ان عزیز کو چاہئے تھا کہ اگلے زمانہ میں ہوتے تاکہ لوگ ان کے کلام کی قدر جانتے اور متاخرین ان کے کلام کو کتاب میں بطور استشہاد کے بیان کرتے۔ نیز کہا کہ اہل زمانہ کا مزاج آپ کے کلام کے معاملہ میں ایسا ہی ہے جیسا کہ اُس حکمت کیش دانا کے حق میں اُس کوتاہ اندیش گروہ کا قصہ ہے۔ کسی نے پوچھا کہ وہ قصہ کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دانا نے بادشاہ کی مجلس میں کہا کہ میں نے ایک جانور دیکھا جو بھڑکتا ہوا انگارہ کھاتا تھا۔ اہل مجلس جنہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کی عقل میں یہ واقعہ نہیں آتا تھا۔ ہر طرف سے اس دانا کے ساتھ اُلجھنے لگے اور اس کی جہالت و حماقت پر متفق ہو گئے۔ جب اس بیچارے نے دیکھا کہ جس قدر اس کے متعلق زیادہ بات کرتے ہیں اُسی قدر ان بے خبروں کی بدگمانی اس کی حماقت کے متعلق بڑھتی جاتی ہے۔ آخر کار مجبور ہو کر وہ ایک پہاڑی علاقہ میں آیا جہاں وہ جانور موجود تھا وہ کبک (چکور) کی قسم کا ایک جانور تھا جو آتش خور ہوتا ہے، ان جانوروں میں سے ایک جال میں پھنسایا اور کچھ دنوں کے بعد اس جماعت کی مجلس میں حاضر ہوا اور کہا یہی ہے وہ پرندہ۔ سب جمع ہوئے اور انگارے بھڑکا کر اس پرندہ کے سامنے رکھے گئے وہ پرندہ ایک ایک کر کے چونچ میں لے کر نگلتا جاتا تھا۔ جب ان

---

[1] دیکھیں حضرات القدس (۲) حضرت سوم۔ درجہ ۳۵۔

لوگوں نے یہ ماجرہ دیکھا تو کہنے لگے کہ معلوم ہوا کہ تم ہی عقلمند تھے اور ہم جاہل تھے۔ لیکن چونکہ تمہاری بات ہماری عقل میں نہیں آئی تھی اس لیے تمہاری جہالت کا حکم لگا دیا تھا۔[۱]

نیز اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام عالی مقام حجۃ الاسلام محمد غزالی[۲] قدس اللہ سرہ العالی کے متعلق لوگوں نے سلطان سنجر کو یہ بات پہنچائی کہ ان کی بہت سی باتیں عقل و نقل کی میزان سے دور ہیں۔ سلطان کا دل امام صاحب کی طرف سے منحرف ہو گیا امام صاحب نے جب یہ بات سُنی تو سلطان کو ایک خط لکھا جس کے چند فقرے نقل کئے جاتے ہیں۔

"آج جو باتیں میں سُنتا ہوں اگر میں خواب میں دیکھتا تو کہتا کہ یہ ایک خواب پریشان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس غریب بیچارہ کا کلام بہت ہی مشکل ہے کہ ہر شخص کے فہم میں نہیں آسکتا اور وہ بھی اس لئے نہیں ہے کہ اس کے معانی بہت ہی دشوار یا غامض ہوں۔ بلکہ اہل زمانہ کے سُستی مزاج اور ضُعف خاطر کے سبب سے ہے۔ جو کچھ مشکل اور پیچیدہ باتیں میں نے کہی ہیں ان کی شرح کا اگر حکم ہو تو اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تیار ہوں" (امام غزالیؒ کا کلام مبارک انتہا کو پہنچا)

راقم الحروف نے حضرت (مجددؒ) کے مکتوبات قدسی آیات جلد سوم کے عنوان میں چند سطریں تحریر کی ہیں وہاں پیر بزرگوار کے کلام مبارک کی تعریف کے موقع پر بعض معاندین و منکرین کے تردد اور توقف کی وجہ سے چند اشعار بھی درج کئے ہیں جن میں تین اشعار یہ ہیں

مہین فرزند فاروق است وچوں اُب	کنون نطق از زبان او کند رب
زہریک نقطہ اش چوں نافۂ تر	شمیم وصل جاناں میزند سر
ولی آں کنہ بر ودت درز کام است	چہ داند نافہ اش گر در مشام است

حضرت (مجددؒ) کی حیات کے زمانہ میں ایک دن ایک متشرع عالم نے اس

---

[۱] دیکھیں حضرات القدس۔ درجہ ۳۶۔

[۲] امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) نے سلطان ملک شاہ سلجوقی (م ۴۸۵ھ) اور اس کے بیٹے سلطان سنجر (م ۵۵۲ھ) کا زمانہ پایا۔

ناچیز سے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ شیخ بزرگوار (یعنی حضرت مجددؒ) کے مکتوبات و رسائل ہیں، میں نے وہ نہیں دیکھے ہیں تو بندہ نے وہ مکتوب ان دیندار عالم کو سُنایا جس میں حضرت (مجددؒ) نے حقیقت و طریقت کو خادمانِ شریعت ثابت کیا ہے[1] جب انہوں نے اس مکتوب کو سُنا تو ذوق فراواں کے باعث نیاز مندی کا چہرہ آسمان کی طرف بلند کر کے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اُٹھائے اور بہت دیر صدق دل سے کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ان شیخ معظم کو سلامت رکھے اور مجھ سے کہنے لگے کہ اس بدعت و فساد کے زمانہ میں اکثر مشائخ وقت کے کلام و رسائل سن کر آئینہ دل پر حُزن و ملال کا زنگ بیٹھ گیا تھا۔ تمہارے بلند مقام شیخ کے کلام نے اس پر صیقل کر دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحُزْنَ (خدا کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔

بہت سے صلحا اور نیک نہاد علماء دور کے علاقے کے ہوں یا نزدیک کے علاقے کے ہوں آپ کے رسائل و مکاتیب کے مطالعہ کے باعث صادق العقیدہ مخلصین میں ہوگئے ایک معمر تجربہ کار فاضل کو دیکھا ان کا نام مولانا حسن غوثی تھا[2] مشہور شیخ محمد غوث رحمۃ اللہ کے مریدوں میں سے تھے۔ ہمارے حضرت (مجددؒ) کے زمانے تک زندہ تھے آپ کی مبارک صحبت نہیں پائی تھی لیکن آپ کے اوصاف عالیہ سُنے تھے انہوں نے اس جماعت کے احوال کے متعلق ایک تذکرہ لکھا جنہوں نے ہندوستان کے وسیع ملک کو ہدایت و ارشاد کے نور سے منور کیا ہے۔ اس میں حضرت (مجددؒ) کی منقبت اس طرح تحریر کی ہے۔

"بالانشین مسند محبوبیت و صدر آرائے محفل وحدانیت، خدیو مقام فردیت و صاحب مرتبہ قطبیت است،، (ان کا کلام ختم ہوا) ان کو اللہ ہماری طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔

آپ کے مکتوبات کے دفتر اول کو بعض مخلص بلخ اور ماوراء النہر لے گئے باوجودیکہ

---

[1] یعنی مکتوبات امام ربانیؒ ۱/۴۰۔ اس کے علاوہ ۱/۴۶، ۴۳، ۴۴ اور ۵۰، ۸۴ بھی دیکھیں۔

[2] مولانا حسن غوثی مانڈوی، جناب شیخ محمد غوثؒ (م ۹۷۰ھ) کے مرید تھے ۱۰۲۲ھ میں تذکرہ گلزار ابرار لکھا محمد ہاشم کشمیؒ کے فارسی دیوان میں "بیخ حسن" کے اعداد سے اُن کی وفات کا سال ۱۰۲۸ھ برآمد ہوتا ہے۔

اس دفتر کے اسرار و معارف کا مرتبہ آخری دو دفتروں سے کمتر تھا لیکن اس وقت کے دوسرے لوگوں کے کلام کے مقابلہ میں اس کا رتبہ بہت بلند ہے ؎

ہماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

اخیار کے معدن یعنی اس دیار کے علماء نے اس موتی برسانے والے کلام کا مطالعہ کر کے اس کلام کہنے والے کے لیے دعا و ثنا کی زبان کھولی ہے اور بے پناہ عقیدت و اخلاص کی راہ طے کی ہے اور کہا ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ملک ہندوستان میں حق پرستوں کے اس طرح کے مقتدا بزرگ ظہور میں آئے ہیں پھر خود بھی ان حضرت نے فائدہ حاصل کیا ہو تو کیا عجب ہے کہ ؏

بتاریکی درون آب حیات است (اندھیرے میں ملتا ہے آب حیات)

صلحاء میں سے ایک نے قبۃ الاسلام بلخ (اللہ اس شہر کو اور وہاں رہنے والوں کے اقبال کو محفوظ رکھے) سے ہندوستان کا رخ کیا تھا۔ وہاں کے اکابر خواہ عارفین میں سے ہوں مثلاً ارشاد و سیرت پناہ سید میرک شاہ۔[1] یا خواہ حکمت ظاہری و باطنی کے جاننے والے شیخ قدیم کبردی میر مومن[2] رحمہما اللہ ہوں یا علماء میں سے ہوں مثلاً مولانائے ربانی حسن قبادیانی اور اقضی القضاۃ مولانا قاضی تولک[3] سلمہ اللہ ان سبھوں نے ان درویش کی معرفت امانتیں اور نیاز مندانہ و مریدانہ دعوتیں حضرت (مجددؒ) کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ وہ درویش اجمیر میں حضرت مجددؒ کی دست بوسی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اور ان برکتوں والے اکابر کی امانتیں بہت زیادہ محبت و عقیدت کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچائیں۔ خصوصاً کمال اخلاص کے ساتھ اپنے مقتدا جناب میر مومن مذکور رحمہ اللہ کا ذکر آپ کی مبارک مجلس میں بہت زیادہ کیا

---

[1] سید میرک شاہ کا ذکر مکتوبات ۳/ ۹۹ میں ہے۔ محمد ہاشم کشمیؒ نے "ہو سید الشیوخ" کے اعداد سے (۱۰۳۲ھ) ان کی تاریخ وفات نکالی ہے جو اُن کے فارسی دیوان میں ہے۔

[2] میر مومن جو شیخ قدیم کبردی بھی کہلاتے ہیں مکتوبات ۱/ ۱۵۱ – ۳/ ۹۹ میں مذکور ہیں۔ محمد ہاشم کشمیؒ نے اُن کی تاریخ وفات ۱۰۳۱ھ لکھی ہے۔

[3] قاضی تولک کا ذکر مکتوبات ۳/ ۹۹ میں ہے۔ دیکھیں حضرات القدس (۲) حضرت سوم۔ درجہ ۳۸۔

یہاں تک کہ یہ بھی بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر پیری اور دور دراز کی مسافت مانع نہ ہوتی تو خدمت اقدس میں پہنچتا اور باقی زندگی آپ کی خدمت میں رہتا۔ اور آپ کے احوالِ بلند سے وہ انوار اخذ کرتا جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی نے سُنا۔ اور چونکہ یہ رکاوٹیں درمیان میں حائل ہیں اس لیے درخواست ہے کہ اپنے مخلصوں میں سے جان کران دوستوں کے احوال کی طرف متوجہ ہو کر غائبانہ فیض رسانی فرمائیں جو بظاہر آپ سے جُدا ہیں لیکن باطنی طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اور ان درویش نے عرض کیا کہ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میری طرف سے آپ سے مصافحہ بھی کر لینا چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ رخصت کے وقت ان درویش نے اس ناچیز سے کہا کہ وہاں کے اعزہ نے آپ کے معارفِ بلند کو سُنا اور بہت ہی اشتیاق رکھتے ہیں خصوصًا جناب میر مومنؔ۔ اس میں کیا حرج ہے اگر درخواست کی جائے کہ ایک مکتوب معارف کثیرہ دعائیہ پر مشتمل بھیجا جائے تو بڑا اکرم ہو۔ چونکہ بندہ نے اس وقت حضرت (مجددؒ) کے معارف تحریر فرمانے کو مناسب نہیں سمجھا اس لیے پہلے معارف میں سے چند مکتوب اس درویش کو لکھ کر دیئے اور حضرت (مجددؒ) سے بیان کیا تو فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کیونکہ ہمارا وقت اس کو مقتضی نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس نے بہت ہی اصرار کے ساتھ درخواست کی کہ دعا و سلام کے ذکلمے اپنے دست مبارک سے ان مذکورہ اکابر خصوصًا حضرت میرؔ مذکور کے نام تحریر فرمادیں تاکہ وہاں کے اعزہ اس تحفے کی وجہ سے میرے ممنون ہوں اور میں اس تحریر کی برکت سے راستے کی آفتوں سے محفوظ رہوں۔ اس درخواست نے قبولیت کا شرف پایا اور حضرت مجددؒ نے قلم مبارک لے کر میر مومنؔ رحمہ اللہ کی خدمت میں تحریر فرمایا اور دیگر اعزہ مذکور کو اس تحریر میں دعا لکھی۔ وہ مکتوب یہ ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) مَنۡ لَمۡ یَشۡکُرِ النَّاسَ لَمۡ یَشۡکُرِ اللّٰہَ (جس نے لوگوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا) ماوراء النہر کے علماء و مشائخ (اللہ ان کی کوششوں کی قدر دانی فرمائے) کے حقوق ہم دور افتادہ پس ماندہ لوگوں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اس قدر ہیں کہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتے اہل سنت

وجماعت کے عقائد اور صائب رایوں کے مطابق (اللہ سبحانہ ان کو کثرت عطا فرمائے) عقیدہ کی درستی ان بزرگوں کی تحقیقات سے ہم نے حاصل کی ہے اور علمائے حنفیہ رضی اللہ عنہم کے مذہب کے مطابق عمل کی درستی ان کی دقیقہ سنجیوں ہی سے اخذ کی ہیں۔ نیز صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ عالیہ کے سلوک سے اس ملک میں اس مبارک خطے سے استفادہ کیا گیا ہے، نیز جذبہ وسلوک، فنا و بقا، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے مقامات جو ولایت خاصہ کے ساتھ مربوط ہیں ان کی تحقیق کا فیض اسی مبارک علاقے کے اکابر کے فیوض سے پہنچا ہے۔ ان کی تحقیق اسی مبارک خطے کے بزرگوں کے فیوض سے پہنچی ہے۔ الغرض، ظاہر و باطن نے بھی وہیں سے اصلاح پائی ہے اور اگر باطن ہے تو فلاح وہیں سے حاصل کی ہے۔

شکرِ فیض تو چمن چوں کند اے ابرِ بہار ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کہ اگر خار و گر گُل ہمہ پروردۂ تست

(شکر تیرا باغ سے کیونکر ہوا ے ابر بہار ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ سب ہیں پروردہ ترے وہ پھول ہوں یا کوئی خار)

اللہ تعالیٰ اُس خطے کو اور وہاں کے باشندوں کو آفات و بلیات سے محفوظ فرمائے بحرمۃ سید السادات صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ۔ وہ احباب جو اُس دیارِ بلند سے اس پست علاقے کی طرف تقریبات میں آتے ہیں اُس خطے کے بابرکت حضرات کی مہربانیوں کا ذکر خصوصاً ارشاد و ہدایت پناہ اور افادت و افاضت دستگاہ سلمہ اللہ تعالےٰ یعنی جناب کی شفقت اور محبت اس فقیر کی نسبت ظاہر کرتے ہیں جو اس فقیر کے ساتھ حسنِ ظن ہے اور فقیر کے بعض علوم و معارف جو اُن حضرات کے لیے لکھے گئے ہیں پسند فرماتے ہیں۔ بزرگوں کی جانب سے اس قسم کی خوشخبری امید کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے اور بعض اذواق و مواجید کے لکھنے پر زیادہ دلیر کر دیتی ہے۔ چونکہ انہی دنوں میں ابھی ابھی شیخ ابوالمکارم صوفی نے آکر آپ کے الطاف کا اظہار اور طرح طرح کی مہربانیوں کا ذکر کیا، اس لیے آپ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے یہ چند کلمے آپ کو لکھ کر تکلیف دی اور اپنی یادآوری کی طرف آپ کو توجہ ... ۔ چونکہ اس فقیر کے بعض مسودات کی نقل برادرم محمد ہاشم نے جو دوستوں

میں سے بھی ہیں صوفی مذکور کے ساتھ بھیج دی ہے اس لیے اسی پر اکتفا کیا گیا اور اس طائفۂ عالیہ کے علوم و معارف کی کوئی بات اس خط میں درج نہیں کی آپ حضرات عنایت اور شفقت سے امید ہے کہ خاص خاص ساعتوں میں فقیر کو سلامت خاتمہ کی دعائے خیر سے یاد فرماتے رہیں گے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (اے اللہ، تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں بھلائی ہمارے نصیب فرما) اس ناچیز کی فقیرانہ دعائیں ان تمام عالی درجہ حضرات (یعنی) جناب شرافت و نجابت پناہ، اہل اللہ کی جائے پناہ سید میرک شاہ بخاری اور جناب افادت دستگاہ علامۃ الوریٰ مولا حسن اور جناب ناصر الشریعۃ حافظ الملۃ قاضی تولک ادام اللہ برکاتہم کی خدمت میں پہنچادیں۔ فقیر زادگان بھی دعا کے لیے عرض کر کے فاتحہ کی درخواست کرتے ہیں (مکتوب ختم ہوا) ¹

اگر دور و نزدیک کے شہروں اور مضافات کے بعض فضلاء و صلحاء کے اخلاص کے واقعات جو آپ کے ساتھ ہیں ایک ایک کر کے بیان کئے جائیں تو طوالت کا موجب ہوگا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اسرارِ عالیہ جو معدن المیامن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے باطن پر مبدأ فیاض کی جانب سے وارد ہوتے تھے اُن کی تین قسمیں تھیں۔ ایک قسم تو وہ ہے کہ اس کو کبھی دل سے زبان پر نہیں لاتے تھے، خواہ محرمانِ اسرار میں سے بھی کوئی ہوں یا اخیار میں سے ہوں۔ چنانچہ ایک مکتوب (دفتر اول۔ ص ۲۶۷) میں جو خواجہ حسام الدین احمد سلمہ اللہ کے نام ہے آپ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے:۔

حق جل سلطانہ کے انعامات کے متعلق کیا لکھا جائے اور کس طرح ان کا شکر ادا کیا جائے۔ جن علوم و معارف کا فیضان خداوند جل شانہ کی توفیق سے ہوتا ہے اُن

---

¹ سورۃ الکہف ع ۱، آیت ۱۰

² مکتوبات ۳/ ۹۹ ۔

میں سے اکثر قیدِ تحریر میں آتے ہیں اور اہلِ دنا اہل کے کانوں تک پہنچتے رہتے ہیں۔ لیکن جو اسرار و دقائق کہ ممتاز ہیں اُن کا ایک شمّہ بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ذریعے بھی اُن کے متعلق بات نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اپنے عزیز ترین فرزند جو اس فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقاماتِ سلوک کا نسخہ ہیں اُن کے سامنے بھی ان اسرار کی باریکیوں کا ذکر نہیں کرتا ہوں، اور پورے بُخل کے ساتھ اُن کو چھپانے کی کوشش کرتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ فرزند، محرمانِ اسرار میں سے ہیں اور خطا و غلطی سے (بفضلہٖ تعالیٰ) محفوظ ہیں۔ لیکن کیا کروں کہ معانی کی باریکیاں، زبان کو پکڑتی ہیں اور اسرار کی لطافت لب کو بند کرتی ہے، وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ سے (اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی) نقدِ وقت ہے۔ وہ اسرار اس قبیل میں سے نہیں ہیں کہ بیان میں نہ آئیں بلکہ میں اُن کو بیان نہیں کرتا۔

زیاد حافظا این ہمہ آخر بہر زہ نیست | ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست
(حافظ کی بات گو کہ یہ بے فائدہ نہیں۔ | لیکن وہ بات ہی تو عجیب و غریب ہے)

یہ دولت جس کو چھپانے کی ہم کوشش کرتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مشکوٰۃ نبوت میں سے ماخوذ ہے اور ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ (علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والتحیات) اسی دولت میں شریک ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں میں سے جس شخص کو بھی اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے علوم اخذ کئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جو میں نے تمہارے سامنے پھیلایا اور دوسرا علم اگر پھیلاؤں تو لوگ میرا گلا کاٹ دیں۔"[۱]

---

[۱] سورۃ ... رع ۲ آیۃ ۱۳ ... مشکوٰۃ، کتاب العلم۔ فصل ثالث

وہ دوسرا علم بعلم اسرار ہے کہ ہر شخص اسے سمجھ نہیں سکتا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[1] (یہ اللہ کا فضل ہے، دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

ان اسرار میں سے بعض جو رمز و اشارہ کے ذریعے بھی بیان نہیں ہوتے وہ حروف مقطعاتِ قرآنی اور متشابہاتِ آیاتِ فرقانی کے حقائق کے اسرار ہیں جیسا کہ فصل نجم میں بیان کیا گیا۔

دوسری قسم وہ تھی جس کو محرمانِ خاص سے اور خصوصی زاویہ نشینوں سے خلوت میں بیان فرماتے تھے۔ اس بیان کے وقت آپ پابندی فرماتے کہ جن چند حضرات کو ان کے سننے کا اہل جانتے صرف اُن کو طلب فرماتے، تاکہ دوسرا شخص اندر نہ آنے پائے۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ اس معاملے میں بہت زیادہ اہتمام کی بنا پر دروازوں پر حاجب مقرر فرما دیتے بلکہ جس گھر میں اسرار بیان فرماتے وہاں سامعین کو حکم دیتے کہ اس کے دروازے کی زنجیر اندر سے بند کر دیں۔ ایک دن طالبینِ علم میں سے ایک شخص جو مخلصوں میں سے تھا اور صاحبِ ذوق و حال تھا اس دروازے کے باہر رہ گیا تھا، ایک خادم نے ایک ضروری کام کے لیے دروازہ کھولا تو وہ شخص اندر داخل ہو گیا۔ اُس کے اندر آتے ہی اسرارِ مقدسہ کا ذکر جس انداز سے ہو رہا تھا وہ آپ کے قلبِ مقدس سے اُٹھ گیا۔ چونکہ خاموش رہنا بھی مناسب نہ تھا اس لیے تقریر جاری رکھی لیکن وہ محرموں کے ادراک سے باہر تھی۔ پھر دوسرے دن محرموں کو طلب فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ

"کل والی معرفت کی طرف تم لوگوں نے کوئی راہ پائی ہے یا نہیں؟"

ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہی کو معلوم ہوگا۔ فرمانے لگے کہ ایک نامحرم اندر آ گیا تھا اس لیے اس بیان کا طریقہ بدل گیا تھا۔

پھر ان اسرار کو اس انداز سے بیان فرمایا جو سامعین کی سمجھ میں آ سکے۔ اور سننے والوں کو از خود رفتہ بنا دیا۔ ان اسرارِ گرامی کو زبان کے قلم سے محرموں کے درمیان لاتے تھے لیکن قلم کی زبان کو اس کا محرم نہ بناتے تاکہ ہر محرم و نامحرم کے کان تک نہ پہنچے۔ اگر مخدوم بزرگانِ عالی قدر یا خلفائے کبار میں سے کوئی شخص درخواست کرتا کہ اگر یہ اسرار تحریر میں آ جائیں تو کیا حرج ہے تو ان کی درخواست کے مطابق ان کے بعض حواشی کو اس انداز سے تحریر فرماتے۔

---

[1] سورۃ الجمعہ (۴)

کہ ہر شخص کی سمجھ میں آجائے۔ ان معارف و اسرار میں سے بعض اس قبیل سے تھے کہ مخدوم زادگان عالی مرتبت کے سوا کوئی بھی ان سے واقف نہ تھا خواہ محرم ہو یا نا محرم اور ان کے علاوہ کسی کو واقف اور مطلع نہ کرتے۔ فائض شدہ معارف کی ایک اور قسم یہ تھی کہ سوال کرنے والوں کی درخواست پر یا طالبوں کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے عموماً تحریر و تقریر میں آتی تھی۔ یہ وہ معارف ہیں جو بہت برکتوں والے مکتوبات اور معدنِ فتوحات رسائل کے دفاتر ان پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ہر معرفت بیماردلوں کے لیے شفا بخش، دور و مہجور لوگوں کو قریب کرنے والا ہے، ان کا نقل کرنا ہر محفل کی زینت۔ ان کا آوازہ ہر گوشِ دل کے لیے آویزہ، اس کا ہر فقرہ اسرارِ فقر کی انگوٹھی کے لیے نگینہ ہے، ان جواہر اسرار کی ہر فصل وصل کا خزانہ، قلم ان تحریروں کے لکھنے سے شکر کا نیستان ہے، صفحات ان کلمات کے شامل ہونے کی وجہ سے پُر رونق بوستان، اس کلام کی شیرینی کی وجہ سے ہر مُنہ حلاوتِ ایمان کا ہم دوش ہے ان اسرار کی صفائی کی وجہ سے لوگوں کے دل انوارِ لایزال کے ہم آغوش ہیں۔ اسرارِ دین اور انوارِ یقین کا جامع، کتاب مبین کے رازہائے مخفی کا ظاہر کرنے والا ہے، سید المرسلین کی احادیث کے جمالِ معنی کا آئینہ، کلامی و فقہی مشکلات کا حل کرنے والا، معارف تشبیہیہ و تنزیہیہ کے دقائق پر حاوی ہے، کبار متقدمین کے پیچیدہ اقوال اور متاخرین علما و عرفا کے پوشیدہ احوال و اقوال کا ترجمان ہے۔ قدس اللہ سرّ قائلہا واللہ تعالیٰ (کہنے والے کی روح کو پاک کریں)

کلام کی یہ بلندی جو عنبرین قلم کی زبان سے ظاہر ہوتی تھی جب ان ہی اسرار کو یا ان کے علاوہ دوسرے اسرار کو اپنی دُرفشاں زبان سے خلوتوں میں بیان فرماتے تو دوسری صورت اختیار کر لیتا تھا گویا جو قلم کی زبان سے بیان کرتے تھے وہ قال ہوتا تھا اور جو زبان کے قلم سے فرماتے وہ حال ہوتا تھا وہ تو معرفت کا بیان تھا اور یہ نسبت کا القا اور نعمت کا عطا کرنا تھا یعنی پردۂ تقریر میں وہ تصرف پوشیدہ رکھتے کہ سُننے پر سکر کا غلبہ ہوتا اور وہ حضوری حاصل ہوتی جو تحریر میں نہیں آسکتی ہے۔ جب سُننے والے مجلس سے باہر آتے تو ان کا حال ہوتا گویا کوئی مست میخانہ سے آرہا ہو۔ مخدوم زادے اور دیگر محرمان ہمیشہ اس کے آرزومند رہتے کہ وہ کونسا مبارک دن ہوگا جبکہ آنحضرت (مجددؒ) زبان مبارک سے کوئی

معرفت کی بات ان مشتاقوں کے کان میں پہنچائیں گے ؎

از دل نرود لذتِ حرف لب او ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ دُر نیست کہ از گوش برون نتواں کرد

دل سے لذت نہیں جاتی ہے سخن کی اُن کے ‌ ‌ ‌ ‌ گوشوارے کا وہ موتی ہے۔ نہیں ہوگا جُدا

ایسے نازمین اور غوث المحققین کا معارف کے بیان میں یہ دستور تھا کہ جب تک ان علوم کا ماخذ و منشا محقق نہ ہوتا اور صبح کی سفیدی کی طرح آپ کے کشف و بصیرت کی نگاہ میں ان معانی کا جمال جلوہ گر نہ ہوتا محض قوت علمی کی بنا پر ان کے متعلق گفتگو نہ فرماتے اکثر ایسے سوالات طالبین کی جانب سے کئی بار کئے جاتے تو آپ فرماتے کہ اس کی حقیقت محقق و حال کے اعتبار سے ہمیں معلوم نہ ہو سکی محض علم کی بنا پر مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق گفتگو کی جائے۔

اس بندہ نے ایک دن ایک ضرورت کی بنا پر دفتر دوم کے ایک مکتوب کے خاتمہ[1] کی معرفت کے متعلق جس میں آپ نے اسرار غامضہ تحریر فرمائے ہیں اس کی ایک مشکل کا حل دریافت کیا تو فرمایا کہ مدت ہوئی سیر اس معاملہ سے دوسری جگہ ہو چکی ہے اس لیے اب اس کے متعلق گفتگو کرنا قیاس کی بنا پر ہی ہوگا علم و معرفت کی بنا پر نہ ہوگا۔ اس طریقہ پر بات کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ نے اس معاملہ میں بندے کا اصرار دیکھا تو ایک دن جبکہ آپ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے تھوڑی دیر چادر مبارک مُنہ پر ڈالی اس کے بعد چادر سے سر نکال کر تبسم کرتے ہوئے اس ناچیز سے فرمایا کہ چونکہ اس معرفت کے حل کے لیے تمہارا انتظار بہت دیکھا گیا اور عذر کی بنا پر اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہو رہی تھی آخر کار میں اس وقت اس مقام کی طرف متوجہ ہوا جو اس معرفت سے تعلق رکھتا ہے جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے۔ اس بار چونکہ دوسری روشنی اور گرمی پائی اس لیے وہ معاملہ ایک اور ہی انبساط اور وسعت کے ساتھ جلوہ گر ہوا کہ اگر تحریر میں لایا جائے تو پہلے سے کئی درجہ زیادہ اور اچھی صورت اختیار کرے۔ اور اس شبہ کا حل مجملاً بیان فرمایا جو سائل کی تشفی کا سبب بنا۔ اور اس کی

---

[1] ممکن ہے کہ وہ مکتوب ۲/۶ ہو جس کی وضاحت ۲/۷ میں آتی ہے۔

تفصیل کے لیے لب کشائی نہیں کی۔

ایک دن شہر اجمیر میں شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق دہلوی نے جو علمائے کبار میں سے ہیں اور اس طائفہ عالیہ کے کلام سے آشنا ہیں انہوں نے حضرت یعقوبؑ کے گرفتارِ یوسفؑ ہونے کا راز دریافت کیا (علی نبینا وعلیہما الصلوات والتسلیمات)۔ حضرت مجددؒ، تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا کہ انشاءاللہ عنقریب اس راز کے کھولنے کے متعلق پورا بیان کروں گا اور تفصیل سے لکھوں گا۔[1] جب شیخ مشارٌ الیہ مجلس سے اُٹھے تو اس ناچیز کو آپ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کئی بار یاروں اور دوستوں نے اس کے راز کے متعلق ہم سے سوال کیا تھا۔ لیکن اس کا حال کھلا نہ تھا اس لیے بجز خاموشی کے کوئی جواب نہیں تھا جیسا کہ پہلا دستور ہے۔ علم وعرفان کی مہارت کے ذریعے اس کے حل میں مصروف ہونا مناسب نہیں ہے۔ اب جو اس جوان نے پوچھا اور توجہ اس کی طرف مائل ہوئی تو اس راز کے کشف کا ایک دروازہ بصیرت کے سامنے کھول دیا گیا۔ اور ایک خاص انداز سے اس راز کا جلوہ دکھایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کا کشف تفصیل کے ساتھ ظاہر ہو گا۔ دوات و قلم اور کاغذ تیار رکھو۔ دوسرے دن آپ نے دوات و قلم منگوا کر فرمایا کہ آج رات تہجد ادا کرنے کے بعد اس اجمال کی پوری تفصیل کی۔ اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے اب یہ دل سے زبان پر اور زبان سے قلم پر اور قلم سے کاغذ پر آتا ہے۔ پھر آپ تحریر میں مشغول ہو گئے اور صحیفہ کو رنگین باغ بنا دیا جیسا کہ اس کے ناظرین پر ظاہر ہے۔ جب اُس جواب کے صحیفہ کو سائل کے سپرد کیا تو ایک مخلص نے اس ناچیز سے کہا کہ اس مکتوب میں بلند حقائق تحریر ہوئے ہیں۔ نیز حضرت (مجددؒ) کے خصائص بلند میں سے ایک خاصہ رمز و اشارہ کے ذریعے اس میں درج ہوا ہے۔ شیخ سائل (یعنی شیخ نور الحق) امراء خوانین کی صحبت میں آمد و رفت رکھتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مکتوب عظیم باطنی مریضوں کے گروہ تک پہنچائیں اور گذشتہ زمانہ کی طرح پھر اس جماعت کے

---

[1] دیکھیں مکتوبات ۱۰۰/۳۔ خواجہ ہاشم کشمیؒ ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجددؒ کی رفاقت اور خدمت میں آئے اور تقریباً دو سال تک ساتھ رہے۔ صرف آخر وقت میں سرہند سے برہان پور بعض اسباب کی بنا پر جانا پڑا۔

قیل وقال کا سبب ہو جائے. بندہ نے اس بات کو حضرت (مجددؒ) کی خدمت میں پہنچایا تو آپ نے فرمایا وہ کونسی ایسی بات ہے جس کے افشاء کا خطرہ دوستوں کو ہے. مجھے یاد نہیں کہ میں نے ایسا کوئی راز اپنے مکتوب میں لکھا ہوگا. بندہ نے عرض کیا کہ یہ بقیۃ النخل کا قصہ ہے. تو آپ مسکرانے لگے اور فرمایا کہ ہاں، وہ ضرور اس میں بیان ہوا ہے. پھر آپ مراقب ہو گئے. پھر جب سرِ مبارک اوپر اٹھایا تو یہ شعر پڑھا:

یارب آں غنچۂ خنداں کہ بہ بردی بمنش　　می سپارم بتو از چشم حسود چمنش [1]

الغرض آپ نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر بھروسہ کیا، یہاں تک کہ وہ مکتوب ان دور ان کار لوگوں میں گھوما اور جس بات سے لوگ ڈرتے تھے وہ ظاہر نہ ہوئی اور یہ حضرت مجددؒ کے خوارق میں سے ہے.

اکثر ایسے معارف دلپذیر لکھنے کا سبب اکابرِ دین کے مشکل اور مغلق کلام کا حل کرنا ہوتا. خصوصاً وہ کلام جس کا ظاہر اصولِ دین کے ساتھ کسی طرح مطابقت نہ رکھتا اور بہانہ طلب اور بے ادب لوگوں نے اس کلام کو سستی اور تساہل کا بہانہ بنا لیا تھا چنانچہ آپ اس کی صحیح اور مناسب تاویل شریعت غرا کے مطابق کرتے تھے. اگر اس کی کوئی قوی تاویل نہ ہوتی یا توجہ کے بعد اس کلام کا حل حضرت (مجددؒ) پر اس طرح ظاہر ہوتا کہ اس کلام کی مخالفت کرنا شریعت کے مطابق ہے تو مجبوراً تحریر فرماتے کہ ان کا یہ کلام غلبۂ سکر کی وجہ سے سرزد ہوا ہے یا ان بزرگ کے کشف میں غلطی ہوئی ہے. اور یہ خطائے اجتہادی کی طرح مغفور ہے. لیکن دوسروں کے لیے اس سے دلیل ڈھونڈنا اور مجتہدین و محققین کے خلاف چلنا نامناسب اور ناز یبا ہے. اگر ان ناقص العلم اور کشف سے قاصر مدعیوں کو اس مقصد کے ثابت کرنے میں شدید دیکھتے تو آپ بھی سخت گیر ہو کر حمیتِ دین کے جنون اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال اتباع کی وجہ سے اس کی تردید اور اس سے منع کرنے کی طرف توجہ کرتے اور تحریر فرماتے. منجملہ ان کے وہ ہے جو آپ نے اس سیر کے متعلق تحریر فرمایا ہے جو

---

[1] یا الٰہی وہ کلی تو نے جو بخشی تھی مجھے، چشم حسد کے ڈر سے دوں حوالے ہے تیرے

ورائے الفس و آفاق آپ کو معلوم ہوئی ہے[1] چنانچہ اسی قبیل سے آپ کا وہ مکتوب[2] ہے جو آپ نے سیدالطائفہ (جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ

"جب حادث، قدیم کے قریب ہو جاتا ہے تو اس میں حادث کا اثر نہیں رہتا بلکہ وہ قدیم ہو جاتا ہے"

لیکن پھر جب آپ کو (کامل) متابعت سے افاقہ ہوتا تو آپ ایسے اقوال کے قائلین کے ساتھ غایت محبت کی بنا پر پورے انکسار کے ساتھ معذرت ظاہر کرتے اور یہ فرماتے کہ وفور تشرع میں بھی ایک سکینت کہ اس کی وجہ سے اس کی مخالفت کی تاب نہیں، خواہ کسی کی جانب سے ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حق سبحانہ کے حکم سے حضرت خضر علیہ السلام کی مصاحبت اختیار کی اور کہہ بھی دیا۔ سَتَجِدُنِي اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا۔ (یعنی تم انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پاؤ گے)، لیکن جب انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے ان امور کا مشاہدہ کیا جو انہوں نے بظاہر شرع کے موافق نہیں پائے تو صبر نہ کر سکے اور اعتراضات کرنے لگے۔ آخر کار حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ (یعنی اے موسیٰ، یہ ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہے)[3]

نیز آپ نے فرمایا کہ ہر چند ہم لوگ ان بزرگواروں کے حقوق میں غرق ہیں اور ان کی دولتوں کے خرمن کے خوشہ چین ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ حقوق خداوندی جل شانہ وعزّ سلطانہ، دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں، خصوصاً جب کوئی بات اللہ سبحانہ کی ذات و صفات سے متعلق ہو اور اس کی تقدیس و تنزیہ سے تعلق رکھتی ہو، بلکہ اگر کوئی بات صبح صادق کی طرح بھی مکشوف و مشہور ہو گئی ہو، لیکن وہ اللہ سبحانہ کی تقدیس کے موافق الہام نہ ہوئی ہو اور متیقن ہو کر نہ آئی ہو، تو اسے دوسروں کے سامنے پیش کرنا خیانت اور بد دیانتی ہوگی کہ اس معرفت کے القا اور انکشاف کا

---

[1] دیکھیں مکتوبات ۱/۱۴۴ ۔ ۱۷۵ ۔ ۲۰ ۔ ۳/۲ الف بالخصوص ۲/۴۲۔

[2] مکتوبات ۲/۲۰ ۔

[3] یہ واقعہ سورۃ الکہف (آیت ۶۹ ۔ ۷۸) میں ہے۔

راز یہی ہے۔ اس سلسلے میں جہاں سیرِ انفسی اور سیرِ آفاقی کے متعلق آپ نے گفتگو فرمائی ہے آپنے بہت کچھ فرمادیا ہے۔ [1]

لیکن اگر طائفۂ عالیہ کے مسائل و معاملات میں سے کوئی مسئلہ اور معاملہ جو علمائے ظاہر کے نزدیک ظاہرِ شرع کے موافق نہ ہوتا اور حضرت مجددؒ کو علم اور حال کے اعتبار سے قوی تاویلات عطا ہوئی ہوتیں، تو جس قدر ممکن ہوتا، صوفیہ کے اس مخصوص مسئلہ و معاملہ کو آپ عقلی و نقلی اور ذوقی دلائل کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ان صاحبانِ کمال و اکمال کے حال و قال کی بلندی کی تعریف میں بہت اعلیٰ وارفع تحریریں اور تقریریں پیش فرماتے۔ مثلاً وحدت الوجود کا مسئلہ۔ کہ اس مسئلہ کو مکتوبات شریفہ میں آپ نے کس قدر بلند اور مناسب تحقیقات و تدقیقات کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور اس کو شریعت عزا کے مطابق ثابت کیا ہے۔ علمائے ظاہر میں سے ایک نے کہا کہ یہ مسئلہ (وحدت الوجود) باطل ہے تو آپ نے پورے جلال میں آکر فرمایا کہ

"ان بزرگواروں کے کام میں باطل کو کیا دخل؟ اور بُطلان یہاں کس طرح راہ پا سکتا ہے؟ اور جس مقام میں کہ ان بزرگواروں نے اس عالی شان مسئلے کے متعلق گفتگو کی ہے اس میں حق غالب ہے اور باطل کا بُطلان ہے۔ ان بزرگواروں نے حق جل و علا کی محبت میں خود کو اور غیر کو بازی پہ لگادیا ہے اور خود کا اور غیرِ خود کا کوئی نام و نشان نہیں چھوڑا۔ قریب ہے کہ باطل ان کے سائے سے بھاگے، چہ جائیکہ ان کے دامن کی گرد کو پہنچے۔ یہ سب حق ہے اور حق کے لیے ہے۔ علمائے ظاہر بین کو اس کی حقیقت کیا معلوم! یہ لوگ مخالفتِ ظاہری کے سوا اور کیا سمجھیں گے؟ اور ان کے کمالات سے کیا اخذ کریں گے؟" [2]

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" یہ بزرگوار چونکہ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ سے محبت کا قوی رشتہ رکھتے ہیں

---

[1] مکتوبات۔ دفتر ۲/۱۰ میں بھی اس پر بحث ہے۔

[2] مکتوبات ۱/۲۲۴ (ایک عالمِ ظاہر کے سوال کے جواب میں یہ عبارت ہے)

اور ماسوی کی محبت کو محبوبِ حقیقی کی محبت پر فدا کر دیتے ہیں۔ اس لیے لازمًا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اُسی کے ساتھ ہے جس کی اسے محبت ہے) کے مصداق اس معیتِ حُبّی کی راہ سے مطلوبِ حقیقی تک پہنچتے ہیں۔ اور ان تجلیات وظہورات کے تنگ کوچے سے جو ظلال سے ملا ہوتا ہے آزاد ہو کر اصل الاصل کے ساتھ جا ملتے ہیں اور اس مقام میں کہ جہاں علمائے ظاہر کا علم پہنچتا ہے یہ بزرگوار محبت کی کشش سے کھنچ کر خود پہنچ جاتے ہیں اور اتصال بےچونی پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ فرق، محبت کے باعث ہے، کیونکہ محب اپنے محبوب کے غیر سے تعلق توڑ کر اپنے محبوب سے مل جاتا ہے اور جس شخص میں یہ محبت نہیں ہوتی وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو غنیمت جانتا ہے۔ بلکہ جس جگہ یہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں وہاں علمائے ظاہر کا علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ علم کی رسائی بشرطیکہ وہ صحیح ہو، مطلوب کی دہلیز تک ہی ہوتی ہے اور وہ شخص جو مطلوب سے واصل ہو وہ مطلوب کے ساتھ ہوتا ہے اور معیت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا جو اس کے نصیب میں نہ ہو...[1]

نیز اس موقع پر کہ صوفیہ، دین کے اصول و فروع میں مجتہدین کے تابع ہیں اور ایسے امور میں ان کے خلاف نہیں جاتے (کہ بعض ناقصوں نے گمان کیا ہے) اور یہ کہ اس طائفہ عالیہ کا الہام بہت سے پوشیدہ رازوں کا فائدہ پہنچانے والا ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کی اجازت ہے اور اس کے نزدیک پسندیدہ ہے لیکن شرعی حلّت و حرمت کا ثابت کرنے والا نہیں ہے (کہ بعض جاہلوں کو وہم ہوا ہے) تو ان مسائل کے متعلق حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے:

... احکام شرعیہ کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب و سنّت ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماعِ اُمت بھی حقیقت میں احکام کو ثابت کرنے والے ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا کوئی اور ایسی دلیل نہیں جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ الہام، حلّت اور حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور ارباب باطن کا کشف، فرض و سنت کو ثابت نہیں کرتا۔ ولایت خاصہ والے

---

[1] مکتوبات ۲/۵۰۔ ایسا مضمون ۲/۸۰، اور ۳/۱۲۳ میں بھی آتا ہے

لوگ اور عام مومنین، مجتہدوں کی تقلید میں برابر ہیں۔ ان (ولایت خاصہ والوں) کو ان کے کشف والہام کوئی قربت نہیں بخشتے اور انہیں تقلید سے باہر نہیں لاتے۔ حضرت ذوالنون مصری، حضرت بایزید بسطامی، حضرت جنید اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہم اجتہادی احکام میں عام مومنین (زید، بکر، عمرو، خالد) کی طرح مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان بزرگوں کی فضیلت اور امور میں ہے۔ اصحابِ کشوف و مشاہدات، نیز اربابِ تجلیات و ظہورات وہ لوگ ہیں جنہوں نے محبوب حقیقی جل سلطانہ کی محبت کے غلبے کی وجہ سے ماسوٰی سے تعلق قطع کر لیا ہے اور غیر و غیریت کے دیکھنے اور جاننے سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر وہ کوئی سرمایہ رکھتے ہیں تو بس حق تعالیٰ ان کا سرمایہ ہے اور اگر واصل ہیں تو صرف اسی سے واصل ہیں۔ عالم میں رہ کر بے عالم ہیں اور باخود ہوتے ہوئے بے خود ہیں۔ اگر جیتے ہیں تو اسی کے لیے جیتے ہیں اور اگر مرتے ہیں تو اسی کے لیے مرتے ہیں۔ ان کے مبتدی، محبت کے غلبے کے باعث، ذراتِ عالم کے ہر ذرہ میں اپنے محبوب و مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر ذرہ کو اس کے تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کا جامع پاتے ہیں۔ ان کے منتہیوں کا کیا حال بیان کیا جائے جو بے نشان ہیں وہ ان کا پہلا قدم ماسوٰی کا فراموش کرنا ہے۔ اور دوسرے قدم کے متعلق کیا کہا جائے کہ وہ انفس و آفاق سے باہر ہے۔ الہام بھی انہی کے لیے ہے اور کلام بھی انہی کے لیے مخصوص ہے۔ ان کے اکابر ان کا جز علوم و اسرار کو اصل سے بلا واسطہ اخذ کرتے ہیں اور جس طرح ایک مجتہد اپنی رائے اور اجتہاد کا تابع ہوتا ہے یہ لوگ بھی معارف و مواجید میں اپنی فراست اور الہام کے تابع ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ علم لدنی[1] کے افاضے میں حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت ایک درمیانی واسطہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات مبتدی اور متوسط کے متعلق ہوگی۔ لیکن منتہی کا معاملہ اور ہے جیسا کہ کشفِ صریح اس پر شاہد ہے اور اس تحقیق کی تائید اس کلام سے ہوتی ہے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک دن

---

[1] رسالہ قدسیہ صفحہ ۱۰۸ (مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۷۵ء) حضرت مجددؒ نے بھی مبدأ و معاد (منہاج ۱۲) میں ایسا ہی لکھا ہے۔

آپ منبر پر علوم و معارف بیان فرما رہے تھے کہ اسی اثنا میں حضرت خضر علیہ السلام کا گزر ہوا۔ شیخ نے اُن سے فرمایا کہ

"اے اسرائیلی آ جا اور کلام محمدی سُن لے۔"

شیخ کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام محمدیوں میں سے نہیں ہیں بلکہ اُمم سابقہ میں سے ہیں۔ تو جب اُن کا یہ حال ہے تو محمدیوں کا واسطہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کے ماسوا وہ علوم و معارف ہیں جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ کیونکہ وہ معارف انہی احکام کے ثمرات اور نتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصود اُس کے پھلوں کا حاصل کرنا ہے اور جب تک درخت قائم ہے اُس کے ثمرات متوقع ہیں اور جب درخت کی جڑ میں خلل آ جاتا ہے تو ثمرات بھی ناپید ہو جاتے ہیں۔ یہ بے عقلی ہوگی کہ درخت کاٹ دیا جائے اور پھل کی امید رکھی جائے۔ (اس کے برعکس) درخت کی جتنی زیادہ دیکھ بھال ہوں گے اُسی قدر اُس میں زیادہ پھل آئیں گے۔ پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن وہ درخت ہی سے پھوٹ کر نکلتا ہے۔ شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ جس قدر پابندی (شریعت کی) ہوگی اُسی قدر معرفت زیادہ ہوگی اور جو شخص شریعت میں سست ہوگا معرفت سے بے نصیب ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے زعم فاسد کے مطابق کچھ نہ رکھتے ہوئے بھی سمجھتا ہے کہ کچھ رکھتا ہے تو وہ استدراج کی قسم سے ہے کہ جوگی اور برہمن لوگ اس میں شریک ہیں۔

"ہر حقیقت جس کو شریعت رد کر دے وہ زندقہ اور الحاد ہے"[1]

یہ ہو سکتا ہے کہ خواص اہل اللہ، حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے معارف میں بعض ایسے اسرار و دقائق کو سمجھ لیں جن کے متعلق شریعت خاموش ہے اور حرکات و سکنات میں حق تعالیٰ کا اذن یا عدمِ اذن، پسندیدگی یا ناپسندیدگی معلوم کر لیں۔ اگر ایسا ہوتا ہے کہ بعض نفلوں کا ادا کرنا وہ ناپسند پاتے ہیں اور ان کے ترک کرنے کا اذن پا لیتے ہیں اور کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔ (بات یہ ہے کہ) احکام شرعیہ، اوقات کے ساتھ مقرر ہیں اور احکام الٰہیہ ہر وقت ثابت ہیں۔ چونکہ ان بزرگوں کی حرکات و سکنات، اجازت (اذن) کے ساتھ وابستہ ہیں اس لیے لازماً دوسروں کے نوافل بھی ان کے لیے فرائض ہوں گے۔ مثلاً ایک فعل، شریعت کے حکم کے مطابق

[1] فتوح الغیب ص

ایک شخص کے لیے نفل ہے تو وہی فعل دوسرے کے لیے الہام کے حکم کی بنا پر فرض ہوگا۔ چنانچہ دوسرے لوگ کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی مباح امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لیکن یہ بزرگوار چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت سے کام کرتے ہیں اس لیے سب کام فرائض کے ادا کرتے ہیں۔ دوسروں کے لیے جو چیز مستحب اور مباح ہے وہ اُن کے لیے فرض ہے۔ اسی حقیقت سے ان بزرگوں کے مرتبے کی بلندی معلوم کرنا چاہیے۔ علمائے ظاہر، دین کے علوم و امور میں غیبی خبروں کو پیغمبروں کی خبروں کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور دوسروں کو ان میں شریک نہیں جانتے (لیکن) یہ بات وراثت کے منافی ہے اور بہت سے ایسے علوم و معارفِ صحیحہ کی نفی ہے جو دینِ متین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں احکامِ شرعیہ چار دلیلوں پر موقوف ہیں جن میں الہام کو گنجائش نہیں۔ لیکن احکامِ شرعیہ کے ماسوا بہت سے امورِ دینی ایسے ہیں جن میں پانچویں اصل الہام ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب و سنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے اور یہ اصل دنیا کے خاتمے تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگواروں سے کیا نسبت ہے؟۔

اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض اوقات عباداتِ نفلی کو ترک کر دیتے ہیں اور وہ ترک پسندیدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کے نزدیک وہ ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہوگا۔ لیکن عوام اس کے خلاف حکم لگاتے ہیں یعنی اس عبادت کرنے والے کو عابد جانتے ہیں اور ترک کرنے والے کو بیکار سمجھتے ہیں۔

سوال۔ جب دین کتاب و سنت کے ذریعے کامل ہو گیا تو پھر الہام کی کیا ضرورت تھی جو الہام سے پوری ہوتی ہے؟

جواب۔ الہام، دین کے مخفی کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے۔ وہ دین میں زائد کمالات کا ثابت کرنے والا نہیں ہے۔ جس طرح اجتہاد، احکام کا ظاہر کرنے والا ہوتا ہے اُسی طرح الہام اُن دقائق و اسرار کا ظاہر کرنے والا ہے جن کے فہم سے اکثر لوگ قاصر ہیں۔ اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ اجتہاد تو رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ (الہام) رائے کے خالق (جلّ شانہٗ) کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے الہام میں ایک طرح کی

اصالت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں ہے۔ الہام، پیغبرؐ کے خبر دینے کے مشابہ ہے جو سنت کا ماخذ ہے، جیساکہ اوپر بیان ہوا۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور پیغبرؐ کا خبر دینا قطعی ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (اے اللہ، تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بہتری اور بھلائی نصیب فرما)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی [1]

ان فقراتِ رافعہ اور ان مقدماتِ سابقہ و لاحقہ کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ حضرت مجددؒ، اکابر اولیاء رحمہم اللہ کی مدح و محبت میں سراپا غرق تھے اور اگر کبھی شاذ و نادر ان کے بعض کلمات کے متعلق کلام کیا ہے تو وہ حسنِ نیت، حکمت، اور کشف و مشاہدہ پر مبنی ہوتا ہے۔ الغرض کوئی انصاف پسند شخص حضرت مجددؒ کے حال و کمال کی بلندی، معرفت اور علم و عمل کی کثرت اور اتباعِ سنت کی رعایت پر غور کرے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ آپ کو حق پہنچتا ہے کہ اجتہاداتِ کشفیہ اور الہاماتِ لدنیہ کی رو سے مشائخ کے بعض کلمات کے متعلق توقف فرمائیں یا اُن کے خلاف ثابت کریں۔ اس سے اس کے قائل کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ اس طرح کی صورتیں کاملین مشائخ کے درمیان پیدا ہوئی ہیں اور یہ کسی انکار کی وجہ سے نہیں ہوئی ہیں۔

وہ مشاجرہ جو شیخ ربانی علاؤ الدولہ سمنانیؒ نے شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ سے اُن کے بعض مسائل میں کیا ہے اُس سے ان بزرگ کا انکار لازم نہیں آتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شیخ سمنانیؒ نے انہیں عارف سبحانی کہا ہے اور اپنی تصنیفات میں ان کو بلندیٔ مرتبہ کے ساتھ سراہا ہے۔

اسی طرح مجتہدین کا حال اُن کے آپس میں اور شاگردوں کے ساتھ یہی ہوا ہے کہ اجتہاد کے درجے تک پہنچنے کے بعد اپنی رائے کا اتباع اولیٰ ہے اور اُن کے اُستاد کی مرضی بھی یہی رہی ہے۔ تلامذہ نے کمال ادب کے باوجود اپنے اساتذہ سے جو مباحثات و مناظرات کئے ہیں وہ محمود ہیں۔ امام ابو یوسف نے ایک مسئلہ (خلقِ قرآن) میں اپنے استاد امام اعظمؒ

---

[1] مکتوبات۔ ۲، ۵۰۔

کے ساتھ چھ ماہ تک مناظرے کئے اور انہوں نے اور ان جیسے دوسروں نے بھی اپنے استاد کی رائے کے خلاف فتوے دینے ہیں جیساکہ پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح اکمال و ارشاد اور عرفان کے مرتبے کی بھی یہی صورت ہے۔ لیکن ہر ناقص المعرفۃ اور پست مرتبہ والے کو یہ مقام حاصل نہیں۔ بعض فضلائے وقت نے عرض کیا کہ کتاب عوارف کی شرح جیسی ہونی چاہئے وہ نہیں ہے اور آپ علم ظاہر و باطن میں یگانۂ زمانہ ہیں۔ کیا مضائقہ ہو اگر آپ ایک شرح لکھ دیں۔ جب اعزہ کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو بندے کو عوارف کے پڑھنے کا حکم دیا اس موقع پر عربی میں بہت ہی بلاغت و فصاحت کے ساتھ اس کی شرح شروع کی۔ ایک جزو تحریر ہونے پایا تھا کہ فرمایا کہ ہمارے خیال میں یہ معنی گزرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کلام کی بلندی اور اس کی تدقیقات کے بیان کرنے میں کسی جگہ پر کوئی ایسا انداز ظاہر ہو کہ حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہ کا کمال رعایت ہاتھ سے چھوٹ جائے، حالانکہ میں ان بزرگوار کے کمترین مخلصوں میں سے ہوں۔

شیخ حسن برکی جو ایک مرد فاضل ہیں، اور صاحبان حال اور حضرت (مجدد) کے اجازت یافتہ مخلصین میں سے ہیں صوفیہ صافیہ کے مسائل میں سے ایک مسئلہ کے متعلق الجھے ہوئے تھے۔ حضرت (مجدد) نے عتاب اور بہت زیادہ رنج کے ساتھ ان کو لکھا کہ تمہارا یہ الجھنا بہت ہی بیجا اور ناز یبا واقع ہوا ہے۔ جیساکہ مشارٌ الیہ کے احوال میں یہ واقعہ انشاء اللہ سبحانہٗ، بیان ہوگا۔

اگر بدعت اور خواہش نفسانی میں مقید بعض تصوف کے پڑھنے والے یا بعض صاحب شوکت و ثروت یا بعض طالب دنیا عالم آپ کی مجالس میں اس گروہ کے اسرار کے متعلق سوال کے لیے لب کھولتے تو حضرت (مجددؒ) خاموشی کی راہ اختیار کرتے ہوئے فرماتے کہ ان امور کی تحقیق قوم کی کتابوں میں مذکور ہے۔ وہاں تلاش کرنا چاہئے۔ اور کبھی دو لفظوں میں بہت ہی اجمال کے ساتھ حقیقت بیان کر دیتے۔ ایک دن بڑے خوانین میں سے ایک نے ایک مجلس میں آپ سے

---

[1] مکتوبات ۱۳۰۹/۱ میں بھی ان مناظروں کا ذکر ہے۔

[2] اس عربی شرح کا ایک جزو اب نایاب ہے۔

[3] مکتوبات ۷۷/۲۔

سوال کیا کہ موحد صوفی جو عالم کو نمود بے بود کہتے ہیں تو یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس مسئلہ کی رو سے دوزخ، عذاب و عتاب، جنت و لذات اور اس کا ثواب یہ سب کے سب نمود بے بود ہوں گے کیونکہ یہ بھی عالم میں داخل ہیں۔ حضرت (مجددؒ) نے سائل کو اور اہل محفل کو اس مسئلہ کے حل کی تفصیل سننے کے لائق نہ دیکھا لیکن بالکل خاموشی میں بھی اس سائل پر حقیقت واضح نہیں ہو سکتی تھی اور اس کے سوال کے طرز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ شرعی قیود کے اٹھائے جانے کی طرف مائل ہے۔ اس لیے آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ دنیوی لذات جن کے حاصل کرنے پہ لوگ فریفتہ ہیں اور پورے شوق کے ساتھ ان کی تلاش میں ہیں اور ان کے زوال سے بہت ہی ہراساں ہیں اسی طرح یہ دنیوی تکالیف جو یہ لوگ دیکھتے ہیں اور سینکڑوں تدبیروں کے ذریعے ان سے کنارہ کشی کرتے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی تکلیفوں مثلاً ایک کانٹا چبھنے پر کس قدر تکلیف محسوس کرتے ہیں یہ لذات و حظوظ جنت میں اور درد رنج و آزار جہنم میں بہت زیادہ سخت اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہوں گے چنانچہ اس لذت کی طلب کرتے ہیں جو وہاں کامل تر اور ابدی ہے۔ اور جو کچھ اس کے حصول کا سبب بنتا ہے اس کے بجالانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اُس عذاب و آزار سے پرہیز کرتے ہیں جو وہاں بہت ہی سخت اور دائمی ہوگا اور اس چیز سے بھاگتے ہیں جو اس عذاب کا سبب ہے، خواہ وہ حقیقت میں بُود ہو یا نمود بے بود ہو۔

اسی طرح دور و نزدیک کے لوگ قلم کی زبان کے ذریعے سوالات پیش کرتے اور ان کے جواب کی درخواست کرتے۔ حضرت (مجددؒ) اگر سائل کو اس کے جواب کے لائق نہ دیکھتے تو جواب میں مشغول نہ ہوتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ آپ اس کے جواب پر مامور نہ ہوتے۔ اور اگر لائق پاتے تو اس کا جواب لکھ دیتے یا کوئی اشارہ پہنچتا تو مجبوراً تفصیل یا اجمال کے ساتھ چند کلمات اپنے خامہ مشکین کے ذریعے ادا کر دیتے۔ آپ کی کثرت خاموشی اور استغراق کے باوجود اتنے زیادہ مکتوبات کے ظہور میں آنے کا سبب یہ تھا۔ اور اسرار عالیشان کی تحریر کی طرف آپ کے توجہ شریف کی ابتدا آپ کے پیر بزرگوار کے امر و اشارہ سے ہوئی۔ نیز عارفین کے ارواح طیبہ کا حکم بلکہ بعض معارف میں تو سید المرسلین (صلوٰت اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واحبابہ اجمعین) کی جانب سے تحسین کا مشاہدہ فرمایا جیسا کہ ایک عریضہ میں آپ نے اپنے پیر بزرگوار کو لکھا ہے اور اس کی تصریح کی ہے

وہاں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"مقدمہ مذکورہ میں سے ہر ایک کے کشف سے متعلق تقاضائے وقت کے مطابق مسودہ کیا گیا تھا۔ اور اس کے بعض متممات و تکملات بھی دل میں کھٹکے تھے لیکن ان کے لکھنے کی فرصت نہیں ملی کہ حال عریضہ کے ساتھ روانہ کیا جاتا۔

انشاءاللہ اس کے بعد خدمت میں بھیجوں گا۔ اب دوسرا رسالہ جو میاں شیخ کو پہنچا تھا وہ بھیجا جارہا ہے وہ رسالہ[1] بعض دوستوں کی درخواست پر لکھا گیا جنہوں نے درخواست کی تھی کہ ایسی نصیحتیں لکھ دو جو طریقہ کے لیے مفید ہوں اور اس کے مطابق زندگی بسر کی جائے حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ ایسا ہے جس میں تکرار نہیں ہے اور بہت زیادہ برکت والا ہے۔ اس کی تحریر کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضرت رسالت خاتمہ علیہ السلام والصلوٰۃ والتحیۃ مشائخ امت کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ موجود ہیں اور اس رسالہ کو اپنے دست مبارک میں لیے ہوئے ہیں اور اپنے کمال کرم سے اس کو بوسہ دے رہے ہیں۔ اور مشائخ کو دکھا رہے ہیں کہ اس طرح کے عقیدے حاصل کرنے چاہئیں۔ اور جس جماعت کو ان علوم کی سعادت حاصل ہوتی ہے وہ لوگ نورانی، ممتاز اور عزیز الوجود ہیں، ان کے روبرو حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہیں۔ غرض قصہ طویل ہے اور اسی مجلس میں اس واقعہ کی اشاعت کا حکم دیا۔" [2]

با کریماں کارہا دشوار نیست (کریموں کے لیے مشکل نہیں کام ...)[3]

اس بنا پر کہ آپ کو اپنے جد معظم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے محدثیت (بفتح دال) وراثت میں بہت زیادہ حصہ ملا تھا۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا اسی لیے لازماً یہ تمام اسرار و

---

[1] یہ رسالہ (اس طرح کا) اب علیحدہ صورت میں نایاب ہے۔ اسی رسالے کا ذکر مکتوبات ۱/۵ میں ہے جو خواجہ برہان کے ذریعے حضرت خواجہ باقی باللہ کو بھیجا تھا۔

[2] مکتوبات ۱/۱۶۔

[3] مکتوبات ۲/۵۱۔

معارف اللہ سبحانہ کی طرف سے ہیں جو ان برگزیدہ بندے کی زبان سے ظاہر کئے گئے

زبانِ ما بود و گوئندہ تو   زبان میری نغمہ ہے بات تیری

اس امر پر شاہد ہے۔

راقم الحروف نے جو قصہ آنحضرت کے مکتوبات کے دفتر سوم کے دیباچہ میں تفصیل کے ساتھ بھی عرض کیا ہے اور اس کا اجمالی تذکرہ یہ ہے کہ مکتوبات کے دفتر اول کے تمام کرنے اور دفتر دوم کے شروع کرنے سے پہلے احوال و اقوال میں کوتاہی کے پیش نظر بہت زیادہ انکسار کی وجہ سے جو کہ اس گروہ کے لیے لازم ہے آپ کے قلب معطر میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ تمام معارف میں نے تحریر کئے ہیں آیا اللہ سبحانہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہیں یا نہیں؟ اس خیال کے آتے ہی ایک آواز پہنچی کہ یہ علوم جو تمہاری تقریر و تحریر میں آئے ہیں سب ہمارے نزدیک پسندیدہ و مقبول ہیں۔ پھر اسی اثنا میں آپ پر الہام ہوا کہ یہ سب جو تم نے لکھا بلکہ جو کچھ تمہاری گفتگو میں آیا ہے سب ہمارے نزدیک پسندیدہ و مقبول ہیں بلکہ یہ سب باتیں ہم نے کہی ہیں اور ہماری ہی بیان کردہ ہیں اور اس وقت ان علوم و معارف کو ایک ایک کر کے نظر میں لائے اور سب کو اس حکم میں داخل پایا۔ اس کے بعد جلد دوم کی مکتوبات کی تحریر میں مشغول ہوئے۔ نیز حضرت نے دفتر اول کے مکتوب ۲۳۴ کے خاتمہ میں خصوصی معرفت عالیہ کی تقریب میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ معارف جو تحریر ہوتے ہیں امید ہے کہ یہ الہامات رحمانی سے ہوں گے کہ اس میں وساوس شیطانی کا کچھ بھی شائبہ نہ ہو اور اس امر کی دلیل یہ ہے کہ جب آپ ان علوم کی تحریر میں مشغول ہوئے اور خداوند جل سلطانہ کی جناب قدس میں التجا کی تو دیکھا کہ ملائکہ کرام علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے اطراف سے شیطان کو دفع کر رہے تھے اور اس جگہ کے اطراف میں پھرنے نہیں دیتے تھے۔

چونکہ انعامات جمیلہ کا اظہار عظیم ترین محامد میں سے ہے اس لیے نعمِ عظمیٰ کے اظہار کی جرأت ہوئی۔ امید ہے کہ عجب کے گمان سے پاک ہوگا۔ اور عجب کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ اپنا ذاتی نقص اور شرارت ہر وقت پیش نظر ہے اور کمالات اس کی طرف منسوب ہیں نیز آپ کے کثرت علوم کی تحریر کی تائید ان دو خصوصیتوں کی وجہ سے بھی ہوتی ہے جو ذکر ہوئیں

ایک تو سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آپ کو "مجتہد علم کلام" [1] فرمانا دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا آپ سے فرمانا کہ

"میں اس لیے آیا ہوں کہ تم کو سمٰوٰت کا علم سکھاؤں"

اور ان اسباب میں سب سے عجیب سبب ان علوم کی تحریر کا وہ عجیب واقعہ ہے جو بندے نے حضرت (مجدّدؒ) کے مقربین میں سے ایک کی زبان سے سنا کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ ہم پر اس طرح ظاہر کیا گیا کہ ہماری تحریریں حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الرحمۃ والتحیۃ والرضوان کی نظر اقدس سے گزریں گی اور ان کے نزدیک مقبول ہوں گی یہ [2] تحریر کی کثرت ان ہی اسباب کی بنا پر ہے ۔

برنوحہ شب و روز ازاں می پیچم　　　　تا بو دکہ یکی نالہ بگوش تو رسد [3]

اگر اس قصہ کو بھی حضرت (مجدّدؒ) کے ان خصائص میں داخل کرتا جو فصل پنجم میں ذکر ہوئیں تو اس کی گنجائش تھی ۔ اس کے علاوہ اس تحریر کے دوسرے اسباب نعمت کا بیان کرنا، اہل طلب وارادت کو شوق دلانا اور حال و نسبت کے غلبہ کے بار کا ہلکا کرنا ہیں۔ جیسا کہ آپ نے مکتوبات میں ان اسباب کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ گفتگو سے مقصود حق سبحانہ، کی نعمت کا اظہار اور اس طریقہ کے طالبوں کی ترغیب ہے دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے ۔ (عجب) خدائے بزرگ و برتر کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے کو کافر فرنگ سے بہتر جانے تو اکابر دین سے اپنے کو برتر جاننے والے کا کیا حال ہوگا ۔

دلی چوں شہ مرا برداشت از خاک　　　　سزد گر بگذرانم سر ز افلاک

اگر بروید از تن صد زبانم !　　　　چو سوسن شکر لطفش کی توانم

نیز آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ارباب توحید میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جنھوں نے

---

[1] مبدا و معاد (منہا ۲۸)

[2] مکتوبات ۱/۲۳۴ ۔

[3] رات دن روتا ہوں اور بے تاب ہوں۔ شاید اک نالہ کوئی تو سن سکے ۔

اپنے شہود میں استہلاک اور اضمحلال پورے طور پر پورا کر لیا ہے۔ ان کی ہمت یہ ہے کہ اپنے مشہود میں مضمحل اور معدوم ہو جائیں اور ان کے لوازم وجود کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔ انا کی ضمیر کو اپنی طرف راجع کرنے کو کفر جانتے ہیں ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ میں وہ عدم چاہتا ہوں کہ کبھی اس کے لیے وجود نہ ہو، یہ لوگ مقتول محبت ہیں اور حدیث قدسی مَنْ قَتَلَتْهُ مَحَبَّتِي فَأَنَا دِيَتُهُ (جس کو میری محبت نے قتل کیا تو میں اس کی دیت ہوں) ان ہی کی شان میں متحقق ہے۔ یہ ہمیشہ وجود کے زیر بار ہیں ایک لمحہ بھی ان کو آسائش نہیں، کیونکہ آسائش غفلت میں ہے۔ دوام استہلاک کی صورت میں غفلت کی گنجائش نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں کہ کسی کو ایک ساعت حق سبحانہٗ سے غافل کر دے تو امید ہے کہ اس کے گناہوں کو بخش دیں گے اور وجود بشریت کے لیے غفلت درکار ہے حق سبحانہٗ نے اپنے کرم سے ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق بظاہر ان امور میں مشغول کر دیا ہے جو غفلت کے لیے مستلزم ہیں تاکہ وہ بار وجود کسی قدر ان سے ہلکا ہو۔ ایک جماعت کو سماع و رقص کی اُلفت دی، ایک گروہ کا شعار کتب کی تصنیف اور علوم و معارف کی تحریر کو بنایا تو کسی گروہ کو بعض مباح امور میں مشغول کیا۔ عبدالرحیم اصطخری سگبانوں کے ساتھ صحرا میں جا رہے تھے ایک عزیز نے اس کا راز دریافت کیا تو فرمایا یہ اس لیے ہے تاکہ تھوڑی دیر بارِ وجود سے رہائی حاصل ہو۔ آپ کا کلام مبارک انتہا کو پہنچا۔

حضرت مجدد (رح) کے معارف پڑھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ رفعت و غموض میں آپ کے علوم کا مرتبہ اور ہی ہے اور نزاکت کے اعتبار سے یہ کچھ اور ہی سرمایہ ہے۔ ایک دن اس ناچیز نے آپ کی زبان مبارک سے سُنا، آپ نے فرمایا کہ جب تک کسی کو عقلی اور نقلی علوم ظاہری میں پوری مہارت نہ ہو اس طائفہ عالیہ کے کلام کی پیچیدگیوں خصوصاً شیخ اکبر محی الدین العربی قدس سرہٗ کے حقائق کی باریکیوں کے متعلق زیادہ آگاہی نہیں ہوگی اور ہمارے معارف کی بلندی اور نزاکت کو نہیں سمجھ سکتا ہے

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

حال پختہ پا نہیں سکتا ہے خام مختصر سی بات یہ ہے والسلام

حضرت (مجددؒ) کی مبارک تحریروں میں ایک تو مبدا و معاد[1] کے فقرات عالیہ ہیں۔ اور معارف لدنیہ[2] کے فقرات شریفہ ہیں۔ اور رسالہ جذب و سلوک[3]، رسالہ مکاشفات عینیہ[4] رسالہ شرح رباعیات[5] حضرت خواجہ باقی باللہ (طاب ثراہ)، رسالہ تہلیلہ[6]، رسالہ رد شیعہ[7] تعلیقات عوارف[8] اور ان رسالوں کے علاوہ مکتوبات قدسی آیات[9] کے تین دفاتر ہیں۔ دفتر اول بیس عریضوں اور دو سو ترانوے مکتوبات پر مشتمل ہے جن کا مجموعہ تین سو تیرہ ہوتا ہے۔

حضرت (مجددؒ) کے خوارق جو اس فقیر کے مطالعہ میں آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ چونکہ مخلصوں میں سے ہر ایک کے نام ایک مکتوب تحریر کیا تھا اس لیے اس ناچیز کے دل میں اس دولت کی آرزو پیدا ہوئی اور ٹوٹے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر اتفاقاً عنایت الٰہی سے ایک تحریر اس ناچیز کے نام ہو جائے اور وہ تحریر اس دفتر کے مکتوبات کا خاتمہ ہو تو کیسا ہی خوش نصیبی ہو کہ میں اس دربار کے تمام مخلصین میں سب سے فروتر ہوں۔ اتفاقاً جب ایک موقع پر آپ نے چاہا کہ اس دور افتادہ متردد غلام کو برہان پور نوازش نامہ بھیجیں تو آپ نے لکھ کر فرمایا کہ اس دفتر کے مکتوبات کو جو پیغمبروں کی اور اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق ہے اس مکتوب پر ختم کریں جو فلاں کے نام ہے۔ چنانچہ میری مراد کرامت کے ساتھ حاصل ہوئی۔ چونکہ بندے نے اس جلد کا تاریخ اختتام درالمعرفت پایا تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ اس کا نام بھی یہی ہو۔ لیکن جلد دوم ننانوے مکتوبات پر مشتمل ہے جو اسمائے حسنیٰ کے مطابق ہے۔ جلد سوم ایک سو چودہ

حاشیہ شرح عوارف المعارف کا ایک جزء حضرت مجددؒ نے عربی میں لکھا تھا جیسا کہ اسی فصل میں ما قبل صفحات پہلے مذکور ہوا۔ اور مکتوبات شریفہ (۱-۱۶/۵) میں بھی آپ کے ایک رسالے کا ذکر آتا ہے جس کی تعریف حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے ایک مکتوب میں فرمائی ہے (یہ مکتوب موجودہ کلیات باقی باللہ میں نہیں ہے لیکن زبدۃ المقامات کی فصل چہارم اور حضرات القدس (دوم) کے حضرت سوم دو درجہ[13] میں ہے) اور اس میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ خواجہ احرارؒ کے احوال کے لیے مزید توجہ فرمائیں۔ غالباً مکاشفات عینیہ کے ابتدائی پانچ مکاشفات اسی رسالے سے متعلق ہیں جن میں سے ابتدائی دو مکاشفوں میں خواجہ احرارؒ کا ذکر ہے۔ بہاں محمد ہاشم کشمیؒ نے حضرت مجددؒ کی تصانیف میں اثبات النبوہ کا ذکر نہیں کیا اور شیخ بدرالدین سرہندیؒ نے حضرات القدس میں آداب المریدین کا ذکر کیا ہے اور رسالہ تہلیلیہ کا ذکر نہیں کیا۔

مکتوبات پر مشتمل ہے جو قرآنی سورتوں کی تعداد کے مطابق ہے جلد سوم کے مکمل ہونے اور بندہ کی اس آستانہ سے دوری کے بعد بعض دوسرے مکاتیب ظہور میں آئے جن سے دفتر چہارم کی ابتدا ہوئی اور ابھی چودہ مکتوب پورے نہ ہوئے تھے کہ آسمان قطبیت کے چودھویں کا چاند مغرب کی نقاب میں روپوش ہو گیا چنانچہ مجبوراً ان مکتوبات کو جلد سوم میں داخل کر دیا گیا قدس اللہ سرہ الانور ونور مضجعہ المعطر بحرمۃ سید البشر والصلوۃ والسلام علیہ وآلہ واصحابہ واحبابہ الی یوم الحشر۔

اب وہ وقت آن پہنچا کہ اس مذکورہ مقصد کے بیان کو آپ کے مبارک فقرہ پر ختم کروں اس کے بعد اللہ سبحانہ کی عنایت اور کرم سے قلم کی زبان کو ان چند معرفتوں کے بیان کے لیے کھولوں جو آپ سے سُنی گئی اور آپ کے رسائل و مکتوبات میں داخل نہیں ہیں۔

فقرہ (۱) اپنے ایک پیر بھائی کو جو اخلاص میں متردد اور خوارق کے طالب تھے آپ نے لکھا کہ علوم و معارف الٰہیہ بڑی نشانیوں اور بلند ترین خوارق میں سے ہیں۔ اس لیے معجزہ قرآنی تمام معجزات سے زیادہ قوی اور باقی رہنے والا ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھیں کہ یہ تمام علوم و معارف جو ابر نیساں کی طرح برستے ہیں کہاں سے آتے ہیں تمام علوم اس قدر کثرت کے باوجود علوم شرعیہ کے موافق ہیں۔ بال برابر بھی ان میں سنّت کی مخالفت کی گنجائش نہیں۔ یہ خصوصیت علوم کی صحت کی علامت ہے ہمارے خواجہ قدس اللہ سرہ الاقدس نے لکھا تھا کہ تمہارے علوم[1] سب صحیح ہیں لیکن کیا فائدہ؟ حضرت خواجہ کی بات تمہارے لیے حجّت نہیں ہے اگرچہ اپنے کو تم نے پیر پرست کا نام دے رکھا ہے[2]

فقرہ (۲) مکتوب[3] کے معارفِ عالیہ کے آخر میں طریقے کا بیان تحریر فرمایا کہ

---

[1] مکتوبات خواجہ باقی باللہ رکیات۔ مکتوب ۱۵)

[2] مکتوبات امام ربانیؒ ۱/۷، ۳ "اندراج نہایت در ہدایت" کا ذکر کئی جگہ آیا ہے مثلاً مکتوبات ۱/۲۰۱۔ ۲/۴۳ وغیرہ۔

لیکن ٹھیک یہی الفاظ فی الحال کسی مکتوب میں نہیں ملے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ فرماتے ہیں

امام سمرقند بہاؤ الدین نشیں است ؛ بخارا گر نہ رفتم عذرم اینست

حضرت مجددؒ کے مکتوبات ۳/۹۰ میں بھی اسی طرح کا ذکر ہے۔

"یہ اس طریقے کا بیان ہے جس کے ساتھ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس ناچیز کو ہدایت سے نہایت تک ممتاز بنایا ہے اور اس کی بنیاد، نسبت نقشبندیہ ہے جو اندراجِ نہایت در ہدایت پر مشتمل ہے۔ اسی بنیاد پر عمارتیں بنائی ہیں اور محل تعمیر کئے ہیں۔ اگرچہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ اس حد تک نہ بڑھتا۔ اس کے بیج سمرقند و بخارا سے لاکر ہند کی زمین میں کاشت کئے گئے جن کا سرمایہ یثرب و بطحا کی خاک سے ہے۔ اور فضل کے پانی سے اُسے برسوں سیراب رکھا اور احسان کی تربیت کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ جب اس کھیتی اور کام نے کمال حاصل کیا تو ان علوم ومعارف نے ثمرات بخشے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ" [1]

فقرہ (۳) "جو علوم احوال ومواجید کے ترجمان ہیں ان میں اگر کوئی تناقض اور تدافع سمجھ میں آئے تو اس کو اوقات واوضاع کے اختلاف وتنوع پر محمول کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہر وقت میں احوال ومواجید علیحدہ ہوتے ہیں اور ہر مقام میں علوم ومعارف جُدا ہوتے ہیں اس لیے حقیقت میں تناقض وتدافع نہیں ہوتا ہے۔ اس کی مثال وہ احکام شرعیہ ہیں جو نسخ اور تبدیل کے بعد وہ احکام متناقض معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب اوقات واوضاع کے اختلاف کو دیکھا جاتا ہے تو وہ تناقض وتدافع مرتفع ہو جاتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصالح ہیں۔ اس لیے شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔" (آپ کا کلام مبارک انتہا کو پہنچا)

لیکن جو معارف کہ اس ناچیز (محمد ہاشم نے) ان پیر دستگیر کی زبان سے سُنے اگرچہ اس کی تحریر کے لیے مجھ کو ایک کتاب لکھنے میں مشغول ہونا چاہئے۔ لیکن اُن کا عُشرِ عشیر یہاں ہفت برکت (سات برکتوں) کے ضمن میں لکھتا ہوں اور دوسرے اوراق میں باقی کو لکھنے کے لیے فرصت کا منتظر ہوں کہ کب وہ میسر ہو۔

---

[1] مبدأ ومعاد (منہا ۱۶)

برکت ۔۱۔ ایک مبارک رات میں آپ نے کئی بار مولوی معنوی قدس اللہ سرّہٗ کے یہ دو اشعار پڑھے

عشق معشوقاں نہان ست و ستیر — عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر[1]

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند — عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

اور فرمایا کہ بلندیٔ رتبہ کے لحاظ سے معشوقوں کے عشق کو عاشقوں کے عشق سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس لیے کہ معشوق کا عشق ذاتِ عاشق سے متعلق ہے بغیر اس کے کہ عاشق کی صفات سے کوئی صفت بھی ملحوظ ہو اور عاشق کے عشق میں معشوق کی صفات ملحوظ ہوتی ہیں مگر ایک عرصہ کے بعد غلبۂ عشق، صفاتِ معشوق سے ذاتِ معشوق کی طرف لے جاتا ہے یہانتک کہ اس کی محبت اس وقت ذاتی ہو جاتی ہے اور معشوق کی محبّت میں عاشق کے ساتھ ایک نسبت پیدا کرتا ہے جیساکہ مجنون عامری کے آخری زمانہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے۔ ورنہ عشق کی ابتدا اور توسط میں عاشق کو معشوق کی صفات ہی مدِّ نظر ہوتی ہیں۔ مثلاً رخسار کی صباحت، قد کی زیبائی، تبسّم کی ملاحت، کلام کی لطافت، گوشۂ چشم کا ناز، ابرو کی شکن، زلف و گیسو کے پیچ وغیرہ۔ لیکن اس عشق میں جو عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے ان صفات میں سے کوئی صفت بھی اُسے ملحوظ نہیں ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ صفات کے عشق کے لیے بے آرامی اور تلوین لازمی ہے۔ یہی سبب ہے کہ عاشق کا عشق دو صد طبل و نفیر کے ساتھ ہوتا ہے اور عشق ذات موجب آرام و تمکین ہے۔ عاشق کا دُبلا ہونا اور معشوق کا فربہ ہونا اس کے اور اُس کے آثار ہیں، اور معشوقوں کی محبت جو پوشیدہ اور نہاں ہے وہ بھی محبت ذاتی کی طرف مشیر ہے کیونکہ ذات، صفات سے زیادہ پوشیدہ اور دقیق ہوتی ہے۔ اس ناچیز نے عرض کیا کہ آیا اس عشق میں جو معشوق کو عاشق کے ساتھ ہوتا ہے اس کے معشوق کے نزدیک یہ بات ملحوظ ہوتی ہے کہ یہ عاشق اس وجہ سے میرا محبوب ہے کہ میرا گرفتار ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ملاحظات مفقود معلوم ہوتے ہیں، اور معشوق

---

[1] عشقِ معشوقاں ہمیشہ ہے نہاں ۔ عشقِ عاشق بشور و غل سے ہے عیاں
عشق سے عاشق کا تن ہے اک کمان ۔ عشق سے معشوق فرحان یا توان

کی محبت بے کیف ظاہر ہوتی ہے (جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے سنا تھا وہ انتہا کو پہنچا) اور یہ آنحضرتؐ کی طرف سے اس رمز کا بیان تھا جو آیت کریمہ یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ سے تعلق رکھتا تھا۔ سمجھنے والوں نے سمجھا۔

برکت ۲۔ حضرت (مجددؒ) کے ایک منظور نظر درویش نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ غوث ربانی شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ

"ہر چیز میں رحمت ہے بجز محبت کے کہ اس میں قتل کرتے ہیں اور مقتولوں سے دیت کا مطالبہ کرتے ہیں"

اس کلام کے معنی کیا ہوں گے؟ حضرت (مجددؒ) اپنے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے، جونہی آپ نے اس کلام کو سنا مضطرب ہو کر بستر سے نیچے اتر کر تھوڑی دیر مراقبہ میں بیٹھ گئے، اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے ان کے درمیان میں سے اس آوارہ دل بچارہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"یہ کلام عارف کے عین دائرہ کے زوال کی علامت ظاہر کرتا ہے۔ وہ صاحب حال جنہوں نے اس کلام کے ساتھ لب کشائی کی باوجودیکہ ان کے حق میں معشوق کی طرف سے ہر طرح رحمت ہی رحمت کا ظہور ہوتا ہے۔ لیکن یہ بچارہ عاشق اس کو رحمت نہیں جانتا چونکہ معشوق کے تحقق اور بقا کی پیاس بہت زیادہ رکھتا ہے اس لیے اس کو رحمت نہیں جانتا جس وقت وہ گشتہ محبت جو معشوق سے دور تھا اس وقت محبوب کا نام سننا بلکہ اس کے مسکن اور مقام کی خبر اس کے لیے رحمت تھی۔ لیکن وہ معشوق کی رؤیت کو رحمت جانتا تھا صرف خوشخبری اس کے نزدیک عدم رحمت تھی، قربت کو رحمت جانتا تھا۔ جب محبوب کی رحمت سے دوری سے نزدیکی میں آیا تو اس قربت کو عدم رحمت جان کر معشوق کے مشاہدات کو رحمت جاننے لگا۔ پھر جب محبوب کی رحمت سے مشاہدہ تک پہنچا تو اس کو بھی شدت تشنگی کی

بنا پر عدم رحمت جانتے ہوئے اب محبوب کی ہم آغوشی کو رحمت جاننے لگا۔
جب محبوب کی رحمت سے محبوب کا ہم آغوش ہوا تو وہ پیاسا شدتِ تشنگی کے باعث اس کو عدم رحمت جانتے ہوئے عین معشوق ہونے کو رحمت جاننے لگا اور جب معشوق کی رحمت سے یہ بھی حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس تحقق و عینیت میں کئی ایسے مراتب داخل ہیں کہ اس کی تشنگی ان کو رحمت جانتی ہے اور جو کچھ حاصل ہے اس کو غلبۂ شوق کی بنا پر عدمِ رحمت خیال کرتی ہے۔ اور جو یہ کہا ہے کہ مقتول سے دیت چاہتے ہیں تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے خود کو مقتولِ محض پا کر مواخذہ کو کہ جس کے آثار اِس دارِ فانی میں پائے جاتے ہیں دیت سمجھ کر متحیّرانہ طور پر کہتا ہے جو کچھ کہ کہتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ ہر مرتبہ میں اس کا قتل پورے طور پر نہ ہوا تھا کچھ رمق باقی رہ گئی تھی۔ پھر دوسری بار قتل کے بعد جب وہ رمق دور ہو گئی تو قاتل کی نظر میں ایک اور باریک رمق معلوم ہو رہی تھی جس کے دفع کی کوشش کر رہا تھا۔ اس موقع پر قاتل کا مقتول سے دیت طلب کرنا یہ ہے کہ مقتول اپنے آپ کو پورے طور پر اس کے سپرد کر دے اور سرمو قاتل سے دیت کا مطالبہ نہ کرے نہیں معلوم کہ اس پر کیا گزرتا ہوگا، کیا دیکھتا ہوگا اور کیا کرتا ہوگا ؎

قلم اینجا رسید و سر بشکست

اور اس کلام وجیہ کی توجیہ بھی اس طور پر فرمائی کہ قتل کرتے ہیں اور مقتول سے دیت طلب کرتے ہیں۔ یعنی اس فنا کے ذریعے مقتول بناتے ہیں جن کے لیے عین واثر کا زوال لازمی ہے۔ اور اس کے باوجود اس سے تکالیفِ عبودیت اور وظائف شرعیہ کا مطالبہ کرتے ہیں"

<u>برکت ۳</u> - ایک دن ایک سفر میں جبکہ ہوا بہت زیادہ تازہ اور پاکیزہ تھی۔ اور میدان بہت ہی سرسبز و شاداب اور تر و تازہ تھا۔ اور وقت نہایت خوش اور عمدہ تھا۔ حضرت (مجددؒ) نے مخدوم زادہ عالی مشرب جامع الاسرار والعلوم شیخ محمد معصوم سلمہ اللہ اور

اس فقیر مغموم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ عارف سبحانی شیخ ابوالمکارم علاؤ الدولہ سمنانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ (رباعی)

ایں وہم بود کز تو دوئی برخیزد | امکان وحدت بر روی برخیزد
گر لطفِ خدا در رسد از راہِ کرم | شاید کہ دمے از تو توئی برخیزد

شیخ کی یہ رباعی زوالِ عین کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اگرچہ قائل قدس سرہ اس زوال سے ایک لمحہ سے زائد واقف نہیں۔ کیونکہ ازالۂ عین بجز تجلیٔ ذاتی کے میسر نہیں ہوتا اور تجلیٔ ذاتی قائل کے نزدیک نہیں ہے مگر ایک برق۔ اس لیے لامحالہ اس کا اثر رفعِ توئی ہے۔ اور یہ اشارہ بجانب ازالۂ عین کی طرف اور یہ ایک لحظہ کے لیے ہے۔ اور یہ جو میں نے کہا کہ زوال عین تجلیٔ ذاتی کے بغیر نہیں ہو سکتا اگرچہ اس کا بیان تفصیل طلب ہے لیکن مجملاً یہ ہے کہ جب کوئی اسم یا صفت ملحوظ ہوتی ہے تو لامحالہ عین ماہیت عارف کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور زوال عین متحقق نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ صاحب فصوص الحکم (محی الدین ابن عربی) زوال عین کے مطلق قائل نہیں ہیں، اور تجلیٔ ذاتی کو بجز صورت متجلی لہٗ کے ثابت نہیں کرتے چنانچہ فص ششم میں فرماتے ہیں اَلتَّجَلِّيْ مِنَ الذَّاتِ لَا يَكُوْنُ اِلَّا بِصُوْرَةِ الْمُتَجَلّٰى لَهٗ فَالْمُتَجَلّٰى لَهٗ لَا يَرٰى اِلَّا صُوْرَتَهٗ فِيْ مِرْاٰةِ الْحَقِّ (یعنی تجلیٔ ذاتی متجلی لہٗ کی صورت میں ہی ہوتی ہے پس متجلی لہٗ حق کے آئینہ میں اپنی ہی صورت دیکھتا ہے)

نیز وہ فرماتے ہیں کہ جو عین علم الٰہی میں معلوم ہے وہ اگر زائل ہو جائے تو اللہ سبحانہٗ کے علم کا جہل سے بدلنا لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور اس کا اعتقاد گمراہی ہے۔

یہ بزرگوار (شیخ محی الدین ابن عربیؒ) زوال اثر کے بھی قائل نہیں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب عین زائل نہیں ہوگا تو اثر کس طرح زائل ہوگا۔ اور بعض صوفیہ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ عین زائل ہوتا ہے لیکن اثر باقی رہتا ہے لیکن ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ عین اور اثر دونوں زوال پذیر ہیں جیسا کہ شیخ بلند ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ العزیز کا کلام اس مطلب کی تصریح کرتا ہے لیکن زوالِ عین کے جو قائل ہوئے اور زوال اثر کو منع کیا ہے تو یہ قول اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ زوال عین پورے طور پر متحقق نہ ہوا۔

اور اثر عرض کا حکم اور عین جوہر کا حکم رکھتا ہے، جب جوہر چلا جائے تو عرض کس طرح قائم رہ سکتا ہے جب سر ہی نہ ہو تو دردِ سر کہاں رہے گا۔؟

اس کے بعد شیخ مہنہ (ابوسعید ابوالخیر) قدس اللہ سرہ کی وہ رباعی پڑھی جو زوال اثر کے متعلق ایک سائل کے جواب میں لکھ کر بھیجی تھی، اور اس کے چوتھے مصرعہ کا تکرار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم زوال عین واثر میں شیخ مہنہ کی موافقت کرتے ہیں لیکن یہ نہیں کہتا ہوں کہ جب میں جسم معشوق ہو گیا تو عاشق کون ہے۔ بلکہ شیخ سمنانی رح کی طرح کہتا ہوں کہ توئی اٹھ جاتی ہے لیکن دوئی نہیں اُٹھتی۔ لیکن شیخ سمنانی رح اس کو ایک سانس کہتے ہیں اور ہم اسکو مُستمر جانتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک تجلّی ذاتی دائمی ہے نہ برقی۔

نیز فرمایا کہ زوال، عین واثر کے لیے لازمی نہیں کہ دوئی اٹھ جائے بلکہ یہ مناسب بھی نہیں ہے اس لیے کہ ظل کو جو وجود حاصل ہوتا ہے وہ اصل کی جانب سے ودیعت ہے کہ اپنی طرف دیکھتا تھا اور جب اصل کی طرف دیکھا تو توئی اُٹھ جاتی ہے کیونکہ توئی وہی ماہیت ہے جو ودیعت کردہ ہے لیکن دوئی ہر جگہ ہو گی کیونکہ ظل اصل نہیں ہوتا ہے (سمجھنے والوں نے سمجھا) اور بہت سی دقیق تحقیقات آپ نے پیش کیں کہ حافظہ بلکہ بندے کی سمجھ بھی ان سے قاصر ہے۔

اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ صاحبِ فتوحات کے اس قول پر علاؤ الدولہ سمنانی رح نے جو شور مچایا ہے کہ انہوں نے حق کو وجودِ مطلق کہا ہے تو یہ شور اس وجہ سے ہے کہ وہ (ابن عربی) قسم کلّی کو مقید و مطلق میں منحصر جانتے ہیں اور خاص وعام کے سوا کوئی اور قسم (ثالث) قرار نہیں دیتے اور عرف، نیز منطقی اور کلامی قانون کے لحاظ سے بھی حقیقت یہی ہے۔ لیکن شیخ ابن العربی رح نے جو مطلق کہا ہے تو انہوں نے وہ مطلق بھی کہا ہے جو قید اطلاق سے وراء ہے اور یہ تیسری قسم ہے جو شیخ کی مقرر کردہ اصطلاح ہے۔ اس صورت میں بے شک ہمارے اور ان کے درمیان صرف لفظی نزاع رہ جاتا ہے۔

برکت: ہم ایک دن صاحبِ فصوص قدس سرہ کے کلام کی تقریب میں فرمایا کہ انہوں نے جو کہا ہے کہ اِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ اِیْ العَالَمُ حَقٌّ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ خَلْقٌ وَ اِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ حَقٌّ مِنْ وَجْہٍ وَخَلْقٌ مِنْ وَجْہٍ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِالْحَیْرَۃِ

بِعَدَمِ التَّمِيزِ بَيْنَهُمَا (اگر تو چاہے تو کہے کہ وہ یعنی عالم حق ہے، اور اگر تو چاہے تو کہے کہ وہ خلق ہے اور اگر تو چاہے تو کہے کہ وہ ایک اعتبار سے حق ہے اور ایک اعتبار سے خلق ہے اور اگر تو چاہے تو حیرت کے ساتھ اور ان دونوں کے درمیان عدم تمیز کے قائل ہو۔

آپ نے فرمایا کہ موہوم موجود کے درمیان تمیز کرنا ایک دوسری چیز ہے اور ان کا متمیز ہونا دوسری بات ہے۔ نیز فرمایا کہ اسی طرح نفی اور انتفاء کے درمیان بہت نادر فرق ہے کہ نفی بدایت و توسط میں ہوتی ہے اور انتفاء نہایت میں ہوتا ہے اور اسی تقریب میں آپ نے فرمایا ہمارے خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ میں اسم ذات کی تعلیم اور تعلّم اور نفی و اثبات کی بھی تعلیم اور تعلّم منقول ہے۔ جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اسم ذات کو جذبہ کے ساتھ اور نفی و اثبات کو سلوک کے ساتھ مناسبت زیادہ ہے اور چونکہ اس طریقہ میں بدایت میں جذبہ کا مقدم ہونا مبتدی کے مناسب حال ہے اس لیے اس طریقہ کے مبتدی کے لیے اسم ذات کا تکرار اولیٰ ہے اور جب سلوک میں قدم رکھتے ہیں تو اس کے مناسب نفی و اثبات ہے۔

برکت ۵: ایک دن ایک صاحب دل نے ایک خلوت میں جہاں بندہ بھی موجود تھا عرض کیا کہ میں اپنا معاملہ عجیب پاتا ہوں کہ محافل اور ہنگاموں میں نسبت و حضور زیادہ دیکھتا ہوں اور خلوتوں اور تنہائیوں میں کمتر۔ اس میں کیا راز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ احرار قُدِّسَ سِرُّہٗ کے اصحاب میں سے ایک نے اُن سے اس راز کے ظاہر کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ

"خواجگان کی نسبت محبوب کے ساتھ ہے۔ جب محبوب کو خلوت میں بلاتے ہیں تو حیا کرتا ہے۔"

اور حضرت خواجہ کا کلام ادا کرنے کے بعد حضرت مجدد (رضی اللہ عنہما) نے اس ناچیز کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت خواجہ کا یہ جواب حسنِ ادا اور لطافت پر مبنی ہے لیکن ابھی یہ راز حل نہیں ہوا۔ بندے نے عرض کیا کہ اس کا حل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ظاہر کو باطن سے اُلفت اور نسبت ہے چونکہ آشناؤں اور ہم نشینوں کو ایک دوسرے سے اُلفت و نسبت ہوتی ہے اور وہ سالک کے ظاہر و باطن میں سے ہر ایک کو اُس کے

مناسبِ حال کام میں مشغول رکھتے ہیں اس لیے سالک کا باطن، توجہ و مراقبہ اور حضور کے معاملات میں سرگرم رہتا ہے، اسی طرح سالک کا ظاہر بھی اپنے معاملات یعنی امورِ حسیہ میں مشغول ہوتا ہے جب کہ محافل کثرت میں ہوتا ہے اور وہ اپنے رفیق و آشنا یعنی باطن کی الفت و مصاحبت سے غافل ہو جاتا ہے۔ پھر ناچار اُس کا باطن اس کے (ظاہر کے) اختلاط کے حرج و مزاحمت سے الگ ہو کر اپنے کام میں لگ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اُس کو غلبۂ حضور اور حلاوت حاصل ہوتی ہے (لیکن) جب سالک، خلوت میں جاتا ہے تو اُس کا ظاہر اپنے مشاغل سے خالی ہو کر باطن کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا باطن اپنے مصاحب (یعنی ظاہر) سے الفت کی وجہ سے اختلاط کرتا ہے اور اس بے جہت کی طرف کُلّی توجہ میں خلل پیدا ہوتا ہے اور لازماً اُس کا حضور اور آرام کم ہو جاتا ہے۔

بندے نے (راقم الحروف نے) عرض کیا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس طریق کے سالک کو خلوتوں میں (انجمن کے مقابلے میں) زیادہ آرام وحضور حاصل ہوتا ہے، تو اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے سالک کے باطن کو ایسی قوت میسر ہو گئی ہے جو اُس کے ظاہر پر غالب آ گئی ہے اور اُس کو اپنے کام بلکہ اپنے رنگ میں لے آئی ہے۔ اِس نسبت کی وجہ سے اس کے لیے آرام زیادہ ہو جاتا ہے۔

برکت - ۶: رخصت کے وقت آپ نے بندہ کو خلوت میں طلب کیا اور جو کچھ کہ دیکھا سمجھا تھا دریافت کیا۔ اس تقریب میں جو معروضات پیش کیں تو آپ نے فرمایا کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ کی ذات ہمارے ادراک و مراقبات میں نہیں آتی۔ اسی طرح اس کی صفات کا بھی یہی حال ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واجب تعالےٰ کی صفات میں جو کچھ سالک کے علم میں آتا ہے وہ اس کی صفات کے ظلال ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک جو مختار ہے وہ یہ کہ اُذْکُرُوْنِیْ (تم مجھے یاد کرو) کے حکم کے مطابق اپنے اوقات کو اللہ سبحانہٗ کی یاد اور ذکر میں مستغرق رکھو تاکہ دیکھو کہ اللہ سبحانہٗ اَذْکُرْکُمْ (میں تم کو یاد کروں گا) کے مطابق کرم کے ساتھ کس طرح تم کو یاد کرتا ہے اور تمہارے تکلّف کے بغیر تم پر کیا ظاہر ہوتا ہے اور احوال و مکاشفات کے حصول کی غرض سے ذکر نہ کرو۔ اور کسی مقصد کو

خیال میں جگہ نہ دو۔ اور بے غرضانہ بلکہ اپنی جان پر احسان سمجھتے ہوئے ذکر و عبودیت میں مشغول رہو۔ پھر اللہ سبحانہٗ قبول کر کے جس چیز کے ساتھ بھی نوازے تو اہلِ حق رحمہم اللہ کے معتقدات کے مطابق اس پر اعتماد کرو اور شکر بجالا کر ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا کچھ اور بھی ہے) کہو۔ ورنہ کوئی اعتبار نہ کرو۔

اس کے بعد فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، بہت زیادہ مراعات کے باعث کمالاتِ ذاتیہ کے حصول کے باوجود مراقباتِ صفات اور ان کے تصور میں خوف و حیرت لاحق ہوتی ہے بعض مشائخِ وقت کے متعلق ہم سنتے ہیں کہ وہ مبتدیوں کو مراقبۂ ذات کا حکم دیتے ہیں، اور نور بے رنگ سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ بے حیز (مکان) ہے اور تمام عالم کو محیط ہے، اور ان صاحبانِ مراقبہ کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نور کو منبسط اور عریض خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ حق سبحانہٗ ان کے اس تخیل سے پاک ہے۔ وہ بسیط حقیقی ہے کہ وہاں انبساط کو، طول و عرض کو اور اس طرح کے تخیلات کو راہ نہیں ہے۔

برکت،: ایک دن آپ کی محفل شریف میں بعض عرفا رحمہم اللہ کے سکریات و شطحیات کا ذکر آگیا کہ خام و ناتمام لوگوں نے اس کو دستاویز بنا لیا ہے اور دین میں تساہل اختیار کر لیا ہے۔

حضرت (مجددؒ) نے فرمایا کہ اگرچہ دینِ محمدی اور ملّتِ احمدی صلے اللہ علیہ وسلم کو صوفیہ صافیہ سے فائدے بہت زیادہ حاصل ہوئے ہیں کہ اس امت کے بہت سے بدکار اس گروہ کی نظر کی برکت اور ان کی صحبت سے صالحین میں سے ہو گئے۔ اور ان میں سے اکثر کے انوار سے بدعتوں کی بہت سی تاریکیاں دفع ہو گئی ہیں۔ کتاب و سنت کے بہت سے مخفی اسرار ان کے کشف کے ذریعے بیان ہوئے ہیں لیکن اس گروہ کے مستوں سے بہت سے نقصانات بھی دینِ مبین کو پہنچے ہیں۔ اور بے باک ناقصوں کے سہارا بن گئے ہیں۔ جو کلمات اُن سے سُکر کی حالت میں سرزد ہوئے وہ ان ناقصوں کے مستند ماخذ بن گئے۔ اگرچہ ان کا مقصد اس کلام سے ایک پورا معنی تھا — لیکن

چونکہ ان ناقصوں کے دیدۂ ادراک کو وہ روشنی حاصل نہ تھی اس روشنی کے ذریعے پوشیدہ معانی کے جمال کا مشاہدہ کر سکتے اور کجی سے نکل آتے اس لیے ہوا جو کچھ ہوا۔

ان بزرگوں سے ان کلمات کے ظاہر ہونے میں اللہ تعالےٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں بلکہ اس گروہ نے اس قسم کے متشابہ کلمات بول کر سنت الٰہی پر عمل کیا ہے، اور اس قسم کے متشابہ باتوں کی وجہ سے ان سے تخلق باخلاقِ خداوندی ظاہر ہوا ہے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ کے کلام میں متشابہات آئے ہیں مثلاً یَدَ، اِستوٰی، جنب کہ فرقۂ مجسمۂ باطلہ تجسیم کا قائل ہو کر گمراہ ہوگیا، باوجودیکہ اللہ تعالےٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ ان عبارتوں کی وجہ سے ان کے فہم میں لغزش قدم پیدا ہو گی لیکن پھر بھی حکمت کی بنا پر متشابہات کو نازل فرمایا۔ اسی طرح کلام نبوی میں بھی مذکور ہے مثلاً ضَحِکَ اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ، وغیر ذٰلک۔

انبیاء خصوصاً سرورِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام غایت صحو کی حالت میں تھے اور کلام حقیقت و عدالت نظام کی بہت زیادہ رعایت کرنے والے تھے (ان سے اس قسم کے کلمات منقول ہیں)، تو گروہ اولیاء سے اگر اس کے مثل یا اس سے زیادہ کلمات سرزد ہوں تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ اربابِ سعادت کے دلوں پر اس کے دوسرے معانی فائض ہوتے ہیں، اور اصحاب باطل کے لیے کوئی اور معانی فائض ہوتے ہیں، جیسے مصر کا دریائے نیل محبوبوں کے لیے تو پانی ہے لیکن محجوبوں کے لیے خون ہے۔ اس قسم کے کلمات اس گروہ سے وقت و حال کے اقتضا سے مجبور ہو کر سرزد ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے اپنے آپ کو سراپا شریعت کے حوالے کر دیا ہے، اور سنت سنیّہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی خدمت میں ہمیشہ پاؤں کے بل کھڑے رہتے ہیں، لیکن ہمارے قلم کی زبان سے بھی بعض سکر آمیز کلمات نکلے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دور والے لوگ کیا سمجھتے ہیں (ان بزرگوں کے کلام کے حق میں آپ کا کلام شریف انتہا کو پہنچا)

راقم الحروف عفی اللہ عنہ کہتا ہے کہ حضرت (مجددؒ) کا ارشاد جو اس صحیفہ میں

گزراں شکوک کا دفع کرنے والا ہے جو بعض شک کرنے والے حضرت (مجدد) کے کلام میں بھی کرتے ہیں۔ منجملہ ان گیارہ اعتراضات کے جو بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ایک اعتراض آپ کے مکاشفات کے متعلق ہے جو اپنے پیر بزرگوار کے حکم سے لکھے جانے والے عریضوں میں سے گیارہویں عریضے میں آپ نے بھیجے تھے اور جو آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مقاماتِ مشائخ کی سیر کے بعد صحابہ و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقامات سے گزر اور عبور حاصل ہوا۔ یہانتک کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام پر بھی سیر و عبور آپ کو حاصل ہوا۔ لوگوں نے اس سے سمجھا کہ اس کلام کے قائل نے ان حضرات کے ساتھ مساوات کا دعوےٰ کیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کا یہ سمجھنا اس طائفہ عالیہ کے کلمات میں قلتِ تدبر کے باعث ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس لیے جو شخص اس گروہ کے موجبِ فلاح کلمات و اصطلاحات سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ ان حضرات کی مراد اس جیسے کلمات سے کیا ہے۔ حضرت (مجددؒ) قدس سرہ نے بھی اپنے مکتوبات قدسی صفات میں صراحۃً وکنایۃً ان شبہات کو دُور کر دیا ہے وہ اُن پڑھنے والوں سے مخفی نہیں ہوگا جو انصاف پسند اور عرفاء کی صفت کے ساتھ متصف ہیں۔

منجملہ ان کے وہ مکتوب ہے جو آپ نے شیخ حمید بنگالی کو لکھا ہے اور وہ مکتوب اس کتاب میں مشارٌالیہ کے بیان میں انشاءاللہ آنے گا یا دوسرا فقرہ جو بندہ نے آخری مکتوب سے وہاں نقل کیا ہے۔ نیز مکتوبات جلد دوم کے آخری مکتوب کے عنوان میں جو سیدی مرشدی میر محمد نعمان سلمہ اللہ کے نام ہے اس شبہ کو بطریق احسن رفع کیا ہے۔ جو شخص آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔

کیا یہ اعتراض کرنے والے نہیں جانتے؟ کہ اس سے زیادہ عجیب باتیں کمال بزرگوں سے سرزد ہوئی ہیں۔ بایزید رحمہ اللہ علیہ جو سلطان العارفین ہیں انہوں نے فرمایا کہ لِوَائِی اَرْفَعُ مِنْ لِوَآءِ مُحَمَّدٍ (میرا جھنڈا محمدؐ کے جھنڈے سے اونچا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کیا تاویل کریں گے؟

شیخ اکبر محی الدین العربی رحمہ اللہ نے ——————

"خاتم النبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خشتِ فضہ" (چاندی کی اینٹ) کہا اور خاتم الولایت یعنی اپنے آپ کو خشتِ ذہب (سونے کی اینٹ) کہا ہے نیز لکھا ہے کہ خاتم النبوۃ، معارف و علوم خاتم الولایۃ سے اخذ کرتے ہیں"
اس کو یہ لوگ کس طرح حل کریں گے؟

قدوۃ المتاخرین خواجہ بہاء الحق والدین قُدِّسَ سِرُّہٗ کے مقامات میں جو مرقوم ہے کہ خواجہ نے اپنے سلوک کی بدایت اور توسط کی تقریب کے موقع پر فرمایا کہ

"میں نے منصورؒ، ابو یزیدؒ اور جنیدؒ کے مقام میں سیر کی اور جس مقام تک یہ حضرات پہنچے وہاں میں پہنچا یہاں تک کہ اس دربار میں پہنچا جس سے بڑا کوئی دربار نہیں تھا۔ میں نے معلوم کیا کہ وہ بارگاہِ محمدی ہے۔ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام۔ میں نے گستاخی نہیں کی اور جو کچھ ابو یزیدؒ نے کہا تھا میں نے نہیں کہا"

اور اسی مقامات میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ سلطان العارفین ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا کہ

"اس مقام میں صفات انبیاء علیہم السلام میں سیر کرتا ہوا بارگاہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا۔ میں نے چاہا کہ آپ کی صفت میں سیر کروں آپ نے ہاتھ میری پیشانی پر رکھا"

حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ جب عنایت الٰہی سے مقامات کی سیر میں اس مقام پر پہنچا تو میں نے گستاخی نہ کی۔ اور عاجزی کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ محترم پر رکھ دیا۔

اس خانوادہ کے اکابر کے بعض رسائل میں مرقوم ہے کہ

"حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ جب میں نے تواضع کے لیے عاجزی کا سر اس آستانہ پر رکھا تو آپ نے مجھ پر کرم فرمایا اور مجھ کو اس مقام میں داخل فرمایا"

اِن دونوں بزرگانِ دین کے کلام کے متعلق کیا کہیں گے؟ جو تاویل وہاں کریں گے وہی یہاں کریں گے جو مقام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچے تو یقیناً تمام انبیاء سے اوپر گئے ہوں گے۔ چنانچہ اگر اس گروہ کے کلام سے مساوات یا انبیاء پر فوقیت مراد لیتے ہیں (خدا کی پناہ) تو یہ بات کہاں تک پہنچے گی؟

اس لیے اکابر دین اور رؤسائے محققین رضی اللہ عنہم اجمعین اس قسم کے کلمات میں جس مراد کا بیان کیا ہے اس کو وہی لوگ جانتے ہیں، اور اس مراد کو حضرت (مجدد) نے ان مکتوبات میں جو ہم نے تعین کیا اس کو بوجہ احسن بیان فرمایا ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے، امید ہے کہ کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔

حضرت خواجہ منبع الاسرار شیخ فریدالدین عطار (اللہ ان کی قبر کو معطر کرے) اپنی ایک تصنیف شریف میں بیان کرتے ہیں، کہ جس طرح عالم شہادت میں انبیاء اور خلفائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاص اماکن ہیں کہ مسافرین اور تمام زائرین ان کی زیارت کرتے اور فیض حاصل کرتے ہیں درخواست اور گدائی کرتے ہیں اسی طرح عالم غیب میں بھی ان کے مقامات ہیں کہ سالکان طریقت، فتح کار کی اور نعمت احوال کی بھیک مانگنے کے لیے انبیائے عظام اور اولیائے اعلام کے مقامات پر پہنچتے ہیں اور ان کے آستانہ پر نیازمندی کا سر رکھ کر کشائش کی درخواست کرتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب تک مقام محمدی علی صاحبہ السلام الابدی کے آستانہ عالیہ تک نہیں پہنچتے کشائش کا رنہیں دیکھتے ہیں۔

حضرت شیخ تاج الدین سلمہ اللہ نے اس فقیر سے کہا کہ

"تیرے شیخ کے کلام کے ایک منکر نے اس مذکورہ قضیہ کو پیش کیا اور مجھ سے اس کا حل دریافت کیا، تو میں نے کہا کہ فقیر یہ بات کہنے والے کو جانتا ہے کہ وہ باکمال علمائے عاملین میں سے ہیں اور بلند دار جمند احوال و معرفت کے مالک ہیں میں نے پیر دستگیر سے بھی اس بات کو کئی بار سنا ہے۔ اس لیے ان حضرات کا ایسا کلام سچے معنی اور صحیح راز پر مشتمل ہے۔ اگرچہ ہم کو اور تم کو معلوم اور مکشوف نہ ہو۔ حالانکہ ہم نے اس سے بھی زیادہ مشکل کلمات اگلے وقتوں کے بزرگوں سے سنے ہیں اور عقیدت کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کی تاویل پسندیدہ طریقے پر کی ہے، پس یہاں بھی ہم وہی کریں گے۔ یہ سن کر وہ معترض خاموش ہو گیا۔"

الغرض جب ایک ایسے شبہ کے بے معنی ہونے کی حقیقت واضح ہو گئی جو لوگوں کے درمیان بہت مشہور تھا اور خام ذہنوں سے دور تھا تو دوسرے شبہات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو اکابر دین اور وارثان سید المرسلین (علیہ وعلی اتباعہ افضل الصلوٰت والتسلیمات) کے ساتھ بدگمانی کرنے سے بچانا چاہئے۔

فصل ہشتم

حضرتؒ کے بعض خوارق

قطبِ وقت ابوالحسن نوری نوّر اللہ مرقدہٗ نے فرمایا ہے کہ:

"ہمارے زمانے میں دو چیزیں سب سے بڑی کرامت کی پہچان ہیں۔
ایک یہ کہ عالم اپنے علم پر عمل کرے اور عارف اُس کی حقیقت بیان کرے۔"

اسی لیے حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ کے علم و عمل اور معرفت کی کثرت و کمال ہی آپ کی اعلیٰ کرامت تھی۔ کسی نے کہا ہے ع

سب سے اعلیٰ معجزہ قرآن ہے

اسی لئے (قرآن کی روشنی میں) آپ جیسے غوث الخلائق کے دقائق اور حقائق ہی سب سے عظیم کرامتیں ہیں، اور وہ جو فصلِ پنجم میں آپ کی بلند خصوصیات مذکور ہوئی ہیں، اُن میں سے ہر ایک خصوصیت آپ کی بلند کرامت کی ایک نشانی ہے۔ لیکن اولیائے کرام کے حالات قلمبند کرنے والوں کی عادت ہے کہ وہ ان کے خوارقِ عادات کو بھی بیان کر دیا کرتے ہیں اس لئے میں نے سمجھا کہ حضرتؒ کی وہ کرامتیں جو احباب کی زبان پر ہیں یہاں بیان کر دوں، گو کہ یہ اُس کے مصداق ہوگا جیسا کہ خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ:

"ذوالنون مصری قدس سرّہٗ وہ نہیں تھے جیسا کہ اُن کی کرامات میں اُن کے متعلق کہا جاتا ہے یا اُن کے احوال میں اُن کو سراہا جاتا ہے کہ ایسے قال و حال کا ذکر گویا اُن کا مذاق اُڑانا ہے۔"

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ کے ایک خاص معتقد نے درویشوں کے قدموں کی خاک (یعنی راقم الحروف) سے بیان کیا کہ ایک روز ایک موقع پر آپ کی ایک خاص کیفیت تھی، اسی کیفیت کے دوران آپ نے فرمایا کہ حضرت حق سُبحانہٗ نے اپنے کمال کرم سے

اس کمترین کو خوب خوب قدرت اور قوت عطا فرمائی ہے کہ اگر میں اس خشک لکڑی کی طرف توجہ کروں تو ایک عالم اس سے منور ہو جائے۔ لیکن اس آخری زمانے میں حق تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے کہ اس قسم کی باتیں ظاہر ہوں اور میرا دل بھی ایسا ظاہر ہونا نہیں چاہتا۔

حضرت امیر سعد الدین مرحوم جو سید دیں دو شنبہ کی میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے منظور و مقبول مخلصوں میں سے تھے بیان کرتے تھے کہ میں چند روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خانقاہ میں رہا تو آپ کی صحبت شریف کی برکت سے بعض عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ سجدہ کی حالت میں مجھے زمین کے طبقات کے احوال نظر آجاتے۔ اتفاق سے اسی دوران میں ایک تنگ مزاج دوست کی صحبت سے مجھے یہ خیال گزرا کہ عجیب بات ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اتنے بڑے بزرگ ہیں اور اس کثرت کا علم و عمل و عرفان رکھتے ہیں لیکن آپ سے عالم کون سے متعلق کوئی خوارق ظاہر نہیں ہوتے، یہ خیال غالب ہوا تو وہ احوال جو میں دیکھ رہا تھا ان میں قبض و بستگی پیدا ہو گئی جب میں اس انقباض سے پریشان ہوا تو سمجھ گیا کہ یہ میرے خیال و خطرہ کی شامت ہے۔ چنانچہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوا، اپنی پگڑی اپنی گردن میں لپیٹ کر خود کو میں نے آپ کے قدموں میں ڈال دیا آپ نے ایک لمحہ کے بعد میرا سر اٹھا کر فرمایا کہ اچھا، میر صاحب کرامت طلب بن گئے ہیں، اور یہ اثر فلاں شخص کی صحبت سے ہوا ہو گا۔ احباب جان لیں کہ جس شخص کو ایسی کرامت کی طلب ہو تو وہ کسی دوسرے پیر کی تلاش کرے اور جس شخص کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی طلب ہو، اور اقتباس نور، فنا و بقا اور معرفت ذات و صفات کے کمالات وغیرہ کا شوق ہو تو اس جیسے فقیروں کے ساتھ چند روز گزارے میر صاحب نے بتایا کہ آپ کے اس عتاب میں بھی کرامت ظاہر ہوئی کہ مجھے اس ذلت

۱؎ حضرات القدس (۲) میں کراماتوں کے ذکر سے پہلے ہی یہ واقعہ درج ہے ۱۲

سے خلاصی نصیب ہوئی لہ

کرامت شیخ مجدد کی نظر میں

آپ کے خوارق کو قلمبند کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع سے متعلق جو کچھ ہم نے آپ کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے یا آپ کے مرقومات میں دیکھا ہے یہاں نقل کردیں کہ اس میں بہت زیادہ فائدے ہیں۔ ان کو ہم پانچ برکات کے ذیل میں پیش کرتے ہیں اور ایک پورا مکتوب بھی جو اس سلسلے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے، نقل کرتے ہیں۔

۱۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کرامتیں سب معجزاتِ پیغمبر ہیں۔ کیونکہ جس طرح پیغمبر کے معجزے دین کی ترویج اور تقویت کے لئے ہوتے ہیں اسی طرح اولیاء کی کرامتیں بھی اسی مقصد کے لئے ہوتی ہیں۔ اور اُن کا مطلب ان کرامتوں کے اظہار سے کوئی جاہ طلبی یا نمائش یا اپنی شہرت وغیرہ نہیں ہے۔ تاہم اس مطلب اور نیت کے باوجود ان اولیاء میں سے اکثر نے آخر عمر میں ندامت کا اظہار کیا ہے، اور اُن میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ:

"انبیاء کے لئے عقوبت یہ تھی کہ وحی رک جاتی تھی، اولیاء کی عقوبت کرامتوں کا اظہار ہے، اور مسلمانوں کی عقوبت یہ ہے کہ طاعات میں کمی ہو جاتی ہے۔"

اور جس قدر قیامت قریب ہوتی جاتی ہے دین ضعیف ہوتا جاتا ہے، اور وہ کم ہوتا جاتا ہے تو جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کرامتیں جو دین کی ترویج و تقویت کے لئے ہوتی ہیں وہ بھی لازمی طور سے کم ہوتی جاتی ہیں یعنی اولیاء کو ان کے اظہار کے لیے مامور نہیں کیا جاتا، اور خصوصاً جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو ایک ہزار سال گزر گئے ہیں کہ اس مدت کے گزرنے سے دین کمزور

لہ حضرات القدس (۲) میں یہ کرامت نمبر ۵ ہے ۱۲

میں تغیر اور قلت کے ضعف میں زیادتی ہو گئی ہے، اولیائے عشرت بھی مثل اولیائے عُزلت کے ان کرامتوں کے اظہار سے روک دیئے گئے ہیں کہ کرامتوں کا ظہور اسم الھادی کی مقتضیات میں سے ہے جو ارشاد و ہدایت سے متعلق ہے اور آخری زمانے میں اسم المضل کے تقاضے سے بدعت و ضلالت وابستہ ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

"قیامت کے قریب اندھیری رات کی طرح ایک زمانہ آئے گا کہ اس میں لوگ صبح کو مومن ہوں گے اور شام کو کافر ہو جائیں گے، اور شام کو مومن ہوں گے تو صبح کو کافر ہو جائیں گے۔"

۲ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ارباب ارشاد کے لئے جو کرامت ضروری ہے وہ یہ کہ مریدانِ رشید کو وہ ایک خلق سے دوسری خلق کی طرف اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف لے جاتے ہیں اور سعادت مند مُرید ہر روز اپنے پیر سے کرامت دیکھتا ہے کہ اپنے اندر وہ اپنے پیر کے تصرفات کو دیکھتا ہے اور اولیاء پر لازم نہیں کہ وہ دوسروں کے لئے کرامات کا اظہار کریں کیونکہ ولایت کا معاملہ پوشیدہ رکھنے ہی میں مناسب ہے اور:

"میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں، میرے علاوہ کوئی اُن کو نہیں جانتا۔"

اسی مدعا پر گواہِ صادق ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے:

"خوارق کوئی ارکانِ ولایت میں سے نہیں ہیں اور نہ اُن کی شرائط میں سے ہیں، بخلاف معجزۂ پیغمبر کے، کہ وہ مقامِ دعوت کی شرائط میں سے ہے، لیکن اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے اور عدمِ ظہور کم ہوتا ہے۔ تاہم کرامتوں کی کثرتِ ظہور سے افضلیت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ افضلیت تو قربِ الٰہی کے درجات سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ ولی اقرب سے کرامتیں بہت کم ظہور میں آئیں اور ولیِ ابعد

سے زیادہ ظاہر ہوں۔ بہت سی کرامات جو اس امت کے بعض اولیاء سے ظاہر ہوئی ہیں، اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم سے اُن کا عشرِ عشیر بھی ظاہر نہیں ہوا، حالانکہ اولیاء میں سے سب سے افضل جو ہیں وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے صحابی رضی اللہ عنہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ کرامتوں کے ظہور پر نظر کرنا کوتاہ نظری ہے اور وہ دلیل ہے استعدادِ تقلیدی کی کمی پر۔ نبوت ولایت کے قبول کرنے کے مستحق وہ ہیں جن کی استعدادِ تقلیدی اُن کی قوتِ نظر پر غالب ہوتی ہے، جیسے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے کہ جو اس قوتِ تقلیدی کی وجہ سے بلاچون وچرا ایمان لائے، اسی لئے اس امت کے اسبق سابقین ہوئے اور ابوجہل لعین تھا کہ اس استعداد کے نہ ہونے کی وجہ سے باوجودیکہ اُس نے بہت سی واضح نشانیاں اور غالب معجزے بھی دیکھے تھے، لیکن وہ نبوت کی تصدیق کی دولت سے مشرف نہ ہوا۔[۱]

۱۰ آپ فرماتے بھی تھے اور تحریر بھی ہے کہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے عوارف المعارف میں مشائخ کی کرامتوں کے ذکر کے بعد فرمایا ہے کہ:

"یہ سب مواہبِ الٰہیہ ہیں۔ بعض لوگوں کو اُن کا کشف ہوتا ہے، اور عطا کی جاتی ہے، اور بعض لوگ اُن سے فوق ہوتے ہیں اور انہیں کرامتوں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ کرامتیں تقویتِ یقین کے لئے ہیں اور جسے یقین حاصل ہے اُسے اُن کی ضرورت نہیں، بجز ذکرِ قلبی اور اسمِ ذات کے ذکر کے"

خوارق (کرامتیں) دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم علوم ومعارفِ الٰہیہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات

---

[۱] مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ۱/۱۰۷

صفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ عقل کی نظر سے پرے ہیں۔ اور وہ متعارف بھی نہیں ہیں کہ اُن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں ہی کو مشرف فرمایا ہے۔ اور دوسری قسم، مخلوقات کی صورتوں کا کشف اور اُن کی خبریں ہیں جن کا تعلق اس دنیا سے ہے۔ پہلی قسم مخصوص ہے اہلِ حق اور ارباب معرفت کے لئے، اور دوسری قسم، اہلِ حق اور اہلِ باطل دونوں کو شامل ہے کہ استدراج والوں کو بھی یہ دوسری قسم حاصل ہو جاتی ہے۔ پہلی قسم، اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرافت اور اعتبار رکھتی ہے، اور وہ اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے، اور اعداء کو اس میں شریک نہیں کیا گیا۔ اور دوسری قسم، عوام خلائق کے نزدیک معتبر ہے اور انہی لوگوں کی نظروں میں معزز اور محترم ہے کہ وہ لوگ اہلِ استدراج سے دیکھتے ہوئے بھی محض نادانی سے اُس کی پرستش کرنے لگتے ہیں، اور رطب ویابس کو جانتے ہوئے بھی اُس کے مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ جن سے حقیقت پوشیدہ ہے پہلی قسم کو خوارق ہی میں شمار نہیں کرتے اور خوارق کو صرف دوسری قسم میں منحصر جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں کرامت یہ ہے کہ مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہو اور جو چیزیں ان سے پوشیدہ ہیں اُن کی خبر مل جائے، وہ کیسے بے عقل ہیں کہ وہ علم جو ظاہر یا غیب چیزوں سے تعلق رکھتا ہے اس میں کون سی بزرگی اور کرامت ہو سکتی ہے؟ بلکہ ایسا علم تو اس لائق ہے کہ وہ جہل بن جائے تاکہ مخلوقات اور اُن کے احوال فراموش ہو جائیں، اور معرفتِ الٰہی تو واجب ہے اور یہی چیز شرافت اور کرامت کے شایان ہے اور اسی کے لئے اعزاز و احترام ہے ؎

پری چھپی ہو مگر دیو ناز دکھلائے ۔۔۔ عجب مذاق ہے یہ جس سے عقل حیران ہے[1]

۱۲ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اکثر متقدمین اولیاء رحمہم اللہ سے طویل عمر میں بھی پانچ چھ خوارق سے زیادہ منقول نہیں ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید قدس سرہٗ سے معلوم

---

[1] مکتوبات امام ربانی رح ۔ دفتر اول ۔ ۲۹۳

نہیں ہوتا کہ دس خوارق بھی نقل کئے گئے ہوں۔ حضرت حق سبحانہٗ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ۔ پ ۱۵ ع ۱۲ — اور ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں یعنی نو معجزے دیئے۔

اور اس وقت کے مشائخ سے بھی کہاں معلوم کہ ایسے خوارق ظہور میں آتے ہیں یا نہیں۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اولیاء اللہ سے خواہ متقدم ہوں یا متأخر ہوں ہر ساعت خوارق ظاہر ہوتے رہتے ہیں، خواہ مُدّعی کو علم ہو یا نہ ہو۔ ع

اندھا ہے اگر کوئی تو سورج کا کیا قصور؟[1]

مشائخ کے خوارق کو اکثر خاص مُرید یا خصوصی جلیس ہی مشاہدہ کرتے ہیں، پھر ایک عرصے کے بعد وہ لوگوں کی زبان و قلم کے ذریعے عوام میں شہرت پاتے ہیں۔

۵ ب آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ — (اللہ کی صفتوں میں رنگ جاؤ۔)

کے معنی جو ولایت میں ماخوذ ہیں یہ ہیں کہ اولیاء اللہ کو وہ صفات حاصل ہو جاتی ہیں جو واجب تعالیٰ کی صفات کے مناسب ہیں۔ لیکن یہ مناسبت (اور مشارکت) اسم اور عام صفات میں ہوتی ہے۔ نہ کہ خاص معانی میں، کیونکہ یہ ناممکن ہے (اور شرک ہے) اور اس سے حقائق میں انقلاب اور تغیّر لازم آتا ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے اپنی تحقیقات میں تخلقوا باخلاق اللہ (حدیث) کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مثلاً ایک صفت مَلِک ہے، جس کے معنے سب پر قابو رکھنے والے (متصرف) کے ہیں۔ اور جب سالک اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے اور اُس کو مغلوب کر لیتا ہے، اور دلوں میں اس کا تصرّف جاری ہو جاتا ہے تو اس صفت سے وہ متصف ہو جاتا ہے۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر اول، ۱۰۷

ایک صفت سمیع ہے جس کے معنی سننے والے کے ہیں۔ جب سالک حق تعالےٰ کی بات کو خواہ وہ کسی سے سُنے بلا تکلف قبول کر لیتا ہے اور اسرارِ غیبی اور حقائق کو گوشِ جان سے سُن لیتا ہے تو وہ اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اسی طرح صفت بصیر ہے اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں۔ جب سالک کے دل کی آنکھ دیکھنے والی ہو جاتی ہے اور وہ نورِ فراست سے اپنے تمام عیوب کو، لیکن دوسروں کے کمال کو دیکھتا ہے اور سب کو خود سے بہتر جانتا ہے، اور حق تعالیٰ کی بصیرت اُس کی نظر کو منظور ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ جو کچھ کرتا ہے حق تعالیٰ کی رضا کے مطابق کرتا ہے تو وہ اس صفت بصیر سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صفت محی ہے، اور اس کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں، جب سالک، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی ہوئی (یعنی جن پر لوگوں نے عمل چھوڑ دیا ہو) سُنتوں کو زندہ کرنے اور رواج دینے میں کوشش کرتا ہے اور اس میں مشغول رہتا ہے تو وہ اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اسی طرح صفت ممیت ہے جس کے معنی مارنے والا کے ہیں، جب سالک، بدعات کو (جو سنتوں کے بجائے ظاہر ہوتی ہوں) دُور کرتا ہے اور لوگوں کو اُن سے روکتا ہے تو وہ اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے، اسی طرح دوسری صفتوں کو قیاس کر لیجئے۔ لیکن عوام تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے معنی دوسرے رنگ میں رنگ کر وادیِ ضلالت میں بھٹکتے پھرتے ہیں، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ولی کے لئے مُردہ زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا ضروری ہے، اور اسی طرح کے فضول اور فاسد خیالات رکھتے ہیں، اور ایسے گمان گناہ ہوتے ہیں"۔ [1]

اور وہ مکتوب (جس کے نقل کرنے کا اُوپر ذکر آیا ہے) یہ ہے جو حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ حسام الدین احمدؒ کو لکھا تھا:۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی رح۔ ۱/۱۰۷

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ الہ الطاہرین اجمعین۔ خاطرِ فاتر میں ایسا گزرتا ہے کہ جب احباب کے درمیان بُعدِ صوری حائل ہوگیا اور ظاہری ملاقات عنقا ہوگئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر کبھی کبھی علوم و معارف بھی اُن کی خدمت میں لکھے جائیں تو اُمید ہے کہ اس قسم کی تحریر موجبِ ملال نہ ہوگی۔

میرے مخدوم، چونکہ اس وقت ولایت کی بحث درمیان میں ہے اور عوام کی نظر، خوارق کے ظہور پر لگی ہوئی ہے، اس لئے اسی کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ غور سے سُنیئے گا۔

"ولایت، عبارت ہے فنا اور بقا سے۔ خوارق اور کشوف، خواہ کم ہوں یا زیادہ اس کے لوازم میں سے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس شخص سے خوارق زیادہ ہوں اُس کی ولایت بھی اتم و اکمل ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس کے خوارق کمتر ہوتے ہیں اس کی ولایت اتم و اکمل ہوتی ہے خوارق کے ظہور کی کثرت دو چیزوں پر مبنی ہے۔

۱۔ عروج کے وقت زیادہ بلند جانا اور

۲۔ نزول کے وقت بہت کم نیچے جانا۔

بلکہ کثرتِ خوارق میں سے سب سے بڑی وجہ، قلتِ نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے، کیونکہ صاحبِ نزول، عالمِ اسباب کی طرف نزول کرتا ہے اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے میں دیکھتا ہے اور جس شخص نے نزول نہیں کیا یا وہ نزول کر کے اسباب تک نہیں پہنچا اُس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہوتی ہے، اور جب مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہوتی ہے تو تمام اسباب سے اُس کی نظر ہی مرتفع ہو جاتی ہے۔ بس حق تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اُس کے ظن کے مطابق علیحدہ علیحدہ

معاملہ کرتا ہے۔ جس کی نظر اسباب پر ہوتی ہے اُسے اسباب کی طرف رجوع کر دیتا ہے اور جس کی نظر اسباب سے اُٹھ گئی ہے، اُس کا کام بغیر اسباب کے مہیا کر دیتا ہے، حدیث قدسی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ۔ اس مطلب کے لئے گواہ ہے۔

ایک مدت تک دل میں اس بات کی خلش رہی کہ کیا وجہ ہے کہ اس امت میں تو بکثرت اولیاء گزرے ہیں لیکن جس قدر کرامتیں حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ سے ظاہر ہوئیں ہیں کسی اور بزرگ سے ظاہر نہیں ہوئیں۔ آخر کار حضرت حق سبحانہٗ نے اس معمے کا حل ظاہر فرمادیا اور معلوم فرمایا کہ اُن کا عروج اکثر اولیاء سے زیادہ بلند واقع ہوا ہے، اور نزول کی جانب میں وہ مقام ارواح تک نیچے آئے ہیں جو عالم اسباب سے بلند تر ہے۔ خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہما کی حکایت اس جگہ مناسب حال ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتی کے انتظار میں تھے کہ دریا کو پار کریں، اسی اثناء میں حبیب عجمیؒ آ پہنچے اور پوچھنے لگے کہ آپ کیوں کھڑے ہیں؟ جواب دیا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حبیبؒ عجمی نے کہا کہ کشتی کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟ خواجہ حسنؓ نے فرمایا آپ علم نہیں رکھتے، حبیبؒ تو بغیر کشتی کے دریا سے گزر گئے اور خواجہ حسن بصریؓ کشتی کے انتظار ہی میں کھڑے رہے۔

خواجہ حسن بصریؓ نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا ہوا تھا، اسلئے اس کے ساتھ اسباب کے وسیلے سے معاملہ کرتے تھے اور حبیب عجمیؒ نے چونکہ اسباب کو پورے طور پر نظر انداز کر دیا تھا، اس لئے بغیر اسباب کے اس کے ساتھ گزارہ کرتے تھے۔ لیکن فضیلت خواجہ حسن بصریؒ

کو حاصل ہے کہ وہ صاحبِ علم تھے، اور انہوں نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کیا تھا، اور اشیاء کو جیسی کہ ہیں سمجھا تھا، کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو پردۂ حکمت میں پوشیدہ رکھا ہے، اور حبیب عجمی رح صاحبِ سُکر تھے اور فاعلِ حقیقی پر یقین رکھتے تھے، بغیر اس کے کہ اسباب کا درمیان میں دخل ہو۔ (لیکن) یہ دید، اصل حقیقت نہیں ہے، کیونکہ اسباب کا توسط، واقعیت کے لحاظ سے کائن ہے۔

لیکن تکمیل و ارشاد کا معاملہ، ظہورِ خوارق کے معاملے کے برعکس ہے کیونکہ مقامِ ارشاد میں جو شخص جتنا نازل تر ہوگا، کامل تر ہوگا، کیونکہ ارشاد کے معاملے میں مُرشد اور مُسترشد کے درمیان وہ مناسبت ضروری ہے جو نزول سے وابستہ ہوتی ہے۔

اور جاننا چاہیئے کہ اغلب یہی ہے کہ جو شخص جس قدر سب سے اونچا جاتا ہے اسی قدر سب سے نیچے آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء علیہ السلام سے اُونچے گئے، لیکن نزول کے وقت سب سے نیچے آئے، اسی لئے آپؐ کی دعوت اتم و اکمل ہوئی، اور کل کی کل مخلوق کے لئے مُرسل ہوئے، کیونکہ آپؐ نے نہایت نزول کی وجہ سے سب سے مناسبت پیدا فرمائی اور افادہ کا راستہ مکمل ہوگیا اور بسا اوقات اس راہ کے متوسطین کے ذریعے طالبوں کو اس قدر فائدہ واقع ہوتا ہے کہ غیر مرجوع مُنتہیوں سے بھی میسر نہیں ہوتا کیونکہ غیر مرجوع مُنتہیوں کے مقابلے میں ان متوسطین کو مبتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ شیخ الاسلام ہروی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اگر خرقانی رح اور محمد قصاب ساتھ موجود ہوتے تو میں تم کو محمد قصاب کے پاس بھیجتا نہ کہ خرقانی رح کے پاس۔ کیونکہ محمد قصاب تمہارے لئے خرقانی رح سے زیادہ سود مند ثابت ہوتا۔ یعنی خرقانی

منتہی تھے، اور مرید آپ سے کمتر فائدہ حاصل کرتے تھے، یعنی آپ غیر رجوع مطلق منتہی نہ تھے کیونکہ افادہ تام کا عدم اُن کے یہاں واقع نہیں جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سب عالم سے زیادہ منتہی تھے، حالانکہ آپ کا افادہ سب سے زیادہ تھا۔ پس افادہ کم یا زیادہ ہونے کا دارومدار رجوع اور ہبوط پر ہے انتہا اور عدم انتہا پر نہیں۔

یہاں ایک نکتہ پیدا ہوتا ہے جو سمجھنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ جس طرح نفسِ ولایت کے حصول میں ضروری نہیں کہ وہ ولی کو اس کی ولایت کا علم بھی ہو جائے۔ بلکہ بسا اوقات تو یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ اس ولی کے خوارق نقل کرتے ہیں، اور اُسے ان خوارق کی مطلق اطلاع نہیں ہوتی، اسی طرح وہ اولیاء جو صاحبِ علم و کشف ہیں اُن کے لئے جائز ہے کہ وہ خود اپنے بعض خوارق کی اطلاع نہ دیں۔ بلکہ ان کی مثالیہ صورتوں کو متعدد مقامات پر ظاہر کریں اور دور دراز فاصلوں میں ان صورتوں سے عجیب و غریب چیزیں ظہور میں لائیں کہ جن سے ان صورتوں والے کو ذرا بھی اطلاع نہ ہو۔ ع

ہمارا تمہارا تو حیلہ بنایا

حضرت مخدومی قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ نے بتایا کہ عجیب معاملہ ہے، لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے کہ آپ حج کے زمانے میں وہاں موجود تھے، اور آپ کے ساتھ ہی میں نے حج کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے، اور وہ اپنی دوستی کا اظہار بھی کرتا ہے اور میں تو گھر سے ہرگز باہر نہیں گیا، اور ہرگز اس قسم کے لوگ نہیں دیکھے۔ یہ ایک تہمت ہی ہے جو مجھ پر لگائی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب کاموں کی حقیقتیں جانتا ہے۔ اس سے زیادہ

لکھنا طوالت ہے۔ (لیکن) آپ کی طلب اور خواہش اور ہوئی تو مزید جلد لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ (انتہیٰ) ۔ [1]

جب یہ فوائد معلوم ہو گئے تو اب میں ایفائے وعدہ کرتے ہوئے آپ کے صرف ۳۱ خوارق لکھتا ہوں جو آپ کی عمر شریف کے نصف عدد ہیں۔ ان کے علاوہ بعض خوارق جو احوالِ وفات کے ضمن میں ہیں وہ بھی آئیں گے۔ اور بعض خوارق آپ کے احباب (مریدین) کے احوال میں بھی آجائیں گے۔ انشاء اللہ

(۱) آپ کے نہایت معتبر اصحاب سے میں نے سنا کہ (ایک مرتبہ) آپ کو ضعف لاحق ہوا، اور اثنائے ضعف میں آپ نے دس گیارہ دانے منقّے کے طلب فرمائے۔ جب خادم نے یہ منقّے پیش کئے تو آپ نے مراقبہ کے لئے سر جھکایا تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ عجیب بات ظہور میں آئی کہ جب یہ منقّے میرے سامنے رکھے گئے تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ سب مناجات کر رہے ہیں۔ اور حق سبحانہٗ سے میری صحت اور اپنے کھائے جانے کے لئے عرض کر رہے ہیں۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور میری صحت یابی کو ان کے کھانے سے وابستہ کیا۔ چنانچہ آپ نے وہ چند منقّے تناول فرمائے اور شفا پائی۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادے کہ وہ بھی بیمار تھے اور حالتِ نااُمیدی کو پہنچے ہوئے تھے، ان منقّوں کے کھانے سے شفایاب ہوئے۔ اسی طرح دو تین دوسرے لوگوں کو بھی شفا حاصل ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ منقّے کاش زیادہ ہوتے تو بہت سے بیماروں کو شفا حاصل ہوجاتی۔ [2]

(۲) ایک سید اہلِ دل رحمت اللہ نام کے تھے۔ اس زمانے میں جب کہ حضرت خواجہ باقی باللہ طاب ثراہٗ کی حیات میں آپ لاہور تشریف لے گئے تھے وہ آپ

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی رح ۔ ۱/۲۱۶

[2] حضرات القدس (حضرت نمبر ۲) میں یہ کرامت نمبر ۶ ہے۔

کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور آپ سے اُس وقت سے حُسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ اُنہوں نے اس عاجز سے بیان کیا کہ ملکِ دکن کے ایک صحرا میں ہم دو تین درویش جا رہے تھے تو ایک مندر دیکھا۔ ہم نے آپ کے (حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ) سے سُنا ہوا تھا کہ جس قدر بتوں اور پجاریوں کی توہین ایک مسلمان سے ہو سکے اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے کہ اس طرح غازیانِ سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے۔ میں نے آپ کی اس ہدایت پر تکیہ کر کے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس صحرا میں اس مندر کا کوئی حامی نظر نہیں آتا، اور جس قدر ہو سکے اس مندر کو تباہ کریں۔ چنانچہ ایک بت کو توڑا اور ارادہ کیا کہ بعض دیواروں کو بھی توڑ دیں۔ اسی عرصے میں ایک ہندو کسان نے دُور سے ہماری یہ تخریب کاری دیکھ لی، اور وہ دوڑتا ہوا گاؤں والے پجاریوں کو خبر دے آیا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ قریب ایک ہزار ہندو کہ کسی کے ہاتھ میں پتھر تھا، کسی کے ہاتھ میں لکڑی اور کسی کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار تھا۔ بڑے غضب ناک ہو کر ہماری طرف آ رہے ہیں۔ ہم لوگوں کو حیرت بھی ہوئی اور دہشت بھی محسوس ہوئی۔ ہمارے لئے بھاگنا بھی مشکل تھا تو ہم لوگوں نے شہید ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اسی دوران میں آپ کے (حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ) کی طرف متوجہ ہوا، اور عرض کیا کہ اے بزرگِ دین، ہم نے آپ کی ہدایت پر تکیہ کر کے یہ کام کیا ہے۔ اب آپ ہم کو ان کافروں اور فاجروں سے رہائی دلوائیے، اسی حالت میں میرے کان میں آواز آئی جو آپ ہی کی مخصوص آواز تھی۔ ع

تمہی تھے کہ آواز پہچانتا ہوں

وہ یہ کہ:

"خاطر جمع رکھو، میں تمہاری مدد کے لئے اسلام کا ایک لشکر بھیج رہا ہوں۔"

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ عجیب بات ہے۔ میں نے حضرتؒ کی یہ آواز سُنی ہے

لیکن معلوم نہیں کہ وہ لشکر کب آئے گا اور یہ دشمن تو آ پہنچے ہیں۔ قریب ایک تیر کے جانے کے فاصلے پر وہ کافر ہمارے نزدیک آئے تھے کہ ایک اونچائی کی طرف سے قریب تیس چالیس سوار آتے ہوئے دکھائی دیئے کہ تیزی سے ہماری جانب آ رہے تھے۔ کافروں نے جب ان سواروں کو دیکھا تو قدم پیچھے ہٹا لئے۔ وہ سوار آئے اور ان کافروں میں سے کئی کو کوڑے مارے اور کئی کو برا بھلا کہا۔ پھر ہم لوگوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔ (بعد میں) معلوم ہوا کہ وہ سپاہی سب مسلمان تھے جو کسی کام سے ان اطراف کے کسی گاؤں میں آئے ہوئے تھے۔ تو جب ان کافروں نے کاروان کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے گاؤں کے ایک مسلمان نے جلدی سے جا کر اس جگہ جہاں وہ سپاہی (سوار) تھے اطلاع کر دی، اور وہ لوگ فی الفور وہاں پہنچ گئے، اور ہم لوگوں کو بچا لے گئے۔ اور یہ سب آپ ہی کے تصرف کی برکت تھی۔[۱]

(۳) سید جمال جو ذوق و حال والے اور نہایت حق گو ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مقبول مریدوں میں سے ہیں، مجھ سے فرماتے تھے کہ ایک وادی میں ناگاہ ایک شیر میرے سامنے آ گیا۔ دہشت تنہائی سے بھی تھی اور اس درندہ کی ہیبت بھی غالب ہوئی تو میں سخت خوف زدہ ہوا اور لرزنے لگا۔ اور اس جنگل سے بھاگنا بھی ممکن نہ دیکھا۔ مجبوراً حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی حمایت کے لئے التجا کی۔ اس تضرع اور آپ کی طرف توجہ کرتے ہی مجھے نظر آیا کہ آپ اپنے ہاتھ میں عصا لئے ہوئے جلدی سے پہنچ گئے، اور پوری قوت سے وہ عصا اس شیر کے منہ پر مارا۔ پھر جب میں نے غور کیا تو نہ حضرتؒ ہی نظر آئے اور نہ اس جنگل میں وہ شیر دکھائی دیا۔[۲]

---

[۱] حضرات القدس (حصہ ہفتم) میں یہ کرامت نمبر ۸ ہے۔

[۲] ایضاً کرامت نمبر ۲ کچھ فرق کے ساتھ ہے۔

(۴) شیخ بدیع الدین سلمہ اللہ[1]، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بزرگ خلفاء میں سے اور عنقریب اُن کا ذکر آئے گا۔ وہ بیان کرتے تھے کہ ایک دن چند دوستوں کے اصرار سے ایک بزرگ کی قبر کی زیارت کے لئے گیا کہ آپ اُن کی بعض خلافِ شرع باتوں سے ناخوش تھے۔ لیکن میں اپنے جانے پر اس ناخوشی کی وجہ سے متذبذب تھا۔ لیکن دوستوں کی رفاقت سے مجبور ہو گیا تھا۔ جب میں اُس بزرگ کی قبر پر مراقب ہوا تو فی الفور ایک خشم ناک شیر کو میں نے وہاں داخل ہوتے دیکھا۔ میں نہایت خوف زدہ ہو کر اُس شیر کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اس شیر کی آنکھیں آپ کی آنکھوں کی طرح نظر آنے لگیں۔ پھر اُس شیر کے چہرے سے صورتِ انسان نظر آنے لگی اور وہ بھی سخت ہیبت سے تھی۔ چنانچہ میں اس ہیبت مراقبہ ختم کر کے اُٹھ کھڑا ہوا اور استغفار کرنے لگا۔

(۵) آپ کے بعض نہایت معتبر مریدوں نے بتایا کہ محمد صادق کابلیؒ[2] جو آپ کے جلیل القدر مخلصین میں سے تھے، جذام میں (اللہ بچائے) مبتلا ہو گئے۔ مرض کے غلبہ کی وجہ سے لوگوں نے اُن کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے سے اجتناب کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک دن ایک مجلس میں اُن کے ایک خاص دوست نے بھی اُن کے ساتھ کھانے سے پرہیز کیا۔ وہ اس دوست کے عار سے سخت شرمندہ اور رنجیدہ ہوئے، اور آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر توجہ اور عنایت کے ملتجی ہوئے۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ وفورِ شفقت و رحمت کے باعث بہت مغموم ہوئے، اور اس مرض کے دفع کے لئے توجہ فرمائی اور اُس مرض کو خود اپنے

---

[1] شیخ بدیع الدین سہارن پوری کے نام حضرت مجددؒ کے کئی مکتوبات ہیں۔ ۱/۱۷۲۔ ۱۹۲۔ ۲۴۲۔ ۲۵۲۔ ۲۵۶۔ ۲۷۶۔ ۲۸۲۔ ۲/۱۶۔ ۸۸۔ ۶/۳۔ آپ کی وفات ۱۰۴۲ھ میں سہارن پور میں ہوئی۔

[2] ۱۰۱۸ھ میں فوت ہوئے، مکتوباتِ امام ربانیؒ ۱/۱۴۸۔ ۱۴۹ آپ کے نام ہیں۔

اوپر کھینچ لیا۔ چنانچہ اُن کے بدن کا اثر آپ کے قدم مبارک پر آگیا اور احباب نے دیکھا کہ مولانا محمد صادق کابلی رح کے بدن پر اس کا اثر باقی نہ رہا، ہر چند کہ اس واقعہ کو دیکھ کر مخلصین کا اخلاص اور عقیدت آپ سے بہت زیادہ بڑھ گئی، لیکن اس لئے کہ وہ مرض آپ کی طرف منتقل ہو گیا تو وہ سب کے سب بہت غمگین ہوئے اور بے چین ہو گئے۔ جب آپ نے صاحبزادوں اور احباب کی پریشانی اور بے آرامی مشاہدہ فرمائی، تو پھر آپ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا اور تضرع کیا کہ آپ سے بھی مرض دور کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ پاک کی عنایت سے وہ مرض دُور ہو گیا، اور آپ نے صاحبزادگان اور احباب کو اس کی خوش خبری سُنادی اور وہ اعضا بھی دکھا دیئے کہ اُن پر بفضلہٖ تعالیٰ وہ اثر باقی نہ رہا۔ پھر سب نے شکر ادا کیا اور یہ خارق آپ کے خوارق میں سے بہت عجیب تھا۔ ع

قدس اللہ سرہٗ منظرہٗ

(۶) یہ بھی میں نے آپ کے سچے خادموں سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ آپ اس علاقے کے دشت و بیابان کی سیر اور گشت کے لئے متوجہ ہوئے۔ ایک دن راستے میں سخت گرمی ہوئی۔ لُو چل رہی تھی، گرد و غبار بھی تھا، پیاس اور تھکاوٹ بڑے صاحبزادے (رحمہ اللہ) اور دوسروں پر جو پیدل چل رہے تھے غالب تھی۔ لیکن بغایت ادب کی وجہ سے عرض حال کی جرأت نہ تھی۔ اسی اثناء میں حضرت مجددِ الفِ ثانی رح قدس سرہٗ نے مولانا محمد یوسف سمرقندی[1] سے (جو آپ کے قدیم اصحاب میں سے تھے بلکہ پیر بھائی بھی تھے) فرمایا کہ:

---

[1] مولانا محمد یوسف سمرقندی کو حضرت خواجہ باقی باللہ رح نے حضرت مجدد کی تربیت میں دیا تھا۔ لیکن زیرِ تربیت ہی تھے کہ فوت ہو گئے۔ اور یہ واقعہ ۱۰۲۵ھ سے پہلے کا ہو گا کیونکہ اس میں بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رحمہ اللہ (م ۱۰۲۵ھ) کی موجودگی بھی مذکور ہے ۱۲

"اس وقت دھوپ اور گرد و غبار سے احباب کو تکلیف ہو رہی ہے۔"

مولانا نے عرض کیا کہ :

"آنجناب کو خود ہی معلوم اور واضح ہے، ہم لوگ کیا عرض کریں!"

آپ نے تبسم کیا اور گوشۂ چشم سے آسمان کو دیکھ کر کچھ خاموشی سے کہا (دعا کی) ابھی چند قدم بھی آگے نہ جانے پائے تھے کہ ابر کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا، اور آپ کے اور آپ کے مریدوں کے اوپر سایہ فگن ہو گیا اور جتنی بارش سے کہ گرد و غبار بیٹھ سکے اور کیچڑ پیدا نہ ہو قطرات برسنے لگے۔ اور بادِ شمال نرم نرم چلنے لگی، حالانکہ وہ وقت بارش کا نہیں تھا۔ احباب اس سایہ اور بارش سے اور بھی زیادہ معتقد ہو گئے۔

یہ ایک سید نوجوان جو طالب علم تھا اور راقم الحروف سے شناسائی رکھتا تھا، ایک دن روتا ہوا میرے پاس ایک عجیب واقعہ سنانے لگا جو آپ کی ایک عظیم کرامت تھی۔ وہ یہ کہ اس نے بتایا کہ اُسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محاربوں سے اور خصوصاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض تھا، اور اُس نے سوئے عقیدت سے ایک روز مکتوبات شریف کا مطالعہ کیا، اُس میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے شتم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شتم کے برابر جانا ہے اور وہی سزا جو اُن دو بزرگوں (رضی اللہ عنہما) کے شاتم کی ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شاتم کی بھی فرمائی ہے۔ وہ سید کہتا تھا کہ میں اس بات سے برآشفتہ ہوا اور میں نے کہا کہ یہ کیا بات اس شخص نے لکھی ہے۔ بس میں نے ایسا کہہ کر مکتوبات شریف کو زمین پر پھینک دیا اور تکیہ پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ شیخ بزرگوار (حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ) بہت غصے میں تشریف لائے اور میرے دونوں کان اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر فرمانے لگے کہ اے نادان لڑکے تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے۔ اور ہمارے مکتوبات کو تو نے زمین پر پھینک دیا، اگر تو ہماری بات کو جس سے تو برآشفتہ ہوا ہے باور نہیں کرتا تو چلو میں

تجھے اُن کے پاس لے چلتا ہوں جو تجھے پسند ہیں اور تو نے اُن کے بھائیوں کو جو سب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کے صحابہ ہیں دشمن سمجھا ہے۔ پھر مجھے آپ کھینچ کر ایک باغ میں لے گئے، وہاں دیکھا کہ ایک بزرگ بہت ہی نورانی صورت کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے بہت تواضع کے ساتھ اُن بزرگ کو سلام پیش کیا اور وہ بزرگ بھی بہت خوشی اور تبسّم کے ساتھ آپ سے ملے۔ اس کے بعد آپ نے اُن کے سامنے دوزانو باادب بیٹھ کر کچھ عرض کیا۔ پھر آپ اور وہ بزرگ دونوں دو سے میری طرف دیکھتے رہے اور کچھ اشارات کئے، مجھے یقین تھا کہ میرے بارے میں کوئی بات ہو رہی ہے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد آپ کے شیخ بزرگوار کھڑے ہوئے اور مجھے قریب بلایا اور فرمایا کہ وہ جو بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہٗ ہیں، سُن لے کہ وہ کیا فرما رہے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا تو اُنہوں نے اپنی زبان گوہر فشان سے فرمایا:

"ہرگز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بغض مت رکھنا اور ہرگز ان بزرگواروں کی شان میں ملامت نہ کرنا، کیونکہ ہم جانتے ہیں اور ہمارے وہ بھائی جانتے ہیں کہ کس خیر کی نیّت کے ساتھ ہمارے درمیان نزاع ہوا تھا۔"

پھر اُنہوں نے آپ کے پیر بزرگوار کا نام لے کر فرمایا کہ:

"ان کی بات سے ہرگز منہ نہ موڑنا۔"

لیکن وہ سیّد کہتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت کے باوجود جب میں نے اپنے دل کی طرف رجوع کیا تو اُسی طرح اُسے صحابہ کرام سے بغض و دشمنی والا پایا۔ اُن کو معلوم ہو گیا تو اُنہوں نے آپ کے شیخ معظم رح سے فرمایا کہ:

"اس کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا۔"

پھر اُنہوں نے اشارہ کیا کہ اس کو تھپیڑ لگائیں۔ تو آپ کے شیخ نے پوری قوت کے ساتھ میری گدّی پر تھپیڑ رسید کیا۔ میں نے تھپیڑ کھانے کے بعد اپنے دل

سے کہا کہ تو نے صحابہ سے عداوت محض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور رضا کے لئے اختیار کی تھی تو جب اس سزا سے جو اس بغض و عداوت کی وجہ سے ملی اور وہ ناراض ہوئے تو اب اسی طرح تجھے راضی ہو جانا چاہیئے۔ پھر جب میں نے توجہ کی تو میرا دل صاف ہو چکا تھا۔ اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہو گیا، اور اب اپنے سینے کو اس کینے سے پاک پاتا ہوں، اور اس جواب اور خطاب کی لذت سے سراپا حضوری حاصل ہو گئی ہے اور آپ کے شیخ بزرگوار اور اُن کے معارف اور اقوال سے میرا اعتقاد سو حصہ زیادہ ہو گیا ہے۔

ب ۸ ارباب سپاہ اور اصحاب جاہ میں سے ایک شخص کو جو آپ کے مریدوں میں سے تھا معلوم ہوا کہ آپ فلاں وزیر کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ اس خبر سے وہ دل تنگ ہوا اور کہنے لگا کہ آپ کے لئے مناسب نہیں کہ دنیا داروں کے یہاں جائیں، ایک درویش جو مخلصین میں سے تھا۔ وہ وہاں موجود تھا، اُس نے کہا کہ آپ کسی مسلمان بھائی کی بھلائی کے لئے تشریف لے گئے ہوں گے یا کوئی اور خیر کی نیت ہو گی۔ تم کو اعتراض نہیں کرنا چاہیئے، وہ خاموش ہو گیا، لیکن اسی دولت مند شخص (معترض) نے اُسی رات خواب میں دیکھا کہ غیب والوں کی ایک جماعت نے اُسے گھیر لیا جس طرح کہ ایک مجرم کو گھیر لیتے ہیں اور پچھلے دن کے اعتراض کا ذکر کر کے اُس پر خنجر کھینچ لیا کہ اُس کی زبان قطع کر دیں۔ اس نے بہت تضرع و زاری کے ساتھ معذرت کی اور بہت کچھ توبہ و استغفار کیا، تو اُنہوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر آپ کے کسی کام پر خواہ اُسے پسند نہ ہو اُس نے کبھی اعتراض نہیں کیا[1]

ب ۹ جناب حاجی عبدالحق (محدث دہلوی) جو پرہیزگار فاضل اور اہلِ دل بھی ہیں اس عاجز سے بیان کرتے ہیں کہ میں علمائے وقت میں سے ایک عالم کی مجلس میں

---

[1] حضرات القدس (حضرت تتم) میں کرامت نمبر ۱۲ ہے۔

ایک تقریب میں حاضر ہوا، تو آپ کے شیخ بزرگوار کا ذکر آیا۔ وہ عالم اُن پر طعن اور ملامت کرنے لگا۔ میں نے اس عالم سے کہا کہ میں اُن کی صحبت میں بیٹھا ہوں، اور بہت سے عارفوں اور ولیوں کو بھی دیکھا ہے، میں تو یہی جانتا ہوں کہ وہ اللہ والوں میں سے ہیں۔ اس عالم نے بڑی لمبی چوڑی باتیں کیں۔ میں نے کہا اچھا ہم دونوں تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کریں، اور پوری توجہ اور نیازمندی سے قرآن پاک کو کھولیں، اور جو کلمہ شروع صفحے میں نکلے اُسے اس بزرگ کے حال کی طرف اشارہ سمجھیں، اور اپنی بحث کو اسی پر ختم کریں۔ اُس عالم کو یہ بات پسند آئی اور اس نے پورے ذوق سے وضو کیا، اور میں نے بھی کیا۔ پھر ہم دونوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور اس عالم نے قرآن پاک اپنے ہاتھ میں لیا، پھر پوری توجہ اور تضرع کے ساتھ قرآن پاک کھولا تو پہلی آیت (صفحے کی) یہ ملی:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ۔	وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے [1]

وہ عالم حیرت میں پڑ گیا اور اپنی گفتگو پر نادم ہوا، اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔ اس کرامت سے آپ کے ساتھ میرا اخلاص اور بڑھ گیا [2]

۷۸ آپ کے معتبر مرید بلکہ مخدوم زادے بھی بیان کرتے تھے کہ آپ کے ایک عزیز کے پڑوس میں ایک تاجر کا کچھ مال چوری ہو گیا۔ آپ کے اس عزیز نوجوان پر اس تاجر نے چوری کی تہمت لگائی۔ وہ نوجوان اپنی اہانت اور آزار کے خوف سے بھاگ کھڑا ہوا۔ سرہند کے کوتوال نے جب یہ بات سُنی تو اُس نے آپ کو طلب کیا۔ چونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کے اصحاب آپ کے وہاں حاضر ہونے کو برداشت نہ کریں گے۔ اس لئے مختلف کاموں پر مختلف اطراف

---

[1] سورۃ النور (آیت ۳۷)

[2] حضرات القدس (حضرت نہم) میں یہ کرامت نمبر ۱ ہے۔

میں اُن کو بھیج کر آپ ایک خادم کے ساتھ پیدل اس کوتوال کے پاس تشریف لے گئے۔ اُس بے ادب نے کچھ سخت کلامی کی۔ لیکن آپ نے اُسے نرمی ہی سے جواب دیا۔ اسی اثناء میں مولانا طاہر بدخشی کا وہاں گزر ہوا۔ اور اُنہوں نے اُس کوتوال سے خفا ہو کر فرمایا کہ اے فلاں تو جانتا ہے کہ تو نے کس کو طلب کیا ہے، آپ نے مولانا کو اس طرح فرمانے پر روک دیا۔ کوتوال نے آپ کو رخصت کر دیا۔ لیکن ابھی اس بے ادبی کو کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اُس کوتوال اور اس علاقے کے کچھ لوگوں کے درمیان سخت جھگڑا ہو گیا اور نوبت لڑائی کی پہنچی۔ وہ مع اپنے بیٹوں اور عزیزوں میں سے قریب بیس افراد کے ساتھ بالاخانہ پر تھا جو بارود یا بالاخانہ بارود سے بھرا ہوا تھا، جو جنگ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ ناگاہ اس بارود میں کہیں سے آگ لگ گئی جس سے وہ کوتوال اور اُس کے سب رشتے دار جل کر خاک ہو گئے کہ اُن کی لاشوں کا بھی پتا نہ چلا۔

بے ادب نے خود کو بھی رسوا کیا ۔۔۔۔ اور کل دُنیا کو وہ پھونکا گیا[1]

ب[1] ایک امیرزادے کو بادشاہ نے بہت غصے سے لاہور سے طلب کیا، کیونکہ اُس سے بہت سی تقصیرات وقوع میں آئی تھیں۔ بادشاہ کے غیظ و غضب کی شدت کی وجہ سے لوگوں کو یقین تھا کہ اس امیرزادے کے پہنچتے ہی اسے ہاتھی کے پاؤں تلے ڈالوا دیا جائے گا۔ امیرزادے کو بھی یہی خیال تھا اور وہ سخت ہراساں ہو رہا تھا۔ لیکن جب وہ سرہند پہنچا تو آپ کی خدمت میں کہ غائبانہ اخلاص رکھتا تھا۔ حاضر ہوا اور رو رو کر آپ کی حمایت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ:

"خاطر جمع رکھو۔ انشاء اللہ تم کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ بلکہ بادشاہ تم پر مہربانی اور کرم فرمائے گا۔"

---

[1] حضرات القدس (حضرت نہم) ۱۰۲ کرامت نمبر ۱۳ سے

اس امیرزادے نے انتہائی اضطراب کی وجہ سے عرض کیا کہ جو کچھ آپ نے اس کمترین کے متعلق فرمایا ہے وہ ایک رقعہ پر تحریر فرمادیں تاکہ مجھے قطعی اطمینان حاصل ہو۔ جب اُس نے اصرار کیا تو آپ مُسکرائے، اور آپ نے رقعہ میں لکھ دیا کہ:

"چونکہ فلاں شخص نے بادشاہ کے غضب کے خوف سے کہ وہ غضب درا صل غضب الٰہی کا نمونہ ہوتا ہے، ہم فقیروں سے رجوع کیا ہے، اس لئے ہم نے اس کو اپنی ضمانت میں لے لیا ہے اور اسے اس مہلکت سے رہائی دلوادی ہے۔"

آپ نے جب اس کو رخصت کردیا تو کسی نے آپ تک یہ خبر پہنچائی کہ اس شخص کو بادشاہ نے گزند پہنچایا اور قید میں ڈال دیا۔ جب آپ نے یہ خبر سنی تو آپ مُسکرائے اور فرمایا کہ:

"ہم فقیروں پر صبحِ صادق کی طرح واضح کردیا گیا ہے کہ اس شخص کو بادشاہ کی شفقت اور عنایت حاصل ہوگی، تو پھر یہ خبر جو آئی ہے کوئی سچائی نہیں رکھتی۔"

پھر دو تین دن کے بعد خبر آئی کہ وہ شخص جب بادشاہ کے سامنے پہنچا تو بادشاہ ہنسنے لگا۔ اور نصیحت کے طور پر اُسے چند باتیں بتاکر نہایت مہربانی کے ساتھ اُسے خلعت دے کر رخصت کیا۔[1]

۱۲ ایک شہزادے کو بادشاہ نے قید میں ڈال دیا اور اس کے لئے قتل کی سزا مقرر کی وہ بیچارہ ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اور فقراء سے رجوع کرنے لگا۔ اسی اثناء میں اُس کی خوش نصیبی سے آپ آگرہ تشریف لے گئے، اس قیدی شہزادے نے جو بالکل مایوس ہوچکا تھا آپ کے ایک مخلص کے ذریعے جو اُس کا پُرانا دوست تھا۔ آپ کی خاص الخاص توجہ کے لئے رہائی کے واسطے درخواست

---

[1] حضرات القدس، یہ کرامت نمبر ۱۴ ہے۔

کی، وہ مخلص بہت تضرع والحاح کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے
آپ اس معاملے میں اُس رات متوجہ ہوئے اور صبح فرمایا کہ:

"اُسے خوش خبری سنادو کہ تم قتل سے خلاصی پا گئے ہو اور قید سے بھی
انشاء اللہ جلد ہی رہائی پاؤ گے۔"

یہ خوش خبری اس کو سُنادی گئی لیکن اضطراب کی وجہ سے اُسے پُورا اطمینان نہیں ہوا۔
تو اس نے ایک مجذوب سے بھی کہلایا، اور اپنی رہائی کے لئے التماس کیا۔ اُس نے
کہا کہ:

"خاطر جمع رکھو۔ کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک بڑے نقشبندی بزرگ
نے اُس کی کشتی کو گرداب ہلاکت سے باہر نکال لیا ہے۔"

آخر تھوڑے ہی عرصے میں وہ شہزادہ قید سے بھی رہا ہو گیا اور بڑے منصب
پر پہنچا۔ [1]

اس عاجز نے یہ واقعہ خود اس شہزادے کی زبان سے سنا ہے اور اُسے آپ کا
ممنونِ احسان پایا ہے۔ اور وہ عزیز جو اس معاملے کے درمیان میں تھے بیان کرتے
ہیں کہ جب آپ نے اس شہزادے کی خلاصی کی خوشخبری سُنائی تو میں نے عرض کیا کہ آپ
جب تک وقت کا تعین نہ فرمائیں گے، خاطر جمع نہ ہو گی اور اس معاملے میں
بہت کچھ میں نے التجا کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ

"(انشاء اللہ) کل رہائی ہو جائے گی۔"

چنانچہ آپ کے فرمانے کے مطابق دوسرے دن اس کی رہائی ہو گئی۔

۱۳۔ اس سلسلہ شریفہ کے ایک دولت مند پیرزادے کو جو والدہ کی طرف
سے شاہی خاندان سے بھی تعلق رکھتا تھا مرض قولنج لاحق ہوا۔ بہت دن گزر گئے

---

[1] حضرات القدس، کرامت نمبر ۳، دیکھیں۔ کرامت نمبر ۱۹ جو عبدالرحیم خان خاناں کے
متعلق ہے وہ بھی اس سے ملتی جلتی ہے۔

بہت سے اطبّار نے علاج کیا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ وہ شخص سخت تکلیف کی وجہ سے بہت پریشان اور حیران تھا۔ دن رات میں کبھی نیند بھی نہ آتی تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنے ایک قریبی عزیز کو جو راقم الحروف کا دوست تھا۔ میرے پاس بھیجا کہ ہم آپ کے بہت ممنون ہوں گے، اور ہمارے آبار کی ارواح بھی خوش ہوں گی اگر آپ اپنے پیر دستگیر سے جو ہمارے سلسلے کے عظیم بزرگوں میں سے ہیں عرض کریں کہ وہ کسی وقت ہماری اس تکلیف کے دفعیہ کے لئے توجہ فرمائیں۔ اس حقیر نے اس کی یہ التماس اُس کے بھیجے ہوئے آدمی سے عصر کے بعد سُنی تھی، عشاء پڑھنے کے بعد اُسی رات تنہائی میں آپ سے مہربانی کی صورت دیکھتے ہوئے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ اس معاملے میں کوتاہی نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ نے جب فجر کے فرض ادا کئے تو مجھے خود ہی طلب فرما کر کان میں فرمایا کہ میں نے تہجد کے بعد اس اُس شخص کی تکلیف کے دفعیہ کیلئے کہ جس کے لئے تم نے مجھ سے التماس کی تھی، توجہ کی تو اللہ پاک کی عنایت سے وہ تکلیف دُور ہوگئی۔ اب تم جلد جا کر اس خوش خبری کو ہماری دعا کے ساتھ پہنچا دو، چنانچہ میں اُس کے گھر گیا۔ جونہی اُس نے مجھے دیکھا وہ اپنی جگہ سے اُچھل پڑا اور مجھ سے گلے ملا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں اُس نے کہا کہ میں سمجھ گیا کہ تم کو حضرت نے کس لئے بھیجا ہے اور اس سے قبل ہی میں اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ ابھی رات باقی ہی تھی کہ وہ میرا سخت درد دور ہوگیا ایسا کہ گویا کبھی بھی نہ تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ تم ہی نے ہماری التماس حضرت کے سامنے پیش کی ہے اور آپ اس وقت تہجد میں اُٹھ کر میرے لئے دعاء اور توجہ اس مرض کے لئے فرما رہے ہیں۔ اور وہ قبول بھی ہوگئی ہے اور جلد ہی آپ کا یہ مژدہ میرے پاس آئے گا۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ حقیقت حال پوری کی پوری اسی طرح ہے جو تم نے سمجھی ہے۔ مجھے حضرت ہی نے اس قضیئے کا مژدہ سنانے کو تمہارے پاس بھیجا تھا۔ الحمد للہ کہ تم اس علوّ فطرت اور خلوصِ عقیدت کے

باعث کسی نامہ و پیام کے محتاج نہیں رہے [1]

اس کرامت کے مشاہدے کے بعد وہ شخص اپنے بلند مرتبہ، پیرزادگی اور سلاطین نژادی کے باوجود آپ کی انابت میں پہنچے اور آپ کے مخلصوں اور نیاز مند دل میں شامل ہوئے۔ چنانچہ ہمیشہ پورے تواضع کے ساتھ پیدل آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے وجودِ مسعود کی اس دیار میں موجودگی کا شکر ادا کرتے۔

۱۷ ایک درویش اور اُن کی اہلیہ آپ کے مخلصوں میں سے تھا اور وہ درویش ایک کام کی وجہ سے ملتان میں رہنے لگے تھے۔ اور ان دنوں میں جب کہ آپ لاہور میں تشریف رکھتے تھے وہ درویش حاضر ہو کر قدمبوس ہوئے۔ دوسرے دن اس عاجز کے توسط سے عرض پرداز ہوئے کہ میری اہلیہ جو آپ کی مخلص ہے کئی سال سے مختلف امراض میں مُبتلا ہے کہ ایک مرض کے علاج سے دوسرا مرض بڑھ جاتا ہے، اور بہت سی دوائیں اور دعائیں جو کی گئی ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اب تو ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کی توجہ پر اُمید لگائے ہوئے ہے۔ امید ہے کہ خاص توجہ فرمائیں گے جب اس عاجز نے یہ بات عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ شفاء کے لئے فاتحہ پڑھتا ہوں اور آپ نے پھر فاتحہ پڑھا۔ اُس درویش نے مجھ سے کہا تھا کہ اُن کی اہلیہ نے بہت تاکید کی تھی کہ آپ کی خدمت میں اس قدر تضرع کرنا کہ وہ فرمادیں کہ ہاں میں اُس کو اپنی ضمانت میں لیتا ہوں۔ اور اس کے امراض کو دفع کر دیا۔ اور اب خاطر جمع رکھو۔ جب آپ ایسا فرمادیں تب ہاں سے اپنا دامن کھینچنا۔ اس عاجز نے یہ بات بھی آپ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ:

"یہ تکلیف (پابندی) طاقت سے زیادہ ہے۔ ہم فقیروں سے یہی فاتحہ اور دعا ہو سکتی ہے، اور اللہ ہی سب کچھ کرنے والا ہے۔"

---

[1] حضرات القدس۔ کرامت نمبر ۱۶

اس عاجز نے گستاخی کر کے عرض کیا کہ وہ درویش اس تکلیف (یا بندی) کو حضور کی قدرت اور مرتبے کے لحاظ سے ۔ طاقت سے زیادہ نہیں سمجھتا ، بلکہ بہت آسان سمجھتا ہے ۔ آپ خاموش ہو گئے اور دوسرے روز اس عاجز نے جرأت کر کے پھر عرض کیا کہ وہ بیچارہ امید لگائے بیٹھا ہے کہ محروم نہ ہوگا ۔ آپ پھر تھوڑی دیر خاموش رہے ، پھر تبسم فرمایا اور یہ فرمایا کہ :

"خوش ہو جاؤ ، جیسا وہ چاہتا ہے کر دیا گیا ، اُس کو تسلی دے دو"

وہ درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر رخصت ہوئے اور یہ عاجز اُن کی اہلیہ کی شفاء کی خبر کے لئے منتظر رہا ۔ چند دنوں کے بعد اُن کا خط آیا کہ :

"جب میں یہاں (ملتان) پہنچا تو اپنی اہلیہ کو بالکل صحیح اور تندرست پایا ۔ میں نے حساب کیا کہ جس دن حضرت صاحب نے فرمایا تھا ، اُسی دن سے اس کا ایک ایک مرض دُور ہوتا گیا "

اس عاجز نے آپ سے یہ بات عرض کی تو آپ مسکرائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا[1]

۱۵ب حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ کی بیاض میں اس "نو بادہ بوستانِ ارشاد" ہی کے قلم سے لکھا ہوا میں نے دیکھا کہ اُن ایام میں جب کہ طاعون کا غلبہ تھا ، لوگوں نے ایک عزیز کے متعلق ناخوش خواب دیکھے تو آپ کی خدمت میں عرض کئے ۔ آپ نے اس عزیز کو بلوا کر حصنِ حصین کا ختم پڑھنے کو فرمایا ۔ اس عزیز نے ختم پڑھ کر آپ کو اطلاع دی ۔ آپ نے فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ :

"فاتحہ پڑھتے وقت میں نے تمہارے گرد ایک قلعہ دیکھا لیکن وہ چند مقامات پر درست نظر نہیں آیا ۔ غالباً اس کے پڑھنے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے "

---

[1] حضرات القدس ۔ کرامت نمبر ۱۵

اس عزیز نے واپس جاکر پھر وہ ختم پڑھا۔ آپ نے فرمایا کہ :

"اب یہ قلعہ صحیح نظر آتا ہے"

پھر فرمایا کہ :

"عجیب معاملہ ہے۔ پہلا قلعہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ تم سے منتقل ہو کر سر گرد آگیا ہے اور پھر تمہارے بھتیجے کی طرف متوجہ ہو گیا، اور اس کا اچھی طرح احاطہ کر لیا"

وہ بھتیجا سخت بیمار تھا کہ اطباء عاجز تھے لیکن اب وہ صحت یاب ہو گیا، اور اس کے چچا بھی بعافیت رہے۔[1]

۲۶ ب مولانا محمد امین کو جو خواجہ دیوانہ سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے، ایک سخت مرض لاحق ہو گیا تھا اور مدت سے فقراء کی دعاؤں اور اطباء کی دواؤں سے کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ جب انہوں نے حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کی بزرگی کی شہرت سنی تو بہت نیازمندی اور تواضع سے آپ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا اور توجہ کی التماس کی، تاکہ شفاء حاصل ہو، اور کسی کپڑے کی بھی درخواست کی جو بطور تبرک رکھا جا سکے۔ آپ نے اُن پر توجہ فرماتے ہوئے یہ عنایت نامہ اپنے پیراہن مبارک کے ساتھ روانہ فرمایا:

"اے ہمارے مخدوم، کب تک مادرِ مہربان کی طرح اپنے لئے لرزنا چاہیئے اور کہاں تک غم و غصے سے اپنا سر کھپانا چاہیئے؟ چاہیئے تو یہ کہ خود کو اور سبھی کو مُردہ سمجھا جائے اور جمادات کی طرح اپنے آپ کو بے حس و حرکت جانا جائے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ[2]	بیشک تمہیں بھی انتقال کرنا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے[2]

[1] حضرات القدس، کرامت نمبر ۵۷

[2] الزمر (آیت ۳۰)

نفس قاطع ہے۔ اس فرصت میں قلبی بیماری کا ازالہ بہت کچھ ذکرِ کثیر سے کرنا چاہیئے کہ یہی سب سے اہم مقصد ہے اور باطنی بیماری کا علاج اس تھوڑی سی مہلت میں ربِ جلیل کی یاد ہی سے کرنا ہے جو سب سے عظیم مقصود ہے۔ لیکن جو شخص غیراللہ میں گرفتار ہے اس سے خیر کی کیا توقع ہے۔ وہ روح جو برائی کی طرف مائل ہو وہ تو نفسِ امّارہ سے بھی بدتر ہے۔ اس جگہ (یعنی اللہ والوں کے یہاں) سلامتیِ قلب کی تلاش ہے اور ہم کوتاہ اندیش لوگ روح اور قلب کی گرفتاری کے اسباب ڈھونڈنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں بیچارے بیچارے کیا کر سکتے ہیں۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا	اور اللہ نے اُن پر کچھ ظلم نہیں کیا مگر
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[۱]	وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

آپ اپنے ضعفِ ظاہری کا اندیشہ نہ کریں۔ انشاءاللہ وہ صحت اور عافیت سے بدل جائے گا۔ اس طرف خاطر جمع ہے۔ اس فقیر کا پیراہن جو آپ نے طلب فرمایا ہے وہ بھیج دیا ہے۔ آپ پہنیں اور اس کے نتائج و ثمرات سے فائدہ اٹھائیں کہ انشاءاللہ بہت برکت والا ہوگا۔

گر کہو افسانہ یہ افسانہ ہے — جس نے جانا نقد وہ مردانہ ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَكْمَلُهَا ——— (عرض کرد مولانا محمد امین نے)[۲]

وہ پیراہن پہنا تو کئی سال پرانا مرض دُور ہوگیا اور وہ پھر آپ کے مُرید ہوگئے۔

بحالہ[۳] آپ کے مخلصوں میں سے ایک فاضل جو سرہند کے حدود کے رہنے والے ہیں۔ اس عاجز سے بیان کرتے تھے کہ آپ سے ارادت کا میرے لئے یہ باعث ہوا کہ میرا ایک عزیز تھا جس سے میں بہت محبت رکھتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ سخت بیمار

---

[۱] النحل ۱/ آیت ۳۳، [۲] مکتوبات امام ربانی رح ۱/۱۴۶۔ ان کے نام مکتوب ۱/۱۹۹ بھی ہے۔
[۳] حضرات القدس (۲) حضرت نہم میں یہ کرامت نمبر ۱ ہے۔

ہوا، اور اُس کی دواؤں اور دعاؤں کے لئے اطباء اور فقراء سے میں نے بہت کچھ رجوع کیا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک شخص نے آپ کا ذکرِ خیر کیا تو میں آپ کی خدمت میں پہنچا اور توجہ کے لئے درخواست کی۔ آپ نے شفار کے لئے فاتحہ پڑھا پھر آپ اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ:

"وہ طالب علم جو اپنے مریض کے لئے فاتحۂ شفار پڑھوا رہا تھا، کہاں ہے؟"

میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:

"ہم فاتحۂ مغفرت پڑھتے ہیں۔"

میں حیرت اور غم میں مُبتلا ہو کر اپنے مکان کی طرف جو سرہند سے چند فرسخ کے فاصلے پر تھا، واپس چلا اور راستے میں یہ خیال کرنے لگا کہ یہ فاتحہ (فاتحۂ مغفرت) جو اُس عزیز کے فوت ہونے پر صراحت رکھتا ہے، اگر صحیح ہے تو یہ آپ کی بہت بڑی کرامت ہے۔ اور میں آکر ضرور آپ کا مُرید ہو جاؤں گا۔ چنانچہ جب میں گھر پہنچا تو لوگ اُس کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے طور پر وقت کا اندازہ لگایا کہ جس وقت وہ عزیز فوت ہوا تھا۔ اُسی وقت حضرتؒ کو معلوم ہو گیا تھا اور آپ نے مجھے طلب فرما کر مغفرت کے لئے فاتحہ پڑھا تھا۔ پھر جب میں واپس آیا تو آپ کا مُرید ہو گیا[1]

۱۸ب آپ کے ایک باعظمت و شوکت مخلص سے میں نے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے ایک ضروری کام پر لاہور سے بُرہان پور جانا پڑا۔ جب میں آپ کی قدمبوسی کے لئے سرہند پہنچا تو اس قدر ضعف لاحق ہو گیا کہ سوچنے لگا کہ وہاں جاؤں یا رُک جاؤں آپ نے فرمایا کہ:

---

[1] حضرات القدس (۲) کرامت نمبر ۲۷

"جب ضروری کام ہو تو جاؤ، انشاء اللہ خیریت رہے گی"

چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق عازم سفر ہوا۔ ابھی دو تین ہی منزل تک گیا تھا کہ ضعف زیادہ غالب ہو گیا، اور رات کے وقت اور بھی ضعف بڑھ گیا۔ اس ضعف کے غلبے کی وجہ سے میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ جاؤ، خیریت رہے گی۔ لیکن تعجب ہے کہ حال یہ ہے۔ اس خیال کے بعد عین اضطراب اور بے چینی کے عالم میں آپ کا دیدار ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ:

"خاطر جمع رکھو، میں نے تمہارا ضعف اُٹھا دیا ہے۔ اب تم روانہ ہو جاؤ"

جب صبح ہوئی تو (بحمداللہ) ضعف کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ جب میں دہلی پہنچا تو وہاں ایک دوست نے مجھے ایک گرم معجون کھانے کو کہی۔ لیکن اُسے کھاتے ہی وہ ضعف پھر بہت زیادہ عود کر آیا اور میں بستر پر لگ گیا۔ میں نے (تصور میں) آپ کی خدمت میں گذارش کی، اور ابھی ایک دن نہ گزرا تھا کہ میرا ایک دیرینہ دوست جو آپ کی خدمت میں رہتا تھا دروازے سے یکایک آ پہنچا۔ میں نے کہا، خیریت ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ:

"تم اپنے اس دوست کے پاس جاؤ کہ اس پر ضعف غالب ہے، چاہیئے کہ تم جیسا مہربان اور سمجھ دار شخص اُس کے ہمراہ رہے"

اور چلتے وقت آپ نے مصری کی ایک پوٹلی منگوا کر مجھے دی کہ یہ اس دوست کو دے دینا۔ چنانچہ یہ حاضر ہے۔ میں نے کہا کہ یہ مصری آپ نے میرے مرض کے دفعیہ کے لئے دوا کے طور پر بھیجی ہے۔ تو میں اسے شربت بنا کر پیوں گا۔ اطباء نے پینے سے منع کیا کہ تپ کے غلبے کے وقت میٹھی چیز اور ٹھنڈی چیز مُضر ہے۔ میں نے کہا نامعقول بات مت کہو۔ مجھے تو اس طبیبِ ربانی نے ایسا فرمایا۔ پھر تو مجبوراً (اس مصری کا) شربت تیار کرایا۔ اس کے پیتے ہی میرا آدھا ضعف ختم ہو گیا۔ دوسرے دن بقیہ مصری کا شربت پھر بنوا کر پیا تو

وہ ضعف اور تپ سب دُور ہو گئی۔ حاضرین اس واقعے سے اور اس کرامت سے حیرت میں پڑھ گئے، اور آپ کے معتقد ہو گئے۔[1]

۱۹ ایک روز یہ عاجز راقم الحروف سورۃ بنی اسرائیل کی تلاوت کے دوران جب اس آیت پر پہنچا:۔

"فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کیلئے زائد ہے قریب ہے امید ہے کہ آپ کا رب آپکو مقام محمود میں جگہ دیگا۔

تو دل میں یہ خیال آیا کہ شاید نمازِ تہجّد کو مقامِ محمود کی برکات میں کوئی دخل ہے یا نہیں۔ یہ بات حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ سے دریافت کرنا چاہیئے اس ارادہ سے میں حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ جونہی مجھے دیکھا فی الفور فرمایا کہ:

"تہجد پابندی سے پڑھتے ہو؟"

میں نے عرض کیا کہ:

"اکثر پڑھ لیتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"جو شخص چاہتا ہے کہ مقامِ محمود سے جو کہ مقامِ شفاعت ہے پوری طرح بہرہ مند ہو تو اُسے چاہیئے کہ نمازِ تہجّد کا التزام رکھے۔"

پھر آپ نے یہی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس عاجز نے قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ:

"میں اسی راز کے سمجھنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوا تھا، الحمد للہ کہ آپ کی کرامت سے بغیر عرض کئے ہوئے یہ بات معلوم ہو گئی۔"

۲۰ یہ حقیر (غفر اللہ ذنوبہ) عرض کرتا ہے کہ جن ایام میں حضرت مجددِ الفِ ثانی رح

---

[1] حضرات القدس (حضرت نہم) میں بھی یہ کرامت نمبر ۱۸ ہے۔ لیکن کچھ فرق کے ساتھ ہے ۱۲

قدس سرہ نے مجھے طریقِ رابطہ میں مشغول فرمایا تھا۔ مجھے آپ سے عشق پیدا ہو گیا تھا۔ ایک دن میں نے ایک رباعی نظم کی اور آپ کی خدمت میں پیش کی۔ وہ رباعی یہ تھی :-

اے آنکہ ملائکہ مگسِ قندِ تواند ۔۔۔ دل سوختگانِ عشق اسپندِ تواند
کانِ نمک از لعلِ تو آوارہ بکوہ ۔۔۔ عالم ہمہ در شورِ شکر خندِ تواند

آپ نے پہلا مصرع سنتے ہی فرمایا کہ :

"کسی کی تعریف اس طرح نہیں کرنی چاہیئے کہ جس سے کسی دوسرے بزرگ کی قدح لازم آئے۔ فرشتے سب بزرگ ہیں اور جمہور اہلسنت کے نزدیک اُن میں سے عام ملائکہ بھی عام انسانوں سے خواہ اولیاء ہوں یا ان کے علاوہ ہوں، افضل ہیں "مگس قند" اُن کو کہنا مناسب نہیں ہے "۔

اس عاجز نے چاہا کہ اپنے مصرع کی حمایت کے لیے مولانائے روم کا شعر پیش کروں، جو خود آپ ہی کی زبان سے ادا ہونے والا تھا۔ لیکن میں اسے معاوضہ سمجھ کر خاموش ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ :

"شاید تم نے مولانائے روم کے اس شعر پر تکیہ کیا ہوگا کہ :

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق ۔۔۔ گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

لیکن یہاں "خاصانِ حق" سے مولانائے روم کی مراد انبیاء علیہم السلام ہوں گے۔ یا اُنہوں نے اگر مبالغہ سے کام لیا ہے اور بفرضِ محال ویسا ہی سمجھا ہے تو وہ سکر کے عالم میں کہا ہوگا "۔

۱۲ آپ کے بعض ثقہ مریدوں نے بیان کیا کہ ایک سفر میں آپ ایک سرائے میں فروکش ہوئے۔ یکایک آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ :

"اس سرائے میں جیسا کہ ظاہر ہوا ہے، آج کوئی بلا نازل ہو گی اور سرائے میں رہنے والوں پر اثر انداز ہو گی۔ ہمارے ساتھیوں

کو اطلاع کر دیں کہ وہ یہ دعائے ماثورہ پڑھیں: بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اور اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کا ورد کرتے رہیں، کیونکہ جو شخص اس دعا کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ اور اُس کا اسباب محفوظ رہتا ہے۔"

آپ کے فرمانے کو ابھی دو گھڑی نہ گزری ہوگی کہ اس سرائے کے بعض کمروں میں آگ لگ گئی، اور اس قدر شدت سے پھیلی کہ لوگ اس کے بجھانے سے عاجز ہو گئے وہاں کے کمرے جل گئے اور بہت سا سامان یا تو جل گیا، یا چوری ہو گیا۔ مولانا عبدالمومن لاہوری کہ فاضل بھی تھے، اور آپ کے مخلص بھی تھے، اُن کا سامان بھی جل گیا اور وہ بھی بڑی مشکل سے آپ کی خدمت میں پہنچ سکے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ:

"کیا آپ کو اس دعائے ماثورہ کے پڑھنے کی کسی نے خبر نہیں دی؟ آپ نے عرض کیا نہیں۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو ایسا نہ کرنے پر عتاب کیا۔" لہ

غرض کہ جس جس نے وہ دعا پڑھی تھی بفضلہٖ تعالیٰ وہ اور اس کا اسباب بھی محفوظ رہا۔

۳۲ ایک اہل دل شخص جو حدود دکن میں رہتا تھا اور حضرت کی خدمت میں کبھی حاضر نہ ہوا تھا، لیکن غائبانہ طور پر آپ کے مشتاقوں اور آرزومندوں میں سے تھا اُس نے نہایت اشتیاق سے اپنی محرومی اور نارسائی سے متعلق آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ آپ نے اُسے پڑھ کر جواب دیا کہ:

"آپ کا خط پڑھتے وقت آپ کی نورانیت اُس نواح میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی نظر آئی اور امید وار کیا اللہ پاک کا بڑا شکر و احسان ہے

لہ ایضاً کرامت نمبر ۵۸ - لیکن کچھ فرق کے ساتھ ہے۔

ے اس کے بعد وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بھی ہے یہ دونوں دعائیں حدیث میں آئی ہیں دیکھئے حصن حصین۔

اس سلسلے میں :-
وہ شخص اس جواب کے پہنچنے کے ایک سال بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کچھ عرصے تک آستانہ عالیہ میں رہ کر اور آپ کی نوازشوں سے بہرہ ور ہو کر دکن واپس ہوا۔ اس کے دکن جانے کے تھوڑے دنوں بعد آپ کی بشارت کا ظہور ہوا، اور قریب ایک ہزار سے زیادہ لوگ اس کے توسط سے طریقہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے، اور ایک بہت تعداد میں لوگ صاحبِ ذوق و حال بن گئے۔ اور بکثرت لوگ فسق و فجور سے ہٹ کر صلاح و فلاح کی طرف آ گئے۔ آپ نے یہ بات اس شخص کے متعلق پانچ چھ سال پہلے ہی فرمادی تھی۔ ع

اس دَور میں نظر کے ہیں کتنے ہی دل اسیر

۲۳ ب دکن کے علاقے میں ایک خان عظیم الشان تھا اور خوانین کا سردار تھا، صلحاء و علماء اور عرفاء کے عقیدت مندوں میں سے بھی تھا ——— اور حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ سے بھی بہت عقیدت رکھتا تھا۔ اتفاق سے وہ اپنی سرداری کے عہدے سے معزول کر دیا گیا، اور بادشاہِ وقت اس سے اور اس کے بیٹوں سے زیادہ بدگمان ہو گیا۔ بلکہ یہ خوف بھی تھا کہ اُسے قتل ہی کر دیا جائے گا۔ میرے (پہلے) مرشد میر محمد نعمان سلمہ اللہ اس فقرار کے دوست یعنی خان مذکور سے واقف تھے۔ حضرت کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے اور التجا کی کہ آپ اپنی توجہ خاص فرمائیں کہ وہ اپنے عہدے پر واپس پہنچ جائے اور بادشاہ کے عتاب سے بچ جائے، میر صاحب کے عریضے کے مطالعے کے بعد حضرت نے لکھ بھیجا کہ:

"آپ کے خط کے مطالعے کے وقت وہ خان بہت عالی شان نظر آیا۔ آپ اُسے تسلی دے دیں"

جب یہ تحریر میر صاحب کو ملی تو اُنھوں نے اُسی کو خان مذکور کے پاس بھیج دیا۔ وہ شکر بجا لایا لیکن کہنے لگا کہ میرے معاملے میں کامیابی بہت زیادہ دشوار

معلوم ہوتی ہے، کیونکہ بادشاہ میرے متعلق بہت بدگمان ہے اور حاسدوں نے میرے متعلق بہت کچھ خلاف لکھ دیا ہے۔ تاہم بزرگوں کی توجہ سے عہدے کی بحالی بعید بھی نہیں۔ حضرت کی تحریر کو ابھی دس بارہ روز بھی نہ گزرے ہوں گے کہ بادشاہ کا دل اس کے لئے شفقت پر مائل ہو گیا اور پھر وہ اپنے عہدے پر بحال ہو گیا، اور اس پر زیادہ سے زیادہ عنایتیں ظہور میں آتی رہیں۔[1]

۲۴ ایک پیر سجادہ نشین بڑی طلب و نیاز مندی کے ساتھ دور دراز فاصلے سے آپ کے آستانے پر محبت کے ساتھ حاضر ہوئے، آپ کا شیوہ تھا کہ آپ کے پاس آنے والوں کے ساتھ اور بالخصوص مشائخ اور صالحین کے ساتھ آپ بہت بشاشت، تواضع اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ لیکن اس سجادہ نشین کے حق میں آپ کی عنایت اور راحت ویسی ظہور میں نہ آئی۔ بعض مخلصین نے عرض بھی کیا کہ یہ مشہور مشائخ میں سے ہیں، اور بہت اخلاص کے ساتھ بڑی دور سے اس آستانۂ عالیہ پر پہنچے ہیں۔ اس لئے ان کے حق میں حضور زیادہ کرم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

"میں بھی یہی گمان اور خیال رکھتا تھا، لیکن میں اُن کی پیشانی پر لفظ "انکار" جلی حرفوں میں لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ کیا کیا جائے؟"

ان مخلصین کو تعجب ہوا، ایک وقت گزر گیا۔ پھر آپ کے فرمانے کے مطابق ہی اس سجادہ نشین پر ویسا ہی ظہور میں آیا۔ ارشاد ہے کہ:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

۲۵ ایک درویش نے بیان کیا کہ میں ابھی حضرت کی خدمت میں نہیں پہنچا تھا کہ میں نے ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا (اس مضمون کا) کہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ

---

[1] ایضاً۔ کرامت نمبر ۱۹ سے النفح الکبیر ج ۱، ص ۳۶۔

انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحبت ہی میں بڑے کامل اولیاء سے جو صحابہ نہیں تھے افضل ہو گئے، شاید اسی ایک صحبت میں اُن پر ایک ایسی حالت طاری ہو جاتی ہوگی جو اولیاء کے تمام احوال پر شرف و فضیلت رکھتی ہو گی۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"اس سوال کا حل صحبت اور خدمت ہی سے تعلق رکھتا ہے"

وہ درویش بیان کرتا ہے کہ میں اس کے بعد آپ کی صحبت اور خدمت سے مشرف ہوا، اور پہلی ہی صحبت میں میری ایسی حالت ہو گئی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ آخر اُسی روز آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ:

"آج ہی تمہاری حالت کو بدل دیا گیا اور تمہارے احوال کی کیفیت دگرگوں ہو گئی۔ اب تم سمجھ گئے یا نہیں؟"

میں نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور اس سروِ بوستان کی خاکِ پا کے اُوپر جو انوارِ الٰہیہ سے مستفیض ہے، اپنے دل و روح کی آنکھوں کا چشمہ بہانے لگا[1]

۲۶ آپ کے بعض متقی مریدوں نے بیان کیا کہ:

"ایک اہلِ دل سید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُن پر ذکرِ قلبی نے اس قدر غلبہ کیا تھا کہ جو شخص بھی اُن کے قریب بیٹھتا تھا اُن کے دل کی آواز سنائی دیتی تھی اسی طرح جب وہ سو جاتے تو وہ آواز دُگنی سنائی دیتی تھی اُن کو بعض مشائخ سے رخصت، اجازت اور کلاہ و خرقہ بھی حاصل تھا وہ آپ سے بھی اجازت حاصل کرنے کے متمنی تھے۔"

جب آپ کو ان کے ارادے اور ذکرِ قلبی کا حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ:

"یہ شخص صاحبِ استعداد معلوم ہوتا ہے لیکن ذکرِ قلبی کے غلبے سے جو کہ جہر کی وجہ سے ہے اور بے حاصل اجازتوں کے حصول سے اس

---

[1] ایضاً۔ کرامت نمبر ۲۰

کہ مانع میں غرور پیدا ہو گیا ہے اور اس سے اس کی ترقی رُک ہو گئی ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی حالت کو سلب کر لیا جائے۔"

ابھی دو روز نہ گزرے تھے کہ اُس کا وہ ذکرِ قلبی سلب کر لیا گیا۔ اور وہ بہ تکلف اُسی حالت کو دوبارہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔ اب وہ حیران ہو کر گریہ وزاری کرنے لگا اور گویا زبانِ حال سے یہ کہنے لگا کہ۔ ع

گھر میں جو کچھ تھا وہ ظالم لے اُڑا

آپ نے چند دنوں تک اُسے اسی طرح انتظار کے پیچ و تاب میں رکھا۔ اور اُس کی خودی اور غرور کو جڑ سے نکال دیا۔ پھر اُسے بہت شفقت سے طلب فرمایا اور احوالِ مخفی میں مشغول رکھا اور فرمایا کہ:

"معاملۂ باطن (ذکر) کو مخفی ہی رکھنا چاہیئے"۔ ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند　　　که برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را [1]

۲۷ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کے چھوٹے بھائی شیخ محمد مسعود جناب خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مقبول مریدوں میں سے تھے اور صاحب کشف تھے۔ معیشت کے لیے تجارت کرنے کے لئے قندھار گئے ہوئے تھے۔ اُسی زمانے میں ایک روز صبح کے وقت آپ نے ایک خادم سے جو موجود تھا فرمایا:

"عجب معاملہ ہے۔ میں نے چاہا کہ محمد مسعود کے احوال کی طرف توجہ کروں تو آپ نے مکاشفے کی آنکھ سے بہت تلاش کیا اُسے میں نے روئے زمین پر کہیں نہ پایا۔ پھر میں نے اور بھی غور سے دیکھنا چاہا تو اُس کی قبر نظر آئی کہ وہ ابھی قریب زمانے ہی میں فوت ہوا ہے۔"

جب یہ بات لوگوں نے سُنی تو حیرت میں پڑ گئے۔ آپ کے فرمانے کے چند روز بعد اُن کی۔

---

[1] ایضاً۔ کرامت ۲۱۔ لیکن وہاں یہ شعر نہیں ہے ؎

نقشبندی قافلہ سالار ہیں عجب لوگ　　　چھپ کے پہنچاتے ہیں کعبہ کو وہ اپنا قافلہ

کے رفقاء نے آکر اُن کی وفات کی خبر پہنچائی۔ [1]

ب ۲۸ جس زمانے میں حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ اجمیر شریف میں تشریف رکھتے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ موسمِ بارش میں آیا۔ آپ اپنی عادتِ شریفہ کے مطابق قرآنِ پاک کے ختم میں مشغول ہوئے۔ پہلی رات کی تراویح، آپ نے اپنے بیس رفیقوں کے ساتھ ایک مسجد میں جو بہت تنگ تھی ادا فرمائی۔ لیکن وہاں کے تعفن کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے رفیقوں کو تکلیف ہوئی۔ نماز کے بعد آپ کی زبان مبارک پر آیا کہ:

"قرآن کے ختم (جو عموماً ۳۔۴ ختم ہوتے تھے) جن کا ارادہ کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے راتوں کی بارش سے مہلت ملی تو مسجد کے باہر (مسجد کے صحن میں) ادا کی جائے گی۔ اور یہ کیسا اچھا ہوگا۔"

اس عاجز نے ایک ساتھی سے کہا تم نے سُنا کہ آپ نے کیا فرمایا؟ اور یہ بھی فرمایا کہ:

"انشاء اللہ آخر رمضان تک رات میں بارش نہ ہوگی۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہاں تک کہ ستائیسویں شب تک کہ چار ختم قرآن ہوئے تھے۔ مطلق کوئی بارش رات میں نہیں ہوئی۔ اور ان اختتامات کے بعد اٹھائیسویں شب تک سے بارش ہونے لگی۔ اور یہ آپ کی کرامت تھی۔ [2]

ب ۲۹ یہی مسجد جس کا ذکر ہوا، اس کی ایک دیوار کمزور بنیاد کی تھی بلکہ ایک طرف کو وہ جُھک بھی گئی تھی۔ مسجد میں آنے والوں کو اس کے قریب رہنے والوں یا قریب سے گزرنے والوں کو یہی خیال ہوتا تھا کہ وہ آج کل میں گر جائے گی۔ آپ نے ایک روز خوش طبعی میں فرمایا کہ:

---

[1] ایضاً۔ کرامت نمبر ۲۹

[2] ایضاً۔ کرامت نمبر ۲۲ (سنہ ۱۰۳۲ھ کے رمضان میں ۹ رجون سنہ ۱۶۲۳ء سے شروع ہوا) آپ اجمیر شریف میں تھے۔ دیکھیں ڈاکٹر سراج احمد خاں کی کتاب (باب چہارم)

"جب تک ہم لوگ یہاں ہیں انشاء اللہ یہ دیوار نہیں گرے گی"۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ:

هَزْلُنَا جِدٌّ۔

(ہماری خوش طبعی بھی حقیقت ہے۔)

ع ہزلِ من ہزل نیست تعلیم ست

(یہ مذاق اپنا ہے فقط تعلیم)

چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ پھر جس دن آپ نے وہاں سے کوچ کیا، اور راقم الحروف وہاں ایک کام سے کچھ دیر ٹھہر گیا تو آپ ابھی ایک میل بھی نہ گئے ہوں گے بلکہ اُس کے محاذات سے پوشیدہ نہ ہوئے ہوں گے کہ وہ دیوار یکبارگی سے گر گئی۔[1]

۳۰ جس زمانے میں آپ لاہور تشریف رکھتے تھے، ایک مرتبہ نماز عشاء ادا فرمائی تھی۔ وہاں کے مکان کی ایک دیوار کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

"ہرگز کوئی شخص اس دالان کے پاس نہ آئے اور نہ یہاں سوئے"۔

حالانکہ بارش یا اس جیسی کوئی بات اُس وقت نہ تھی ایک شخص نے خوش طبعی سے راقم الحروف سے کہا کہ اس سے بھی زیادہ شکستہ مکان یہاں موجود ہیں۔ اور اس گھر میں تو کوئی ایسی خرابی معلوم نہیں ہوتی کہ اس کے گرنے کے متعلق فرما رہے ہیں۔ اُس رات کے دو حصے گزرے ہوں گے کہ یکایک وہ گھر گر پڑا۔ ایک خادمہ جو اس دالان میں سو رہی تھی وہ اس مکان کے نیچے آگئی، اور ایک دوسری خادمہ جو اس کے قریب تھی اس کے پیر پر مٹی کا ڈھیلا گرا۔ آپ نے غصّے سے فرمایا کہ:

"میں نے رات تم لوگوں سے کیا نہیں کہا تھا کہ اس مکان کے قریب نہ رہو"۔

جب اُس خادمہ کو وہاں سے (مکان کے نیچے سے) نکالا تو بحمد اللہ

---

[1] ایضاً۔ کرامت نمبر ۲۳

اُسے کوئی گزند نہیں تھا۔[1]

۳۱ب اُس علاقے کے ایک حاکم نے چاہا کہ باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کا استیصال کرے۔ مشائخ میں سے کسی ایک سے اس نے استخارہ کے طور پر ذکر کیا۔ تو انہوں نے امیر کو فتح کی خوش خبری کی اور اُن لوگوں کے قتل کی ترغیب دی۔ وہ حاکم اس بزرگ کے اشارہ کے مطابق ان لوگوں سے جنگ پر آمادہ ہوا۔ لیکن اُن سے مٹ بھیڑ کرنے سے پہلے اُس بزرگ نے احتیاطاً حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کو عریضہ لکھا اور عرض کیا کہ میں نے (اس حاکم کو) فتح کی خوش خبری دے دی ہے، اور یہ کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت نے اُن کو جواب دیا کہ:

"آپ سے مکاشفے میں غلطی ہو گئی ہے، ہمارے نزدیک معاملہ برعکس ہے۔"

لیکن چونکہ وہ حاکم بہت آگے جا چکا تھا اس لئے حضرت کا یہ ارشاد اُس تک کوئی بھی نہ پہنچا سکا۔ اس ارشاد کو ابھی تین چار دن بھی نہ گزرے تھے کہ اطلاع ملی کہ وہ حاکم اُن باغیوں سے شکست کھا کر بڑی پریشانی کے عالم میں واپس ہوا۔ اس کا عَلَم اور نقارہ بھی لُٹ گیا۔[2]

۳۲ب بادشاہِ وقت (جہانگیر) کا تیسرا فرزند (خرم۔ شاہجہان) جو اپنے تمام بھائیوں میں ممتاز تھا، کسی وجہ سے اتفاقاً اپنے والد سے نزاع پر آمادہ ہوا۔ ایک طرف تو باپ ایک بہت بڑا لشکر لے کر بڑھا اور دوسری طرف یہ فرزند اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ تیار ہوا۔ اور جنگ چھڑ گئی۔ لیکن ایک خان تو باپ کے لشکر کا ایک خاص چُنا ہوا سردار تھا۔ وہ ٹھیک جنگ کے دوران اس فرزند کے لشکر سے جا ملا۔ اسی طرح اور لوگ (سردار) بھی اسی خیال میں تھے، چونکہ

---

[1] ایضاً۔ کرامت نمبر ۵۹

[2] ایضاً۔ کرامت نمبر ۶۰

وہ شاہزادہ درویشوں اور عالموں کا دوست تھا اور ملتِ بیضا کا حامی تھا۔ اس لئے بعض بڑے بڑے بزرگوں نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ دہلی کے درویشوں اور بزرگوں نے کشف میں اس شاہزادہ کی فتح و نصرت کو معلوم کیا ہے۔ آپ اس معاملہ میں کیا فرماتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ:

"اس معرکے میں معاملہ برعکس ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن آخرکار شاہزادۂ عالی قدر کا معاملہ بعد میں بہت خوب نظر آتا ہے۔"

چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ چار یا پانچ سال تک اُسے بڑی پریشانیاں اُٹھانی پڑیں۔ پھر حق تعالیٰ نے اُسے اُس کے تمام بھائیوں پر سرفراز فرمایا اور اُسے اُس کے باپ کا جانشین بنادیا۔ یہ جانشین اپنے جانشینی دینے والے سے بہتر ثابت ہوا۔ اور اپنے سلف سے یہ خلف خوب ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمام مملکتِ ہندوستان کی بادشاہی اس قدوۂ سلاطین کو عطا فرمائی (اللہ پاک اس کو عدل و احسان کے ساتھ سلامت رکھے) پھر تو اس بادشاہ کی وجہ سے مملکت کا نظام ہی بدل گیا۔ عارفوں اور عالموں کی حرمت اور عزت بڑھ گئی اور شریعت کو زیب و زینت حاصل ہوئی۔ اسی وجہ سے راقم الحروف نے اس بادشاہ کی تخت نشینی اور جلوس کی تاریخ برجستہ یہ کہی:۔

زینتِ شرع

۱۰۳۷ھ

اللہ تعالیٰ اس ملکِ اسلام کی فتح و نصرت کو شریعتِ سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زینت بخش بنائے۔ (آمین)

فصل نہم

آپ کی وفات کا بیان

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سنہ ۱۰۲۴ھ تھا۔ اور عمر شریف بشمار "احمد" ترین سال کی تھی کہ آپ نے بعض خاص احباب سے فرمایا کہ:

"ایسا معلوم ہوا ہے اور الہام کیا گیا ہے کہ میری قضائے مبرم تریسٹھ سال ہے۔"

آپ اس بات سے بہت خوش تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی عمر کے معاملے میں بھی انشاء اللہ نصیب ہوگی۔ اور سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی عمروں کے ساتھ بھی مطابقت میسر ہوئی۔

سنہ ۱۰۳۲ھ میں آپ نے اجمیر شریف میں فرمایا کہ:

"میرے انتقال کے قرب کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں۔ آپ نے اپنے فرزندان گرامی سلمہم اللہ تعالیٰ کو سرہند سے بلوایا کہ میری عمر کے ختم ہونے کا زمانہ قریب آرہا ہے۔"

وہ فرزندان گرامی اس اطلاع کے ملتے ہی حاضر خدمت ہوئے، عتبۂ عالیہ کی تقبیل کے حصول کے بعد آپ نے چند روز کے لئے دونوں فرزندوں (خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ) کو خلوت میں بلا کر فرمایا کہ:

"مجھے اب کسی طرح سے اس دنیا سے وابستگی نہیں رہی۔ اب مجھے اُس دنیا میں جانا چاہیئے۔ اور جانے کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں۔"

جب یہ دونوں فرزند خلوت سے باہر آئے تو اس عاجز کو اُن کے چہروں سے

دل تنگی اور غم کے آثار نظر آئے اور اُن دونوں کو گریہ گلو گیر تھا۔ مجبوراً میں نے گستاخی کر کے اس کا سبب پوچھا۔ چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اس عاجز (عاشق شیدائی) کو ایسی خبر سے سخت بے آرامی اور بے چینی ہو گی۔ اس لئے اُس خلوت میں کہ جہاں اس بات کا اظہار فرمایا تھا۔ آپ نے مجھے نہیں بُلایا۔ اور اس کے اظہار سے خود کو علیحدہ رکھا۔ لیکن جب آپ نے فرزندانِ گرامی کے حزن و ملال کو اس واقعے کی وجہ سے بہت زیادہ بڑھا ہوا دیکھا - اور پھر آپ پر ظاہر بھی ہوا کہ ابھی ایک سال کی مدت باقی ہے تو آپ نے پھر اپنے فرزندانِ گرامی کو طلب فرما کر بتایا کہ :

"مجھے کسی کام کے انجام دینے کے لئے مزید مہلت دی گئی ہے"

پھر تو وہ دونوں فرزند بہت ہی خوش ہوئے اور اس وقت اُنہوں نے وہ واقعہ مجھے بتایا جس سے میری آنکھوں کے چشمے بہنے لگے۔ لیکن چونکہ اس خوش خبری سے جو آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئی، فرزندانِ گرامی اور یہ عاجز بھی بہت مسرور ہوا تو اب کئی برسوں (کی حیات) کے لئے اُمید بندھ گئی۔

یہ بات بھی اتفاقاتِ غیبیہ میں سے ہے کہ جن ایام میں آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے روضۂ شریفہ کی زیارت کو تشریف لے گئے تو بہت دیر تک ان کے مزارِ اقدس کے سامنے مراقب رہے۔ جب آپ باہر آئے تو فرمایا کہ :

"حضرت خواجہ نے بہت زیادہ شفقت اور کرم فرمایا اور اپنے خاص تبرکات سے نوازا، بہت سے اسرار و معارف کا ذکر فرمایا اور ان فرمودات میں سے یہ ایک ہے، فرمایا کہ اس لشکر سے اپنی رہائی کی کوشش نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر (یہ معاملہ) چھوڑ دیں۔" [1]

---

[1] ایضاً (حضرت ششم) مکاشفہ ۳۸

اسی موقع پر حضرت خواجہ اجمیری قدس سرّہٗ کے مزارِ اقدس کے خادم لوگ حاضرِ خدمت ہوئے اور حضرت کی دست بوسی سے مشرف ہوئے اور حضرت خواجہ کا قبر پوش جو سال میں ایک مرتبہ لگایا جاتا تھا، اور پرانے قبر پوش کو یا تو کسی بڑے پیر و مرشد کو بھیج دیتے تھے، یا بادشاہِ وقت کو دے دیتے تھے، یا پھر تبرکاً اُسے موتی اور جواہر کی طرح صندوق میں محفوظ رکھتے تھے۔ اُسی دن انہوں نے وہ قبر پوش اتار کر آپ کی خدمت میں حاضر کیا، اور عرض کیا کہ آپ سے زیادہ اس کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟ آپ نے ادب کے ساتھ اُسے قبول کیا اور اپنے خادم کے حوالے کرتے ہوئے ایک آہ سرد کھینچی، اور فرمایا کہ:

"اس سے زیادہ نزدیک حضرت خواجہ سے اور کونسا کپڑا ہو سکتا ہے؟ اس لئے وہ مجھے عنایت کیا گیا۔ اب اسے میرے کفن کے لئے سنبھال کر رکھو۔"

اسی زمانہ میں ایک رات تہجّد کے وقت یہ عاجز آپ کے حجرۂ خاص کے قریب آکر آستانہ کے قریب دوزانو بیٹھا ہوا خیال میں گم تھا کہ یکایک حجرے کی طرف سے ایک دردناک اور گریہ آلود آواز سنائی دی۔ میں نے دروازے کے سوراخ پر کان رکھ کر ایسا سُنا کہ آپ بڑی رقّت کے ساتھ یہ شعر پڑھ رہے تھے، اور اپنے دیدۂ حق بیں سے اشکِ نیاز بہاتے جا رہے تھے۔ وہ شعر یہ تھا ؎

با دو روزِ زندگی جامے نہ شد سیراز غمت
وہ چہ خوش بودے کہ عمرِ جاودانی داشتے [1]

جب آپ نے اس سفرِ سعادت اثر سے سرہند کو واپسی فرمائی تو اپنے مکانات کے قریب لیکن صاحبزادوں سے کچھ دُور ایک گوشہ میں قیام فرمایا اور سوائے پنجگانہ نماز و نما

---

[1] ؎ تیرے غم کے جام سے سیری کہاں اس عمر میں
کاش عمرِ جاوداں ہوتی تو لطف آتا بہت

اور نمازِ جمعہ کے جو مسجد میں ادا فرماتے تھے کہیں باہر تشریف نہ لے جاتے تھے۔ اور آپ کی اس گوشہ نشینی کے وقت جہاں انوار و اسرار پھوٹتے تھے کسی شخص کو سوائے صاحبزادوں کے اور اس حقیر اور دو تین خدمت گزار درویشوں کے، وہاں پہنچنا میسر نہ تھا۔ ایک دن گوشہ نشینی کے آغاز میں آپ نے آہِ سرد کھینچی اور شیخ الاسلامؒ کے اس قول کو یاد فرمایا کہ:

"جب ابو علی دقاقؒ اپنے مشرب میں عالی مقام ہو گئے تو اُن کی مجلس، خَلق سے خالی ہو گئی۔"[1]

چنانچہ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ اپنی عمر کے اواخر میں اس قدر عالی مشرب ہو گئے تھے کہ اُن کے کامل مُرید بھی طفلِ نو آموز کی طرح معلوم ہوتے تھے۔

ان ایام میں جب بعض احباب کو آپ مکتوب لکھتے تھے تو (دُنیا سے) استعفاء کا کلمہ اکثر لکھتے تھے، اور بعض مکتوبات میں صراحت بھی فرما دیتے تھے کہ:

"اب عمر کا آخری وقت ہے، دیکھئے کیا گزرے۔"

اسی زمانے میں صوبہ دکن (جس میں برہان پور بھی شامل تھا) بادشاہوں (شاہزادوں وغیرہ) کی سیاست و بغاوت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ تو اس عاجز راقم الحروف کو خیال گزرا کہ وہاں سے بچوں کو لے آؤں اور حضرتؒ کے قدموں میں پہنچا دوں، آپ نے ناچار اجازت (رخصت ہونے کی بھی) دے دی۔ نہایت غم و اندوہ کے ساتھ رخصت کے وقت عرض کیا کہ دُعا فرمائیں کہ میں جلد ہی اس آستانہ عالیہ اور ملجاءِ حق پرستاں پر پہنچ جاؤں، آپ نے آہ کھینچی اور فرمایا کہ:

"دُعا کرتا ہوں کہ آخرت میں ہم دونوں یک جا ہو جائیں۔"

اس بات سے میرے ہوش اُڑ گئے۔ لیکن چونکہ میرے مقدر میں محرومی لکھی ہوئی تھی قضا سے مقاومت نہ کر سکا۔ ناچار آنسو برساتا ہوا اور اشعارِ حسرت نشاں پڑھتا ہوا

---

[1] خواجہ عطار کے تذکرۃ الاولیاء (باب ۸۶) میں یہ واقعہ درج ہے۔

رخصت ہوا، اسی موقع کی دو رباعیاں یہ ہیں :۔[1]

سکیں گمسے حلقۂ ہر در می زد   ہر سو طلبِ سراغِ شکّر می زد
چوں یافت دکانِ قند بادش بر بعد   می رفت و دریاس دست بر سر می زد

حرفے نہ شگفتہ از دبستاں رفتیم!   صبحے نہ شگفتہ از گلستاں رفتیم
آوخ کہ چو آہِ سرد اصحاب خمار   ناخوردہ شراب از دلِ مستاں رفتیم

۱۰۳۴ھ کے رجب کے اواخر میں یہ عاجز رخصت ہوا، اور اُس زمانے سے آپ کے وصال تک کہ سات ماہ کی مدت گزری، جناب شیخ بدر الدین سرہندی جو آپ کے مقبول اصحاب میں سے ہیں، اُن کی اور صاحبزادگان عالی شان کی مدد سے ان سات ماہ کے احوال لکھتا ہوں، یعنی آپ کے وصال کے قبل اور بعد کے حالات ان بزرگوں سے معلوم کر کے اور انتخاب کر کے لکھتا ہوں اور بعض فوائد بھی شامل کرتا ہوں کہ زبان ان کے بیان سے ساکت ہو جاتی ہے۔

اس سال نصف شعبان کو (پندرھویں شب کے آخری حصے میں) کہ جس شب کا ذکر سورۃ الدخان (آیت ۳) میں ہے :۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝   بیشک ہم نے اسے مبارک رات میں اتارا بیشک ہم ڈر سنانے والے ہیں)۔

آپ خلوت خانہ میں عبادت میں مصروف تھے، پھر ناگاہ آپ اس مکان میں تشریف لے گئے، جہاں بچے اور اُن کی والدہ ماجدہ تھیں، اس وقت والدہ ماجدہ کی زبانِ مبارک پر بلا تکلف یہ بات آئی کہ :

”یہ رات، آجال و آمال کی رات ہے، معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے کس نام کو ورقِ ہستی سے مٹایا ہو گا اور کس کے نام کو ثابت رکھا ہو گا۔“

---

[1] یہ واقعہ حضرات القدس (حضرت نہم) میں کرامت نمبر ۹۲ کے ذیل میں ہے۔

حضرت نے جب یہ بات سُنی تو فرمایا کہ:

"تم تو شک اور تردد سے کہتے ہو۔ لیکن اُس شخص کا حال کیا ہو گا جس نے خود دیکھا ہے کہ اُس کا نام اس دنیا کی زندگانی کے صحیفے سے مٹا دیا گیا ہے۔"

یہ ہوش رُبا راز ظاہر فرما کر ایک آہ اپنے دلِ پُر اسرار سے کھینچی۔[1]

اسی زمانے میں جب کہ آپ نے عزلت اور گوشہ نشینی اختیار کی تھی آپ کے بعض قریبی تعلق والوں اور محرمانِ خاص نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ عیال سے بے تعلقی اور خلق اللہ سے انقطاع اور تبتّل کی وجہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"اس کا سبب یہ ہے کہ میں اس دنیا سے اپنی رحلت کا وقت بہت قریب دیکھ رہا ہوں، اور جب یہی بات ہے تو پوری طرح سے، تنہائی انقطاع اور مکمل طور پر استغفار اور توبہ سے اُنس رکھنا ضروری ہے اور اپنے پورے وقت کو ظاہری اور باطنی عبادات میں صرف کرنا لازم ہے۔ چنانچہ یہ مقصد بغیر مکمل انقطاع کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس تم سب لوگ مجھ سے دست بردار ہو جاؤ اور مجھے اللہ کے حوالے کر دو۔"

اسی زمانے میں ایک دن آپ حرم سرا کی دہلیز پر لیٹے ہوئے تھے ناگاہ فرمایا کہ:

"موسم سرما جو دو ماہ کے بعد آنے والا ہے یہاں ہم نہیں لیٹیں گے۔"

حاضرین نے عرض کیا کہ آپ اپنے خلوت خانہ خاص میں آرام فرمائیں گے۔ فرمایا کہ:

"نہیں اور نہ ان مکانوں کے علاوہ کسی اور جگہ۔"

پھر عرض کیا کہ پھر کہاں؟ فرمایا کہ،

"دیکھیں کیا ہوتا ہے!"

---

[1] ایضاً۔ کرامت نمبر ۸۸

ماہ ذی الحجہ کے وسط میں جب کہ میزان کا آغاز تھا آپ پر ضیق النفس کا غلبہ ہوا، اسی زمانے میں ایک دن آپ نے فرمایا کہ:

"حضرت شیخ الجن والانس سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو میں نے مراقبے میں دیکھا کہ مجھ پر بہت زیادہ عنایت فرمائیں اور اپنی زبان مبارک میرے منہ میں دے دی اور فرمایا کہ لوگ میرے شعر اور میرے اس قول پر حیرت کرتے ہیں:

شعر یہ ہے ؎

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا ۔ اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

(متقدمین کے سورج ڈوب گئے لیکن ہمارا سورج ابد تک اونچا افق پر درخشاں رہے گا)۔

قول یہ ہے:-

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ ۔ میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔

آپ اس شعر اور اس قول کا حل لکھ دیں کہ اس ضعف سے صحت ہو جائے گی۔"

لیکن آپ پر چونکہ اس بیماری میں اللہ پاک کے دیدار کا شوق غالب تھا، اور اس شوق کی وجہ سے آپ پر گریہ طاری تھا، اور اس ضعف کی حالت میں مسلسل آپ اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی کی دعا پڑھ رہے تھے۔ اس لئے فرماتے تھے کہ:

"اگر کوئی طبیب یہ کہہ دے کہ تمہارا یہ مرض اب علاج پذیر نہیں ہے تو میں شکریہ کے طور پر فقراء کو روپے تقسیم کر دوں"

غرض کہ اس شوق اور اشتیاق کی شدت کی وجہ سے حضرت عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے حکم پر وہ شرح نہ لکھ سکے لیکن چونکہ حضرت عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی زبان مبارک سے آپ کے حق میں لفظ صحت ادا ہوا تھا اس لیے اس درمیان میں چند روز کے لیے صحت ہو گئی تھی اور اس طرح متوسلین و معتقدین کو کچھ راحت مل گئی تھی لیکن اس چند روزہ صحت کے زمانے میں آپ نے ساتھی

امراض اور شدائد کو بہت اشتیاق کے ساتھ یاد فرماتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے تھے کہ:

"اُس ضعف کی شدت میں مجھے ایسی لذت اور حلاوت حاصل تھی کہ اس چند روزہ صحت میں نصیب نہیں"

اس زمانے میں آپ بہت زیادہ صدقہ و خیرات کرتے رہے لیکن آپ کا ایک مخلص جو آپ کے وصالِ رفیقِ اعلیٰ کے شوق کو دیکھ چکا تھا اور زندگی سے آپ کی نااُمیدی کا بھی مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس صدقہ و خیرات سے گمان کرنے لگا کہ اس طرح بلیات کا دفعیہ ہو جائے گا۔ وہ عرض کرنے لگا کہ وہ کیسا ہے؟ آپ نے ہندی اشعار میں سے ایک مصرع پڑھا کہ:۔

آج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دیتوں وار

یعنی آج محبوب سے وصال کا دن ہے تو اے دوست اس خوشی میں تمام عالم کو قربان کرتا ہوں۔

پھر ۱۲ محرم الحرام کو آپ نے فرمایا کہ:

"ابھی مجھے بتایا گیا ہے کہ چالیس اور پچاس دنوں کے اندر تمہیں اس دُنیا سے اس جہان میں اٹھانا چاہیئے۔ میری قبر بھی بتائی گئی"

اس خبر سے سب لوگ غم و اندوہ میں مبتلا ہو گئے اور سب کے زخم جگر ہرے ہو گئے۔

انہی دنوں میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ اور خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن آپ کو روتے ہوئے دیکھ کر اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ:

"شوقِ وصالِ حضرتِ ذوالجلال"

عرض کیا کہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اس دنیا میں اُن کے اختیار پر چھوڑ رکھتا ہے اور جب اُن کی آرزو پوری ہو جاتی ہے تو اُنہیں اُٹھا لیتا ہے۔

حضرت کی گفتگو سے مخدوم زادوں کی حالت متغیر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ:

"اے محمد سعید، کیا حضرت حق تعالیٰ سے شرماتے ہو"

اُنہوں نے عرض کیا کہ اپنے احوال پر افسوس کرتا ہوں اپنے دلِ پُر درد کی گرانی سے کہ وہ جانِ پُر اندوہ و پُر درد کی بھٹی بنا ہوا ہے، پھر عرض کیا کہ اے پدر بزرگوار، آپ کی یہ بے شفقتی اور بے التفاتی ہمارے حق میں کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:

"حق تعالیٰ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے لیکن میری شفقت اور اعانت تم لوگوں کے لئے میرے انتقال کے بعد اس دُنیا کی میری شفقت سے زیادہ ہو جائے گی، کیونکہ اِس دنیا میں بعض اوقات علائقِ بشری ہی اعانت و توجہ کے لئے مانع ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد فراغت بھی ہے اور تجرّد بھی۔"

اور اُس دن سے جب کہ آپ نے دنوں کے متعلق اپنا مکاشفہ بتایا تھا (کہ چالیس، پچاس دن کے اندر رخصت ہونا ہے) آپ ان دنوں کا شمار کیا کرتے تھے، چنانچہ ۲۲ر صفر کی شب کو تمام غمزدہ احباب کی موجودگی میں فرمایا کہ:

"آج چالیس دن پورے ہوتے ہیں، دیکھئے ان سات آٹھ دنوں میں کیا ہوتا ہے۔"

اور آپ نے مخدوم زادوں سے بھی فرمایا کہ:

"اس چندروزہ صحت کے زمانے میں جو مجھے حاصل ہوئی ہے، ہر کمال جو بنی نوع انسان کے لئے ممکن ہو سکتا ہے اور تصور میں آسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں مجھے عطا فرما دیا ہے۔"

آپ کے اس جملے سے مخدوم زادگان بہت پریشان ہوئے کیونکہ اس قول میں وہ رمز تھا جو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اِس آیتِ مبارکہ کے نزول سے سمجھا تھا کہ:۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (المائدہ: آیت ۳)

یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ سلم کا ارتحال۔ ع

ع زمشکِ زلفِ تو بوئے شبِ فراق آمد
(تمہاری زلف کی خوشبو سے آئی بوئے فراق)

پھر پنجشنبہ ۲۳ صفر کو آپ نے درویشوں کو کپڑے تقسیم کئے۔ چونکہ آپ کے بدن پر روئی والا کوئی کپڑا نہیں تھا، اس لئے ٹھنڈی ہوا نے اثر کیا اور بخار پھر آگیا اور آپ پھر صاحبِ فراش ہو گئے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیماری سے صحت پا کر تھوڑے ہی وقفے بعد پھر علیل ہو گئے تھے اور انتقال فرمایا تھا (جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے)۔ آپ کو اس معاملے میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی حاصل ہوئی۔ اور اس ضعف سے پہلے آپ نے خادم سے فرمایا تھا کہ:

"اتنے (روپے) کے کوئلے، انگیٹھی کے لئے لاؤ، تھوڑی دیر کے بعد خادم کو قریب بلا کر نصف رقم کے کوئلے لانے کی ہدایت فرمائی، اور فرمایا کہ میرے دل میں واعظ نے کہا کہ اس قدر کوئلے سلگانے کی فرصت کہاں ہے؟ پھر فرمایا کہ اچھا اُتنے ہی لے آؤ کہ وہ دوسرے کام میں آجائیں گے۔"

جب وہ لے آیا تو آپ نے اپنے لئے تھوڑے سے لے لئے اور بقیہ کو بچوں کے لئے بھیج دیا۔ اور جس قدر کہ اپنے لئے علیحدہ کر لئے تھے، وہ انتقال کے روز تک پوری طرح کام آئے۔ اس ضعف کے عالم میں آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بیش از بیش علوم عالیہ کی تعلیم دی۔ ایک روز آپ حقائق کی باریکیوں کے بیان کرنے میں بہت سرگرم تھے تو مخدوم زادہ محمد سعید سلمہ اللہ نے عرض کیا کہ ضعف کی وجہ سے آپ اس قدر بیان کے متحمل نہ ہوں گے۔ اس لئے ان معارف کو کسی اور وقت اور کسی اور فرصت تک موقوف فرمائیں۔ آپ نے فرمایا:

"اے بیٹے، وقت کہاں ہے اور فرصت کسے ہے؟ دوسرے وقت جیسا کہ میں جانتا ہوں اس قدر بیان کی طاقت بھی نہیں رہے گی۔"

ضعف کے غلبے کے دنوں میں بھی آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، صرف آخری چار یا پانچ روز آپ نے تنہا نماز پڑھی ہے، اور سب لوگوں کے ساتھ آپ ادعیہ، اوراد اور ذکر و مراقبہ میں کبھی کمی نہ فرماتے تھے۔ اور شریعت و طریقت کا کوئی دقیقہ آپ نے فروگذاشت نہیں کیا آخری شب کے آخری ثلث میں آپ نے اُٹھ کر وضو کیا، اور تہجد کی نماز کھڑے ہو کر ادا کی اور فرمایا کہ:

"یہ ہماری آخری تہجد ہے۔"

اور ایسا ہی ہوا کہ پھر کوئی اور تہجد میسّر نہیں ہوئی، کیوں کہ وقت آخر آگیا اور تہجد ختم ہوئی۔

وصال سے کچھ پہلے آپ کو غشی طاری ہوئی تو اس کی کمی کے وقت بڑے صاحبزادے (محمد سعید) نے پوچھا کہ:

"یہ غشی، ضعف کی وجہ سے ہوئی تھی یا استغراق کی وجہ سے ہوئی تھی کہ بعض معاملات درمیان میں ہوں گے، میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ پر بھی تمام و کمال مکشوف و مشہود ہو جائیں۔"

پھر آپ نے بعض اسرار کے غوامض اپنے بڑے فرزندوں کو بتائے۔ اور جب غشی سے ضعف کی وجہ سے آپ کو افاقہ ہوتا تو آپ اپنے خستہ جگر درویشوں کو درد انگیز اور وداع اثر وصیتیں فرماتے۔ وہ وصیتیں زیادہ تر سنّت کی پیروی کی تحریص اور ترغیب سے متعلق ہوتیں۔ اجتناب بدعت اور دوام ذکر و مراقبہ کے لئے ہوتیں، آپ فرماتے کہ:

"سنت کو بہت مضبوطی سے پکڑ و۔"

گویا یہ وصیت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے لئے فرماتے تھے۔ اسی طرح کی وصیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وصال کے وقت فرمائی تھی چنانچہ ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

"ترجمہ۔ کہا انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وعظ و

نصیحت فرمائی جس سے دل دہشت کھا گئے اور آنکھیں بہنے لگیں ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ، یہ تو گویا وداع کرنے والی نصیحت معلوم ہوتی ہے، تو آپ ہم کو وصیت کیجئے، فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی، اگرچہ تم پر غلام ہی کیوں حکومت نہ کرے، جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا، اختلاف کثیرہ دیکھے گا، سو تم میری اور میرے خلفاء راشدین مہتدین کی سنت دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور نئی نئی باتوں سے بچنا، کیونکہ بدعتیں گمراہی ہیں۔"

انہی وصیتوں میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلدِّیْنُ ھِیَ النَّصِیْحَۃُ کے مصداق، نصیحت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ اس لئے تم بھی دین کی معتبر کتابوں سے طریقِ متابعت سیکھو اور اُس پر عمل کرو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

"میری تجہیز و تکفین میں سُنتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی پوری پوری رعایت رکھنا۔"

اور اس وصیت سے پہلے آپ نے صاحبزادوں کی والدہ ماجدہ سے وصیت فرمائی تھی کہ:

"چونکہ میری رحلت اس دُنیا سے آپ سے پہلے معلوم ہوتی ہے اس لئے چاہیئے کہ اپنے مہر میں سے میری تجہیز و تکفین کریں۔"

آپ نے ایک وصیت یہ بھی فرمائی تھی کہ:

"میری قبر کسی گمنام جگہ پر کھودنا۔"

مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ جس شرافت و برکت والی جگہ میں کہ ہمارے بڑے بھائی (خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ) آپ کے فرمانے پر دفن ہوئے ہیں۔ وہیں نا؟ آپ نے فرمایا:

"میری قبر اُس (گمنام) زمین میں ہوگی۔"

عرض کیا کہ:

"آپ نے تو جگہ کا بھی تعین فرما دیا تھا اور اب ایسا فرما رہے ہیں فرمایا کہ ہاں، ایسا ہی تھا۔ لیکن اب مجھے ایسا شوق ہوا ہے۔"

لیکن جب فرزندوں کا اس تجویز کے قبول کرنے میں توقف دیکھا تو فرمایا کہ:

"اگر ایسا نہیں کرتے تو شہر کے باہر میرے والد بزرگوار کے قریب دفن کر دینا۔ یا شہر کے باغ میں دفن کر دینا۔ اور میری قبر کو خام رکھنا، تاکہ تھوڑے ہی عرصے میں اُس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔"

راقم الحروف کہتا ہے کہ آپ کا یہ فرمودہ (کہ میری قبر کو خام رکھنا) فنائے اتم کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ کہ آپ متخلق باخلاق حضرت بے نشان ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس بات کی تائید میرے اس واقعے (خواب یا مکاشفہ) سے ہوتی ہے کہ میں نے آپ کے انتقال سے پہلے دیکھا تھا۔ یعنی یہ کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے اور میں ہر طرف "اَیْنَ احمد اَیْنَ احمد" کہتا ہوا پھر رہا ہوں۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا کہ یہاں ایک بڑی مسجد ہے جس میں آپ کی قبر ہے جب میں اُس مسجد میں آیا تو وہاں سوائے ایک نشان کے جو لمبائی اور چوڑائی میں قبر کی صورت میں تھا اور کچھ نہ تھا۔ اور لوگوں نے بتایا کہ آپ کی قبر یہی ہے اور سوائے اس کے کوئی اور نشان نہیں ہے۔ مجھے اس وقت یہ تعبیر بھی سمجھ میں آئی کہ یہ آخری نسبت اہل اللہ علیہ کی فنا و بقا کی نسبتوں میں سے ہے، جیسا کہ آپ نے بھی اس حال کی تصریح ایک مکتوب[1] میں فرمائی ہے کہ جس کا عنوان ہے۔ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ۔[2]

اس واقعے (خواب) کے تھوڑے عرصے کے بعد آپ نے رحلت فرمائی۔ اور اس کی تعبیر ایسی ہی ہوئی۔

---

[1] دفتر سوم۔ مکتوب نمبر ۵۳ [2] حوالہ آیت پ ۲۹ ع ۱۹

جب یہ عاجز برہان پور گیا تو ماہِ صفر کے اواسط میں کہ جس ماہ میں آپ نے رحلت فرمائی آپ کے مخلصین میں سے ایک درویش نے آ کر مجھ سے کہا کہ میں نے واقعہ (خواب) میں دیکھا کہ ایک شجرۂ عظیمہ انتہائی سرسبزی، ثمرداری اور بلندی میں گویا آسمان تک پہنچا ہوا ہے، اور اس میں اتنی شاخیں ہیں کہ اس کے سایہ میں ہزار آدمی آرام کر سکتے ہیں۔ یکایک ایک تند آندھی سے زمین پر آ گرا اور لوگ افسوس اور گریہ وزاری کرنے لگے ۔

شورے برخاست کہ دامنِ محفل بشکست　　　گریہ زد جوش کہ آبلۂ دل بشکست

(شور اٹھا کہ کہیں دامنِ محفل چھوٹا　　　گریہ آیا کہ کہیں آبلۂ دل پھوٹا!)

یہ فقیر دل ریش اس درویش کے اس خواب سے سخت ہراساں تھا کہ چند روز کے بعد آپ کی وفاتِ حسرت آیات کی خبر پہنچی۔ جب میں نے حساب کیا تو آیۂ کریمہ کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کے مصداق اسی دن کے لئے وہ خواب ایک اشارہ تھا۔ کیونکہ آپ سراپا متبع شریعت کے تھے ۔

اب میں اُن (مذکورہ بالا) وصیتوں کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ جب آپ نے اپنی قبر کے لئے دو تین جگہ کے تعین پر اپنے فرزندانِ گرامی کا تامل بلکہ حیران ہونا دیکھا تو پھر آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ:

"اچھا تم لوگوں کو اختیار ہے، جیسی صلاح ہو دفن کر دینا"

شبِ سہ شنبہ ۲۹ر صفر (۱۰۳۴ھ) کو کہ جس کے بعد والے دن کے وقت آپ کا وصال ہونے والا تھا تو آپ نے اپنے خادموں سے کہ جنہوں نے رات رات بھر تیمارداری کی تھی، فرمایا کہ:

"تم لوگوں نے بڑی تکلیف اٹھائی ہے، بس اب اسی ایک شب کو اور تکلیف اٹھانی ہے"

آخر شب میں فرمایا:

"اَصْبِحْ لَيْل"　　　اے رات تو صبح کیوں نہیں ہو جاتی ۔

پھر اس دن چاشت کے وقت آپ نے پیشاب کرنے کے لئے طشت منگوایا۔

خادم طشت لایا تو اُس میں ریت نہیں تھی سو فرمایا کہ:

"قطروں کے اُچھلنے کا احتمال ہے"

لیکن اُس وقت کچھ توقف کرنا مشکل تھا، اس لئے آپ نے پیشاب نہیں کیا اور فرمایا کہ:

"یہ طشت لے جاؤ"

کسی نے کہا کہ حکیم کو قارورہ دکھلانا چاہیئے۔ آپ نے ایسا سُن کر فرمایا کہ:

"میں وضو نہیں توڑتا اور پیشاب نہیں کرتا، مجھے فرش پر لٹادو"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بے شک آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ تھوڑی دیر بعد انتقال کر دوں گا اور وضو کرنے کی فرصت نہ ہوگی، اس لئے وضو نہیں توڑا۔ اور طہارت کے ساتھ آپ نے انتقال فرمایا۔

جب آپ کو بستر پر لٹادیا گیا آپ نے طریقۂ مسنونہ کے مطابق اپنے داہنے ہاتھ کو رخسار کے نیچے رکھ لیا اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔

بڑے صاحبزادے (محمد سعیدؒ) نے آپ کی سانس جلدی جلدی چلتے دیکھ کر آپ سے عرض کیا کہ آپ کا حال شریف کیسا ہے؟ فرمایا کہ:

"ہم اچھے ہیں"

پھر فرمایا کہ:

"وہ دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھ لی ہے وہ (انشاءاللہ) کافی ہے"

اس کے بعد آپ نے کوئی بات نہیں کی سوائے ذکرِ الٰہی کے۔ پھر ایک لمحہ کے بعد جان، جانِ آفریں کو سُپرد کر دی۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً اَبَدِیَّۃً۔

یہ بات ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کا آخری کلام نماز پر ہوا ہے۔ لہٰذا آپ نے اس معاملے میں بھی انبیاء علیہم السلام اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔

یہ واقعۂ عظیمہ سہ شنبہ کے دن، چاشت کے وقت، دن کے ایک پاس پر (یعنی دن کے تین گھنٹے گزرنے پر) ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ کو رونما ہوا۔ حسابِ شمسی سے

دہ نصف حبک کا وقت تھا) اور ماہ ربیع الاوّل جو ماہِ نبوی ہے اُس کی پہلی شب میں آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ کے ضعف اور تپ کے ایام آپ کی عمر شریف کے موافق ۶۳ ہوئے۔ اور یہ بات حدیث صحیح کے مضمون ——

حُمّیٰ یَوْمٍ کَفَّارَۃُ سَنَۃٍ۔ بخار ایک دن کا کفارہ ایک سال کا ہوتا ہے۔

کے مطابق ظاہر ہوئی۔

جب غسال نے آپ کے جسم پُر انور کو تختۂ غسل پر رکھا اور کپڑے علیحدہ کئے تو سب حاضرین نے دیکھا کہ آپ نماز کے طریقے پر اپنے ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔ اور اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور اُس کے بعد کی تیسری اُنگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کے گرد حلقہ کئے ہوئے تھے۔ [1] حالانکہ صاحبزادوں نے وفات کے بعد آپ کے ہاتھوں کو لمبا کر دیا تھا۔ تختے پر لٹایا گیا تو آپ مُسکرا رہے تھے اور دیر تک اسی طرح مسکراتے رہے، لوگ رونے لگے، لیکن یہ واقعہ اس قطعہ (سعدیؒ) کے مطابق تھا کہ:-

یاد داری کہ وقتِ آمدنت   ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں
پس چناں زی کہ وقتِ رفتنِ تو   ہمہ گریاں شوند و تو خنداں [2]

{ یاد ہے جب کہ تم ہوئے پیدا   سبھی ہنستے تھے، تم تو روتے تھے }
{ اب رہو اس طرح کہ مرتے دم!   سبھی روتے ہوں، تم رہو ہنستے }

غسال نے آپ کے دونوں ہاتھ کشادہ کر کے سیدھے کئے، بائیں کروٹ پر لٹا کر داہنی کروٹ پر غسل دیا، پھر جب داہنی کروٹ پر لٹا کر چاہا کہ بائیں کروٹ پر غسل دے تو حاضرین نے دیکھا کہ آپ کے دونوں ہاتھ تھوڑی حرکت سے کہ وہ ولایتِ کاملہ کی قوت سے قوی ہو گئے تھے۔ پھر ہلے اور آپس میں مل گئے اور سابقہ طریقے پر داہنے

---

[1] حضرات القدس (حضرت نہم) میں کرامت ۹۶ کے ذیل میں اس کی تفصیل ہے ۱۲

[2] علامہ اقبال نے بھی کہا ہے:-

نشانِ مردِ مومن با تو گویم   چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست!

ہاتھ کے انگوٹھے اور اُس کے بعد کی تیسری انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کے گرد حلقہ ہو گیا۔ حالانکہ جب داہنی کروٹ پر غسل دیا گیا تو سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر نہیں آنا چاہیئے تھا۔ پھر باوجودیکہ آپ کے ہاتھ بہت زیادہ نرمی کی وجہ سے موم بلکہ برگ گل سے زیادہ ملائم تھے۔ لیکن ایسی قوت سے ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے تھے کہ اُن کا گرنا اور جُدا ہونا ممکن نہ تھا۔ اسی طرح جب کفن پہنایا گیا تو اُس وقت بھی ہاتھوں کی وہ آویزش ظہور میں آئی۔ اور ایسا ہی اُس وقت بھی تھا۔ جب کہ آپ کو ابھی تختۂ غسل پر نہیں لایا گیا تھا۔ یعنی اس نہج پر اُس وقت بھی ہاتھوں کی باہمی آویزش تھی۔ جب حاضرین کشادہ کر کے دیکھنے لگے تو آپ کے مبارک ہاتھ پھر اُسی سابقہ طور پر باہم جمع ہو گئے تھے۔ اسی طرح دو تین مرتبہ ہوا۔ آخر سمجھ میں آیا کہ اس بات میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ اور کوئی سرِ مُبطن ہے۔ اس لئے پھر تعرض نہیں کیا۔ اور لوگوں نے کہا کہ حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

"حضرت قدس سرہٗ کی یہی مرضی ہے تو پھر اسی طرح چھوڑ دیا جائے۔"

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ:

"جس طرح زندگی بسر کرو گے ویسے ہی مرو گے بھی۔"

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

آپ کے ان عظیم خوارق سے مخلصین کو مزید عقیدت ہوئی اور دوسروں کو حیرت بھی اور عقیدت وارادت کے حصول کا ذریعہ بھی حاصل ہوا۔

حضرت قدس سرہٗ کو ان کی وصیت کے مطابق اور حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کی صوابدید پر کہ اب وہی اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، اور دوسرے فضلائے موجود کے مشورے پر آپ کو تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ یعنی لفافہ[۱]، قمیص[۲] اور ازار[۳] اور قمیص کے چاک کو دو جانب مونڈھوں کے کیا تھا کہ ایسا ہی مفتیٰ بہ روایت سے ثابت ہے اور سر پر عمامہ نہیں دیا، کیونکہ فقہاء اور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے

کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عمامہ نہیں دیا گیا۔ قہستانی میں بھی ہے کہ اصح یہ ہے کہ کفن میں عمامہ مکروہ ہے۔ علامہ ربانی سید شریف جرجانی رح نے بھی شرح سراجی میں کفن میں عمامہ دینے کو تاکیداً منع کیا ہے اور حدیث ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ سے تو یہ حدیث بھی اسی کی متقضی ہے۔ اور سب سے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد سعید دامت برکاتہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور نماز کے بعد آپ نے دعا کے لئے توقف نہیں فرمایا کہ یہ سنت کا تقاضا نہیں ہے اور معتبر فقہی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے حالانکہ اس زمانے کے بعض امام ایسا کرنے لگے ہیں۔

آپ کا روضہ منورہ آپ ہی کی مسجد کے پہلو میں شمال کی جانب واقع ہے، جو آپ کے مکانوں کے قریب ہے۔ اسی قبہ میں پہلے بھی سب سے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کو دفن کیا گیا تھا آپ نے اس جگہ کی نورانیت اور بزرگی کا بارہا ذکر کیا ہے۔ اور ایک مکتوب میں بھی اس طرح ذکر کیا ہے:

"اللہ تعالیٰ کے کرم سے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں بھی شہر سرہند جو کہ میرے جائے پیدائش ہے وہ گویا کہ گہرا کنواں تھا جسے پُر کر کے ایک اونچا چبوترہ کیا گیا ہے اور وہ اکثر شہروں اور بستیوں سے بلند درجہ پر ہے اور اس زمین میں ایسا نور امانت رکھا گیا ہے جو بے کیف و بے صفت نور سے مقتبس ہے اور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ شریف کی مقدس زمین سے روشن اور ظاہر ہوتا ہے۔ بڑے فرزند (محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ) کی وفات سے چند ماہ قبل وہ اس درویش پر ظاہر کیا گیا تھا۔ اور ہم فقیروں کی جائے سکونت میں اس کا نشان بتلایا گیا تھا۔ وہ ایسا نور تھا کہ صفت اور شان کی گرد بھی اس کو نہیں لگی تھی [1] کیفیات سے منزہ اور پاک تھا۔ (اس وقت) ایسی آرزو ہوئی کہ وہ زمین میرا مدفن ہو جائے اور وہ نور میری قبر کے سرہانے روشن رہے،

[1] التفتح الکبیر، ج ۱، ص ۲۴۷۔

یہ بات میں نے اپنے بڑے فرزند سے جو صاحبِ اسرار تھا ظاہر کی، اور اُس نور اور اپنی اس آرزو سے مطلع کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ فرزند مرحوم نے اس دولت کے لئے سبقت کی اور وہ پردۂ خاک میں اُس نور کے دریا میں مستغرق ہو گیا۔ ع

مبارک منعموں کو انکی دولت

اس زمین کی یہ عظمت ہے کہ میرے فرزندِ اعظم جو اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں یہاں دفن ہیں ایک عرصے کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ نور اس فقیر کے انوارِ قلبیہ کا ایک لمعہ ہے جسے اس سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ ایک مشعل سے کوئی چراغ روشن کیا جائے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (النساء ۷۸)	آپ کہہ دیجئے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

اور یہ کہ:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور ۳۵)	اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے[1]

راقم الحروف نے آپ کے انتقال سے دو سال پہلے مخدوم زادہ جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی زبانی سُنا کہ آپ نے فرمایا تھا:

"میں نے عزلت اور گوشہ نشینی کا ارادہ کیا تھا کہ ایک گوشہ میں بیٹھا رہوں۔ اسی زمانے میں مجھے الہام میں بتایا گیا کہ ہمارا پسندیدہ طریقہ اور مرضی یہی ہے کہ جس حال میں تم اس وقت ہو۔ وہ طریقہ نہیں کہ جس کی تم نے خواہش کی ہے۔ اُس وقت میری نظر میں شہر سرہند ایک تاریک کنواں دکھائی دیا کہ انتہائی گہرائی کی وجہ سے کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔"

---

[1] مکتوبات دفتر دوم ۲۰۔

آپ نے انتقال سے چند سال پہلے بھی ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ:

"مجھے میرے فرزند مرحوم کی قبر کے برابر دفن کیا جائے گا کہ اس زمین کو جو داخل احاطہ ہے۔ میں نے جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ دیکھا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ آپ نے مخدوم زادوں کو آخر میں اختیار دے دیا تھا کہ جہاں مناسب سمجھیں دفن کریں۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کی سابقہ تحریر اور کلام کے مطابق وہ اُسی جگہ دفن کریں گے۔ اور وہ جو آپ نے اس اختیار دینے سے پہلے دو اور مقامات (دفن کے لئے) بتائے تھے وہ دید و شنید، خمول و بے نشانی کے غلبے کی وجہ سے تھے۔

واضح ہو کہ آپ کے انتقال کے بعد بھی درویشوں اور مخلصوں نے بعض خوارق آپ سے دیکھے ہیں، اُن میں سے چند یہاں لکھے جاتے ہیں۔

اُن میں سے ایک یہ ہے کہ جو آپ کے مریدوں اور دوسرے لوگوں نے بھی راقم الحروف سے بتایا کہ حضرت مخدوم زادۂ بزرگ (خواجہ محمد صادقؒ) کی قبر شریف بالکل وسط احاطے میں واقع تھی۔ ایسا اس فقیر اور سب مخلصین نے بھی دیکھا ہے، بلکہ فقیر کا گمان ہے کہ وسط سے بھی کسی قدر مائل بہ قبلہ تھی اور جب آپ کے وجودِ مبارک کو حضرت خواجہ مخدوم زادہ مرحوم کے برابر سپردِ خاک کیا گیا تو اب سبھی دیکھنے والے کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم زادہؒ کی قبر تقریباً ایک گز سے زیادہ شرقی دیوار کی طرف ہٹ گئی ہے۔"

دوسری کرامت مولانا بدرالدین سرہندی نے آپ کے احوالِ وفاتؒ سے متعلق رسالے[1] میں لکھی ہے کہ آپ کے انتقال کے دن تمام آسمان کے

---

[1] یہ رسالہ "وصالِ احمدی" کے نام سے مولانا محمد اعزاز الدین احمد نے ۱۳۱۶ھ میں اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ پھر احقر نے ۱۳۸۸ھ میں اسی ترجمے کے ساتھ شائع کیا تھا۔ بعد میں اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ سے بھی شائع کیا گیا۔

اطراف نہایت سُرخ ہو گئے تھے اور آسمان کی اس سُرخی کو اکابر نے اللہ کے مقبول دوستوں کے انتقال پر آسمان کا گریہ کہا ہے۔"

جیسا کہ شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور (علامہ جلال الدین سیوطیؒ) میں حدیث وارد ہے کہ:

"مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مومن کی مَوت پر آسمان اور زمین روتے ہیں اور آسمان کا رونا اُس کے اطراف کا سُرخ ہو جانا ہے۔"

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے مخدوم زادوں اور مختلف درویشوں نے خوابوں اور مکاشفوں میں جو کچھ دیکھا ہے وہ تحریر کی گنجائش سے زیادہ ہے۔ ایک کرامت یہ ہے کہ:

"حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ نے بتایا کہ آپ کے دفن کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات جو انتقال کے بعد آپ کو حاصل ہوئے، آپ بہت زیادہ خوشی اور فرحت کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں اور فخر کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اے پدر بزرگوار، کیا مقام شکر میں سے بھی کسی کو حصہ عطا کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا" ہاں مجھے بھی جملہ شاکرین میں شمار کیا گیا ہے۔" میں نے عرض کیا کہ قرآن مجید میں وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (السباء ۱۳) میرے بندوں میں سے کم ہی شکر والے وارد ہوا ہے، اور اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ (شاکرین) صرف پیغمبروں کی جماعت ہوگی یا پیغمبروں کے سب سے بڑے صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اُس میں ہوں گے)۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں، اسی طرح ہے لیکن مجھے خاص فضل اور مخصوص عنایت سے اس جماعت میں داخل کیا گیا ہے۔"

حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ میں نے آپ کو واقعہ (خواب) میں دیکھا، پوچھا کہ منکر و نکیر کے سوال کس طرح گزرے؟ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے انتہائی رحمت سے پہلے مجھے الہام فرمایا کہ

اگر تم اجازت دو، تو یہ دو فرشتے تمہاری قبر میں آئیں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے اللہ، میرے مولا، یہ دو فرشتے بھی تو تیرے حضور ہی میں ہیں، تو پھر اس بندۂ مسکین کے پاس کیوں آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت رحمت و عنایت میرے حال میں شامل فرما کر ان (دونوں) کو میرے پاس نہیں بھیجا۔ (پھر) میں نے پوچھا کہ ضغطۂ قبر کس طرح گزرا؟ فرمایا کہ وہ گزرا تو۔ لیکن بہت ہی کم۔ اور وہیں مولانا محمد ہاشم (خادم) بھی موجود تھے جو آپ کے بہت پرانے مخلص ہیں وہ ایک پیر پر کھڑے ہو کر (نہایت ادب سے) کہنے لگے کہ آپ جو ضغطۂ قبر کے متعلق فرما رہے ہیں کہ "بہت ہی کم" گزرا، تو یہ محض تواضع کی بنا پر فرما رہے ہیں ورنہ اتنا بھی نہیں گزرا۔

مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد سعیدؒ) بتاتے تھے کہ میں جماعت خانے والے حجرے میں تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ دروازے میں سے داخل ہوئے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے اور مجھے گود میں لے لیا۔ مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ اور میرے اعضاء میں لرزہ ہونے لگا۔ پھر آپ فوراً نظر سے غائب ہو گئے۔[۱]

ایک فاضل جو آپ کے مقبول مریدوں میں سے ہیں، شیخ پیر محمد نام ہے، وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ نماز ظہر میں جب کہ بڑے صاحبزادے (محمد سعیدؒ) امامت فرما رہے تھے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ میرے برابر کھڑے ہوئے ہیں اور چونکہ میرے اور ان کے درمیان اس جماعت کی صف میں کچھ خلا تھا، تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے قریب کر لیا کہ پھر فاصلہ نہ رہا۔ میں آپ کو نماز کے آخر تک دیکھتا رہا۔ آپ فرجی شال پستہ کے رنگ کی اوڑھے ہوئے تھے۔ عمامہ میں

---

[۱] حضرات القدس (حضرت نہم) میں یہ کرامت نمبر ۹۹ ہے۔

سر پر پیچ تھا، اور پاؤں میں اُونی جراب تھی۔ میں بار بار حیرت کر رہا تھا، اور غور کر رہا تھا کہ کہیں وہم تو نہیں ہے۔ لیکن کوئی شک نہیں کہ جس طرح میں آپ کو زندگی میں دیکھتا تھا بالکل اسی طرح اب بھی آپ دکھائی دیئے۔ جب نماز کا سلام پھیرا تو پھر آپ نظر نہ آئے۔[1]

آمدی و آتشم بر جان زدی　　رفتی و بر آتشم دامان زدی
(آئے اور آکر جلایا جان کو!　　چل دیئے اور آگ کو بھڑکا دیا)

اس شعر کا مضمون میری زبان تھا اور آپ کے فراق پر آنسو بہا رہا تھا۔

آپ کا ایک مخلص قریۂ برک میں تھا اور اُسے ابھی آپ کے انتقال کی خبر نہیں ملی تھی۔ اُس کا فرزند بیمار رہتا تھا۔ باپ نے کہا کہ حضرت صاحب کو یاد کرنا چاہیئے۔ پھر بیمار نے دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "بابا میں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ گیا ہوں اور بہشتِ اعلیٰ میں داخل ہوں، پہلے میں نے اپنا داہنا قدم بہشت میں رکھا، پھر سُر اندر کیا۔ اس کے بعد بایاں قدم رکھا۔ اور لقائے الٰہی سے بھی مشرف ہو گیا ہوں۔" بیمار نے عرض کیا کہ مجھے بھی بہشت میں پہنچا دیجئے اور لقائے الٰہی سے مشرف کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا اور میرے فرزندوں کا بھی وقت نہیں آیا ہے۔" جب مریض بیدار ہوا تو وہ صحت یاب ہو چکا تھا۔ اس کے دس بارہ روز کے بعد آپ کے انتقال کی خبر وہاں پہنچی۔[2]

مولانا بدرالدین نے اُسی رسالہ[3] مذکورہ میں لکھا ہے کہ آپ کے انتقال

---

[1] حضرات القدس (حضرت نہم) میں یہ کرامت نمبر ۹۸ ہے۔ وصال احمدی میں بھی یہ واقعہ ہے اور نماز کی امامت خواجہ محمد معصومؒ کی لکھی ہے ۱۲ [2] حضرات القدس (حضرت نہم) میں یہ کرامت نمبر ۱۰۰ ہے۔ وصال احمدی میں فیروز خان برکی کے فرزند کا یہ واقعہ لکھا ہے ۱۲ [3] اس رسالہ مذکورہ (وصالِ احمدی) میں یہ واقعہ اب نہیں ملتا ۱۲

کے بعد میں نے واقعہ (خواب) میں دیکھا کہ آپ نے خواجہ حسام الدین احمد کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "ہم خود اس جہان کے نگہبان ہیں۔ اس جہان سے چلے گئے ہیں۔ لیکن اُس جہان میں بیٹھے ہوئے ہیں"۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ جب آپ کے انتقال کی خبر غربت و مسکنت کے اس زاویہ نشین کو پہنچی تو سخت بے قراری، بے چینی تھی، جگر کباب، چشم پُرآب، دل آوارہ اور گریبان پارہ تھا۔ اسی حال سے میں شہر (برہان پور) سے جنگل کی طرف چلا گیا، اور یہ رُباعی پڑھتا رہا۔

بے روئے تو رو بہ دل صحرا کنمے | چوں کوہ ز بارِ غم درو جا کنمے!
از ہر خار نشانِ آں گُل پرسم! | وز ہر مرغے سراغ عنقا کنمے!

جب شام ہوئی تو شہر کے ایک کنارے پر ایک ویران مسجد میں سر جھکا کر بیٹھ گیا کہ سرد آہیں اور گرم آنسو جاری تھے۔

زآتشِ غم آہِ سرد و چشم تر داریم ما! | از رسولِ عشق اعجاز دگر داریم ما
ہر رگے شد رشتۂ ہر مو سوزن، اصلاح یافت | چاکہائے کو تو بر جیبِ جگر داریم ما
نے بہ بیخ ہر مو، بر تپِ ہاشم زماتم حلقہ البستہ | در درِ دل ہر حلقہ چندیں نوحہ گر داریم ما

اس غم والم کے عالم میں آپ ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ

"صبر کرنا چاہیئے"

میں نے سخت پریشانی کے اور حیرانی کے عالم میں عرض کیا کہ اے میرے قبلۂ دو جہانی آتشِ فراق میں صبر کہاں؟ فرمایا کہ:

"حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پیروی کرنی چاہیئے کہ انہوں نے آگ میں بھی راہِ صبر اختیار کی"

اس پند و نصیحت کے باوجود میری دیوانگی اور بڑھ گئی اور میں نے یہ رباعی کہی۔

دیوانہ دلم ز پند مجنوں تر شُد　　　　وز زخم کساں نالہ ام افزوں تر شُد

ہر شیشہ کہ بشکست ز مے گشت تہی　　　　ہر چند دلم شکست پُر خوں تر شُد

اس کے بعد میں نے پھر چاہا کہ صحرا کی طرف چلا جاؤں لیکن جونہی میں نے اُس ویران مسجد کی سیڑھی پر قدم رکھا کہ میں نیچے گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔ اتنے میں میرا ایک شناسا درویش اُس اندھیری رات میں آ پہنچا اور مجھے پہچان کر اپنے گھر لے گیا اور میرے متعلقین کو خبر کر دی جو مجھے گوشۂ احزاں میں لے آئے۔ میں نے سمجھ لیا کہ میرا اس طرح آوارہ پھرنا آپ کو پسند نہ تھا۔ مجبوراً یہ مفلسِ بے نوا اپنے ویرانے میں بیٹھ کر ہمیشہ کے لئے اپنے یہ اشعار وردِ زبان بنائے ہوئے ہے:۔

اشک ریزاں بنشستم سرِ ہر رہ گذرے　　　　ہر کہ از ہر طرف آید ز تو پُرسم خبرے

گاہ برخیزم و گاہے بنشینم چو غبار　　　　ناتوانانِ ترا نیست ازیں بہ سفرے

سوزدش دلقِ سیہ پوشم و دہد گوئے مشام　　　　بکف آرم طلبم بوئے کبابِ جگرے

کاسۂ دیدہ نہم بر کفِ و دریوزہ کنم　　　　ز اشکِ رخسارِ گدایانِ تو ت سیم و زرے

خانہ از نے کنم و نغمۂ نے گیرم پیش　　　　تا مگر یابم ازیں راہ ز یوسف اثرے

ہمچو آں تشنہ کہ از دشت بدریا آمد　　　　سر نہم در رہِ آں کش نگرم چشمِ ترے

اہلِ ایں قافلہ سرگشتۂ بیع اند و شرا　　　　دل گرو ساختہ باشم بخیالِ نظرے

آخر کار میں نے خود کو نظم و نثر اور مراثی و قطعاتِ تاریخ میں مشغول کر دیا اور آپ کی عمرِ گرامی کے اعداد کے مطابق ۶۳[1] فقرے فصیح و بلیغ اور پُر اعجاز تیار کئے کہ ہر فقرے سے آپ کے انتقال کا سال بر آمد ہوتا ہے۔ اسی طرح کئی رباعیاں اور کئی قطعات بھی معمّی اور تعمیہ وغیرہ کے طریقے پر اس سلسلے میں اپنے دلِ کباب زدہ سے مہیا کئے جو آپ کے مخلصوں نے اور فقیر زادہ اور احباب نے جمع کر لئے ہیں۔ میں یہاں اکتفاء کرتا ہوں۔ صرف ایک تاریخ پر جو اس آیۂ کریمہ سے نکلتی ہے کہ:۔

---

[1] حضرات القدس (حضرت دہم) میں یہ ۶۳ فقرے درج ہیں۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم

۱۰۳۴ھ

اور اس قطعۂ تاریخ پر بھی :-

یا ایہا الانام لقد سافر الامام	من کان ذیل رافتہ عروۃ تقو
قطب الذی تفوض رب السماء لہ	حال التی تحیر فی شانہا العقو
ما الموت کان بدر کمال قد انطلق	من مشرق الظہور الی غر
لما اصاب اثرت رسول بحقہ !	الکتب عام بر حلتہ وارث الرسو

۱۰۳۴ھ

آپ کے دوسرے مخلصوں نے بھی مرثیے اور تاریخیں نثر و نظم میں لکھی ہیں۔ آپ کے ایک ہم پیر مولانا محمد صادق (کشمیری) نے بھی اس حدیث میں ھو کا اضافہ کر کے تاریخ نکالی ہے :-

الموت ھو جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

۱۰۳۴ھ

(یعنی موت وہ پل ہے جو حبیب سے حبیب کو ملاتا ہے)

اسی حدیث پر جو مشعرِ حال ہے آپ کے انتقال کے حالات کو ختم کرتا ہوں اور اپنے دیدۂ دل کو آپ کے فیوض و برکات کا ملتجی بناتے ہوئے اپنے قلم کی زبان کو آپ کے فرزندانِ عالی مقدار اور آپ کے خلفائے کبار کے حالات کے لئے کھولتا ہوں۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور کرم سے ہوگا۔

۱؎ ایضاً۔ یہ عربی قطعۂ تاریخ بھی مذکور ہے۔

۲؎ ایضاً دوسری تاریخیں بھی وہاں مذکور ہیں۔

فصل دہم

فرزندانِ گرامی

۱۔ خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑے فرزند ارجمند تھے۔ اُس بوستان کے اس نخل برومند کی ولادت ۱۰۰۰ھ میں ہوئی تھی۔

بچپن ہی سے اور نشوونما کے آغاز ہی سے صفا و رنگ اُن سے ہویدا تھی۔ بچپن ہی کے زمانے میں اُن کے دادا صاحب (خواجہ عبدالاحد) رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو اپنی تعلیم و تربیت میں رکھا تھا۔ حضرت مجددؒ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد صاحب مجھ سے فرماتے تھے کہ تمہارا یہ بیٹا مجھ سے اشیاء کی کیفیت اور حقیقت سے متعلق ایسے عجیب سوالات کرتا تھا کہ اُن کا جواب دینا مشکل ہوجاتا ہے۔ جب حضرت مجددؒ ۱۰۰۸ھ میں حضرت۔ ع

خواجۂ فانی ز خود، باقی بحق۔ قدس اللہ سرہ کی خدمت میں پہنچے تو یہ مخدوم زادہ (خواجہ محمد صادقؒ) بھی حاضر ہوئے اور ذکر و مراقبہ اور جذبہ و نسبت میں اُن سے مستفیض ہوئے پھر حضرت مجددؒ کی تربیت اور نظرِ رحمت کی برکت سے اور اپنی استعداد و فطرت کی بلندی کی بدولت، عجیب و غریب کیفیات اور معاملات سے متعلق رہے۔ حضرت خواجہؒ کے تصرفات و برکات اور اپنے پدر بزرگوار کی توجہات کے تحفظ میں اور اپنے غلبات و جذبات کے زمانے میں دینی علوم سے ابھی فارغ نہ ہوئے تھے لیکن پھر ان کی بھی تکمیل فرمائی۔ میں نے سُنا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وفورِ مستی اور غلبۂ جذبات کی وجہ سے اُن ایام میں ننگے سر اور ننگے پاؤں کہیں بھی چلے جاتے اور سبق کی کتابیں برباد کر دیتے۔ ایک دن جب کہ بارش ہورہی تھی تو وہ اپنے دوستوں اور کچھ بچوں کے ساتھ ننگے سر اور پریشان حال کھڑے ہوئے تھے، اتنے میں حضرت خواجہ کا وہاں سے گذر ہوا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ

"ہمارے مجذوب کو دیکھو کہ کیا کر رہا ہے"

ایک مرتبہ گرد و نواح کے ایک درویش نے کسی بزرگ سے سلوک طے کر کے خلافت بھی حاصل کر لی تھی اور اپنے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں آ کر اپنے بلند احوال بتانے لگا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مجھے ایسے احوال حاصل ہیں۔ اگر آپ کے یہاں بھی اتنے ہی حاصل ہوتے ہیں تو آپ کو پھر کیوں تکلیف دوں۔ لیکن اگر کچھ زیادہ حاصل ہو سکتے ہوں تو پھر آپ سے حاصل کروں۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے مخدوم زادہ (خواجہ محمد صادقؒ) کو بلا کر فرمایا

"بابا! اپنے احوال بیان کرو تاکہ یہ مہمان درویش بھی سُن لیں۔"

مخدوم زادہ نے اپنے احوال بیان کئے جو اس درویش کے مخصوص حالات بھی تھے اور اور ان سے بہت زائد بھی تھے۔ جب اُس شخص نے دیکھا کہ یہ ۷/۸ سال کا بچہ جو صرف ۲/۳ ماہ اس راہ میں رہا ہے پچاس سال والے کے احوال کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ اس کے احوال میں پندار و غرور ہی تھا چنانچہ اس نے اپنے حال کو دور کیا۔

مخدوم زادہ کی غیبت اور استہلاک کا یہ عالم تھا کہ اس کے غلبے کو کم کرنے کے لیے ان کو بازار کا کھانا کھلایا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں ایک مکتوب میں لکھا بھی ہے[1] اور حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے بھی ایک مکتوب میں جو مخدوم زادہ کے نام ہے ایسا ہی مضمون لکھا ہے جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

"قرۃ العین محمد صادق ظاہر و باطن کے کمالات سے برخوردار رہے! اس کے احوال جیسے کہ ظاہر ہیں حمد کے لائق ہیں۔ اسی حضور پر وہ قائم رہے گا۔ اُس کی غیبت و استغراق سے اندیشہ نہیں ہے۔ انشاءاللہ وہ سُکر سے صحو میں آ جائے گا اور اس کی فنا شعور میں مندرج ہو جائے گی۔"[2]

اور وہ (خواجہ محمد صادقؒ) بچپن ہی سے کشفِ صدور اور کشفِ قبور میں صحیح نظر اور سچی

---

[1] مکتوبات ربانی، دفتر اول، مکتوب ۳۰۶ میں بھی خواجہ محمد صادقؒ کے غلبے کو کم کرنے کے لیے بازار کے کھانا کھلانے کا ذکر ہے۔

[2] مکتوبات خواجہ باقی باللہ، مکتوب ۱م۔

بصیرت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ بھی ان کے کشف اور روحانی فراست پہ پورا اعتماد رکھتے تھے اور ہمیشہ اُن کو بُلوا کر غیبی اُمور کے متعلق پوچھتے رہتے تھے اور وہ فوراً اپنے کشف سے جواب دے دیتے تھے۔ اور قبروں پر اُن کو لے جا کر اہلِ قبر کے حالات کے متعلق بھی دریافت فرماتے تو وہ جس طرح ان لوگوں کا حال دیکھتے بلا توقف بتا دیتے تھے اور اس کی تفصیل اس جگہ دشوار ہوگی۔

جب حضرت خواجہ قدس سرہ نے اپنی زندگی ہی میں بعض حضرات کو حضرت مجدد قدس سرہ کی تربیت میں دیدیا تو اُن میں یہ مخدوم زادہ (خواجہ محمد صادق) بھی شامل تھے اور اُن سب سے بہتر تھے لا محالہ انھوں نے اپنے والد بزرگوار (حضرت مجددؒ) ہی سے استفادۂ انوار کیا۔ یہانتک کہ انھوں نے تمام وکمال مراتب و مدارج حاصل کئے۔ اسی لیے لوگ کہتے تھے کہ ایسے والد کے ایسے ہی بیٹے چاہئے۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اپنے خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو ایک عریضے میں لکھا ہے کہ

"محمد صادق اپنی خوردسالی کی وجہ سے خود کو ضبط نہیں کر سکتا۔ اگر سفر میں ساتھ رہے تو بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے (چنانچہ) دامن کوہ کی سیر میں ساتھ تھا تو بہت ترقی کی اور اس نے مقام حیرت میں غوطہ لگایا ہے اور حیرت میں فقیر کے ساتھ (یعنی میرے ساتھ) پوری مناسبت رکھتا ہے۔"[1]

اور فنا کے آثار، نیز ماسوا سے سرد دلی اُن کے جمال و خصائص سے اس قدر ظاہر ہوتی تھی کہ بعض دولت مند لوگ جو اُن سے ملاقات کے لیے گئے تھے کہا کرتے تھے کہ جب اس نوجوان کو دیکھتے ہیں تو دنیا ہمارے دل سے سرد ہو جاتی ہے۔

ایک درویش اُن کی قوتِ تسلیم و رضا اور نیستی کا ذکر کر رہا تھا کہ ایک دن میں نے ایک پڑوسی کے ظلم اور ملامت کا ذکر مخدوم زادہ سے کیا اور کہا کہ کیا مضائقہ ہے اگر آپ اس کو تنبیہ اور تہدید کر دیں۔ مخدوم زادہ نے اپنے دلِ پُر درد سے ایک آہِ سرد کھینچی

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانیؒ ۱۸/۱۔

اور فرمایا کہ

"اگر ہم بھی خصومت کریں تو پھر ہم میں اور اہل رسم (اہل دنیا) میں کیا فرق ہوگا؟"

وہ درویش کہتا تھا کہ مخدوم زادہ نے یہ بات اس انداز سے کہی کہ میں نے جو کچھ کہا تھا اس سے مجھے ندامت ہوئی اور پڑوسیوں کی ملامت سے جو کینہ میرے دل میں پیدا ہوا تھا وہ یکسر ختم ہوگیا۔

اور عقلی و نقلی مسائل میں اُن کی قوتِ ادراک اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ایک دن وہ شیراز کے ایک بہت فاضل عالم سے جو معقولات میں بے نظیر تھے اور ہندوستان آئے ہوئے تھے ملنے لگے اور علوم ہیئت و حکمت کے بعض دقائق سے متعلق اپنے ہی بعض طبع زاد امور کا بیان کیا تو بات ختم ہونے پر اُس شیرازی فاضل نے کہا کہ اگر میں اس جوان سے نہ ملا ہوتا تو مجھے یقین نہ آتا کہ ہندوستان کے طلبہ میں سے کوئی بھی علوم عقلیہ کے دقائق کو سمجھنے کی کوئی صلاحیت (قوتِ مُدرکہ) رکھتا ہے۔

مخدوم زادہ کی علمی مہارت، اُن کے علوِّ حال، غلبۂ انکسار، وفورِ تفرید، مناجات و خلوات سے شوق اور اُنس سے متعلق اُن کے پدرِ بزرگوار (حضرت خواجہ مجدّدِ الفِ ثانی قدّس سرّہٗ) کے مکتوبات میں سے کچھ فقرے جو اُن کی مدح میں ہیں اور پڑھنے والوں پر روشن ہیں یہاں عرض کرنے پر اکتفا کروں گا۔

دفترِ اوّل کے مکتوب ۲۲۰ میں ہے کہ[1]

"میرا یہ سب سے عزیز فرزند میرے معارف کا مجموعہ ہے اور جذب و سلوک کے مقامات کی کتاب ہے"۔

اسی مکتوب میں یہ بھی ہے کہ

"میرا فرزند، محرمانِ اسرار میں سے ہے اور خطا اور غلطی سے محفوظ ہے"۔

اور اسی دفترِ اوّل کے مکتوب ۲۴۴ میں ہے کہ

---

[1] لیکن اب اس مکتوب میں یہ عبارتیں نہیں ملیں۔

"یہ مقام میرے فرزند ارشد کو عنایت فرمایا گیا ہے اور اُن کی ولایت میں (مجھے) داخل کیا گیا ہے۔ یہ فقیر یہاں مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہوا ہے۔"

اور اسی دفتر اوّل کے مکتوب ۳۱۱ میں ہے کہ

"وہ استفاضہ جو اس فقیر نے ولایت (موسوی) سے کیا ہے وہ اس ولایت کے اجمال کی راہ سے ہے اور میرے سب سے بڑے فرزند (خواجہ محمد صادق) علیہ الرحمہ نے اس ولایت کی تفصیل کی راہ سے استفاضہ کیا ہے۔ فقیر کی ولایت جو ولایت موسوی سے مستفاد ہے اُس مومن آدمی کی ولایت سے مشابہ ہے جو آلِ فرعون سے تھا اور میرے سب سے بڑے فرزند علیہ الرحمہ کی ولایت، فرعون کے اُن ساحروں کی ولایت کی مانند ہے جو ایمان لے آئے تھے۔"

حضرت مجدّد الف ثانی قدّس سرہ نے فرزند اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے دو بھائیوں (محمد فرخ اور محمد عیسیٰ) کے انتقال پر ایک دوست (مولانا محمد صالح کولابی) کو لکھا تھا

"میرے سب سے بڑے فرزند رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بھائیوں محمد فرخؒ اور محمد عیسیٰؒ کے ساتھ سفر آخرت اختیار کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ پاک کا بے حد شکر و احسان ہے کہ اُس نے باقی ماندہ لوگوں کو صبر کی قوت عطا فرمائی اور پھر مصیبت کو نازل فرمایا۔ ؎

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری — کہ خوش بود ز عزیزاں تحمّل و زاری

(تو لاکھ مجھ کو ستائے میں منہ نہ پھیروں گا — پسند مجھ کو تحمّل بھی ہے تڑپنا بھی)

میرا یہ فرزند، اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اُس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ اُس نے ۲۸ سال کی عمر میں وہ پایا جو بہت کم کسی نے پایا ہوگا۔ اُس نے مولویت کا درجہ اور علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس، حدِ کمال تک پہنچا دی تھی۔ یہاں تک کہ اُس کے شاگرد بھی بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کا درس پوری قدرت کے ساتھ دیا کرتے تھے اور اُس کی معرفت و عرفان کی حکایتیں اور شہود و کشف کے قصے بیان سے باہر ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ آٹھ سال کی عمر میں

اس قدر مغلوب الحال ہو گیا تھا کہ ہمارے خواجہ صاحب قدس سرہٗ اس کے علاج اور تسکین کے لیے بازار کا کھانا جو مشکوک و مشتبہ ہوتا ہے منگواتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو محبت مجھے محمد صادق سے ہے کسی سے نہیں ہے اور اسی طرح اُس کو جو محبت مجھ سے ہے کسی سے نہیں ہے۔ اسی بات سے اس کی بزرگی معلوم ہو سکتی ہے۔ اُس نے ولایت موسوی کو نقطۂ آخر تک پہنچا دیا تھا اور وہ اس ولایت کے عجائب و غرائب بیان کیا کرتا تھا اور ہمیشہ خشوع و خضوع و تضرع و انکسار سے کام لیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہر ولی نے حق سبحانہٗ سے کچھ نہ کچھ مانگا ہے اور میں نے التجا اور تضرع طلب کیا ہے۔

محمد فرخ کے متعلق کیا لکھا جائے۔ وہ گیارہ سال کی عمر میں طالب علم۔ کافیہ پڑھنے والا ہو گیا تھا اور بڑی سمجھ سے سبق پڑھتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور لرزتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ بچپن ہی میں اس کمینی دنیا سے رخصت ہو جائے تاکہ آخرت کے عذاب سے چھٹکارا ملے۔ مرضِ موت میں جو دوست اس کی تیمارداری کو آتے تھے اُس میں عجیب و غریب حالات دیکھتے تھے۔ اور محمد عیسٰی کی آٹھ سال زندگی میں لوگوں نے اس قدر خوارق و کرامات دیکھی ہیں کہ کیا لکھی جائیں۔ مختصر یہ کہ وہ سب قیمتی جواہر تھے جو ودیعت کئے گئے تھے اور اللہ پاک کا بڑا کرم و احسان ہے کہ یہ امانتیں بلا جبر و اکراہ واپس حوالے کر دی گئیں۔ یا اللہ، تو ان کے اجر سے ہم کو محروم نہ فرما اور ان کے بعد فتنے میں نہ ڈال بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم[1]،،

کہتے ہیں کہ مخدوم زادہ کے چچا شیخ محمد مسعودؒ تجارت کی غرض سے خراسان جانے کا ارادہ کر رہے تھے اور قندہار کے راستے سے جانے کا قصد کر رہے تھے۔ ان کی ہمراہی میں مخدوم زادہ (محمد صادقؒ) اپنے دادا (خواجہ عبدالاحدؒ) کے مزار مبارک تک گئے جو قصبہ سرہند کے قریب ہے اور تھوڑی دیر کے لیے مزار مبارک پر مراقب ہوئے۔ فارغ ہو کر کہنے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی - ۳۰۶/۱ -

لگے کہ دادا صاحب منع کر رہے ہیں[1] کہ چچا جان سفر کو جائیں۔ مخدوم زادہ چونکہ اس زمانے میں بہت ہی چھوٹے تھے اُن کی یہ بات نہ مان کر شیخ محمد مسعودؒ نے سفر کا ارادہ ترک نہیں کیا، آخر یہ ہوا کہ وہ اور اُن کا تجارتی سامان سب اس سفر میں ختم ہوگیا اور واپسی نہ ہو سکی۔

الفاظ " روز دوشنبہ نہم ربیع الاوّل کے اعداد" سے اُن کا سال تاریخ نکلتا ہے (یعنی ۱۰۲۵ھ)

لکھتے ہیں کہ جب اس علاقے میں وبار طاعون بہت پھیل گئی تو مخدوم زادہ محمد صادق قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ

" یہ طاعون لقمۂ تر چاہتی ہے اور جب تک ہم نہ جائیں گے اُسے تسکین نہ ہوگی"،

پھر آپ کو تپ لاحق ہوئی اور آپ نے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد آپ کے قبیلے میں وبا کو تخفیف ہوگئی آپ کے انتقال کے بعد اُن لوگوں کو جو طاعون میں مبتلا ہو گئے تھے صحت حاصل ہوئی۔ لوگوں نے اس وبا کے غلبے کے زمانے میں دیکھا کہ مخدوم زادہ (محمد صادقؒ) نے آکر اُس بلا کے مؤکلوں سے لوگوں کو خلاصی دلوائی اور فرمایا کہ ہم نے اب اس بلا کو اٹھالیا ہے (اپنے اوپر لے لیا ہے) اور اب تم لوگوں کے لیے جائز نہیں کہ لوگوں پر چمٹے رہو،

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ جو شخص مخدوم زادہ (محمد صادقؒ) کا نام لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اس بلا سے نجات پائے گا، چنانچہ (اُس زمانے میں) کئی دن تک لوگ آپ کا نام لکھ کر لے جاتے اور اس کا اثر دیکھتے۔

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے عزیزوں نے چاہا کہ انہیں اُن کے دادا صاحب کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔ حضرت مجدد قدس سرّہ اس معاملے میں متوجہ ہوئے تو بتایا گیا کہ وہاں دفن کریں جہاں کہ اُن کا اب مدفن ہے۔ چنانچہ یہ قصہ حضرت مجدد قدس سرّہ کے مدفن کے سلسلے میں آچکا ہے۔

---

[1] مکتوبات خواجہ باقی باللہ کے مکتوب نمبر ۱۴ میں حضرت خواجہؒ نے یہی لکھا ہے کہ مولانا محمد مسعود، کشف قبور پر اعتبار نہ کریں۔ ممکن ہے کہ سفر سے منع کرنے کا واقعہ پہلے ہی کا ہو۔ لیکن سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہؒ نے یہاں کشف مسعود پر اعتبار نہ کرنے کو فرمایا ہے اور حضور مع اللہ پر زور دیا ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ ہر نماز جمعہ کے بعد اپنے اس فرزند رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو جایا کرتے تھے اور دیر تک مراقب رہتے تھے۔ اور ہر صبح شنبہ کو اپنے اصحاب کے ساتھ اس مزار پُرانوار کے قریب حلقۂ ذکر رکھتے تھے اور اکثر اوقات اس بزرگ فرزند کے احوال اُخروی کے عجیب و غریب معاملات بیان فرماتے تھے اور بے اندازہ ترقیاں جو آپ کی توجہ اور دُعا سے مرحوم کو حاصل ہوئی تھیں اُن کا اظہار فرماتے تھے۔ ایک دن مزار سے اُٹھنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ آج میں اُن کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ ہر لحظہ عجیب انوار و آثار کے ساتھ ظاہر ہوتے اور ہر ساعت بڑھتے رہے (ترقی کرتے رہے) اور وہ اسرار عزیبہ جو رحمتِ حق تعالےٰ سے متعلق تھے بہت خوش ہوکر بیان کرتے رہے۔

حضرت مخدوم زادہ (محمد صادق) قدس سرہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مفارقت کے زمانے میں چند مکتوبات جو آپ کو لکھے تھے اُن سے بھی اُن کے احوال گرامی معلوم ہو سکتے ہیں:۔

ب ۔ منہا۔ قبلہ گاہی، میری آرزو سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ کوئی لمحہ اور کوئی ساعت اس کی رضا کے خلاف نہ گزرے اور یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ آپ کی درگاہ سے آپ کی توجہ مدد نہ فرمائے اور دستگیری نہ کرے۔

ع با کریماں کارہا دشوار نیست

(کریموں کے لیے مشکل نہیں کام)

بحمد اللہ، آپ کی توجہ شریف کی برکت سے وہ طریقہ جو آپ نے تعلیم فرمایا ہے اس پر استقامت حاصل ہے اور اس میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ روز بروز ترقی اور تزاید کی امیدواری ہوتی ہے۔ فجر، ظہر اور عصر کے بعد حلقہ ہوتا ہے اور حافظ سے قرآن سنتا ہوں۔ بعض اوقات انقباض ہوتا ہے اور بعض اوقات انبساط ہوتا ہے (لیکن) انقباض و انبساط اور ذوق و آرام وغیرہ سب کا تعلق بدن سے ہے اور اس سے تجاوز نہیں پاتا۔ اور لطائف ستہ نہ زیادہ متوجہ ہیں اور نہ غافل ہیں۔ اگر وہ متوجہ ہیں تو اُن کی توجہ ایسی ہے جیسے علم حضوری ہوتا ہے بلکہ بالکل وہی۔ اور توجہ، ذوق وغیرہ سب کو میں داخلِ ظلال

جاتا ہوں کہ ظلال سے متجاوز نہیں دیکھتا۔ لطائف تو بدن سے اختلاط رکھتے ہیں اور بصیرت کی نگاہ میں وہ بدن کے سوا کچھ اور سمجھ میں نہیں آتے جیسا کہ پہلے آپ کے حضور میں عرض کیا گیا تھا۔ اور اب تو وہ بدن سے ممتاز نظر آتے ہیں اور میں اس مقام کو مقام بقا سمجھتا ہوں اور اس بقا کے بعد پھر ایک قسم کی فنا ہمارے لطائف میں پیدا ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ اس فنا کے بغیر جو فنا کے بعد پیدا ہوئی ہے معاملے کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اب تو اتقیامن ظاہر ہو رہا ہے کہ اب تک عالم پر توجہ نہیں آئی۔ چونکہ حقیقتِ حال بیان کرنا مقصود تھا، اس لیے یہ چند کلمات عرض کرنے کی جرأت ہوئی۔

ب۔ منہا۔ کمترین بندگان محمد صادق کی عرض داشت پیش خدمت ہے کہ یہ حقیر ایک عرصے تک مقبوض و مغموم رہا۔ بالآخر اللہ پاک کی عنایت سے حضور کی توجہ اقدس ہوئی اور بہت زیادہ انبساط واقع ہوا اور اس بسط میں ایسا معلوم ہوا جیسا کہ پہلے تھا کہ یاد اور توجہ کسی کی طرف سے تھی (لیکن) اب جو کچھ ہے وہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میں نے خود میں (اس نعمت کے) قبول کرنے کی صلاحیت نہیں پائی۔ حال اس آئینے کی مانند ہے جو آفتاب کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ پس اس طلوع سے بدن کی تمام کدورت اور ظلمت دور ہو جاتی ہے اور لطائف میں نور ہی نور حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس طرح سینہ کھل گیا ہے اور قلب وسیع ہو گیا ہے اور بدن سراپا نور بن گیا ہے اور یہ نور زیادہ لطیف ہے سرور اور فرح سے جو اس سے پہلے حاصل تھا اور میں نے ان لطائف کے اندر قلب پر ایک تجلّی اکمل پائی۔ پھر میں نے جب قلب کی طرف نظر ڈالی تو مجھ پر ظاہر ہوا کہ اس قلب میں ایک اور قلب ہے اور تجلّی اس پر ہوتی ہے وھکذا الی غیر النہایہ۔ پس ایسا کوئی قلبِ بسیط ظاہر نہیں ہوا کہ اُس میں دوسرا قلب نہ ہو۔ لیکن اب اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ وہ تجلّی اب قلب بسیط کی طرف منتہی ہو گئی ہے لیکن یہ بات ابھی درجۂ یقین کو نہیں پہنچی۔ اس وقت ایسا بھی معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جو حالتیں تھیں وہ محض تکلفات تھیں اور اس مقام کا نام۔ دل پر ۔۔۔ سر پیچ اکر تا تھا میں نے سوئے ادبی کے خیال سے آپ کو نہیں لکھا تھا۔ قبلہ گاہ۔ یہ سب آپ کی توجہ کے اثرات کا کمترین اثر ہے۔

گر بر تنِ من زباں شود ہر موئے   یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

آپ کی بارگاہ کے خادموں کی آرزو کا حال کیا عرض کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہترین طریقوں سے اس دولتِ عظمیٰ کو میسر فرماتا رہے بحرمۃ النبی الامی وآلہ علیہ وعلیہم من الصلوات اتمہا ومن التحیات افضلہا واکملہا۔ ہمارے اعداء ہر چند خباثتوں کو پھیلاتے ہیں اور منصوبے باندھتے ہیں لیکن آخر کار آپ کی توجہ عالی سے وہ خجالت اور خسارہ ہی اٹھاتے ہیں۔ یہاں تمام خدام، سلام بندگی عرض کرتے ہیں اور ذوق وشوق سے حاضری چاہتے ہیں۔

ب۳۔ **عنہا** حضرت سلامت، ایک رات، نماز تراویح میں حافظ قرآن پڑھ رہا تھا تو مجھے ایک وسیع نورانی مقام نظر آیا۔ گویا وہ مقامِ حقیقتِ قرآنی تھا۔ ہر چند کہ میں اتنی جرأت نہیں کر سکتا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حقیقتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اس مقام کا مرکز اور اجمال ہے۔ وہ گویا ایک دریا ہے جو کوزہ میں بند کیا ہوا ہے۔ اور وہ حقیقتِ محمدی کی تفصیل کا مقام ہے اور انبیاء علیہم السلام اور باکمال اولیاء اپنی استعداد کے مطابق اس مقام سے بہرہ مند ہیں اور اس مقام کا اتمام سوائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو نصیب نہیں اور اس حقیر کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ ملا ہے۔ حق تعالےٰ آپ کی توجہ کی بدولت اس میں سے نصیب کامل عطا فرمائے۔ (آمین)۔ اور یہ مقام ابھی تک خوب واضح نہیں ہوا ہے۔ باقی احوال، جمعیت سے ساتھ گزر رہا ہے۔ اس ماہ معظم (رمضان) میں بہت سی برکتیں سمجھ میں آ رہی ہیں۔ بھائی محمد سعید بخیر وعافیت ہیں اور جمعیت کے ساتھ ہیں اور ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ شہر کے احباب بھی ذوق وشوق سے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ (انتہیٰ)

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے بھی گراں قدر مکتوبات اس فرزندِ گرامی کے نام ہیں اور اُن میں سب سے اعظم وہ مکتوب ہے جو طریقے کے بیان پر ہے اور وہ دفترِ اوّل کا مکتوب ۲۶۰ ہے۔ چونکہ وہ بہت بڑا اور مفصّل ہے اور اُس میں بہت سے معارف ہیں اس لیے اُس کی نقل یا اُس کا کوئی فقرہ یہاں پیش کرنا دشوار معلوم ہوا۔

(۲) خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ۔

یہ آپ کے دوسرے فرزند ہیں۔ مکارمِ اخلاق بلکہ احوال کی کثرت، فضائل کی فراوانی، چہرے کی بشاشت، گفتگو کی نرمی اور کرم دامکی پاکی سے متصف ہیں۔ آپ کی ولادت ماہ شعبان ۱۰۰۵ھ میں ہوئی تھی اور حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ

"محمد سعیدؒ جب چار یا پانچ سال کے تھے تو بہت بیمار ہوگئے۔ کمزوری کے غلبے کے وقت اُن سے پوچھا گیا کہ کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے بے ساختہ کہا کہ "حضرت خواجہؒ کو چاہتا ہوں۔" میں نے یہ بات اپنے خواجہ صاحب (باقی باللہؒ) سے عرض کی تو انہوں نے فرمایا کہ "آپ کے محمد سعید نے رندی اور رقابت اختیار کی اور غائبانہ طور پر ہماری نسبت اُچک لی ہے"۔"

حضرت خواجہؒ نے بعض مکتوبات میں جو حضرت مجددؒ کو لکھے ہیں اس مخدوم زادہ کو بھی بہت شفقت اور رحمت کے ساتھ یاد فرما کر دُعا فرمائی ہے۔ ایک مکتوب جو ایک مخلص کو تحریر فرمایا ہے اور اس میں حضرت مجددؒ کی تعریف کی ہے اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ

"اس شیخ (حضرت مجددؒ) کے (تمام) صاحبزادے جو (ابھی) بچے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔ مختصر یہ کہ شجرۂ طیبہ ہیں۔ اللہ اُن کو پروان چڑھائے"[1]

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا یہ ارشاد ایک اشارہ ہے بہت بڑا ان سب مخدوم زادوں کی بلند استعداد اور اعلیٰ فطرت کی طرف۔ اور درجات عالیہ تک رسائی کے لیے۔ جب یہ مخدوم زادہ سنِ شعور کو پہنچے تو علومِ ظاہری کے حصول میں مصروف ہوگئے۔ ان علوم کا کچھ حصہ اپنے والد ماجد حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ سے پڑھا، کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ سے حاصل کیا اور کچھ علوم شیخ طاہر لاہوری سلمہ اللہ سے تکمیل کو پہنچائے۔ یہاں تک کہ تمام عقلی و نقلی علوم میں مہارت حاصل کرلی اور اپنے والد بزرگوارؒ کی توجہ کی برکت سے ان علوم کی تحصیل ہی کے زمانے میں سلسلۂ عالیہ

---

[1] مکتوبات خواجہ باقی باللہ۔ مکتوب ۶۵۔

نقشبندیہ کی نسبت حاصل کر کے بلند مقامات تک پہنچے اور (جلد ہی) تمام ظاہری اور باطنی کمالات کی تحصیل و تتمیم کرلی اور سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں ظاہری اور معنوی بلوغ بھی حاصل کرلیا۔ اُس وقت سے وہ اب تک برابر معقول و منقول والے علوم دقیقہ کی تعلیم پوری مہارت کے ساتھ دیا کرتے تھے اور انہوں نے بعض معتبر کتابوں کے حواشی و تعلیقات بھی مرتب کئے ہیں۔ ان میں سے مشکوٰۃ المصابیح کے تعلیقات بھی ہیں جن میں اُن احادیث کی صحت اور اہمیت کی تحقیق میں بڑی کاوش ہے جو ائمۂ حنفیہ کا مأخذ ہیں۔ بعض علماء نے ان کا مطالعہ کر کے بہت پسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور مخدوم زادہ کی تعریف بھی کی ہے اور اُن کے لیے دعا بھی کی ہے۔ ایک دن جب کہ راقم الحروف بھی موجود تھا ایک عالم نے اُن سے اصول فقہ کا ایک مشکل مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے بڑی تنقیح کے ساتھ اُس کا حل بیان کر دیا۔ پھر تو اُس عالم نے مجھ سے کان میں کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہوا کہ آپ کا یہ مخدوم زادہ علمی مہارت میں اِس زمانے میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔

ایک رات لاہور میں ایک بڑے حاکم نے ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی تھی جس میں علماء و مشائخ اور آئے ہوئے حکام کو بھی دعوت دی تھی۔ اس مجلس میں سجدۂ تحیت اور سجدۂ عبادت سے متعلق علمی دقائق پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت مخدوم زادہ اور اُن کے برادر عزیز (خواجہ محمد معصومؒ) ایک طرف تھے اور دوسری طرف بڑے بڑے علماء تھے۔ اور سب نے متعلقہ علم پر بہت اعلیٰ بحث کی لیکن علم کے پیاسے جو وہاں موجود تھے وہ ان دونوں بھائیوں کی علمی دستگاہ سے حیرت میں پڑ گئے اور اہل مجلس تو منہ تکتے رہ گئے۔ جو لوگ ان دونوں بھائیوں سے واقف نہ تھے وہ پوچھنے لگے کہ یہ دونوں کون ہیں؟ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ وہ تو حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ کیوں نہ ہو، ایسی بلند ولایت کے صدف کے تو ایسے ہی دُرِّ ہدایت ہوں گے۔

اس مخدوم زادہ نے تشہد میں سبابہ کے نہ اٹھانے سے متعلق مذہب حنفیہ کا اختیار کردہ اصول لکھا ہے اور اس رسالے میں لکھا ہے کہ اوّلیت۔ سبابہ کے نہ اٹھانے کو

حاصل ہے۔ چنانچہ وہ علماء جو سنابہ اٹھانے کی حمایت میں تھے وہ اس کے لیے دلیل پڑھ کر حیرت کرنے لگے۔[۱]

ایک دن حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے ان دونوں مخدوم زادوں کی علمی جامعیت سے متعلق مجھ سے فرمایا کہ

"جب محمد صادق رح کا انتقال ہوگیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ "اب ایسا فرزند جو فضیلت ظاہری اور احوالِ باطنی میں صاحبِ کمال ہو کہاں سے پاؤں؟ آخر حق سبحانہٗ نے اپنے فضل خاص سے یہ دونوں بھائی اُن کے قائم مقام عطا فرمائے۔ الحمد للہ علی احسانہ"۔

اس مخدوم زادہ نے طریقت اور مراتبہ اپنے والد بزرگوار قدس سرہ سے اخذ کیا اور اعلیٰ نسبتوں تک رسائی حاصل کی۔ چنانچہ سلوک کی ابتدا میں اور جوش و خروش کے ظہور کے وقت اپنے والد بزرگوار کو سرہند سے دہلی جو عرضداشت انھوں نے بھیجی تھی اُس میں لکھا تھا کہ:۔

"حضرت سلامت! یہ عاجز اپنے دل کو کسی طرف متوجہ نہیں پاتا بلکہ دل کو نہیں پاتا۔ اکثر حیران رہتا ہوں۔ اگر قرآن سُنتا ہوں تو سبھی لوگوں کی طرح بیٹھا رہتا ہوں۔ کبھی توجہ کے بغیر اپنے دل میں بیخودی محسوس کرتا ہوں قصبۂ شاہ آباد میں جب میں ذکر میں مشغول تھا تو روح کو بدن سے بالکل الگ دیکھا۔ ظاہر ہوا کہ یہ حیرت کا ایک مقام ہے اور اس مقام کے پیشوا شیخ عراقی قدس سرہٗ تھے، تو میں نے شیخ ظاہر ہوتے ہیں اور اس نسبت نے غلبہ کیا اور اتنا غلبہ کیا کہ بدن متألم ہوگیا۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ رح بزرگ قدس سرہٗ کے ظہور سے تسکین حاصل ہوئی۔ دوسرے روز پھر آپ ظاہر ہوئے اور مزید تسکین حاصل ہوئی" انتہیٰ۔

---

[۱] خواجہ محمد سعید رح کا لقب "خازن الرحمۃ" ہوا۔ آپ کی ایک کتاب "تحقیقات" تصوف اور فقہ سے متعلق مدینہ منورہ میں مکتبۂ عارف حکمت میں مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے۔ اور وہ محمد یوسف کے نام مکتوبات اور معضلات ہیں

حضرت مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ عنہ نے اسی مکتوب کے حاشیے پر جواباً تحریر فرمادیا کہ

"محمد سعید نے جو حالات لکھے ہیں وہ بالکل حقیقت ہیں اور احباب میں سے کسی ایک کو بھی اس خصوصیت کے ساتھ میسّر نہیں۔ انشاء اللہ وہ بھی ولایت خاصّہ سے مشرّف ہوگا "

اس کے بعد کئی سال تک یعنی حضرت مجدّد قدس سرّہٗ کے انتقال تک آپ کی خصوصی عنایات ان دونوں بھائیوں یعنی محمد سعید جن کا حال لکھا جارہا ہے اور خواجہ محمد معصوم ؒ کے شاملِ حال رہیں۔ اُن دونوں کو بڑی اونچی نسبتیں اور اعلیٰ احوال سے نوازا گیا اور اسرارِ غریبہ اور معارفِ عجیبہ آپ کی بدولت خلوتوں اور جلوتوں میں خوب حاصل ہوئے اور دوسرے لوگ ان دونوں کے توسّط سے بہرہ مند ہوئے[۱]

(اور انتہائی پوشیدہ اسرار جن کو چھپانے کی آپ کوشش فرماتے تھے اور احباب میں سے کوئی بھی اُن کو سُن بھی نہیں سکتا تھا۔ ان دونوں مخدوم زادوں کو معلوم فرماتے بلکہ پوری تحقیق کے ساتھ اُن کو سمجھائے گئے۔ اب حضرت مجدد قدس سرّہٗ نے ان دونوں کے لیے جو بشارات دی ہیں اُن کا ذکر کرتا ہوں :

ب۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلّمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مکاتیب میں لکھا ہے کہ حضرت مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ عنہ قطب تھے اور ہر قطب کے لیے دو امام چاہئیں۔ آپ کی خدمت میں دو شخص (یعنی خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ) حاضر تھے تو فرمایا کہ

" تم دونوں امام ہو "

اور ایک سے فرمایا کہ

" اس نے بہت تواضع کی بنا پر یہ منصب دوسرے کے لیے چھوڑ دیا اور صاحب یمین بن گیا "[۲]

---

[۱] یہاں سے قوسین میں جو لمبی عبارت شروع ہو رہی ہے وہ استانبول والے مطبوعہ نسخہ زبدۃ المقامات کے صفحہ ۴۰۳، ۴۰۴ کی ہے۔

[۲] حضرات القدس (حضرت) ۱۱ میں ہے کہ محمد سعید نے انکسار کے طور پر اس بشارت کو محمد معصوم پر منطبق کر دیا اور خود کو صاحب یسار کہا یہی بہتر معلوم ہوتا ہے

۔ اور انہی مخدوم زادہ (خواجہ محمد سعید) نے اپنے بعض مکاتیب میں لکھا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَۃَ الْاُوْلٰی [1]۔ اس میں میری خاطرِ فاتر میں یہ بات آتی ہے کہ اُس دار (آخرت) کا حکم اِس نشأۃ (پہلی پیدائش) کے احکام سے جُدا ہے اور اِس تماشا گاہ میں کوئی ترقی، بُعد کی پستی سے قُرب کی بلندی تک ممکن نہیں جب تک کہ سالک کی ہستی پر فنائیت وارد نہ ہو جائے اور موت سے مل نہ جائے (موت جیسی نہ ہو جائے) بخلاف اُس تماشا گاہ عالی جاہ (دوسری دنیا) کے کہ وہاں کوئی کمال دوسرے کمال کے منافی نہیں ہے اور معاد۔ معاد کے ساتھ جمع ہے اور مُوت کو اس دار البقا میں کہاں گنجائش ہے اور وہاں فنا کا کیا کام؟ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ اس دنیا میں ظلال کا ظہور ہے اور اُسی کے معاملات ہیں تو بے شک ظِل کو اُس کی اصل ظاہر ہونے پر، کہ ترقی جس سے عبارت ہے، سوائے فنا اور انعدام کے کوئی چارہ نہیں اور خود اس اصل کو اپنے فوق سے ظِل کی حیثیت حاصل ہے تو اُس کی اصل کے بلند ہونے کے بعد وہ پہلی اصل پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ حتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ [2] اور آخرت چونکہ اصل کے حقائق کے ظاہر ہونے کا مقام ہے اور اصل کو اپنی دوسری اصل سے کوئی تدافع نہیں ہے تو پہلی اصل کے کمال کے فنا ہو جانے سے کیا فرق پڑتا ہے اور دوسری اصل کے ورود پر پہلی اصل کے نیست ہونے کی کیا گنجائش ہے۔ اور آیت کریمہ یہ ہے۔ وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ [3] اس معاملے کی مؤید ہے کہ جس سے پہلی بقا بھی ظاہر ہوتی ہے اور وہ جو آیت کریمہ ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا [4] تو وہ اِس دنیا کے معاملات کے بھی مناسب ہے۔ اور وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کی عنایتیں شامل

---

[1] سورۃ الدخان (آیت ۵۶): "اس میں پہلی موت کے سوا (جو دنیا میں ہو چکی)، پھر موت نہ چکھیں گے"

[2] سورۃ الحجر (آیت ۹۹): "یہاں تک کہ تجھے مُوت آجائے"

[3] سورۃ قٓ (آیت ۳۵): "اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے"

[4] سورۃ البقرۃ (آیت ۱۰۶): "جب ہم کوئی آیت منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں (سابقہ کتابوں میں) تو اُس سے بہتر یا اُس جیسی لے آئیں گے"

حال ہوئی ہیں اور اُن کی دنیا کو آخرت جیسا بنا دیا گیا ہے اور جن کو وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا[1] کے خطاب سے نوازا گیا ہے وہ اس دارِ غرور کی تنگیوں سے آزادی کے امیدوار ہیں اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[2] والی سعادت کے خلعت سے ممتاز ہیں۔ حضرت قطب الاولیاء (مجددِ الف ثانی) قدس سرہٗ نے اپنے اصحاب میں سے دو کے لیے یہ بشارت فرمائی ہے اور اس طرح فرمایا ہے کہ

"تمہاری دنیا کو آخرت[3] بنا دیا گیا ہے"۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ[4]

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مرقومات میں کہا ہے کہ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اصحاب میں سے دو کو ولایت احمدی سے مشرف فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ[5]

اور یہی مخدوم زادہ سلمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ حضرت مجددِ الفِ ثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب میں سے دو کو فرمایا کہ

"تم دونوں کو دائرۂ غضب سے باہر کر دیا گیا ہے۔ رفعت (درجات) کے امیدوار رہو"۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ ان دو سے مراد جن کے لیے بشارت دی گئی ہے یہی دونوں

---

[1] سورۃ العنکبوت (آیت ۲۷) "اور ہم نے دنیا میں اس کا ثواب اُس کو دیا"۔

[2] سورۃ المائدہ (آیت ۳) "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا"۔

[3] اس قول کی تشریح خواجہ محمد معصومؒ نے مکتوبات (۱/۱۸۹) میں فرمائی ہے۔

[4] سورۃ الحدید (آیت ۲۱) "یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

[5] سورۃ الاعراف (آیت ۴۳) "سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس (عمل) کی راہ دکھائی۔ اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے"۔

مخدوم زادے (محمد سعید اور محمد معصوم) ہیں۔ سلمہما اللہ سبحانہٗ[1])

ایک سفر میں جب کہ یہ دونوں مخدوم زادے حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں موجود نہیں تھے اور کسی ضرورت سے سرہند میں ٹھہر گئے تھے یہ راقم الحروف آپ کی خدمت میں تھا اور دیکھا کرتا تھا کہ جب کوئی عظیم حال اور عجیب معرفت آپ کو حاصل ہوتی تو آپ بہت اشتیاق کے ساتھ ان دونوں نورِ دیدہ کو یاد فرماتے اور اسی زمانے میں یہ چند کلمات جو اُس بات پر شاہد عادل ہیں ان دونوں کو تحریر فرمائے تھے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ فرزندان گرامی گو کہ ہمارے مشتاق اور ہماری ہم نشینی کے خواہاں ہیں اور ہم بھی اُن سے ملنے اور اُن کی ملاقات کے آرزومند ہیں لیکن کیا کیا جاسکتا ہے کہ تمام خواہشیں میسر نہیں

ع تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِی السُّفُنُ

(ہوا اب ہے مخالف کشتیوں کے)

اس لشکر میں خواہش کے خلاف رہنا ہی غنیمت جانتا ہوں اور اس جگہ کی ایک ساعت کو اپنے مسکن کی بہت سی ساعتوں سے بہتر سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ یہاں جو کچھ (روحانی طور پر) میسر ہوسکتا ہے وہ دوسرے مقامات میں اس کی مثل بھی میسر نہیں ہوتا۔ اُس مقام کے علوم ومعارف دوسرے ہیں اور یہاں کے احوال ومقامات جُدا ہیں۔ بادشاہ کی طرف سے جو رکاوٹ ہے اُسے میں اپنے مولا جل شانہٗ کی کمال مہربانی اور رضامندی کا ذریعہ جانتا ہوں اور اس قید میں رہنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ بالخصوص آج کل مخالفت کے زمانے میں عجیب معاملہ ہے اور ان پُر تفرقہ ایام میں عجیب وغریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن جو تازہ دولت ونعمت ہر روز مل رہی ہے فرزندانِ دلبند بہت یاد آتے ہیں اور ان کی دُوری اور عدمِ ملاقات سے جگر کو اضطراب ہوتا ہے۔

---

[1] استانبول والے نسخے کی (قوسین والی) عبارت یہاں ختم ہوئی۔

میں سمجھتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب ہے کیونکہ باپ جس قدر بیٹے کو چاہتا ہے بیٹا اپنے باپ کو اتنا نہیں چاہتا۔ گو کہ اصل اور فرع کا قضیہ اس کے برعکس ہے، کہ اصل کو (فرع کی) احتیاج نہیں ہوتی لیکن فرع سراسر اصل کا محتاج ہوتا ہے۔ لیکن بارگاہ خداوندی سے ایسا ہی ہوا ہے کہ زیادہ شوق اصل ہی کے ثابت ہوا ہے۔ ع

در خانہ بکد خدا ماند ہمہ چیز

(گھر میں گھر والے ہی کی ہر چیز ہے) والسلام[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات کے دفاتر میں بوستان ولایت کے ان دونوں پھلدار درختوں کے معارف خاصہ کا بھی ذکر کیا ہے، جو مکتوبات کے دیکھنے والے سے پوشیدہ نہیں۔

اجمیر کے سفر میں حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں یہ عاجز حاضر تھا اور دستار رہتا تھا کہ ہر روز آپ اس مخدوم زادہ کو خاص نسبت اور مخصوص فیض سے نوازتے رہتے تھے[2] اور خلعتِ خُلّت[3] جس سے مراد ایک عظیم مقام ہے اس سفر میمنت اثر میں ان کو عنایت فرمایا جیسا کہ خود اس مخدوم زادہ نے اس کی تصریح اپنی ایک تحریر میں اس طرح فرمائی ہے کہ

"اللہ تعالے کے فضل و کرم سے وہ بات جو آپ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمائی ہے کہ فلاں خلعتِ خُلّت دوں گا تو اجمیر کے قیام میں وہ خلعت عنایت فرمایا)

ایک دن آپ نے فرمایا

"گویا اجمیر کا یہ سفر محمد سعیدؒ کے لیے تھا، اور اس نے بہت زیادہ ترقیاں کی ہیں"

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔ دفتر سوم۔ مکتوب ۸)۔

[2] قوسین کی یہ پانچ سطری عبارت استانبول والے نسخے کے صفحہ ۴۰۴ میں ہے۔

[3] خُلّت کی تصریح مکتوبات معصومیہ (۲/۱۱۱) میں ہے۔ اور دو مخدوم زادوں کے لیے خصوصی عنایات کا ذکر مکتوبات امام ربانی (۳/۸۲) میں ہے اور موخر الذکر مکتوبات (۳/) میں خواجہ محمد معصومؒ اور (۳/۱۰۴) میں دونوں کے لیے خلعت کا ذکر ہے۔

یک اور موقع پر اس عاجز سے تنہائی میں فرمایا کہ

"زندگی کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ روانگی کا وقت قریب معلوم ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ محمد سعید ایسا ہو جائے کہ میری مسند پر بیٹھ سکے"۔

اس عاجز نے یہ بات مخدوم زادہ کو پہنچائی تو انہوں نے بڑی نیازمندی، رقت، انکسار اور عاجزی کے ساتھ فرمایا کہ

"میں کسی لائق نہیں اور ایسے کام کے لائق کسی طرح خود کو نہیں سمجھتا۔ اور حضرت صاحب تو کہیں تشریف لے جاتے ہیں تو بھائی محمد معصوم کو اپنی جگہ بٹھا دیتے ہیں اور مجھے ان کی خدمت اور متابعت کے لیے فرما دیتے ہیں۔ اگر یہ التماس حضرت صاحب کی خاطر اقدس میں قبول نہ ہو تو مجھے فرمادیں کہ میں دادا صاحب (خواجہ عبدالاحدؒ) کے مزار پر (جو شہر سے باہر واقع ہے) زاویہ نشین ہو جاؤں اور مسند نشینی میرے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی محمد معصوم کے حوالے ہو جائے"۔

میں نے یہ بات مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ کی خدمت میں عرض کی تو وہ بھی رونے لگے اور فرمایا کہ

"اعزی مخدومی خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ مجھے اپنی خدمت کے لائق نہیں سمجھتے اور میں خود جب دیکھتا ہوں تو احوال و اطوار کی استقامت میں اور شرعی احتیاط، نیکی اخلاق اور علمی قوت وغیرہ میں خود کو اُن کا کمترین خادم اور شاگرد پاتا ہوں اور اپنے لیے سعادت اسی میں دیکھتا ہوں کہ اُن کی خدمت میں رہوں"۔

اس عاجز نے یہ تمام واقعہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت میں تنہائی میں عرض کیا تو بہت خوش ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور اس عاجز سے فرمایا کہ

"تم دیکھتے ہو کہ ان دونوں بھائیوں میں کس قدر انکسار، ایثار اور کتنی آپس میں محبت ہے"۔

پھر آپ نے ان دونوں کے حق میں دعا فرمائی۔ اللہ پاک قبول فرمائے [1]۔ پس یہ دونوں اپنے پدر بزرگوار کے تحت انوار و بحار اسرار میں غرق ہوئے اور مقامات عالیہ،

[1] قوسین کی یہ عبارت استانبول والے نسخے کے صفحہ ۴۴-۴۵ میں ہے یہ سب عبارت یعنی ایک بات کے ضمن میں ہیں

کمالاتِ باہرہ، درجاتِ متعالیہ اور مناصبِ فاخرہ پر پہنچے اور خلوتوں اور جلوتوں میں خاص الخاص محرم اور مونس و دمساز بنے۔ ان دونوں کے کمالات بے شمار ہیں اور ان کے معارف و حقائق کا بیان جو قلم کی زبان پر آ سکے بہت دشوار ہے۔ لیکن مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ کے مصداق اُن کے کلماتِ عالیہ کہ جن میں بہت بلند تحقیقات اور تدقیقات ہیں اور خود کے حاصل کردہ بعض مقامات کی تصریح ہے چند برکات[1] کے ضمن میں آئیں گے، انشاء اللہ۔ (یہاں خواجہ محمد سعید[2] کے بعض عریضے لکھے جاتے ہیں جو انہوں نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کو اُن کے سفرِ اجمیر سے پہلے لکھے تھے)۔

ب۔ احقر العبید محمد سعید، خدمتِ اشرف میں عرض پرداز ہے کہ آپ کی اس ظاہری جدائی کے غم کو کیا عرض کروں۔ کبھی تو اس قدر وحشت غالب ہو جاتی ہے کہ وہ ہلاکت اور مرضِ شدید کی طرف لے جاتی ہے اور احوال کی خرابی کا کیا ذکر کروں کہ بہت زیادہ مصروفیات کے باوجود کہ دامنگیر ہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ دیوانہ وار ان تمام تعلقات کو چھوڑ کر اور سب کو بُھلا کر تنہائی میں بیٹھ جاؤں کہ مجھے کوئی سوائے لبِ گور کے کہیں نہ دیکھے۔ کل میں حلقے میں بیٹھا ہوا تھا اور حافظ قرآن پڑھ رہا تھا، ایسا ظاہر ہوا کہ جس طرح ایک برتن کو خالی کرتے ہیں اور پھر بھر دیتے ہیں (تو اسی طرح) اس عاجز کو بھی بھرنا شروع کیا اس طرح کہ اس کی کیفیت سمجھ میں نہیں آتی کہ کس طرح عرض کروں۔ معلوم ہوا کہ تخلیۂ اوّل وجود کے تخلیۂ توہم سے ہے کہ میں خود کو جو عدمِ مطلق اور شرِ محض تھا، وجود اور خیرِ محض جانتا تھا۔ یہ توہم زائل ہوا اور عدم اپنی صرافت کے ساتھ معدوم ہو گیا اور اُس (برتن کا) پُر کر دینا یہ ہے کہ عدم کے بجائے کہ جو شخص کی حقیقت تھی اب اسے ثابت (وجود) بنا دیا۔ لیکن جب اچھی طرح دیکھا تو اس حقیقت کا ہونا[3] (بھی ثابت نہ ہوا بلکہ (اب بھی)

---

[1] مصنفؒ نے ان تمام بزرگوں کے اقوال کو برکات کہا ہے اور "ب" کے ذیل میں اُن کو درج کیا ہے۔

[2] قوسین کی یہ عبارت استانبول والے نسخے کے صفحہ ۵۰۴ میں ہے۔ یہ سب عریضے ایک ساتھ ب کے ضمن میں آتے ہیں۔

[3] قوسین کے یہ الفاظ بھی استانبول والے نسخے کے صفحہ ۵۰۴ میں ہیں۔

خود کو عدمِ مطلق اور شرِ محض ہی دیکھتا ہوں۔ اور ثبوتِ تجدّد (دوبارہ ثابت ہونا) بھی مدِ نظر ہے۔ گویا خالی چیز کو پُر کر رہا ہے۔ اور اُس کی گراں باری ظاہر ہے۔ اُس کے دوسرے دن دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں آئینہ[1] ہے اور اس میں ایسا دکھائی دیا کہ میرے چہرے پر ہلکے ہلکے داغ ہیں کہ لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ میں نے دیکھا کہ وہ آئینہ پوری طرح صاف نہیں ہے۔ میں سمجھا کہ اس میں زنگ لگ گیا ہے اور اس میں صورت داغدار ظاہر ہوئی اس سے میں رنجیدہ ہوا اور میں نے دوسرا آئینہ لیا اور دیکھا کہ اس میں تو اور بھی بُرے داغ نظر آرہے ہیں۔ بہت پریشان ہوا تو ایک اور آئینہ اٹھایا جس میں بہت راستی اور صفائی تھی۔ پہلے تو چہرے کا کچھ حصّہ اُس میں بہت صاف نظر آیا۔ لیکن پھر تمام داغدار نظر آیا۔ اس سے مجھے تعبیر دی گئی کہ کسی چیز کا عکس اُس چیز کا اُلٹا عکس ہوتا ہے۔ پس پہلے جو عدم اور وجود کے درمیان معاملہ تھا اس لیے آئینہ اُس طرح کا تھا۔ لیکن جب معاملہ صرف عدم کا ہو گیا تو وہ آئینہ، عدم کے احکام سے الگ ہو کر ظاہر ہوا۔ پھر دوسرے روز وہ عقدہ بھی حل ہو گیا جو لکھا تھا کہ حقیقت کی نظر میں اچھا دکھائی دینا بدلِ عدم کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہوا کہ انا کے اطلاق کی انتہا، عدم کے بقا یا تمک ہوتی ہے جو باطل سے ملتبس ہے۔ جب عدم اپنی اصل سے مل جاتا ہے اور انا ختم ہو جاتی ہے تو اس وقت حقیقت، بغیر اطلاقِ انا کے ثبوت سے مبدّل ہو جاتی ہے اور اسی مقام پر علمِ حضوری کا انقطاع واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ وجود ہمیشہ خود ہی حاضر ہے۔ آپ کے صدقے میں امیدوار ہوں کہ ان حقائق کی تفصیل سے بہرور ہو جاؤں۔ انتہیٰ۔

[2] البتہ وہ معارف اور بشارتیں جن کے ذکر کرنے کا وعدہ اوپر کیا جا چکا ہے یہ ہیں جہاتِ[3] برکتوں کے ضمن میں نقل کی جاتی ہیں:-

---

[1] یہ بھی استانبول والے نسخے میں ہے کہ "آئینہ را بدست دارم"۔

[2] یہاں سے قوسین والی لمبی عبارت استانبول والے نسخے کے صفحہ ۴۰۵۔۴۰۶ میں درج ہے۔

[3] یہاں سات کا ذکر ہے لیکن استانبول والے نسخے میں صرف دو برکتوں کے ضمن میں ان کا ذکر ہے۔ البتہ حضرات القدس (حضرت یاز دھم) میں یہ سب مذکور ہیں۔

ب۔ حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ

"اے فلاں (محمد سعید) تم میرے ضمن میں ہو اور تمہاری نسبت ضمنی ہے تو اس بات سے دل تنگ مت ہونا، کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمنی تھے"۔

ب۔ حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اس مخدوم زادہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"تم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دائرۂ نفی کو قطع کر لیا ہے اور اب تم اثبات میں میرے ساتھ ہو"۔

اور آپ نے اپنے بعض قریبی اصحاب پر ظاہر فرمادیا تھا کہ سلسلے میں قُلّت کا معاملہ پڑا رہ گیا تھا جو فی الحال گو کہ ہمارے پاس ہے لیکن اس مخدوم زادہ کے سپرد کیا جاتا ہے)

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اپنے انتقال کے قریب فرمایا تھا کہ

"عروج و نزول کے کسی مقام پر اب تک وہ (محمد سعید) میرے پیچھے نہیں رہا بلکہ میرا ساتھی رہا"۔

حضرت مخدوم زادہ (محمد سعید) نے اس عاجز سے بیان کیا کہ ایک رات میں اپنے صحنِ خانہ میں اندر سے دروازہ بند کرکے سو رہا تھا اور رات آدھی یا زیادہ گزر چکی تھی کہ کسی نے بہت زور سے دروازے کو پیٹا۔ میں حیران رہ گیا کہ کون ہوگا۔ میں نے بہت پوچھا لیکن جواب نہ ملا۔ میں دروازے پر آیا کہ اُسے کھولوں لیکن وہ شخص اپنی طرف کھینچتا تھا اور میں اپنی طرف۔ اسی اثنا میں حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کی آواز سنائی دی کہ "محمد سعید حاضر رہو"۔ اس آواز کے سنتے ہی وہ آنیوالا غائب ہوگیا۔ صبح کو جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو قبل اس کے کہ میں رات کا قصہ عرض کردوں آپ نے فرمایا کہ

"آج رات ایک جن تمہارے گھر میں مزاحم ہونا چاہتا تھا۔ مجھے اطلاع ہوگئی تو میں نے اُسے آواز دے کر بھگا دیا"۔

اسی سلسلے میں آپ کے بعض ثقہ اصحاب جو وہاں موجود تھے آپ کی زبانی نقل

کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا،

"ایک رات اپنے گھر میں میں سو رہا تھا، ابھی کچھ نیند آئی تھی کہ ایک جن نے مجھ پر تصرف کرنا چاہا۔ میں نے کلمہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھا۔ ابھی یہ کلمہ میری زبان سے ادا ہوا ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ فرشتوں نے نازل ہوکر اُسے پارہ پارہ کر دیا اور اُس کے متعلقین کو بھی وہاں کے قریب دجو...ت جلاوطن کر دیا۔ اور دوسری جگہ پہنچا دیا"،

اس واقعے کو بیان کرنے والے صاحب نے بتایا کہ اُسی روز اُس جگہ سے ایک شخص لایا گیا تھا جس پر رات کو آسیب نے ستایا تھا۔ اس بات سے مزید تصدیق ہوئی کہ اُس جگہ جنات تھے،

ب۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ مبداء و معاد[۱] میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک دن جنات کے احوال مجھ پر ظاہر کئے گئے، میں نے دیکھا کہ جنات گلی کوچوں میں انسانوں کی طرح پھر رہے ہیں اور ہر جن کے سر پہ ایک فرشتہ متعین ہے کہ اُسکے خوف سے جن اپنا سر بھی نہیں اُٹھا سکتا اور داہنے بائیں بھی نظر نہیں کر سکتا (الا) مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوا کہ ہر فرشتے کے ہاتھ میں ایک آہنی گرز ہے کہ اگر جن سے ذرا سی مخالفت کا احساس بھی ہو تو ایک ہی ضرب میں اُس کا کام تمام کر دیا جائے۔

(۳) حضرت خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کے تیسرے فرزند ہیں۔ ان کی ولادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ کو ہوئی۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ

"محمد معصوم کے مبارک قدموں کے آنے سے یعنی ان کی ولادت ہمارے

---

[۱] اس رسالے میں حضرت مجدد کے مختلف علوم و معارف ہیں جو اُن کے خلیفہ محمد صدیق کشمی نے ۱۰۱۹ھ میں مرتب کئے تھے۔

لیے بہت مبارک ثابت ہوئی کہ اُن کے تولد کے چند ماہ بعد ہی حضرت خواجہ رباقی باللہ) کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور وہاں دیکھا جو دیکھا۔

ایک اور موقع پر اس فرزند ارجمند کے علوِ استعداد کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ

"محمدی المشرب لوگوں میں سے ہیں "

آپ نے ایک مکتوب میں بھی لکھا ہے کہ

"اپنے فرزند محمد معصوم کے متعلق کیا کہوں کہ وہ اپنی ذات سے اس دولت کے قابل ہے (یعنی ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ)"

آپ نے زبانی بھی فرمایا کہ

"اس کی علوِ استعداد ہی کا اقتضاء تھا کہ تین سال کی عمر ہی میں اُس نے جامعیت استعداد سے حقیقتِ تجلیِ ذاتی اور توحید کی بات کہی اور وہ کہتا تھا کہ میں آسمان ہوں، میں زمین ہوں اور میں فلاں ہوں اور میں فلاں ہوں. یہ حق ہے کہ "

چوں زلیخا کز سپندان تا بہ عود
نام جملہ چیز یوسف کردہ بود
تھا زلیخا کی طرح یہ ماجرا
اُس نے ہر اک چیز کو یوسف کہا

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ

"اس راہ میں فیضانِ الٰہی کے انوار حاصل کرنے کے لیے پیر و جوان، عورت مرد اور بچے سب برابر ہیں ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ " (یہ اللہ کا فضل ہے ۔ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

[1] اور جناب باری تعالے سے اس مخدوم زادہ کی مناسبتِ اصلی اور رابطۂ جبلی پہ جو

---

[1] قوسین کی عبارت استنبول والے نسخے کے صفحہ ۲۰۶-۲۰۷ میں ہے۔

بات دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو ایک مدت تک اس مخدوم زادہ کے نکاح کی اجازت (اللہ پاک کی طرف سے) نہیں ملی۔ ہر چند کہ آپ دعا فرماتے رہے اور استخارہ بھی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ کو بیٹھے پر پیشاب کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے۔ وہاں بیٹھے ہی تھے کہ وہاں گندم کے چند دانے پڑے ہوئے دیکھے آپ نے ادب کی رعایت فرماتے ہوئے وہاں پیشاب نہیں کیا اور اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی اثناء میں آپ پر الہام ہوا کہ آپ کو اس فرزند کے نکاح کی اجازت دی گئی اور یہ انکشاف فرمایا گیا کہ بوستانِ کمال کے اس نوخیز پھل کے حق میں نکاح کی ممانعت دراصل غیرتِ الٰہی کے کمال کی وجہ سے تھی۔)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہمیشہ اُن کی بلند استعداد اور رشد و ہدایت کی صلاحیت کو اُن کے بچپن اور نوعمری کے زمانے سے مشاہدہ کرتے رہتے تھے اور اپنی عنایات کی نظر اُن کے شاملِ حال فرماتے رہتے تھے۔ اور اُن کی ایسی بلند استعداد کی وجہ سے اُن کے کمالاتِ مخفی کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے اور دریہ بھی فرماتے تھے کہ علم ہی تمام احوال کا مبداء ہے اس لیے اُس کو حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ اسی لیے آپ ان کو علوم معقول و منقول کی تحصیل کے لیے ترغیب دلایا کرتے تھے۔ اور علمی دقیق کتابوں کے صفحہ صفحہ اور ورق ورق کے مطالعے کے لیے فرماتے رہتے۔ اور یہ کہ

"بابا، علوم کی تحصیل سے (جلد) فارغ ہو جاؤ کہ تمہارے لیے بہت بڑے کام ہیں"۔

چنانچہ آپ کی توجہ سے ولایت کا یہ نورِ دیدہ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح سولہ سال کی عمر میں تمام علوم (ظاہری) کی تحصیل سے فارغ ہو گیا۔

اور گو کہ وہ تحصیل قال (ظاہری علوم) کے ساتھ ہی تحصیل حال اور تنویر بال (دل کے نور) میں بھی مصروف رہے لیکن اس (ظاہری علوم) کی فراغت کے بعد پوری طرح اس طرف متوجہ ہو گئے، یہاں تک کہ اللہ پاک کی عنایت سے اپنے والد بزرگوار رضی اللہ عنہ کے احوال و اسرارِ خاصہ سے بھی بہرہ مند ہو گئے[1] (اور اپنے والد ماجدؒ کے اسرارِ عامہ بھی معاملات

---

[1] یہاں سے جز توسیعی میں وہ عبارت شروع ہوتی ہے جو استنبول والے نسخے کے صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹ میں ہے۔

مخفیہ، مقاماتِ رفیعہ، درجاتِ عظیمہ، کمالاتِ بلند اور حالاتِ ارجمند سے بشارت اور صحیح تحصیل کسلی اور تکمیل وارشاد کے آثار اپنے پدرِ بزرگوار رض کی طرح اپنے اندر پیدا کر لیے اور تمام عالم کے اطراف و اکناف میں ان کی ہدایت کا نور پھیل گیا چنانچہ اس مخدوم زادہ کی یہ تحریر اس مقصد کے لیے گواہ ہے ۔

"اللہ جل شانہٗ کے کرم سے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں اور میرے پیر دستگیر قدس سرّہٗ کی توجہ کی برکت سے سلوک اور تکمیل کا معاملہ انتہائی آسانی کے ساتھ طے ہوگیا اور وصول کا راستہ بہت قریب ہوگیا اور زمانوں کے معاملات، دنوں اور مہینوں کے لیے مقرر ہوگئے۔ اور گو کہ مسترشد لوگ کم ہیں اور ان کی وجہ سے اس معاملہ سلوک میں کمی ضرور ہے لیکن کیفیت کے لحاظ سے اس معاملے میں خوب خوب ترقی ہے۔ ایک مسترشد کا یہ حال ہے کہ صرف سات روز میں اُس نے ابتدائی تعلیم سے فنائے قلبی تک کی تحصیل کے آثار دیکھ لیے اور وہ ایسی باتیں بتا رہا تھا کہ گویا وہ فنائے نفس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ (اور اللہ کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔) اس فقیر کے اکثر اجازت یافتہ لوگ جب اپنے مُریدوں کے احوال اور سرعتِ وصول کے واقعات بیان کرتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔" ؎

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطاں　　تو اے خواجہ نہ ہو بالکل تو حیراں[1]

اور چونکہ مخدوم زادہ عالی شان کے خصائص و کمالات کا شمار، والد بزرگوار رض کے کمالات کی بغایت مماثلت کی وجہ سے دشوار ہے اور حضرت بزرگوار کی بشارتیں ان کے لیے اتنی ہیں کہ اُن کی گنتی بھی مشکل ہے بلکہ وہ بشارتیں اکثر ایسی ہیں جو چھپانی چاہئیں اس لیے ان میں سے صرف چند بشارتیں جو قابلِ اظہار ہیں رمز و اشارہ کے طور پر بیان عرض کی جاتی ہیں اور بعض تو ایسی بھی ہیں جو مخدوم زادہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کے احوال کے

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ۔ دفتر اوّل ۔ ۲۳۵ ۔ حضرات القدس (حضرت یازدھم) میں یہ مکتوب مفصل درج ہے۔

ضمن میں بھی عرض کی جا چکی ہیں)

اور مخدوم زادہ (محمد معصوم) نے ایک واقعہ میں دیکھا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس کی تعبیر میں اُن کے مرتبۂ قطبیت کے متعلق اشارہ فرمایا ہے تو مخلصین امید رکھتے ہیں کہ (انشاء اللہ) وہ اسی مرتبے پر پہنچیں گے۔ وہ واقعہ یہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا تھا کہ

"میں نے اپنے اندر ایک نور دیکھا کہ جس سے تمام عالم منور ہے اور وہ نور تمام ذرات میں سرایت کئے ہوئے ہے جیسے کہ سورج ہوتا ہے کہ اگر وہ ڈوب جائے تو تمام عالم تاریک ہو جائے"

اس واقعے پر حضرت مجدد قدس سرہٗ نے بشارت دی کہ

"تم اپنے وقت کے قطب ہو گے اور یہ بات میری تم یاد رکھنا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا" [۱]

(حضرت مخدوم زادہ نے اپنے بعض مکتوبات [۲] میں اس بشارت کا ذکر کیا ہے۔ الحمد للہ کہ اسی کے مطابق بات ظہور میں آئی اور بشارت کا اثر ظاہر ہوا)۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ ایک دن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی زبانِ مبارک سے میں نے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کہ

"محمد معصوم کا یوماً فیوماً ہماری نسبتوں کا حاصل کرنا صاحب شرحِ وقایہ کی طرح ہے جیسا کہ انہوں نے اس کتاب کے خطبے میں لکھا ہے کہ ——

میرے دادا کتاب وقایہ کو ایک ایک سبق کے بمقدار تالیف کرتے جاتے تھے اور میں ساتھ ہی ساتھ اُسے حفظ کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کتاب کی تکمیل کے ساتھ میرا حفظ بھی مکمل ہو گیا"

راقم الحروف کہتا ہے کہ مخدوم زادہ کے علوِ حال اور اس نو بادۂ بوستانِ کمال کی

---

[۱] قوسین کی عبارت اُسی استانبول والے نسخے کے صفحہ ۴۰۹ میں سے ہے۔

[۲] مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اول ۸۲ - ۸۳ وغیرہ۔

تعریف کے سلسلے میں یہ باتیں ہی کافی ہیں۔[1] (اور اس مخدوم زادۂ عالی قدر نے اپنی خاص بیاض میں لکھا ہے کہ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہ فرمایا کرتے تھے کہ

"سرورِ دین و دنیا صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقتِ سراپا برکت (کے خمیر میں) سے جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ آپؐ کے اولش خوردوں میں سے آپؐ کی اُمت کے ایک صاحبِ دولت فرد کو عطا فرمایا گیا اور اُس کا خمیر اُسی مٹی میں سے تیار ہوا اور اس راہ میں اُس فرد کو نسبت اصالت سے بہرہ ور کیا گیا اور اس بقیہ میں سے بھی اس فرد کی تخمیرِ طینت کے بعد جو بہت تھوڑی سی مٹی بچ رہی تھی اُس سے اُسی فرد کے ایک منتسب کا خمیر کیا گیا اور اسی انداز سے اُس نے بھی اصالت سے حصہ پایا ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ (بے شک تیرا رب کھلی بخشش والا ہے) حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کو جو اصالت (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے) نصیب ہوئی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ہے۔۔۔۔"[2]

اور حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہ نے اس مخدوم زادۂ عالی مقدار سے یہ بھی فرمایا کہ

"جو کچھ اصالت میں سے حصہ تم کو حاصل ہے اُسی قدر محبوبیت بھی تمہیں ودیعت کی گئی ہے یعنی محبوبیت ذاتی جس کا پتا اس درویش کے کمالِ انفعال سے ہوتا ہے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ (اور یہ بات اللہ کے نزدیک بڑی نہیں ہے)۔"

اور اس مخدوم زادہ نے بعض مکتوبات میں بھی لکھا ہے:۔

(۱) (بتاریخ سوم ماہ شعبان سہ شنبہ ۱۰۳۱ھ) عصر کی نماز میں نہایت عظیم بسط رونما ہوا اور بلند مقام اور بہت ہی عجیب کیفیت کے ورود سے مشرف ہوا کہ جس کی مثل کبھی بھی

---

[1] قوسین میں شروع ہونے والی عبارت جو کئی صفحات تک ہے استانبول والے نسخے کے صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۴ میں ہے۔

[2] مکتوبات معصومیہ۔ نسخہ اوّل ۲۰ ۲ میں بھی یہ واقعہ درج ہے۔

پیش نہیں آئی تھی اور خیال و تصور میں بھی نہیں آئی تھی اور وہ امور پیش آئے کہ
"نہ کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ کسی کان نے سُنے"
نہ زبان کو اُن کے بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ قلم کو اُن کے لکھنے کی مجال ہے۔

فریادِ حافظ ہے تو کوئی بے سبب نہیں ۔۔۔ یہ قصۂ غریب بھی ہے بات بھی عجیب

میں سمجھتا ہوں کہ اس کا حصول، عالمِ اصالت و محبوبیت ذاتی سے ہے۔ شاید اس مقام کو کاتب کے ساتھ ایک خصوصیت تھی کہ اس بارگاہِ معلی میں اپنے آپ کو منفرد دیکھا۔ کلمۂ طیبہ اور ذکر کے تمام الفاظ مثلاً تسبیح و تحمید و تکبیر کے نتائج کے لیے اُس حریم قدس میں گنجائش نہیں پائی۔ اگر گنجائش ہے تو قرآن مجید کو ہے اور نماز کو بھی قرآن مجید کے تعلق سے گنجائش ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کے ادا کرنے کے سوا اس مقام کے ساتھ نسبت کو معطل و بے کار پاتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ کسی کسب و عمل کو اس نسبت عالیہ کے حصول میں دخل کی گنجائش نہیں (بلکہ یہ) محض ایک بخشش ہے اور عنایت ہی کا واسطہ ہونا چاہیے اور سب کچھ ہیچ ہے۔ شاید کہ ریاضات و مجاہدات کا تعلق قربِ ولایت کے مبادی سے ہے۔ جب تک اصول اور اصولِ اصول میں سیر ہوتی ہے اعمال صالحہ مفید اور نتائج بخش ہیں کہ اُن کے وسیلے سے سالک مستعد ترقیاں حاصل کرتا ہے اور نفی و اثبات کے کلمہ کی تکرار سے وہ ظل سے اصل کی طرف جاتا ہے اور اصل سے اصل اصل کی طرف عروج پاتا ہے اور جیسا کہ بیان ہوا اس مقام پر اصل کو ظل کے رنگ میں راستے ہی میں چھوڑ دینا چاہیے۔ سخت ریاضتیں اس بارگاہِ معلی کے قریب کوئی راستہ نہیں کھولتیں اور اس مقام تک پہنچنا محض بخشش ہے یا صرف محبت ہے۔ خصوصیت اور کسی کا شریک نہ ہونا جو کہ مذکور ہوا جب اچھی طرح غور کیا تو دیکھا کہ (یہ بات) اس راستے میں پیش آتی ہے کہ جو شخص بھی اس مقام تک پہنچا ہے اپنے آپ سے ایک مقام رکھتا ہے کہ کسی دوسرے کو اصالت کے طور پر اس میں شرکت نہیں ہے۔ اگرچہ اس مقام تک پہنچنے والے بہت ہی کم ہیں۔ ان میں سے حضرت علی (مجدد والف ثانی قدس سرہ) کو میں نے دیکھا کہ وہ نہایت عظمت اور بے حد شوکت کے ساتھ نظر آئے۔ چنانچہ عقل و وہم اس کے ادراک میں

حیران و پریشان ہے اور زبانِ قلم اور قلمِ زبان اس کے بیان میں عاجز و قاصر ہیں۔
جاننا چاہئے کہ عالم کو حضرت حق سبحانہٗ کا ظل جاننا یا آئینۂ الٰہی تصور کرنا اور (پھر) موہوم کو دیکھنا اور ظل کے منعکسہ کمالات کو اصل کے سپرد کرنا اور ظل کو خالی بلکہ معدوم سمجھنا، پھر اسے اصل کے کمالات کے ساتھ متحقق پانا، یہ سب قربِ ولایت میں سے ہے کہ ظل سے اصل کے ساتھ مل جاتا ہے۔ بعد اس کے کہ اصل کو ظل کے رنگ میں راستے ہی میں چھوڑ دیتا ہے اور اس حریم قدس کے ارد گرد پہنچ جاتا ہے، تو ان امور میں سے کچھ بھی درکار بلکہ متصور نہیں ہوتا۔ اس مقام پر ظل کو جاننا نہیں ہے اور اوصاف کو اصل کے حوالے کرنا اور اپنے آپ کو فانی اور مستہلک دیکھنا نہیں ہے اور اصل کے ساتھ بقا اور تحقیق پیدا کرنا مشہود نہیں ہوتا کہ اس مقام تک پہنچنے کا راستہ جدا ہے اور اس راہ سے اُس مقام تک پہنچنا دشوار ہے [۱]۔

(۲) اور اس مخدوم زادہ (خواجہ محمد معصومؒ) نے یہ بھی لکھا ہے :۔ حضرت ایشاں (مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ) نے مخدوم زادہ کلاں یعنی خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات کے زمانے میں ایک دن فرمایا کہ
"سابقین کے گروہ میں کہ جن کی شان میں حضرت حق سبحانہٗ نے فرمایا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ (ایک گروہ قرونِ اولیٰ کے حضرات میں سے اور تھوڑے آخر زمانے کے حضرات میں سے ہیں (الواقعہ آیت ۱۳، ۱۴) اس نے نظر کی (تو) خود کو اس جماعت میں دیکھا اور اپنے منتسب لوگوں میں سے بھی ایک شخص کو اس مقام میں اپنے ساتھ پایا۔"
اور اسی کی مثل متشابہات کے اسرار میں بھی (اس مخدوم زادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کے انتقال کے بعد) آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ
"متشابہات، معاملات سے کنایہ ہیں۔ جائز ہے کہ کسی شخص کو معاملہ حاصل ہو

---

[۱] یہاں تک مکتوباتِ معصومیہ دفتر اول کا مکتوب (۱۹۴)، مندرج ہے۔

اور اُسے اس معاملے کے متعلق علم نہ ہو۔"

یہ بات آپ نے اپنے منتسب لوگوں میں سے ایک شخص میں مشاہدہ کی ہے۔ دیکھیں دوسروں کو کیا ملتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

سعادتہاست اندر پردہ غیب نگہ کن تا کرا۔ یزند در جیب [1]

گویا اس ارشاد میں اشارہ ہے (مخدوم زادہ محمد معصوم کے) معاملے کی طرف جو اس کے حصول کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ' پر انکشاف ہوا تھا اور جیسا کہ اس مخدوم زادہ نے اپنے بعض مکاتیب میں لکھا ہے کہ

"اگر (ان اکابر کے) معاملے کی ذرّہ برابر بھی حقیقت بیان کی جائے تو قریب ہے کہ نزدیک والے دوری تلاش کریں اور واصل حضرات، راہِ فراق تلاش کریں اور سُننے والا ہوش کھو بیٹھے اور کہنے والا تاب و طاقت سے ہاتھ دھولے ؎

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہ ہرزہ نیست ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست [2]

قرآنِ پاک کی آیاتِ متشابہات اس کا ایک رمز ہیں اور فرقان حمید کے مقطعات اس کا ایک اشارہ ہیں۔ یہ دولت اصالت کے طور پر (یعنی بلا واسطہ) انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو حاصل ہے اور کامل وارثوں کو بھی جو اُن بزرگواروں (انبیا علیہم السلام) کے اتباع کی وجہ سے وراثت کے طور پر حاصل ہے، اگرچہ قلیل و نادر ہے۔ پس آپ پر خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰت والتسلیم کا اتباع لازم ہے۔ تاکہ آپ اُن کی برکات حاصل کریں اور اُن کے اذواق (لذتوں) کو چکھیں اور اُن کی شفاعت کی بدولت، قیامت کی ہلاکت گاہوں سے محفوظ رہیں۔" [3]

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ ۱/۲۳۷۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے: غیب میں بھی سعادتیں ہیں لیکن دیکھیے کس کو دم پہنچتی ہیں

[2] حافظ کی بات یہ کوئی بے وجہ تو نہیں۔ یہ بات جو کہی ہے عجیب و غریب ہے

[3] مکتوباتِ معصومیہ۔ ۱/۱۳۴۔

(۳۳) اور ہو سکتا ہے کہ انہی معاملات سے متعلق اشارہ ہو جیسا کہ اس مخدوم زادہ (خواجہ محمد معصوم رح) نے اپنے بعض مخلصوں کو لکھا ہے اپنی عنایات کے ساتھ جو اس عاصی (محمد ہاشم کشمی رح) کے حال پر واقع ہیں کہ ع دادِ او را قابلیت شرط نیست [۱] قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ (جو قبول کر لیا گیا وہ بغیر کسی سبب کے قبول کر لیا گیا)۔ اگر اس کی تفصیل میں مشغول ہو تو احتمال ہے کہ قلم اس کی تاب نہ لا سکے اور کاغذ جل جائے اور کہنے والا اور سُننے والا دونوں بیہوش ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر کون کہے گا اور کون سُنے گا۔ کسی نے خوب کہا ہے: ؎

سراپا آتشی لعل تب قدح گو دیگرے پُر کن ... کہ خواہد سوخت ساغر تا تو مے در جام خواہی کرد [۲]

اور اُس کی لطافت اور رفعت بھی زبان کو پکڑ لیتی ہے۔

یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ (میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی (پ ۱۹ آیت ۱۳)

ع سخن از لبِ تو گفتم بلبم سخن گرہ شد [۳]

پس چاہیئے کہ سُننے والے لوگ۔ کلام کرنے والے کو معذور سمجھیں اور پکڑی ہوئی راہ ہی سے اُسے تلاش کریں تاکہ بیچونِ حقیقی کی ذات سے کچھ حصہ پائیں اگرچہ متکلم کی ذات کو سُننے والوں کی ذات کے ساتھ کچھ بھی ہم جنسیت درمیان میں نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کی ذات نے بیچونی کا کچھ حصہ پا لیا ہے اور بیچونِ حقیقی کی ذات سے ایک خاص اتصال اور نسبت پیدا کر لی ہے۔ بلکہ دوسروں کے لیے جب ہرگز ذات نہیں ہے تو وہ عارف کی ذات کا کس طرح پتا لگائیں گے۔ عارف کے خالق کی ذات خود اُس کے لیے ماوراء ہے۔ بہر حال ہاتھ پاؤں مارنا چاہیے اور ہمیشہ یہی ترانہ دُہراتے رہنا چاہیئے

---

[۱] ع قابلیت شرط نہیں ہے اُس کی بخشش کے لیے۔ اس مصرع سے مکتوباتِ معصومیہ کے ۱/۱۴۳ کا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے مکتوب الیہ میر محمد نعمان رح ہیں۔

[۲] سراپا آگ تو اس رات ہے پس جام بھر واوے بہ دیگرنہ جام بھی جل جائے گا اب ترے بھرنے سے۔

[۳] ع تری بات کرتے کرتے یہ زبان رُک گئی ہے

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　شیئاً للّٰہ از جمالِ روئے تو [1]

(۴) اور اس مخدوم زادہؒ نے حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کو ایک عریضہ [2] میں بھی ایسا لکھا ہے جس سے سابقین کی نسبت آپ کے لیے واضح ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"حضرت سلامت! یہ فقیر اس کے بعد سے کہ آپ سے عالم میں نیچے لائے ہیں اُس نسبت کا نشان کہ جس کے ساتھ عروج کے وقت مشرف کیا گیا تھا اپنے اندر پاتا ہے کہ یمین (دائیں) اور یسار (بائیں) سے بیگانہ ہے۔ یمین و یسار کو اس نسبت سے بہت کم حصّہ حاصل ہے بلکہ کچھ بھی مناسبت نہیں۔ یہ نسبت جو سابقین کے ساتھ مخصوص ہے آپ کے لیے ہے۔ یمین والے یسار والوں کی طرح اس بات کو کس طرح سمجھیں گے اور ارباب ظلال، عام مؤمنین کی طرح اس معمّے کو کیا بوجھیں گے۔ محبتِ ذاتیہ کہ جس میں محبوب کا رنج، دنیا کے اس انعام کی بہ نسبت محبّت میں اضافہ کرنے والا ہوتا ہے اس مقام میں متحقق ہوتی ہے اور جب اپنے ذوق و وجدان کی طرف رجوع کرتا ہے تو بے تکلف پاتا ہے کہ جو لذّت اور حلاوت بلکہ محبت میں جو اضافہ کہ محبوب کے رنج و غم کے دینے کے وقت میں ہے اس کے انعام کے وقت میں نہیں ہے، کہا جاسکتا ہے کہ محبوب کے رنج و غم دینے کا تصوّر ایسی فرحت و مسرّت بخشتا ہے کہ نفسِ انعام میں وہ فرحت و سرور نہیں ہے، کیونکہ محبّتِ ذاتیہ میں فرحت و سرور جسمانیت کی آمیزش سے جس قدر پاک اور خالی ہوتا ہے (اسی قدر) زیادہ کمال پیدا کرتا ہے....."

(۵) اس مخدوم زادہ نے یہ بھی لکھا ہے:۔

---

[1] ہم ہیں مفلس تیرے در پہ ہیں پڑے۔ بھیک دے دے حُسن کی بہر خدا۔ اس شعر پر اس مکتوب (مکتوباتِ معصومیہ ۱/۱۳۲) کا مضمون ختم ہوتا ہے۔

[2] مکتوباتِ معصومیہ ۱/۵۔

ایک دن ہمارے حضرت (مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ) اجمیر کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے بادشاہِ وقت کے ساتھ، صوبۂ پنجاب میں (دریائے چناب کے بالائی کنارے پر) ایامِ تشریق میں جب کہ خریف (خزاں) کا معتدل موسم تھا، فنا و بقا کے اسرار اور عینِ ذاتِ احدیت کے زائل ہونے کے دقائق اپنے خاص طرز میں بیان فرما رہے تھے اور کعبۂ مقصود تک پہنچنے اور اُس کی علامت کے متعلق کلام آپ کی زبانِ مبارک پر جاری تھا اور ایک ماہ سے زیادہ گزر چکا تھا کہ اسی قسم کے معارف بیان ہو رہے تھے اور روز بروز اس کے عجائب و دقائق واضح فرما رہے تھے، یہ فقیر حضرت کی توجہِ مبارکہ سے اس دریا میں غوطہ زنی کر رہا تھا اور حضرت برابر اس عاجز کے لیے روشنی اور حالات پڑتال میں اور اس کے اظہار کے منتظر رہتے تھے اور اس عاجز کی ترقی کی امید رکھتے تھے اور توجہ فرماتے رہتے تھے، یہاں تک کہ جس وقت وہ دقائق بیان فرماتے اور اس عاجز کے سوا کوئی دوسرا شخص خدمتِ شریف میں نہ ہوتا تو اس ناکارہ کے حالات و کیفیات دریافت فرمانے کے بعد اس کے حق میں عنایات ظاہر فرماتے اور مذکورۂ بالا معاملات کے حصول کی بشارت فرماتے۔ حمداً للہ سبحانہ علیٰ ذٰلک وعلیٰ جمیع نعمائہ۔“[1]

ایک اور مکتوب میں حضرت خواجہ (مجددِ الفِ ثانی قدس سرّہٗ) نے آپ (خواجہ محمد معصومؒ) اور خواجہ محمد سعید سلّمہما اللہ کے حق میں ایسے چند کلمات تحریر فرمائے ہیں کہ جن سے ان دونوں صاحبِ اخلاص صاحبزادوں کے علوِ حال و کمال کے حصول کا اندازہ ہوتا ہے:-

”طبیعت ہمیشہ تمہارے حال کی طرف متوجہ اور تمہارے کمال کی خواہاں رہتی ہے۔ پرسوں نمازِ فجر کے بعد خاموشی میں بیٹھا ہوا تھا، ظاہر ہوا کہ جو خلعت کہ میں رکھتا تھا وہ مجھ سے جُدا ہوا اور اُس کے بجائے دوسرا خلعت مجھے عطا ہوا۔

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ ۱/۲۳۸۔ استانبول والے نسخے کی عبارت جو اُس کے صفحہ ۱۴۱۰ میں ہے یہیں ختم ہوتی ہے۔

اس کے بعد مجھے خیال گزرا کہ یہ خلعت کسی کو دیں گے یا نہیں۔ اگر دیں گے تو آرزو یہ ہے کہ فرزندارجمند محمد معصوم کو عطا کریں۔ ایک لمحے کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ خلعت اسی فرزندارجمند کو مرحمت ہوا اور وہ اُتارا ہوا خلعت (جو پہلے کا تھا) معاملۂ قیومیت کی طرف اشارہ تھا جو تکمیل و تربیت سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس عرصۂ مجتمعہ کے ساتھ ارتباط کا باعث ہوا ہے۔ اور اس نئے خلعت کا معاملہ جب انجام کو پہنچے گا اور اُتر جانے والا ہوگا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال کرم سے میرے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ یہ فقیر تضرّع تمام کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں اس مقصد کے لیے دعا کرتا ہے اور اس کی مقبولیت کا اثر بھی دیکھتا ہے اور اپنے فرزند کو اس کا مستحق پاتا ہے۔ ع

با کریماں کارہا دشوار نیست (کریموں کے لیے مشکل نہیں کام)

اگر استعداد ہے تو وہ بھی حق تعالیٰ کی داد و عطا ہے۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست — تو دادی ہمہ چیز من چیز تست [1]

(اس کے بعد حضرت مجددؒ نے دونوں صاحبزادوں کو اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (اے آلِ داود، عمل کرو اور شکر بجا لاؤ۔ میرے بندے شکر کرنے والے تھوڑے ہی ہیں)۔ تم جانتے ہی ہو کہ شکر سے مُراد یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہری اور باطنی اعضاء اور جوارح اور قویٰ کو جس جس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے صرف کرے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو شکر بھی حاصل نہ ہوتا [2]

---

[1] نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے۔ مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے در سے (لاہور والے ترجمۂ مکتوباتِ امام ربانیؒ میں اس شعر کا یہی ترجمہ ہے)۔

[2] مکتوباتِ امام ربانیؒ ۴/۳، ۱۰۰۔ اسی مکتوب کے آخر میں حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ "شاید اس میں خواجہ معین الدینؒ کی روحانیت بھی دخل ہوگا یہ مکتوب اجمیر میں حاضری کے بعد لکھا ہوگا۔ اس کے بعد جو عبارت آتی ہے وہ استنبول والے نسخے کے صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۴ میں ہے۔ اور یہی مکتوباتِ معصومیہ ۱/۸۶ میں ہے۔

(۶) حضرت مخدوم زادہ (محمد معصومؒ) نے بھی اس عجیب انعام کے حصول پر اپنے طور پر صراحت فرمائی ہے اور یوں تحریر فرمایا ہے:۔

"اس وقت جب کہ ایک درویش کو (یعنی مجھ کو) خلعتِ قیومیت سے نوازا اور اُس کو اس امرِ عظیم سے سرفراز فرمایا، تو اس درویش کو تنہائی میں طلب کرکے فرمایا کہ اس مجمع گاہ (دنیا) کے ساتھ میرے ارتباط کا تعلق یہی قیومیت کا معاملہ ہا ہے جو کہ تجھ کو عطا کر دیا گیا۔ اور مکوّنات (موجودات) پورے شوق کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ اب میں اِس فانی دنیا میں اپنے رہنے کا کوئی سبب نہیں پاتا۔ اور آپ نے اِس پُرآشوب دنیا سے رحلت کا وقت قریب ہونے کے متعلق فرمایا، تو یہ زخمی دل درویش اس بشارت کو سُننے کے باوجود، جگر سوختہ اور اشکبار ہوکر اپنے اندر غم واندوہ میں ڈوب گیا۔ نہ زبان کو بات کرنے کی طاقت رہی اور نہ کانوں کو سُننے کی تاب رہی۔ جب حضرت عالی نے اِس مسکین میں تبدیلی دیکھی تو نہایت شفقت سے فرمایا "غم مت کر۔ اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ کسی کو اپنے پاس بُلاتے ہیں اور کسی کو اُس کی جگہ بٹھاتے ہیں اور نہایت لطف و مہربانی سے نفحات الانس کے مصنف کی وہ عبارت زبانِ مبارک سے ادا فرمائی کہ

"پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی جگہ بیٹھے، پھر جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اُٹھا لیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی جگہ بیٹھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُٹھا لیا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُن کی جگہ بیٹھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اُٹھا لیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کی جگہ بیٹھے۔"

اس درویش نے (یعنی میں نے) چونکہ اس منصب کی کوئی اہلیت اپنے اندر نہیں پائی اور مذکورہ غم واندوہ بھی دل میں بیٹھا ہوا تھا تو (میں نے) ہاں نہیں، کچھ بھی نہیں کہا اور جن امور کا سمجھنا ضروری تھا وہ بھی درمیان میں نہ لایا۔ یہی وجہ تھی کہ جب

حضرت نے فرمایا کہ

"تیری قیومیت سے اشیائے عالم، میری قیومیت سے بھی زیادہ راضی اور خوش ہیں تو یہ درویش اس کی لم اور علت پوچھنے کی بھی جرأت نہ سکا....

جب حضرتؒ نے اس درویش کا غم بہت زیادہ دیکھا تو فرمایا کہ ابھی میری رحلت کو کچھ مہلت (تاخیر) ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ کیا تعلق درمیان میں ہے (پھر متوجہ ہو کر ایک لمحے کے بعد فرمایا) میرے وصال کے دنوں تک تیرا قیام میرے ساتھ ہوگا اور افرادِ عالم کا قیام تیرے ساتھ ہوگا"

یہ قول اس مسکین کے غم زدہ دل کو قدرے تسکین دینے والا ہو گیا۔

اس واقعے کے ایک سال اور چند روز کم تین ماہ بعد حضرت عالی کے وصال کا واقعہ پیش آیا، .... جاننا چاہیے کہ قیوم اس دنیا میں حق تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے اور اُس کا نائب مناب ہوتا ہے.... گو اور تمام (افرادِ عالم) اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اہلِ دنیا کی توجہ کا قبلہ وہی ہوتا ہے، خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں۔ بلکہ اہلِ عالم کا قیام اُسی کی ذات سے ہے، اس لیے کہ افرادِ عالم چونکہ اسماء و صفات کے مظاہر ہیں کوئی ذات ان کے درمیان کائن (موجود) نہیں (اس لیے) سب کے سب اعراض و اوصاف ہیں اور اعراض و اوصاف کو ذات و جوہر کے بغیر چارہ نہیں کہ اُن کا قیام اُن کے ساتھ ہے اور اللہ تعالےٰ کی سنت جاری ہے کہ طویل زمانوں کے بعد کسی عارف کو ذات سے ایک حصہ عطا فرما کر اُسے ایک ایسی ذات عطا فرماتے ہیں کہ وہ نیابت و خلافت کے طور پر اشیائے عالم کا قیوم ہو جاتا ہے اور اشیاء اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں[1]

(۷) اور آپ نے (خواجہ محمد معصومؒ نے) یوں بھی (عربی میں) لکھا ہے:۔

... جو عارفِ کامل، البقائے ذاتی کے ساتھ مشرف ہے وہ اپنے جمال کو حیاتوں کے

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ، ۱/۱۸۸۔ تفصیل اصل مکتوب میں دیکھیں۔

آئینوں میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی ذات کو کُلی اور اجمالی طور پر اور عالم کو اپنے مظاہر و تفصیل میں دیکھتا ہے اور اپنی ذات کو افرادِ عالم میں سیرات کئے ہوئے اور اس طرح احاطہ کئے ہوئے معائنہ کرتا ہے جس طرح کل اپنے اجزاء کو احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔ بلکہ اُن میں سے بعض کو ایسا احاطہ ہے جیسا کہ ذات کا احاطہ صفات کے لیے ہوتا ہے۔ پس اُس کے لیے ذات ہے اور اُس کے ماسوا صفات کے مظاہر ہیں۔ اور یہ آخر قسم کاملین میں سے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ نادر ہونے میں اس کے لیے عنقا کا حکم ہے اگر کوئی (اس کا) پانے والا ہزاروں سال کے بعد (اس کو) پالے، تو بے شک اُسے غنیمت جانے۔

۵ اگر پادشہ بردرِ پیرزن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن [۱]

اس کے تھوڑے عرصے کے بعد جب یہ دونوں مخدوم زادے (خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ) حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ "خلعتِ ثانیہ موعودہ جس کا ذکر ہوا تھا وہ میرے فرزند محمد سعیدؒ کو بھی عطا فرمایا گیا ہے والحمد للہ علی ذٰلک۔ اور یہ خلعت، عبارت ہے مقامِ خلت سے"، اس کے علاوہ بھی حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے کیا مکتوب میں اور کیا مکالمات میں ان دونوں برکتوں والے فرزندوں کے مکالمات سے متعلق بہت سے موقعوں میں ارشادات فرمائے ہیں۔ اللہ پاک ان کی برکتوں کو ہمیشہ جاری و ساری رکھے اور ان دونوں سرچشموں کے آبِ زلال سے اس راہ کے پیاسوں کو سیراب کرتا رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایتوں سے جو اس مخدوم زادۂ ثالث (یعنی خواجہ محمد معصومؒ) کے شاملِ حال ہیں کہ آپ نے طلبۂ علم اور طالبانِ حق کی تعلیم و تربیت اور اوراد و وظائف کے التزام کے باوجود تھوڑی سی مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ماشاء اللہ کیسا اللہ پاک کا

---

[۱] مکتوباتِ معصومیہ ۱/ ۱۳۹۔ شعر کا ترجمہ یہ ہوگا۔ اگر بادشاہ آئے بڑھیا کے گھر۔ تو اے خواجہ بڑھ کر حسد نہ کر۔ یہیں استنبول والے نسخے کا وہ اضافہ ختم ہو جاتا ہے جو اس کے صفحہ ۱۸۱ تا ۲۰۰ میں ہے۔

فضل واحسان ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس مخدوم زادہ کو اپنے بزرگوار کے اسرار و معارف سے پوری طرح واقفیت ہے۔ کیونکہ آپ نے وہ معارف اپنے مکتوبات میں بھی داخل کیے ہیں، اور خاص اسرار بھی جو اپنے والد بزرگوار سے خلوتوں میں سُنے تھے اور اُن میں سے ایسے بھی ہیں جو آپ نے اپنی خاص بیاض میں تحریر فرمائے ہیں۔ چونکہ آپ اس عاجز پر نظر کرم فرماتے ہیں اور محرم راز بھی سمجھتے ہیں۔ اس لیے آپ نے اُن میں سے اکثر معارف مجھے بتائے ہیں اور بعض کی نقل کی اجازت بھی دی ہے۔ اُن میں سے بعض کا ذکر تو میں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے احوال میں کر دیا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کے اظہار کی مجھے تاب و مجال نہیں ہے۔ اب یہ پانچ برکات عرض کرتا ہوں:۔

ا۔ (آپ نے بتایا کہ) قبر کا روضہ ہونے سے مراد (کہ حدیث میں آیا ہے کہ "قبر، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے") یہ ہے کہ قبر اور جنت کے درمیان جو حجابات اور فاصلہ ہے وہ دور ہو جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی حجاب اور رکاوٹ نہیں رہ جاتی، گویا وہ بقعۂ قبر جو فنا ہے جنت کے لیے بقاء کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پس سمجھ لو کہ یہی معنی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے کہ

"مَا بَیْنَ قَبْرِیْ وَ مِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ" [1]

(میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے)

روضہ کی یہ قسم، اخص خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسروں کے لیے اگر ایمان کی نورانیت کی وجہ سے جنت کا پرتو اُن کی قبر کے بقعہ پر پڑتا ہے تو ممکن ہے۔

---

[1] لیکن مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ؐ کے سب سے پہلے منبر کے قریب یہ حدیث اس طرح لکھی ہے کہ "مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَ مِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ"، (میرے مکان اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے)۔ مکان سے منبر تک بار بار تشریف لانے اور لے جانے سے اللہ پاک نے اس جگہ کو جنت کا ایک باغ بنا دیا۔ سبحان اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ہی دفن ہوئے اسلئے دونوں صورتوں میں مراد ایک ہی ہے۔

ب۔ وہ زندگی جو اس دنیا کے سہنے سے تعلق رکھتی ہے دو چیزیں چاہتی ہے (۱) حس اور (۲) حرکت ۔ اور وہ زندگی جو برزخ سے تعلق رکھتی ہے وہ محض حس ہے جس میں حرکت نہیں ۔ حق تعالیٰ حکیم مطلق ہے اور اُس نے ہر موقع کے مطابق زندگی عطا فرمائی ہے اور برزخ میں بغیر حس کے چارہ نہیں کہ اس میں تالم اور تلذذ ہوتا ہے اور اس میں حرکت کی ضرورت نہیں۔

ب۔ وہ علم جس سے انکشاف مقصود ہے اُس کی دو قسمیں ہیں کہ وہ انکشاف یا احاطہ ہوتا ہے یا وہ محض انکشاف ہی ہوتا ہے اور وہ علم جو ممکن سے تعلق کرلیتا ہے پہلی قسم میں داخل ہے اور وہ علم جو واجب سے متعلق ہوتا ہے وہ قسم دوم میں سے ہے۔ اور اس علم کو ادراک بسیط کہتے ہیں اور عدم احاطہ کی پہچان یہ ہے کہ اس کی کیفیت، ادراک میں نہیں آتی اور رؤیتِ اُخروی بھی اسی قسم دوم کی طرح ہے۔ کہ وہاں صرف انکشاف ہے بغیر کیفیت کے اور یہ کیفیت کس طرح معلوم ہو سکتی ہے جب کہ وہاں کیفیت ہی نہیں ہے۔ (ذاتِ حق تعالیٰ میں کیفیت ہی نہیں۔)

ب۔ مقامِ رضا میں جو مقام حُبّ سے اوپر ہے دو چیزیں ہوتی ہیں۔ پہلی چیز تو رضائے حق ہے بندے کے لیے اور دوسری رضائے بندہ ہے اللہ کے لیے۔ دوسری چیز پہلی سے اوپر ہے، کیونکہ پہلے رضائے حق ہے اور بعد میں رضائے بندہ ہے۔ جیساکہ ارشادِ باری ہے کہ۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)۔

ب۔ ایک روز حضرت مجددِ الفِ ثانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:۔ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ[۵] ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا)۔

اور فرمایا کہ

"اس استنساخ سے علمائے کرام نے استنساخ ملک مراد لی ہے (کہ فرشتے لکھتے ہیں) اور وہ اس کی اسناد کو مجازی قرار دیتے ہیں لیکن ایک روز اس آیت کریمہ کی تلاوت کے

---

۵ الجاثیہ ۲۹ ۔

وقت میرے دل پر گزرا کہ حق تعالیٰ نے اس استنساخ کی اپنی طرف نسبت کی ہے گویا یہ اسناد حقیقی بھی ہو سکتا ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ اس مرتبے میں استنساخ۔ فرشتوں کے استنساخ سے ورے بھی ثابت ہے۔"

مخدوم زادہ (خواجہ محمد معصومؒ) نے بتایا کہ میں نے عرض کیا کہ اس مرتبے کا استنساخ (جو ورائے استنساخ مَلَک ہے) بعض اشخاص سے مخصوص ہے یا عام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ مخصوص اشخاص کے لیے ہے کہ اُن کے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان ایسے امور گزرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کراماً کاتبین کو بھی ان کی اطلاع ہو سکے

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔[1]

ب۔ اسی طرح آیۂ کریمہ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا[2] میں لفظ يَتَوَفّٰى کو اپنی طرف اللہ تعالیٰ نے اسناد کیا، حالانکہ قبضِ ارواح تو مَلَک الموت کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیۂ کریمہ میں وارد ہے کہ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ[3] اور اُس آیۂ کریمہ سے بھی احتمال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص الخاص بندوں کی ارواح کو ملک الموت کے توسط کے بغیر ہی قبض کرتا ہے اور دوسروں کی ارواح کو مَلَک کے توسط سے۔ (احادیث میں اسی طرح وارد ہے)

حضرت مخدوم زادہ (محمد معصوم) سلمہ اللہ چونکہ حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض سفروں میں ساتھ نہیں تھے اس لیے اپنے احوالِ علیہ اپنے عریضوں میں لکھتے رہتے تھے۔ یہاں ان میں سے دو عریضے جو احوال و اسرار پر شاہد ہیں نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

عریضۂ اوّل

بندۂ کمترین محمد معصوم اپنا عریضہ آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا

---

[1] سورۃ الحدید ۲۱ آیت، یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

[2] سورۃ ... ر ۴۲ آیت، خدا لوگوں کے مرنے کے وقت انکی روحیں قبض کر لیتا ہے۔

[3] سورۃ السجدہ ۱۱ آیت، کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض

ہے کہ آپ کے سرفراز نامے پے در پے موصول ہونے کہ جن سے بندہ کا معاملہ پستی سے بلندی پر پہنچ گیا۔ آپ کے مکتوب (مشتمل بر معارفِ نورِ صرفِ ذاتی) کے ملنے کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس نور کی نسبت سے فنا و بقائیسر ہوئی اور ایک عرصے تک اس میں استغراق رہا۔ اگرچہ اس عریضے کی تحریر کے وقت وہ کیفیت پوشیدہ ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہوگی

قبلہ گاہا، اللہ تعالیٰ کی عنایات سے آپ کی توجہات کے وسیلے سے متعلق کیا لکھوں اور حق تعالیٰ کے احسانات کیا بیان کروں۔ مجھے کھینچ کھینچ کر لے جارہے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ کہاں سے لے جارہے ہیں اور کہاں پہنچا رہے ہیں۔ لیکن اس دوران جو کیفیات اور حالات میسر ہیں وہ ذوقی ہیں، بیانی نہیں۔

من نہ باختیارِ خود می روم از قفائے او!
آن دو کمندِ عنبرین می کشدم کشاں کشاں[1]

حق تعالیٰ آپ کی توجہ عالی کی برکت سے مجھے کامل تمیز عطا فرمائے۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا[2]

عجیب معاملہ ہے کہ ان احوال کے ورود کے باوجود بعض اوقات انقباض اس کثرت سے ہوتا ہے کہ گویا انجماد ہوگیا ہے اور بالکل حرارت نہیں رہی۔ لیکن پھر چند روز کے بعد ازسرِنو وہ خاص معاملات تازہ ہوجاتے ہیں اور مخصوص کیفیات پھر جلوہ گر ہونے لگتی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہوگی لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ۔ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ[3] اور اس معاملے سے اپنی مناسبت کو راہِ انابت میں، اجتباء کی راہ سے زیادہ جانتا ہوں اور اجتباء کو اس راہ کا طفیلی سمجھتا ہوں۔ بلکہ حسرت ہوتی ہے اور خود کو اس طرح تسلی دیتا ہوں کہ بندہ کو اپنی خواہش سے کیا کام؛ جو کچھ وہ عنایت فرمائیں اُسی پہ راضی ہونا چاہیے۔ حق تعالیٰ آپ کی

---

[1] کھینچ کے بے اختیار جاتا ہوں ۔ دو کمندیں کشاں کشاں ہیں لیے

[2] سورۃ طٰہٰ۔ ۱۱۴، آیت، اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔

[3] سورۃ النساء۔ ۷۹، آیت، تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی وجہ سے ہے۔

توجہات عالیہ سے محبوبیتِ ذاتی سے شمہ بھر ہی مجھے عنایت فرمادے۔ زیادہ بندگی۔

عریضۂ دوم۔

بندۂ کمترین محمد معصوم اس طرح آستانۂ علیا میں عرض پرداز ہے کہ آپ کا سرفراز نامہ جس میں اس عاصی مہجور اور نااہل کو مختلف عنایات سے سربلند فرمایا گیا ہے۔ شرفِ صدور لایا۔

من کہ باشم کہ بداں خاطرِ عاطر گزرم

لطفہا می کنی اے خاکِ درت تاجِ سرم[۱]

قبلہ گاہا! اللہ تعالیٰ کے احسانات کس طرح تحریر میں آسکتے ہیں اور کون سے جوارح سے اُس کا شکر ادا کیا جاسکتا ہے؟ اگر کوئی شخص خود کو خاک بھی بنادے بلکہ اپنا نام ونشان بھی نہ رہنے دے تب بھی وہ اس کے شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جو عبادت بھی ہماری ہوگی وہ قاصر بھی ہوگی اور ہر عیب و خامی سے بھری ہوئی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَللّٰھُمَّ لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

(اے اللہ میں تیری ثنا پوری طرح نہیں کرسکتا جیسی کہ تونے خود اپنی ثنا کی ہے)

اخوی خواجہ محمد ہاشم نے جو مکتوبات اور معارف جدیدہ آگرہ سے ارسال فرمائے ہیں اُن کا مقام اس قدر بلند ہے کہ مجھ جیسے کم فہم کی سمجھ میں کیا آسکتے ہیں؟ اور وہ جو ذکر فرمایا ہے کہ تمام افرادِ عالم، اللہ پاک کے اسماء وصفات کا ظلال ہیں پس یہ سب کے سب اعراض ہیں کہ ان کے درمیان کوئی جوہر نہ ہوگا کہ ان سب کا قیام اُس پر مترتب ہو۔ پس ان سب کو ذات سے بجز حرمان کے کچھ بھی نصیب نہیں اور ان کا نصیب صفات کے علاوہ کچھ نہیں، سوائے ایک ذاتِ عارف کے۔ الخ۔

ایک رات تراویح کی نماز میں اس امر کے مراقبے اور مطالعے میں تھا کہ جو اعراض کہ اس ذاتِ عارف سے وابستہ ہیں انہوں نے اپنی اصل کی طرف عود کیا اور اُس کا نام

---

[۱] میں کون ہوں جو خاطرِ عاطر تک آسکوں ۔ خاک در تیری تاج سرا آپ کا کرم

ونشان بھی ہو رہا ہو وہ سب پوری طرح مضمحل اور محو ہو گئے اور اپنی اصل میں گم ہو گئے۔

میں ہر چند عروج کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ذاتِ مجرد سے بہرہ مند ہو جاؤں یہ بات میسر نہیں ہوتی اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اپنے اصول میں جا ملتا ہے اور اصول بھی اصول میں جا ملتے ہیں یہاں تک کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ چنانچہ مشہور ہوا کہ جہاں کہیں تو جائے اور جہاں تک پہنچے تو وجوہات و اعتبارات میں پہنچے گا جو اصلِ اصول ہیں اور ان اصول اور اصولِ اصول سے ذاتِ مجرد تک پہنچنا محال ہے (کیونکہ) اصول سب منقطع ہونے والے ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات ماوراء (وراء الورا) ہے۔ اور اطلاقِ اصل اُس کی ذاتِ اقدس میں ساقط ہے۔ آخر کار معاملہ یاس تک پہنچ گیا اور یقینِ یقین سے معلوم ہوا کہ جب تک تیری اصل صفات و اعتبارات ہے تیری سعی کی نہایت یہی ہوگی کہ خود کو اپنے اصول میں مضمحل اور محو کرے اور اضمحلال کے بعد اصل سے گزرنے کے کوئی معنی نہیں۔

دوسری بات یہ کہ (خیال ہوا کہ) ذاتِ حق سے بہرہ نصیب ہو تو اس وقت یہ بات دل میں آئی کہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ خوب فرماتے ہیں کہ

کہ مَا بَعْدَ هٰذَا اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ۔ یعنی اصول میں فنا اور اضمحلال کے بعد جو عدم ہے وہ محض عدم ہے، کیونکہ ذاتِ حق میں اصول کا کوئی گذر نہیں اور وہ سب منقطع ہو جاتے ہیں اور ذاتِ حق تو وراء الوراء ہے۔ تو جب تک اسکو ذات عطا نہ فرمائیں ذاتِ حق تک پہنچنا محال ہے۔ اور وہ جو حضور نے تحریر فرمایا ہے کہ اس قسم کے بزرگ ایک وقت میں کئی نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ یاس جس کا ذکر کیا گیا اُس سے اس قدر غم و غصہ پیدا ہوا کہ کیا عرض کروں۔ یاس کے زمانے میں کبھی دل میں یہ آتا تھا کہ تابع کامل کو اپنے مطبوع سے جمیع کمالات میں حصہ ملتا ہے۔ اس لیے اس طرح عدمِ تعدد کس اعتبار سے ہوگا؟ کیا اس میں اصالت اور تبعیت کا فرق ہوگا؟۔ لیکن ایسے خیالات سے اُس اضطراب کو تسکین نہیں ہوتی۔ دوسرے یہاں کوئی محرمِ راز نہیں تھا کہ جس کے ساتھ دردِ دل کا ذکر ہوتا۔ آیۂ کریمہ حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ [1] کے

[1] سورہ یوسف آیۃ ۱۱۰ (ترجمہ آیۃ: یہاں تک کہ رسولوں کو ظاہری اسباب کی نصرت سے ناامیدی ہو گئی اور لوگ سمجھنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا اسوقت ہماری مدد آئی تو جسے ہم نے چاہا بچا لیا گیا۔)

مطابق محرومی نہ رہے گی اور تسکین ہو جائے گی۔

خواجہ محمد ہاشم کے نام جو مکتوب ہے اس سے مجھے اطلاع مل گئی تھی، اور گو کہ اس کے بعد بھی کئی مکتوبات ملے لیکن میں نے اس راز سے متعلق عرض کرنا مصلحت نہ جانا اور اس کے بارے میں چشم پوشی ہی کر رہا تھا۔ لیکن اب حضور کی توجہ شریف سے امید رکھتا ہوں کہ اس معمے کا حل اب نکل آئے گا۔ اس خط کی تحریر کے وقت ہی اس بات (مکتوب مذکورہ) کی اطلاع ملی ہے۔ اس لیے اس کی تفصیل سے آگاہی نہ ہو سکی۔ اب انشاء اللہ آپ کی توجہ سے بہرہ ور ہو سکوں گا۔ زیادہ بندگی "

اسی زمانے میں مخدوم زادہ (خواجہ محمد معصومؒ) نے اس عاجز (محمد ہاشمؒ) کے نام بھی ایک عنایت نامہ بھیجا اور بعض اسرار سے متعلق اشارہ فرمایا کہ اس عاجز کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے صدقے میں ان کا اہل سمجھا۔ تبرکاً اس عنایت نامے کو یہاں نقل کرتا ہوں کہ اس سے بھی آپ کے علو حال اور انکسار کا اندازہ ہو سکے گا۔

ب۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ امید رکھتا ہوں کہ آں برادر گرامی نے زوال قسم کی باتوں سے چھٹکارا پا کر مدلول حقیقی سے وابستگی اختیار کر لی ہوگی اور تجلی ذاتی سے کلی تک اور وہاں سے مافوق تک الحاق حاصل کر لیا ہوگا۔ اور قوسین سے اَوْ اَدْنٰی تک رسائی کر لی ہوگی اور اور خالص کو مخلوط سے جدا کر لیا ہوگا اور دائرہ صباحت سے گزر کر نقطۂ ملاحت تک ہاتھ بڑھا لیا ہوگا۔ بلکہ حدیث شریف اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[۵] کے مصداق، اس نقطۂ ملاحت کے اندر بھی دخل حاصل کر لیا ہوگا۔ اور علم سے نادانی کی طرف اور گفتگو سے خاموشی کی طرف آ گئے ہوں گے اور معاملۂ نفی کو پس پشت ڈال کر کلی طور پر اثبات کے نگران بن گئے ہوں گے، بلکہ وہاں سے مجہول الکیفیت کا بہرہ حاصل کیا ہوگا اور

---

[۴] مکتوبات امام ربانیؒ ۳/۸۰۔

[۵] آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی۔

خلیلؑ سے حبیبؐ کی طرف متوجہ ہو گئے ہوں گے۔ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) شعر

باکریماں کارہا دشوار نیست (کریموں کے لیے مشکل نہیں کام)

آپ کی علوِ فطرت، محبت اور دیوانگی سے یہ امور عجیب نہیں بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ بالکل ثابت اور حاصل ہیں۔ ہاں مجھ جیسے ناقابل اور پست استعداد شخص کے لیے کہ جس نے اپنی تمام صلاحیت صرفِ زلّاتِ خطا (قول) اور گناہوں میں لگا دی ہو، کہاں یہ طاقت ہے کہ ایسے بلند اسرار کا خیال بھی کر سکے۔ آپ یہ بات محض تکلّف یا انکسارِ نفس پر محمول نہ فرمائیں کیونکہ یہ بات حقیقت ہے۔ البتہ اس قدر ضرور ہے کہ میری بہت سیاہ و سیاہ کاری کے باوجود اسرار و علوم عالیہ کا نشہ میری فطرت میں ودیعت ہیں اور مستودع ودیعت کی نگرانی کرنے والے نے اس کی حقیقت سے پوری طرح اطلاع نہیں دی۔ اس لیے میں ہر وقت اس نشے کے لیے دیوانہ بنا رہتا ہوں اور اس کے ساتھ عاشقی کو درمیان میں رکھتا ہوں بلکہ وہ اسرار جو مودع (رخصت کرنے والے) نے معلوم کرنا چاہتا ہوں تو ایسی خواہش ہی محبوب ہے۔ بے انتہا لطف و کرم فرمانے والے سے امید ہے کہ وہی ان باتوں کا ظہور فرمائے گا اور پردے سے علانیت کی طرف لا کر وہ قوت سے فعل کی طرف لے آئے گا۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں۔

اے میرے پروردگار، اس دنیا کے قیدی کو اس قید خانے سے خلاصی دے اور اس مرغِ شکستہ پر کو رہائی دے دے۔ تاکہ اغیار کی مزاحمت کے بغیر اس نشے میں مستہلک بلکہ اس نشے کا منشا بن جاؤں۔ اِنَّهٗ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔ انتہیٰ۔

[1] "اور اس مخدوم زادۂ والا قدر کے اور بھی مکتوبات بہت بلند اور خوب ہیں کہ جن میں آپ نے بہت سے معارفِ عزیزہ اور دقائقِ عجیبہ تحریر فرمائے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن میں آپ نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ کے کلماتِ قدسی آیات کی شرح مزید دقیق کے ساتھ فرمائی ہے۔ ہم نے

---

[1] یہاں سے ۔۔۔ ۵ سطروں کی عبارت استنبول والے نسخے (صفحہ ۲۰۰) میں ہے۔

اُن میں سے چند کا ذکر "ہفت برکت" کے ضمن میں کیا ہے۔ لیکن یہ "ہفت برکت"
مکتوب ۲۰۹ (جلد اوّل)، مکتوب ۲۰۰ (جلد اول)، مکتوب ۲۱۵ (جلد اول)۔
مکتوب ۱۳ (جلد اوّل)، مکتوب ۱۵۶ (جلد اوّل) کا آخری حصّہ۔ مکتوب
۵۲ (جلد اوّل)، مکتوب ۱۱۷ (جلد اول) میں بھی دیکھیں۔"

مخفی نہ رہے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرّہٗ کے ان تین صاحبزادوں کے علاوہ (کہ جن کا ذکر اوپر آیا) دوسرے صاحبزادے بھی تھے۔ ایک شیخ محمد فرخ" اور دوسرے شیخ محمد عیسیٰ" تھے جو اپنے والد بزرگوار قدس سرّہٗ کی زندگی میں اپنے بڑے بھائی (خواجہ محمد صادق") کے ساتھ سفرِ آخرت کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ ان دونوں نورِ دیدہ کے بلند احوال اور استعداد کا ذکر خود حضرت مجدد قدس سرّہٗ نے خواجہ محمد صادق" کے حالات کے ضمن میں کیا ہے۔

صاحبزادہ محمد عیسیٰ کا جو یہ نام تھا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مجدد قدس سرّہٗ نے خواب میں دیکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ آپ کے گھر میں ایک بچّہ پیدا ہوگا۔ اُس کا نام میرے نام پر رکھنا۔

ایک اور فرزند محمد اشرف" تھے جو شیر خوارگی کے زمانے میں اور حضرت مجدد قدس سرّہٗ کی حیات میں فوت ہو گئے تھے۔

ایک اور فرزند شاہ "محمد یحیٰی" ہیں (اللہ ان کی عمر دراز کرے) یہ حضرت مجدد قدس سرّہٗ کی اولاد میں سب سے چھوٹے ہیں۔ ان کا لقب "شاہ" اس لیے ہے کہ حضرت شاہ سکندر رحمۃ اللہ کیتھلی کہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ان پر بچپن ہی سے بہت مہربان تھے اور وہ اپنے اجداد امجاد کے لقب (شاہ) کے مطابق ان کو بھی "شاہ" کہا کرتے تھے۔

اور شیخ محمد یحیٰی" کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ان کی ولادت سے پہلے حضرت مجدد قدس سرّہٗ کو الہام ہوا تھا کہ آپ کے گھر ایک بچّہ پیدا ہوگا۔ یحییٰ اسمہٗ (یعنی وہ آپ کے نام کو زندہ رکھے گا)۔ چنانچہ جب وہ پیدا ہوئے تو اس الہامی بشارت کے مطابق ان کا نام محمد یحییٰ رکھا گیا۔ یہ بھی اپنی اعلیٰ فطرت اور بلند استعداد کی وجہ سے ولایت کے دیدۂ بینا کہلاتے

جانے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت مجدد قدس سرہ کی تربیت کی برکت سے انہوں نے آٹھ نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور ایسی چھوٹی سی عمر میں علم کی تحصیل کے لیے رغبت اور محبت اس قدر دیکھی گئی کہ استاد کے ساتھ بہت زیادہ تعلق پیدا ہو گیا اور ایسا رابطہ کسی بچے سے نہ دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔

اس وقت جب کہ حضرت مجدد قدس سرہ اجمیر کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو بعض خادموں نے اس بچے کو بھی دو تین منزلوں تک استقبال کے لیے پہنچا یا۔ جب یہ حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معلوم ہوا کہ ابھی حضرت کسی سبب سے تین چار دنوں کے بعد سرہند جائیں گے تو انہوں نے حضرت سے رخصت چاہی۔ حضرت نے فرمایا کہ واپس جانے کی ایسی جلدی کیا ہے، کیا تم مجھے یاد نہیں کرتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ان چند دنوں میں میرے سبق میں ہرج ہوگا اور میرا فلاں ہم سبق ساتھی مجھ سے آگے بڑھ جائے گا۔ اور میرے استاد بھی مجھے بہت یاد آ رہے ہیں۔ حضرت قدس سرہ اس بات سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا،

"کیوں نہیں، یہ تو علماء کے طبقے میں سے ہے اور حافظوں اور صالحوں کے خاندان سے ہے۔"

پھر ان کو رخصت کر دیا۔

اور شہر اجمیر میں جب کہ حضرت مجدد قدس سرہ کو اپنے انتقال کے زمانے کا علم ہوا تو ایک روز فرمایا کہ

"میں چاہتا ہوں کہ محمد یحییٰ بھی اپنے بھائیوں کی طرح اس نسبت علیا سے بہرہ ور ہو جائے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ وہ ابھی بچہ ہے اور میرے انتقال کا زمانہ قریب ہے۔"

ایسا فرمایا اور کمال شفقت کی وجہ سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حضرت قدس سرہ کے انتقال کے بعد جب کہ وہ قرآن پاک تو پہلے ہی حفظ کر چکے تھے اپنے بزرگ بھائیوں کی تربیت سے علوم منقول و معقول کی تکمیل کی اور پورے استحکام و استحضار کے ساتھ درس و تدریس اور کتب متداولہ کے نشر دا فاضے میں مشغول ہو گئے۔ اور دانشاء اللہ

طریقۂ انقطاع وتبتل، بے تعلقی، بے تعینی، ضبطِ اوقات، حفظِ اوضاع، اتباعِ سنت اور رعایتِ طریقۂ عالیہ میں پوری طرح مستقیم ومستدیم ہوگئے ہیں۔ چنانچہ آثارِ نجابت وو راثت اور نسبتِ معنوی آپ کی پیشانی مبارک سے نمایاں ہیں۔

آپ کا حلیہ، قد وقامت اور چشم وابرو کے لحاظ سے آپ کے والد بزرگوار قدس سرہٗ سے ملتا جلتا ہے اور آپ کی مقبولیت کے لیے یہ بات کیا کم ہے کہ آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ۔ کی پوتی یعنی حضرت خواجۂ کلاں[۱] خواجہ عبید اللہ سلمہ اللہ تعالےٰ کی صاحبزادی آپ کے نکاح میں ہیں۔ اس طرح نسبتِ معنوی کے ساتھ نسبتِ ظاہری بھی آپ کو حاصل ہے۔ اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال[۲] ہوئی ہے اور مطوّل پڑھ رہے ہیں۔ امید ہے کہ اپنے بھائیوں کی طرح آپ بھی علوم ظاہری و باطنی میں کامل ہوجائیں گے۔

حضرت مجدّد قدس سرہٗ کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ ایک (بی بی رقیہ) حضرت قدس سرہٗ کی زندگی میں اور شیر خوارگی میں فوت ہوگئیں، دوسری صاحبزادی (اُمّ کلثوم) پندرہ سال کی عمر کو پہنچ گئی تھیں۔ وہ بھی حضرت قدس سرہٗ کی زندگی میں فوت ہوگئیں۔ وہ صاحبِ حال و کشف تھیں اور حضرت قدس سرہ کو اُن سے بہت محبت تھی۔ تیسری صاحبزادی (خدیجہ) حیات ہیں اور صالحات میں سے ہیں۔ والسلام والاکرام۔

---

[۱] مولانا نسیم احمد فریدی نے اپنی کتاب "خواجہ باقی باللہ" (لکھنؤ ۱۹۶۷ء) صفحہ ۴۲ میں ثابت کیا ہے کہ خواجۂ کلاں خواجہ عبید اللہ نہیں خواجہ عبداللہ تھے۔

[۲] زبدۃ المقامات کی تکمیل ۱۰۳۷ھ میں ہوئی یعنی اس وقت شاہ محمد یحییٰ کی عمر ۱۵ سال تھی۔ گویا وہ ۱۰۲۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اسی لیے شاہ سکندر قادری رح (المتوفی ۱۰۲۳ھ) سے دعائیں حاصل کر سکے تھے۔ شاہ محمد یحییٰ رح نے اپنے بھائیوں کے ساتھ ۱۰۶۷ھ میں حج کیا تھا۔ ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۹۶ھ کو رحلت فرمائی۔ آپ رفع سبابہ (تشہد میں) کے قائل تھے۔

فصل یازدہم

آپ کے خلفاء اور دیگر صاحبِ دل احباب

۱۔ صفا کیش لوگوں کے سردار میر محمد نعمان سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ کے والد ماجد شمس الدین یحییٰ المعروف "میر بزرگ" تھے۔ جو اپنی عالی نسبت، فضل و تقویٰ اور حضور و صفا کی وجہ سے بدخشاں اور ماوراء النہر کے مشاہیر میں سے تھے اور بعض نادر علوم مثلاً جفر اور تکسیر وغیرہ میں یگانۂ زمانہ تھے۔ ان کا مولد، مسکن اور مدفن وہیں بدخشان کے شہر کشم میں ہے۔ اور ان کے والد ماجد میر بزرگ میر جلال الدین تھے جن کے جدِ امجد سید حمید الدین بھی پرہیزگار علماء میں سے تھے۔ اور وہاں کے مشاہیر میں شمار ہوتے تھے۔ ان کو لوگ میر بلبل کہتے تھے، کیونکہ آپ جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے تو اس کی شیرینی کی وجہ سے بلبلیں ان کے گرد جمع ہو جاتی تھیں۔

میر بزرگ (جلال الدین) رحمۃ اللہ علیہ کو طریقت میں ایک موزہ دوز درویش سے ارادت تھی۔ جو سلسلۂ عشق میں بلند حالات اور کرامات والے تھے۔ اور پوشیدہ حال درویشوں میں سے تھے۔ سمرقند کی ایک خانقاہ میں رہتے تھے اور اپنی معاش کے لئے موزے سیا کرتے تھے۔ اور خود ہی بازار لا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ میر بزرگ نے اسی پیر روشن ضمیر سے متعلق ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک روز سمرقند کی جامع مسجد میں آپ کو وجد آگیا اور اس حال میں اپنے بڑھاپے کے باوجود آپ منبر کی اس سمت سے اس سمت کو اچھل کر جاتے تھے لیکن آپ کے جسم میں کوئی ضرب نہیں آئی حالانکہ اس منبر کی اونچائی دو قدِ آدم تھی اور چوڑائی اس کی نصف تھی۔

حضرت میر بزرگ۔ جناب قاسم شیخ کرمنی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے جن کے نام پر انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا تھا اور غالباً اپنے شیخ کا نام اس میں آب زر سے لکھا تھا۔

جب شیخ نے اسے دیکھا تو فرمایا کہ چونکہ تم نے فقرا کے نام کی عزت کی ہے اس لئے اللہ پاک تم کو عزت واکرام دے گا۔

میر بزرگ کسی سبب سے اپنے وطن سے سمرقند چلے گئے تھے اور اس سبب کے رفع ہونے کے بعد پھر اپنے وطن آگئے تھے، جب آپ اپنے وطن پہنچے تو وہاں کے شاہزادہ محمد حکیم مرزا نے (جو علما۔ اور فقرا سے محبت رکھتا تھا) ایک مکتوب بہت نیازمندی سے آپ کو لکھا اور آپ کو کابل طلب کیا۔ آپ کے پہنچنے پر اس نے بہت ادب واحترام کے ساتھ آپ سے ملاقات کی۔ اس حکمران کے انتقال کے بعد جب اس دیار کا حاکم ایک ہندو مقرر ہوا تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں اپنے انتقال کے لئے دعا کی جو قبول ہوئی اور آپ نے ۹۹۴ھ میں انتقال کیا۔

میر مرشد حضرت میر نعمان کہا کرتے تھے کہ میں اپنے والد ماجد کو عرفا واولیاء میں سے نہیں جانتا تھا کہ ایک صاحب دل بزرگ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ "میر نعمان" میں نے تمہارے والد بزرگ کو خواب میں دیکھا ہے اور انہوں نے مجھ سے فرمایا ہے کہ میر نعمان سے کہو کہ تم ہمارے متعلق ایسا کمزور اعتقاد کیوں رکھتے ہو"۔

مرشدی میر نعمان کی ولادت سے پہلے آپ کے والد محترم نے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رض کو خواب میں دیکھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رض نے آپ کے والد صاحب سے فرمایا کہ تمہارے گھر میں ایک پسر سعادت مند پیدا ہوگا۔ اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا۔ اس بشارت کے بعد میرے مرشد میر نعمان کی ولادت شریف ۹۷۷ھ کو سمرقند میں ہوئی۔

آپ کو بچپن میں غور وفکر کرنے سے حیرت لاحق ہوا کرتی تھی۔ پھر جب آپ فقرا کی خدمت میں آئے اور مراقبے وغیرہ کے متعلق معلومات ہوئیں۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ وہ فکر اور حیرتیں بھی اس راہ کے شعبے ہیں۔ آپ ایام شباب کے شروع میں بلخ پہنچے۔ اور معرفت آگاہ امیر عبداللہ بلخی عشقی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی اشارت وبشارت کی وجہ سے ہندوستان تشریف لائے اور راہ سلوک کی طلب کے شوق میں بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے

لہ شاہزادہ محمد حکیم مرزا، اکبر بادشاہ کا بھائی تھا۔ ۱۲ر شعبان ۹۹۳ھ کو اس کا انتقال کابل میں ہوا۔

اور ہر ایک سے اذکار سیکھے۔ اور ان پر عمل بھی کیا۔ جہاں کہیں کسی بزرگ کا نام سنتے وہاں پہنچ جاتے۔ آپ کے طالع ہمایوں نے ان کو قطب المحققین حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرتؒ نے ان کے حال پر لطف وکرم فرمایا۔ ان کو اپنی عنایت کے آغوش کا شرف بخشا۔ اور طریقۂ نقشبندیہ کے ذکر ومراقبہ سے نوازا۔ اس کے بعد آپ اپنے فرزندوں اور عزیزوں کی کثیر جماعت کے ساتھ پورے توکل پر قائم اور فقر وفاقہ کی حالت میں رہتے ہوئے حضرت خواجہ کی خدمت میں وقت گذارنے لگے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے بعض مخلص امراء نے درخواست کی کہ خانقاہ کے فقراء فقر وفاقے کی وجہ سے تکلیف میں رہتے ہیں۔ اس لئے اگر حکم ہو تو ہر ایک کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ تاکہ ہم کو سعادت دارین نصیب ہو جائے۔ چنانچہ حضرت نے چند آدمیوں کے نام یومیہ قبول کرنے کے لئے تجویز کئے۔ اتنے میں کسی شخص نے مرشدی محمد نعمان کے لئے بھی حضرت خواجہ سے عرض کی کہ میر محمد نعمان اپنے کثیر اہل وعیال کی وجہ سے سخت فقر وفاقہ اور تکلیف میں رہتے ہیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے آپ کے لئے اجازت نہیں دی۔ اور فرمایا کہ وہ میرے بدن کے اجزاء میں سے ہیں۔ اس لئے میں اپنے آپ کو ان باتوں کے نزدیک نہیں ہونے دوں گا۔ میرے مرشد میر نعمان فرماتے ہیں کہ ان دنوں حالانکہ ہم فاقے پر فاقہ کر رہے تھے لیکن حضرت کے اس خصوصی کرم کی سماعت سے بے حد خوشی اور خوش دلی حاصل ہوئی اور ایسی رقت نصیب ہوئی کہ ہم جھومنے لگے اور حسن احوال کے امیدوار ہوئے۔

مسجد فیروزی (دہلی) کے نیچے بہت سے ایسے مقامات ہیں کہ جن میں مدتوں سے کوئی نہیں رہتا تھا۔ اور ابابیل وغیرہ پرندوں کی بیٹ کی بدبو کے سبب وہاں رہنا بھی مشکل ہی تھا۔ حضرت خواجہ کے حکم سے میں مع اہل وعیال وہاں رہا۔ یہاں رہنے کے سبب سے آپ کی ہمشیرہ جو متقی پرہیز گار، صاحب حال وجذب تھیں علیل ہو گئیں۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب کی والدہ ماجدہ، آپ کی ہمشیرہ کی عیادت کے لئے تشریف لائیں۔ لیکن اس مکان کی بدبو کے سبب بیٹھ نہ سکیں۔ واپس گھر جا کر خواجہ قدس سرہ سے اس مکان کا حال بیان کیا کہ اے میرے نور نظر، خواجہ من یہ لوگ مرید ہونے کے لئے آئے ہیں مرنے کے لئے نہیں آئے۔ آپ نے

والدہ ماجدہ سے عرض کیا کہ یہ لوگ دعوے کے لئے نہیں آئے کہ ان باتوں سے ملول و پریشان ہوں

میرے مرشد نے بیان فرمایا کہ چند دن بعد کے حالاتِ سکر خلافِ شرع مجھ پر ایسے غالب ہوتے کہ دفع کرنے کے باوجود کامیابی نہیں ہوئی۔ مجبوراً حضرت خواجہ کی خدمتِ اقدس میں عرض کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ میں مسجد میں پہنچا تو نماز با جماعت تیار تھی میں جس صف کے کنارے پر تھا اس صف کے دوسرے کنارے پر حضرت خواجہ کھڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی میری نظر حضرت پر اور حضرت کی نظر مجھ پر پڑی یہ حالات سکر یہ مجھ سے جاتے رہے۔

میرے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ صاحب کے مرض موت کے ایام میں ایک رات مجھے خدمت و شب بیداری کا موقع ملا۔ اس رات آپ کی نظر مجھ پر پڑی اس فیض والی نظر کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں جو بھی کام کرتا سوچ میں پڑ جاتا کہ یہ کام رضائے الٰہی کے موافق ہے یا نہیں۔ چنانچہ میں ہر ہر قدم پر مرضی حق کو تلاش کرتا۔ دراصل جس وقت آپ کی نظر پڑی تھی وہ وقت تسلیم و رضا کا تھا۔ اور اس دریائے بے کراں میں سے ایک چھینٹا اس عاجز تشنہ لب کو بھی پہنچ گیا تھا۔ میرے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے اپنی زندگی میں حضرت مجدد کو خلعت خلافت عطا فرمائی تھی تب اپنے سب مریدین کو فرداً فرداً طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ انکی موجودگی میں میری تعظیم نہ کیا کرو بلکہ میری طرف توجہ بھی نہ کیا کرو اس سلسلے میں حضرت خواجہؒ نے مجھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ حضرت مجدد کی خدمت کو سعادت جانو میں نے عرض کیا،

"میری توجہ کا قبلہ تو آپ کی درگاہ ہے بے شک حضرت خواجہ مجددؒ بھی بزرگ ہیں"

یہ بات آپ نے پسند نہ فرمائی اور غصے سے فرمایا کہ

"میاں شیخ احمد وہ آفتاب ہیں کہ جن میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔ کامل اولیائے متقدمین میں کوئی کوئی اس شان کے بزرگ گزرے ہوں گے"

اس واقعے کے بعد میں نے آپ کے ساتھ اعتقاد درست کیا اور نہایت خوش عقیدگی اور کمال نیاز اور محبت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عنایت و توجہ کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ مجدد رح نے ارشاد فرمایا کہ آپ میرے مریدوں میں سے ہیں لیکن ابھی خواجہ صاحب کی خدمت میں ہی رہیں۔ جب حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے رحلت فرمائی تو حضرت مجدد دہلی تشریف لے گئے تو میرے آقا و مرشد میر محمد نعمان نے حضرت مجدد رح کو ایک رقعہ لکھا جس میں اپنی شکستہ دلی

غریبی، محتاجی، بے نصیبی، اور بے استعدادی کا ذکر کیا کہ مجھے آپ کی عنایات حاصل کرنے کے لئے بجز جناب کے کوئی وسیلہ نہیں اور یہ کہ میں سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے نسبت رکھتا ہوں (یعنی سیّد ہوں) مجھ پر سید الانبیاء علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے میں رحم فرمائیے۔ اس مکتوب کے مطالعے سے حضرت مجددؒ پر رقت طاری ہوگئی اور فرمایا کہ

"میر صاحب بے دلی اور رنج مت کرو ہمارے خواجہ رضی اللہ عنہ حاضر ہیں انشاء اللہ خوب گزرے گی اور بہتری ہوگی"

اور حضرت خواجہ مجددؒ قدس سرہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ

"حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے اصحاب میں میر صاحب کو ہم سے خاص مناسبت ہے"

جب حضرت مجددؒ سرہند شریف کو واپس ہوئے تو میر صاحب کو اپنی عنایت و تربیت کے آغوش میں وطن لے آئے جہاں میرے مرشد میر نعمان نے حضرت مجددؒ کے در دولت پر کئی سال گزارے اور خوب فیوض و برکات حاصل کئے؛

ایک مرتبہ حضرت مجدد کو بسبب بیماری ضعف لاحق ہوا اور اس خیال سے کہ شاید یہ مرض آخری مرض ہو اور ضعف کے غلبے کے سبب حضرات خواجگان کی امانتیں اہل امانت کو سپرد کرنے کا موقع نہ ملے اس لئے ان کے اہل کے سپرد کر دینا چاہیئے ؟ آپ نے دیکھا کہ اس بار کا تحمل سوائے بڑے صاحبزادے یعنی مخدوم زادہ بزرگ خواجہ محمد صادقؒ اور مرشدی میر محمد نعمان سلمہ اللہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ امانت (بعض احوال مناسبہ) حسب استعداد ان دونوں عزیزوں کے سپرد فرمائی۔

اس کے بعد حضرت مجدد کو صحت کاملہ نصیب ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ضعف کی حالت میں ان نسبتوں کے دینے کا راز یہ تھا کہ بعض معاملات و مقامات مجھے اسی وقت حاصل ہو سکتے تھے جبکہ میں وہ نسبتیں تم کو دے دیتا۔

میرے مرشد میر نعمانؒ کی تربیت اور ان پر عنایت روز افزوں ہوتی رہی یہاں تک کہ مرشدی میر محمد نعمانؒ کو آپ نے خلعت خلافت و ارشاد سے سرفراز فرما کر برہان پور بھیج دیا اور یہ خلافت نامہ تحریر فرمایا (جو عربی میں تھا)

وہ وہی ایک اللہ ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے نبی اور ان کی بزرگ آل پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں (اس کے بعد عرض ہے کہ برادر صالح، سالک طریق حق، عارف باللہ، سید کامل محمد نعمان (اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ اپنی مرضیات کی توفیق مرحمت فرمائے) جب فقیر کے توسط سے سلک ارادت المشائخ النقشبندیہ میں داخل ہوئے اور ان کے طریقۂ عالیہ کا سلوک طے کر لیا اور ان سے طریق کے لئے نفع کا امکان پایا گیا۔ تو میں نے ان کو ان اکابر کے طریقے کی تعلیم، طالبین راہ کو دینے کی اجازت دی۔ مطابق شریعت و حقیقت اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت حق کی پیروی کی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا۔[۱]

آپ برہان پور دو مرتبہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہلے ہی سے شیخ محمد فضل اللہ اور شیخ عیسیٰ جیسے[۲] بزرگ جو صاحب حال و قال تھے موجود تھے اس لئے آپ کا طریقہ رواج نہ پا سکا اور خواجہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں واپس تشریف لے آئے۔ اور سب حال عرض کیا۔ پھر خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے آپ کو تیسری بار روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اس بار ایسا نہ ہوگا۔ چنانچہ میر صاحب حضرت مجدد رح کے حکم کی تعمیل میں اس بار جب برہان پور گئے تو وہاں آپ کو مقبولیت عظیم حاصل ہوئی اور آپ کی مجلسیں اس قدر گرم ہوئیں کہ بیان سے باہر ہے۔ جو حضرات آپ کی مجلسوں کو دور سے بھی دیکھ لیتے تو ان کے قلوب پر اس قدر جذب و مستی کا غلبہ ہو جاتا کہ وہ غلبہ سکر کی وجہ سے اپنے کپڑے پھاڑ دیتے تھے اور مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپنے لگتے تھے۔ اس حد تک دیکھا گیا ہے

---

[۱] حضرت مجدد نے دفتر اول کے مکتوب ۲۲۸ میں میر صاحب کو لکھا تھا کہ اجازت نامہ لکھوانے میں آپ جو اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں تو اس سے آپ کا کیا مقصد ہے؟ طریقہ تعلیم کی جو اجازت آپ کو مل گئی تھی اگر وہ کافی نہیں، تو اجازت نامہ کیا کرے گا!" حضرات القدس (ج ۲) میں ہے کہ ۱۰۱۰ھ کے قریب میر محمد نعمان کو اجازت نامہ ملا۔ [۲] برہان پور میں اس وقت شیخ فضل اللہ رح (م ۱۰۲۹ھ) اور شیخ عیسیٰ جند اللہ رح (م ۱۰۳۱ھ) مشہور بزرگ تھے۔

اکثر کبھی تیس چالیس آدمی یکبارگی ہوش کھو بیٹھتے اور زمین پر گر پڑتے اور مولانا قاسم تبریزی کا یہ مصرع ان کے حسب حال ہوتا ع

درمیان شہر در ہر گوشہ غوغاتے اوست

ان حالات کو دیکھ کر دوسرے مشائخ کے مرید بھی جو اس شہر میں تھے بے اختیار ہو کر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور بہت سے فاسق بھی اصلاح پذیر ہو گئے اور بہت سے ہوش والے بے خودی اور جذب سے سرشار ہو گئے۔

اسی دوران آپ کے نام حضرت مجدد قدس سرہ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ۔

"ایک روز صبح کی نماز کے بعد احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا دانستہ یا نادانستہ طور پر آپ کی طرف توجہ ہو گئی اور دوسرے آثار جو نظر میں تھے ان کو دور کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دور کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال، بدر کامل بن گیا۔ اور جو کچھ کہ ہدایت کے آفتاب میں ودیعت کر رکھا تھا وہ سب اس بدر میں منعکس ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کمال کی طرف کچھ متوقع اور منتظر نہ رہا۔ (سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے مطابق کچھ حاصل کرے) اور بہت دیر تک اس کیفیت کی مثالی صورت نظر میں رہی، یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے۔ حاصل ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ اس دولت کا حصول اس واقعہ (خواب) کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا اور اس کی تعبیر کے لئے بہت مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کیا تھا۔ اللہ پاک کا بڑا احسان ہے کہ آپ کا یہ قرض سب کا سب ادا ہو گیا۔ اور وعدہ پورا ہو گیا۔ اب امید ہے کہ اس کمال کے مطابق تکمیل ہو جائے گی اور اس علاقے کے دشت و صحرا آپ کے وجود شریف سے منور ہوں گے۔"[1]

---

[1] مکتوبات شریف ۱/۲۴۶۔

ہر قوی اور ہر ضعیف پر حضرت میر کے حضور صحبت کی سرایت کا حال کیا لکھوں اور آپ کے الطاف و اعطاف کا کیا ذکر کروں جو اس ناچیز کے شامل حال ہے ۔ اس فقیر کو توبہ و انابت نیز طریقۂ عالیہ کا ذکر حاصل کرنے کی سعادت آپ ہی کی صحبت بابرکت سے نصیب ہوئی ان ہی کے فیوض و برکات سے عاجز نے سپاہیانہ وضع قطع ترک کر کے فقیرانہ وضع قطع اختیار کی ۔

آپ ہی کے طفیل اور وسیلے سے حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں باریابی ہوتی اور اپنی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق حضرت مجدد قدس سرہٗ کی عنایات اور توجہات سے فیض یاب ہوا ۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء وسلمہ اللہ علیٰ رؤس الاحیاء ۔

اب اس بات کا امیدوار ہوں کہ جو سچا واقعہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اس کے مطابق ان بزرگان دین اور حق سبحانہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک ؐ کے نزدیک قبولیت کا شرف حاصل ہو، وہ واقعہ یہ ہے ۔

آپ نے بیان فرمایا کہ میں نے برہان پور کی جامع مسجد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مع خلفائے کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم خواب میں دیکھا جیسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک اس عاجز پر پڑی تو آپ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ

"جو بھی شیخ احمد کا مقبول ہے ہمارا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا مقبول ہے ۔ اور جو شیخ احمد کا مردود ہے وہ ہمارا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا مردود ہے"

میرے مرشد میر نعمان رح فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بشارت سنی تو میں بے حد خوش ہوا کہ الحمد للہ میں حضرت مجدد رح کا مقبول ہوں اس لئے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مقبول ہوں ۔ آپ نے اس فقیر کے باطن سے مطلع ہو کر فرمایا کہ تمہارے رد و قبول کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے ۔

ایک روز آپ نے سالکین کے آزار و آلام اور ان کے کشائش حال کے سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ ایک ( ) برہان پور کی جامع مسجد کے چبوترے پر سے جو قد آدم بلند تھا گر پڑا ۔ چنانچہ میرے ہاتھ میں بہت چوٹ آئی ۔ لیکن گرنے کے ساتھ ہی ایک مقام (سلوک) کہ جس کی مجھ

آرزو بھی حاصل ہوگیا - اور میں چوٹ لگنے سے بہت خوش ہوا - اور اس نعمت کے حصول کے شکرانے میں، میں نے حلوا پکوا کر تقسیم کیا - اور میرا اعتقاد تھا کہ جو شخص وہ حلوا کھانے کا - جنت میں جائے گا - ایک دن حضرت میرے حضرت مجدد قدس سرہ کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوتے ارشاد فرمایا کہ جن ایام میں میں آپ کی خدمت عالی میں رہا کرتا تھا - ایک دن میں نے حلقہ، مراقبہ میں دیکھا کہ ایک خیمہ بہت بلند کیا ہوا ہے گویا کہ تمام کائنات ایک خیمہ ہے اور ساری مخلوق اس عظیم خیمے کے نیچے ہے اور تمام پیشکاران مہمات اور کارخانۂ ظہور بھی اسی کے نیچے ہے اور اس کے بیچ میں ایک سوراخ ہے - اس سوراخ میں سے آپ دیکھتے جاتے ہیں اور جو لوگ اس خیمے کے نیچے ہیں وہ بھی اس سوراخ کی طرف اشارہ کرتے جاتے ہیں - اور یہ لوگ آپ کا اشارہ سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرتے جاتے ہیں - پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے کچھ کو یہ عاجز بھی جانتا ہے کہ آپ کی صحبت بابرکت سے ان کو قطبیت حاصل ہوئی -

راقم الحروف بیان کرتا ہے کہ ایک دن سیدی ومرشدی کے ساتھ کچھ مخلصوں کی ہمراہی میں آپ کے ایک مرید کے گھر میں بھی مہمان تھا - آپ نے میزبان کو تاکید فرمائی کہ کھانا حلال ہو - اور نہایت احتیاط سے تیار کرایا جائے چنانچہ میزبان نے حتی الامکان کوشش کی کہ ایسا ہی ہو کچھ دیر بعد شور ہوا کہ جو بکری ذبح کی گئی تھی اس پر بہت زیادہ کیڑے پڑ گئے ہیں اور ان کیڑوں نے ذرا سی دیر میں اتنا گوشت کھا لیا کہ ہڈیاں نظر آنے لگی ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ دوسرے ذبیحہ پر وہ راغب نہیں ہوئے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ذبیحہ حلال نہ تھا - اس کی تحقیق کی جائے - چنانچہ بعد تفتیش کے معلوم ہوا کہ میزبان کے ایک دوست نے جو کسی عہدے پر فائز تھا یہ بکری رعایا سے لے کر ان کو بھیج دی تھی اور انہوں نے مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ بکری ذبح کر لی تھی -

اگرچہ آپ نے ظاہری علوم کی تحصیل کم ہی کی تھی لیکن اس طائفہ علیہ کے حقائق خصوصاً حضرت مجدد قدس سرہ کے اسرار و معارف کے ادراک کی بصیرت خوب رکھتے تھے - حضرت خواجہ مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بھی بہت سے مکتوبات میں[1] آپ کا ذکر کیا ہے - اور آپ کے

[1] یعنی دفتر اول ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۴۲ - ۲۰۴ - ۲۰۹ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۳۱ - ۲۳۸ - ۲۴۶ - ۲۶۰ - ۲۵۶

اکثر سوالات کے جوابات ان مکتوبات شریفہ میں دیئے ہیں۔ اس لئے ان میں سے کچھ مکتوبات کو دوازدہ برکات کے سلسلے میں نقل کرتا ہوں۔

ب ا: آپ نے جو اپنے خط میں مریدوں کی کثرت اور ان کی ترقیات کا حال لکھا ہے تو اَکْثِرُوْا اِخْوَانَکُمْ فِی الدِّیْنِ (برادران دین کو بڑھاؤ) کے مصداق بڑی امیدیں ہیں اور سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ (القصص-۳۵) (قریب ہے اے موسیٰ، ہم تمہارے بازو کو تمہارے بھائی ہارون سے قوت دیں گے) یہ آیت کریمہ بھی اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ لیکن چاہیئے کہ اپنے احوال و اعمال نظر میں رہیں اور اپنی حرکت و سکون ملحوظ رہے۔ ایسا نہ ہو کہ مریدوں کی ترقیاں پیروں کی ترقی کو روک دیں اور طالبوں کی حرارت مرشدوں کے کام میں سردی پیدا کر دے۔ اس بات سے بہت ڈرتے رہنا چاہیئے اور مریدوں کے حالات اور مقامات کو شیر ببر کی طرح گھنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ اس وجہ سے خود پسندی کا دروازہ کھل جائے۔ بلکہ اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ (شرم و حیا، ایمان کی ایک شاخ ہے) کے بموجب، مریدوں کی ترقی شرمندگی کا باعث ہونا چاہیئے اور ان کی حرارت طلب غیرت و حیرت کا موجب ہونا چاہیئے۔ اور چاہیئے کہ ہمیشہ اپنے اعمال کی کوتاہی اور نیتوں کی خامی ملحوظ رہے اور حال و قال کی زبان هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ سے تر رہے۔ [1]

ب ۲: اے بھائی، میں تم کو پھر لکھتا ہوں کہ اس طریق کا دارومدار دو باتوں پر ہے۔ ایک تو استقامت ہے شریعت پر۔ کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے آداب کو ترک کرنے پر راضی نہ ہو۔ دوسری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۲۸۱ - ۳۱۲۔

دفتر دوم۔ ۴ - ۹۲ - ۹۹

دفتر سوم۔ ۱ - ۴ - ۵ - ۹ - ۱۰ - ۱۲ - ۱۵ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۱ - ۲۶ - ۳۰ - ۳۶ - ۴۹ - ۱۰۲۔

میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ تصوف میں (فارسی میں) ہے جو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے ۱۳۸۹ھ میں شائع کیا ہے۔

[1] دفتر اول۔ ۲۳۸۔

بات یہ ہے کہ شیخ طریقت سے محبت واخلاص میں رسوخ اور مضبوطی کے ساتھ قیام چاہیئے کہ کسی طرح اس پر اعتراض کرنے کی طاقت نہ رہے بلکہ اس کے تمام حرکات و سکنات، محبوب اور پسندیدہ معلوم ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ دونوں باتیں پوری طرح حاصل ہیں تو پھر دنیا اور آخرت دونوں کی سعادت حاصل ہے۔[1]

۳ :۔ ایک مرتبہ آپ نے معلوم کیا تھا کہ جو اسماء مبادیٔ تعینات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ وہی اسماء اولیائے کرام کے بھی مبادیٔ تعینات ہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر تفریق کیا ہے آپ نے لکھا ہے کہ اے عزیز مبادیٔ تعینات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کلیات اسماء ہیں۔ اور مبادیٔ تعینات اولیاء جزیات اسماء ہیں۔ جو ان کلیات کے تحت میں مندرج ہیں۔ اور جزیات اسماء سے وہی اسماء ہیں جو بقید از قیود ماخوذ ہیں۔ جیسے ارادۂ مطلق وارادۂ قید بہ شے چونکہ اولیائے کرام کی ترقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ایک قید وہ ان سے ملحق ہیں۔ اس تفریق کو میں نے کچھ مکتوبات میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آپ ان میں دیکھ لیں۔[2]

۴ :۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک عبادات ہیں اور دوسرے عادات اور رواج۔ جو عمل کہ عبادت ہے۔ اس کے خلاف کرنے کو میں بدعت سیئہ سمجھتا ہوں اور اس کے روکنے میں مبالغہ کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ چیز دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے۔ لیکن وہ عمل جو عرف و عادات کی بنا پر ہے اس کے خلاف کرنے کو میں بدعت نہیں سمجھتا۔ اور اس کے روکنے میں مبالغہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ اس کے وجود و عدم کا تعلق عرف و عادات سے ہے۔ دین اور ملت سے نہیں۔ ایک ملک کے رواج دوسرے ملک کے رواج سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی شہر میں مختلف رواج ہوتے ہیں۔ تاہم وہ سنتیں جو عرف و عادات سے متعلق ہیں ان پر عمل کرنا بھی خوش بختی اور سعادت ہے۔[3]

---

[1] دفتر اوّل۔ ۲۲۸

[2] دفتر اوّل۔ ۲۳۱

[3] دفتر اوّل۔ ۲۳۱

ب: حصول اور وصول کے فرق کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے۔ اے بھائی، حصول، بُعد کے باوجود متصور ہو سکتا ہے۔ لیکن وصول ممکن نہیں۔ جیسے عنقاء کی کسی صورت مخصوصہ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس طرح ہمارے ادراک میں حاصل ہے لیکن عنقاء کا وصول لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ظلیت جو ظہور شے سے عبارت ہے مرتبہ ثانی میں اس شے کے حصول کے منافی نہیں۔ لیکن حصول شے، ظلیت کی تاب نہیں لا سکتا۔ پس فرق بخوبی ظاہر ہو گیا۔[۱]

ب: اللہ تعالیٰ کا شکر اس نعمت عظمیٰ پر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے ہم عاجزوں کو اہل سنت وجماعت کے مطابق صحیح عقائد عطا کرنے کے بعد سلوک نقشبندیہ سے مشرف فرمایا اور اس بزرگ سلسلے کے مریدوں اور متوسلین میں شامل کیا۔ اس فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے طریقوں کے سات قدم سے بہتر ہے۔ وہ راستہ جو تبعیت اور وراثت کے طریقے پر کمالات نبوت تک کشادہ ہو جاتا ہے وہ صرف اسی سلسلہ عالیہ سے مخصوص ہے دوسرے طریقوں کی انتہا صرف کمالات ولایت کی انتہا تک ہے۔ وہاں سے کوئی راستہ کمالات نبوت کی طرف نہیں کھلتا۔ اسی وجہ سے اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تحریر کیا ہے کہ اس طریقے کے بزرگوں کا طریقہ بعینہٖ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ہے۔ چنانچہ صحابہؓ کرام نے بطور وراثت کے کمالات نبوت سے وافر حصہ لیا ہے اس طریقے کے منتہی، بسبب اتباع کے، کمالات نبوت سے حصہ کامل پاتے ہیں اور مبتدی اور متوسط حضرات بھی امید وار رہتے ہیں کیونکہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (انسان اسی کے ساتھ ہے جس کی وہ محبت رکھتا ہے) یہ بات دور افتادہ لوگوں کے لئے بشارت ہے۔ اس طریقے میں ناقص اور گھاٹے میں رہنے والا وہ ہے جو داخل طریقہ ہو کر آداب کی رعایت نہ کرے اور نئے نئے کام اس طریقے میں ایجاد کرے اور خوابوں اور وقائع کی بنا پر اس طریقے کے خلاف عمل کرے۔ تو اس میں طریقے کی کیا خطا ہے[۲]

ب۔ آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر نفی واثبات یا تلاوت قرآن مجید یا نماز بطول قنوت (قرأت) میں سے کون سی چیز بہتر ہے۔

---

[۱] دفتر اول ۲۳۱۔ [۲] دفتر اول ۲۸۱۔

واضح ہو کہ ذکر نفی اثبات، وضو کی مانند ہے جو نماز کے لئے شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح جب تک ذکر نفی و اثبات کا معاملہ، انجام کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک فرائض واجبات وسنن کے علاوہ جو کچھ عبادات نافلہ کی جائیں گی۔ وہ سب (سالک کے لئے) وبال ہی داخل ہیں۔ سب سے پہلے مرض قلبی کا ازالہ کرنا چاہیئے۔ جو ذکر نفی واثبات سے متعلق ہے۔ اس کے بعد دوسری عبادات اور حسنات کی طرف (جو بدن کے لئے غذائے صالح کی طرح ہیں) مشغول ہونا چاہیئے۔ ازالۂ مرض سے پہلے جو غذا کھائی جائے گی وہ فساد پیدا کرے گی۔ ع

مرض میں کھاؤ گے جو کچھ وہ خود مرض ہو گا[1]

ش ۔ اس فقیر کے علم میں حقائق ممکنات، عبارت عدمات سے ہیں کہ منشائے ہر شرو نقص ہیں مع عکوس صور علمیہ اسماء وصفات الٰہیہ جل شانہٗ کے ان عدمات میں ظہور پذیر ہوتے ہیں غایت مافی الباب یہ ہے کہ وہ عدمات ہیولے (مادہ) کے رنگ میں ہیں اور عکوس جو صورت کے رنگ میں ہیولے میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تشخصات، تمیزات، عکوس ہیں انہیں عدمات کے متمیزہ کے ساتھ ان عکوس کا قیام ہے۔ لیکن یہ قیام اس قسم کا نہیں ہے جس قسم کا عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ قیام صورت بہ ہیولے کی مانند ہے کہ تشخص ہیولے کا دار و مدار صورت پر ہے۔ چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سالک بذکر و مراقبہ بجناب قدس خداوندی متوجہ ہوتا ہے اور لحظہ بہ لحظہ ماسوائے سے اعراض کرتا جاتا ہے۔ وہ عکوس صور علمیہ اسماء وصفات ذات واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ ہر لحظہ قوت و غلبہ پیدا کرتے جاتے ہیں اور اپنے قرین بر کہ عدمات ہیں استیلاء و تسلط پا لیتے ہیں۔ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ معاملہ وہاں تک پہنچتا ہے کہ عدمات جو عکوس کے لئے اصل اور ہیولیٰ کی مانند ہیں، سب پوشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب سالک کی نظر سے چھپ جاتے ہیں اور اپنے اصول کے عکوس کے علاوہ اس کی نظر میں کچھ نہیں رہتا بلکہ وہ عکوس بھی جو اپنے اصول کے آئینے ہیں، نظر سے پوشیدہ

---

[1] دفتر سوم - ۱۲ -

ہوجاتے ہیں، کیونکہ اس مقام میں آئینوں کے مخفی ہونے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہی مقام بلند فنا کا مقام ہے[1]

۹:۔ جب انسان کامل، سیر الی اللہ کے تمام ہونے کے بعد سیر فی اللہ کے ساتھ وابستہ و متحقق ہوجاتا ہے۔ تو وہ اخلاق اللہ سے متخلق ہوتا ہے اور جب وہ مجمل طور پر اس سیر کو بھی تمام کرلیتا ہے اور اسماء وصفات کے عکسوں کے ظہور کا دائرہ جو سیر فی اللہ سے وابستہ ہے تمام کرلیتا ہے تو وہ اس امر کے لائق ہوجاتا ہے کہ ظلیت کی آمیزش اور حالیت و محلیت کے وہم کے بغیر اصالت کے طور پر محبوب اس میں ظہور فرمائے۔ پھر چونکہ محبوب کی صفات ذاتیہ اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں۔ اس لئے عاشق کی نظروں میں ذات کے ظہور کے ساتھ صفات کا ظہور بھی ہوگا اور دو قوس یعنی قوت ذات اور قوس صفات حاصل ہوجائیں گی۔ اور یہ قاب قوسین کے مقامات اعلیٰ میں سے ایک مقام ہے جو ظہور اصلی سے متعلق ہے۔ اور جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے محبوب کی ذات کے ساتھ عاشق صادق کا تعلق اور گرفتاری یہاں تک ہوجائے کہ وہ اسم وصفت میں سے کچھ بھی نہ چاہے، تو ایسے وقت میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام اسم وصفت بھی اس کی نظر سے دور ہوجاتے ہیں اور سوائے ذات کے اسے کوئی چیز ملحوظ و مشہود نہیں ہوتی۔ اور گو کہ صفات موجود ہوتی ہیں لیکن اس کو مشہود نہیں ہوتیں۔ ایسے موقع پر اَوْ اَدْنیٰ کا راز ظاہر ہوتا ہے اور ان دو قوسوں کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔[2]

۱۰:۔ جان لیں کہ ہر چیز اپنی ماہیت میں ایک چیز ہے اور اس کی ماہیت کے ثبوت کے لئے اس کے بنانے والے کی بناوٹ بتانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کا ثبوت خود اس کی ذات سے (کافی اور) ضروری ہے۔ اسی واسطے اہل معقول نے کہا ہے کہ ماہیات کے نفس میں بناوٹ

---

[1] دفتر دوم۔ ۹۴۔ لیکن یہ مکتوب مولانا عبد القادر انبالوی کے نام ہے۔

[2] دفتر دوم۔ ۹۱۔ لیکن یہ مکتوب مخدوم زادہ محمد سعید کے نام ہے۔ کچھ اسی طرح کا مضمون دفتر سوم کے مکتوب ۳۰ میں بھی آتا ہے۔

ثابت نہیں اور ماہیات مجعول نہیں۔ بنانے والے کی بناوٹ ماہیات کے وجود کے ساتھ متصف ہونے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ صباغ (رنگریز) کا فعل کپڑے کے رنگنے میں ہے، یعنی رنگ میں، کپڑا بنانے میں نہیں۔ وہ تو رنگ بناتا ہے اور وہ کپڑا بنانے تو یہ بات تحصیل حاصل ہے۔ پس چیز کی ذات میں جعل نہیں ہوا۔ بلکہ چیز کے وجود کے ساتھ متصف ہونے میں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شے اپنی ماہیت میں شے ہے اور یہ بات نظر کشفی میں ظل شے اور عکس شے میں مفقود ہے۔ کیونکہ شے کا عکس اور ظل اپنی ظلی اور عکسی ماہیت سے ظل اور عکس نہیں ہے۔ بلکہ اپنی اصل کی ماہیت سے وہ ظل اور عکس ہے۔ ظل تو ماہیت نہیں رکھتا بلکہ وہ اسی اصل کی ماہیت ہے جس نے ظل میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ پس اصل ظل کے لئے نفس ظل سے زیادہ اقرب ہے، کیونکہ ظل اپنی اصل سے ظل ہے، نہ کہ اپنے نفس سے اور چونکہ یہ عالم، حق تعالیٰ کے افعال کے ظلال اور عکوس ہیں اس لئے افعال جو اس کے اصول ہیں، عالم کی بہ نسبت عالم سے زیادہ اقرب ہوں گے کہ وہ اصل الاصل ہیں اور چونکہ صفات بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ظلال ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات تمام اصول کی اصل ہے اس لئے حق تعالیٰ کی ذات عالم میں عالم سے اور خود افعال وصفات سے زیادہ اقرب ہے۔ یہ ہے بیان، حق تعالیٰ کی اقربیت کا۔ جو تحریر میں آسکا۔[1]

ب ۱۱:- آپ نے دریافت کیا تھا کہ جب ظل اشیاء، اپنی ماہیت سے اشیاء نہیں ہیں بلکہ اپنی اصل کی ماہیت سے قائم ہیں تو چاہیئے کہ مشارٌ الیہ اشیاء، لفظ ھُوَ، انتَ اور انا کے ساتھ اصل ہوتیں۔ تو پھر بعض صفات جو اصل کے ساتھ نا ملائم ہیں مثلاً اَنَا آکِلٌ اور اَنَا نَائِمٌ تو وہ انکے ضمائر پر کس قدر صادق آتیں گی۔

جاننا چاہیئے کہ ظل درحقیقت اگرچہ اپنی اصل سے قائم ہے۔ لیکن ان کی ظلیت کا ثبوت خواہ اس مرتبہ حس وخیال ہی میں ہو۔ ہمیشہ قائم ہے۔ اور اس کی ظلیت کے ثبوت کے لئے دوام وبقا ہے اور خَلَقَهُمُ اللّٰهُ اس امر پر گواہ ہے ظلیت کے اعتبار سے ان صفات کا ضمیروں پر حمل کرنا جائز ہے اور وجود کے ہر مرتبے کا حکم جدا ہے۔ اور جو کچھ خدا میں گم ہو وہ خدا نہیں ہے۔[2]

---

[1] دفتر سوم - ۱ [2] دفتر سوم ۲۱۔

۱۲ یہ جاننا چاہیئے کہ مراتب عروج جس وقت تک ایک دوسرے سے متمیز ہیں ایک اصل سے دوسرے اصل تک جاسکتے ہیں۔ یہ کمالات دائرہ ولایات میں داخل ہیں۔ اور جب یہی برطرف ہو جائیں تو تفصیل کھو جاتی ہے اور معاملہ اجمال و بساطت صرفہ پر پڑتا ہے اور کمالات نبوت کے شروع میں ہوتا ہے اگرچہ اس مرتبہ میں بھی وسعت ہے اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ لیکن وہ وسعت، دوسری وسعت ہے۔ اور اگر تمیز ہے تو دوسری تمیز ہے ....

زیادہ ازیں چہ نویسد کہ در یابد

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔[1]

۲۔ شیخ طاہر لاہوری سلمہ اللہ تعالیٰ

مولانا شیخ محمد طاہر قدس سرہ، حضرت مجدد قدس سرہ کے عظیم مریدوں میں سے تھے وہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے فاضل تھے۔ ریاضات شاقہ، مجاہدات شدیدہ اور کشوف والہامات، کرامات وجذبات والوں میں سے تھے وہ ماہر علوم اور حافظ قرآن تھے۔

علوم وفنون کی تحصیل کے بعد آپ کو سلوک طریقت کا شوق پیدا ہوا اور خود کو انہوں نے آپ کے آستانہ عالیہ میں پہنچایا۔ چونکہ آپ شرع کے بہت پابند تھے اس لئے ایسے مرشد کی تلاش میں تھے کہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی اور علم وعمل میں یکتا ہو۔ چونکہ حضرت مجدد قدس سرہ اپنے زمانے کے افضل واکمل اولیا میں عظیم تھے۔ اس لئے بخوشی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برسوں وہاں نہایت خاکساری، جاں سپاری، عاجزی اور انکساری کے ساتھ قیام کیا۔ بعض اوقات فقیروں سے کہا کرتے تھے کہ جاروب کشوں کو منع کردیں کہ صفائی کا کام وہ نہ کریں۔ ان کی بجائے میں خود کیا کروں گا۔

اس کے علاوہ آپ صاحبزادوں کی تعلیم کی خدمت کے سلسلے میں بہت کوشش کرتے

---

[1] مکتوبات شریف۔ دفتر دوم ۹۹۔ میر صاحب کی وفات آگرہ میں ۱۸ صفر ۱۰۳۸ھ کو ہوئی "میر والا جاہ نعمان متقی" مادۂ تاریخ ہے (دیکھیں نزہۃ الخواطر۔ ج ۵۔ ص ۲۹۳)

تھے ۔ مخدوم زادے کہا کرتے تھے کہ حضرت شیخ طاہر رح کے احسانات اس قدر ہیں کہ ہم کسی طرح ان کے شکریہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے ۔ جَزَاهُ اللهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَا ۔

ایک دن حضرت مجدد قدس سرہ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ (صاحبزادہ) محمد یحیٰی کو بھی شیخ طاہر کے سپرد کر دوں کہ وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح عالم باعمل بن جائے۔ لیکن اب شیخ طاہر کا وہ دماغ کہاں رہا ہے۔

اس علمیت کے باوجود آپ پر حضرت مجدد کا رعب اس قدر تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا ایک دن حضرت مجدد رح نے ان کو امامت کرنے کا حکم دیا تو ان کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور تمام بدن میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اور باوجودیکہ وہ حافظ قرآن اور بہت بڑے فاضل تھے انتہائی خشیت سے اور حضرت کے رعب سے ہر لمحہ قرأت ان کے گلے میں رُک رُک جاتی تھی۔ چنانچہ ایسی تعظیم و تکریم، ادب و ہیبت کی بدولت اور حضرت مجدد رح کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے وہ کمال و تکمیل کے مرتبے کو پہنچے۔

لیکن راہ سلوک کے دوران حضرت حق سبحانہ، کی حکمت سے بلیۂ عظمیٰ رونما ہوئی۔ اس کا بیان مجملاً اس طرح ہے کہ ایک دن حضرت مجدد نے حلقۂ ذکر میں دیکھا کہ ان کی پیشانی پر شقی لکھا ہوا ہے۔ تمام دوستوں پر بہت زیادہ ہیبت طاری ہوئی اور ہر شخص کانپنے لگا اور یہ شخص شیخ طاہر تھے۔ اس کے بعد آپ سے عجیب و غریب لغزشیں ہوئیں۔ اس کے بعد حضرت مجدد نے آپ کے لئے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ آپ نے اس واقعہ کی طرف اجازت نامے میں[1] بھی اشارہ کیا ہے۔ نیز ایک مکتوب[2] میں بھی قضائے مبرم اور قضائے معلق کا ذکر کرتے ہوئے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے لکھا ہے۔

ف :۔ جب میں اس بلیہ کی رفع کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے اس کو لوح محفوظ میں معلق با مر نہ دیکھا۔ قضائے مبرم معلوم ہو کر تعجب ہوا کیونکہ آثار و اخبار اور امت کے اجماع سے

---

[1] یہ اجازت نامہ حضرات القدس ۲ میں آپ کے حالات کے ذیل میں درج ہے۔

[2] دفتر اول ۲۱۷۔ اصل مکتوب میں تفصیل ہے۔ اور یہ صرف خلاصہ دے دیا گیا ہے۔

ثابت ہے کہ قضائے مبرم میں تبدیلی نہیں ہو سکتی .....

اس وقت مجھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا کلام یاد آیا کہ قضائے مبرم میں میرے علاوہ کسی شخص کو تصرف حاصل نہیں ہے میں نے اس لئے دعا کی کہ اے رب العالمین جب اولیائے اللہ میں سے یہ دولت کسی ایک کو بھی حاصل ہوئی ہے تو میں بھی امیدوار ہوں چنانچہ میں نے التجا کی اور میری دعا مقبول ہوئی اور اس بھید کی معرفت بھی عطا فرمائی کہ قضائے معلق بھی دو قسم کی ہے ایک وہ جس کی تعلیق لوح محفوظ میں چھپی ہوئی ہے اور ایک وہ جس کی تعلیق ہمارے علم میں ہے۔ یہ معاملہ اور وہ واقعہ جس میں ہم نے شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو تصرف عطا فرمایا قسم ثانی میں داخل ہے اور قضائے مبرم کی صورت میں ہے (اس کلام کا حاصل یہ ہے)

ایک دن گرمی کار و غلبۂ حال کے دوران شیخ محمد طاہر نے کہا کہ اگر حضرت مجدد میرے احوال سلب کرنا چاہیں تو بھی سلب نہیں کر سکتے۔ چونکہ میں فانی ہو گیا ہوں۔ اور اس گروہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ۔

آپ کی یہ خلاف شرع بات کسی نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ جلال میں آگئے اور شیخ طاہر کے سب احوال سلب کر لئے۔ شیخ طاہر بے چینی میں مچھلی کی طرح تڑپنے لگے اور بہت سے دوستوں سے سفارش کرائی پھر آپ نے معاف فرما دیا اور انہیں ان کے مقام پر پہنچا دیا۔

بالجملہ کچھ دیر کے بعد حضرت مجددؒ نے شیخ محمد طاہر رح کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی خلافت سے سرفراز فرما کر لاہور رخصت کیا۔ طریقہ قادریہ کی بھی اجازت دی۔ چنانچہ آپ لاہور تشریف لاتے اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اور ایک بڑی جماعت نے آپ کے فیوض و برکات سے فائدہ حاصل کیا۔

اب آپ کے چند عریضوں کے فقرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں جن سے آپ کے حالات کی بلندی اور آپ کی برکات کی فراوانی کا اندازہ ہو گا۔

ا :۔ فقیر حقیر محمد طاہر، حضور کی خدمت اقدس میں عرض کرتا ہے کہ جب میں اس آستانہ عالیہ سے اس طرف کو روانہ ہوا تو ہر قدم پر اپنے آپ سے کہتا تھا کہ اے نادان، اپنا مقصد

پیچھے چھوڑکر کہاں جا رہا ہے؟ لیکن پیچھے سے کوئی کہتا تھا کہ چلے چلو۔ فقیر کو کشاں کشاں اس شہر میں لایا گیا۔ جنگل کے ایک گوشے میں حیرانی کے عالم میں بیٹھ گیا۔ ناگاہ حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ عنہ کی روحانیت ظاہر ہوئی اور باعث بنی اس کی کہ جس کام کے لئے حضرت مجدد نے فرمایا ہے اسے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ان کے اور آپ کے حکم کی تعمیل میں چند لوگوں کو ذکر میں شامل کیا۔ اسی اثناء میں ایک جوان بلند استعداد والا آگیا۔ اس کو ذکر کا طریقہ بتایا تو اسی وقت اس کے تمام بدن میں نسبت سرایت کر گئی اور وہ سرتاپا ذاکر ہوگیا۔ دوسرے طالبوں کو بھی جمعیت اور حضور حاصل ہے۔ حضور (مجدد) کے مقامات کے سلسلے میں اور خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق جو حضور نے تحریر فرمایا ہے۔ حاسدوں نے اس میں کچھ باتیں اپنی طرف سے شامل کرکے طعن کی راہ کھولی تھی۔ مولانا حامد[1] نے حضور کا وہ مکتوب علامۃ الانام مولانا عبدالسلام کو پیش کیا۔ مولانا نے مطالعے کے بعد فرمایا کہ اس پر کوئی شبہہ وارد نہیں ہوسکتا۔ اور انہوں نے بہت کچھ حسن ظن پیدا کر دیا۔ اور حاسدوں کی زبان بندی ہوگئی۔

ف ۲ :۔ عالی جناب مجھ جیسے ناقابلوں کی مریدی سے آپ کی درگاہ کے کتوں کو بھی ہزار بار شرم ہے چہ جائیکہ میں اپنے آپ کو آپ کے آستانۂ مبارک کے خادموں میں شمار کروں۔ کیونکہ جو کچھ اس طرف سے ہے محض خیر ہے۔ اور جو کچھ میری طرف سے ہے محض شر ہے۔ اس لئے مجھ جیسے ناقابلوں کو اس عتبۂ علیہ سے کیا نسبت ہوسکتی ہے لیکن چونکہ ذلت والی خاک سے اٹھایا ہے گستاخی کرکے حال عرض کرتا ہوں۔ حضرت سلامت تینوں طریقوں (نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ) کی نسبتیں جلوہ گر ہیں اور ان کے مشائخ بڑی تعداد میں تشریف لا رہے ہیں۔ اور بڑی عنایت فرما رہے ہیں۔ خصوصاً خواجۂ بزرگ، حضرت غوث الثقلین (عبدالقادر جیلانی) اور حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔ اسی طرح حلقۂ ذکر اور نماز تراویح میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہزاروں صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم) اور مشائخ (رحمۃ اللہ علیہم) کے ساتھ تشریف لاکر دیر تک نوازشیں فرماتے رہے اور عشرۂ اعتکاف

---

[1] مولانا حامد۔ مولانا طاہر کے شاگرد تھے۔ (دیکھیں آئندہ صفحے کا حاشیہ)

میں خلعت خاص سے بھی نوازا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی بہت عنایت فرمائی اور بہت شرف بخشا۔ ان واقعات کے ضمن میں بہت کچھ عروج و نزول واقع ہوا۔ پھر بہت سے مقامات طے کرنے کے بعد خود کو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس میں پایا۔ اس کے بعد اس نور سے جو اس روضہ مبارکہ سے میرے گھر میں آرہا تھا اور اس نور سے جو اس روضۂ مقدسہ سے نکل رہا تھا، مجھے تحقق حاصل ہوا۔ اس کے بعد ظاہر ہوا کہ میرے کام پر سے تمام حجابات دور ہو گئے اور وصل عریاں کی حقیقت ظاہر ہوئی۔ مکالمہ اور محادثہ بھی واقع ہوا۔ اس کے بعد جہل اور لاعلمی ظاہر ہوئی۔ اور اب نہ تو وصل ہے نہ فراق ہے نہ طلب ہے نہ غیر طلب۔ اور کسی حکم سے (اثباتاً یا نفیاً) محکوم نہیں۔

میں اپنے بے شمار گناہوں کا کیا بیان کروں کہ انتہا نہیں رکھتے۔ اس کے باوجود جناب کی عنایات اور احوال متزائد و متصاعد ہیں۔ اس سے پہلے کہ تینوں نسبتیں یعنی نسبت نقشبندیہ نسبت قادریہ اور نسبت چشتیہ میں سے ہر نسبت باری باری سے ظاہر کی جاتی تھیں اور کبھی کبھی اتفاق سے وہ باہم مل جاتی تھیں اور کبھی کبھی غالب اور مغلوب بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اور اب تینوں نسبتیں ایک ہیں اور کبھی کبھی ایک دوسرے پر غلبہ بھی کرتی رہتی ہیں۔ اب نسبت مشائخ میں سیر کم ہوگئی ہے مگر اتفاقاً کسی موقع پر یہ سیر ہو جاتی ہے۔ اس کے آثار بھی مترتب ہوتے ہیں (انتہی) [1]

چونکہ شیخ نے اس اثنائے گرمی رشد و ہدایت میں وفور بے تعینی و تفرید کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرنی شروع کر دی تھی تاکہ مخلوق کی آمد و رفت کم ہو۔ جب حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے شیخ رح کو ایک خط بھیجا جو مندرجہ ذیل ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ مکتوب شریف موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ آپ نے جو کچھ دوستوں کی حلاوت اور التذاذ کا حال لکھا ہے اس سے بھی بہت خوشی ہوئی۔ اے بھائی! حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو یہ رتبہ عنایت فرمایا ہے اس عظیم نعمت کا شکر زیادہ

---

[1] مولانا طاہر کا یہ مکتوب تفصیل کے ساتھ حضرات القدس (۲) میں آپ کے حالات کے ذیل میں درج ہے۔ اسی مکتوب کے آخر میں مولانا حامد کا ذکر بھی ہے کہ وہ شاگرد ہیں۔

سے زیادہ ادا کیا کریں اور حفاظت کریں۔ کوئی کام ایسا واقع نہ ہونے پاتے جو مخلوق کی نفرت کا سبب ہو جو فرقہ ملامتیہ کے حال کے مناسب ہے کہ وہ لوگ شیخی (پیری) اور دعوت سے تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ ملامت (ملامتیہ) کا مقام تو شیخی کے مقام کے خلاف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ان دونوں مقامات کو خلط ملط کر دیں اور شیخی (پیری) کے مقام میں ملامتیہ بننے کی آرزو کریں۔ کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے اور چاہیئے کہ مریدوں کی نظر میں خود کو متجمل (رعب داب والا) رکھیں اور ان سے بے تکلفی اور بہت اختلاط بھی نہ رکھیں کہ اس طرح سبکی ہوتی ہے جو افادہ اور استفادہ دونوں کے منافی ہے (اسکے علاوہ) حدود شرعیہ کی خوب حفاظت کریں اور جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل تجویز نہ کریں کہ یہ بات بھی اس طریقہ علیہ کے منافی ہے اور سنت سنیہ کی متابعت کے دعوے کے خلاف ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ریاءُ العارفین خیرٌ من اخلاص المریدین (عارفوں کی ریاء مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے) کیونکہ عارفوں کی ریا سے طالبوں کے قلوب، بارگاہِ الٰہی میں کھنچتے ہیں، اسی لئے وہ اخلاص مریدین سے بہتر ہے۔ اسی طرح عارفوں کے اعمال، طالبوں کے لئے تقلید کا سبب بنتے ہیں اعمال کے بجالانے میں۔ لیکن اگر عارف لوگ ہی عمل نہ کریں۔ تو طالب محروم رہیں گے۔ پس عارف لوگ اس لئے ریا کرتے ہیں کہ طالب لوگ ان کی اقتدا کریں (اس طرح) یہ ریا، محض اخلاص بن جاتی ہے بلکہ اس اخلاص سے بہتر ہے جو صرف اپنے نفع کے لئے ہو۔ اس بات سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ عارفوں کا کام صرف طالبوں کی اصلاح (تقلید سکھانا) ہے اور خود ان کو عمل کی ضرورت نہیں۔ العیاذ باللہ! یہ بات تو عین الحاد اور زندقیت ہے۔ نہیں۔ بلکہ عمل کرنے میں عرفاء اور طلاب برابر ہیں اور عمل کرنے سے کوئی بھی مستثنیٰ اور مستغنی نہیں ہے۔ یہاں مقصد صرف یہ ہے کہ عارفوں کے اعمال کے ساتھ طالبوں کا نفع بھی شامل ہے۔ اسی خیال سے اس عمل کو ریا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الغرض آپ اپنے قول و فعل کی خوب محافظت کریں۔ کیونکہ اکثر خلائق کو اس زمانے میں طلب ہے۔ اس لئے کوئی بات ایسی واقع نہ ہو جو اس مقام (شیخی) کے منافی ہو اور جاہلوں کو اکابر پر طعن کرنے کا موقع حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ سے استقامت چاہیں۔ اور جو کچھ آپ نے مشائخ سے نسبتوں کے حصول کا ذکر کیا ہے تو اس کی بابت کئی مرتبہ آپ سے بالمشافہ

کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھیں کہ اس میں خیریت نہیں ہے۔ والسلام۔"[1]
جس وقت یہ ہدایت نامہ رحمت شمامہ آپ کو ملا تو آپ نے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس کے فقرے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

"قبلہ عود جہاں سلامت! خدمت میں عرض ہے کہ جس طرح چڑیا کا بچہ منہ کھولے فریاد کرتا ہے وہی حال آپ کے در اقدس کی نسبت سے اس عاجز کا ہے آپ کی امداد کے بغیر عاجز کا ٹھکانا دوزخ اور خسارے کے علاوہ کہیں نہیں ہے۔ جو حال عرض کیا جاتا ہے وہ ایک شمہ ہے آپ کے در اقدس سے آثار قبولیت کا۔ ورنہ مجھ جیسوں کو اس دولت عظمیٰ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے علاوہ اور کچھ مطمح نظر نہیں ہے۔ طعن و تعریف سے قطع نظر کرتا ہوں اور ان سب کو امر زائد از اتباع جانتا ہوں۔ اور اپنے میں مشیخت کی قابلیت نہیں پاتا۔ غریب مسکین افتادہ ہوں یعنی ھٰذا و بغیشنی ھٰذا۔ آخر حقیقت حال فقرا ہے۔" (انتہیٰ)

الغرض آپ اس شہر (لاہور) میں طالبوں کو فیض پہنچانے میں مشغول ہیں۔ آپ تشرع واتباع، تبتل وانقطاع، فقر وقناعت اور انکسار و مسکنت میں یگانۂ وقت ہیں۔ آپ دنیاداروں سے دوستی نہیں رکھتے اور نہ ان سے تحائف قبول کرتے ہیں۔ آپ کا ذریعۂ معاش کسب حلال پر ہے۔ اگر دین دار لوگوں میں سے کوئی تحفہ لاتا ہے تو قبول کر لیتے ہیں۔ سب سے الگ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے آپ کئی مرتبہ لاہور سے پیادہ پا خرقہ پوش درویشوں کے ساتھ حضرت مجدد قدس سرہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں اور کچھ روز خدمت عالی میں رہ کر رخصت ہوئے ہیں۔ جن دنوں حضرت مجدد قدس سرہ لاہور میں تشریف رکھتے تھے آپ ان کی

---

[1] دفتر اول۔ ۲۲۷۔ آپ کے نام دفتر اول کے مکتوبات ۲۲۵۔ ۲۲۷۔ ۲۵۵۔ لاہور میں میانی کا قبرستان چوبرجی کے قریب ہے وہاں آپ کا مقبرہ "طاہر بندگی" کے نام سے مشہور ہے۔ ولادت ۹۸۴ھ اور وفات ۱۰۴۰ھ (۲۰ محرم) میں ہوئی "آہ معرفت مرد" مادہ تاریخ ہے ۱۰۴۰ھ۔

خانقاہ کے سامنے سے سواری پر کبھی نہیں گزرے۔ اس مرتبہ آپ کے ہمراہ راقم الحروف بھی تھا جیسے ہی شیخ موصوف کو آپ کی آمد کی خبر ملی ویسے ہی ٹوپی اوڑھے اور تہبند باندھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے مسکرا کر یہ مصرع پڑھا۔ ع

آنجا مگر نسیم رسد یا صبا وزد

اس کے بعد شیخ موصوف کو رخصت کیا اور آپ نے ان کی بہت تعریف کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ مستفیدین و مستفیضین کے سروں پر قائم و دائم رکھے آمین۔

۳۔ شیخ بدیع الدین سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ ہندوستان کے بزرگ زادوں میں سے تھے۔ نوجوانی میں آپ حضرت مجدد کی خدمت میں توضیح و تلویح پڑھا کرتے تھے اس وقت ان کو درویشوں سے عقیدت نہیں تھی بلکہ فرض نماز بھی ادا نہیں کرتے تھے۔ میں نے خود مشارٌ الیہ سے کہتے سنا ہے کہ میں جس سال حضرت مجدد سے علم ظاہری پڑھ رہا تھا میرا تعلق ایک صاحب جمال نوجوان سے تھا۔ سبق پڑھنے کے دوران دل بے چین ہوتا کہ کب سبق سے فراغت ملے اور اس کی گلیوں کا نظارہ کروں اور اس سے میل جول پیدا کروں۔ ایک دن حضرت مجدد رحمہ نے مجھ سے فرمایا کہ نماز پڑھنی چاہیئے اور شرعی محرمات سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ گناہوں سے علم ظاہری کے حصول میں دشواریاں ہوتی ہیں۔ میں نے کہا کہ میں ایسی نصیحتیں بہت لوگوں سے سن چکا ہوں اگر اس معاملے میں آپ مجھ پر توجہ فرمائیں اور اپنے تصرف اور توجہ سے مجھے اس حالت (گمراہی) سے باہر نکال دیں تو میری ہدایت ہو سکتی ہے۔ ورنہ نصیحت تو کارگر نہیں ہوتی۔ آپ نے تھوڑی توجہ فرمائی اور یہ فرمایا کہ کل تم اسی نیت اور آمنیت کے ساتھ میرے پاس آنا۔ اتفاقاً دوسرے روز میرا محبوب میرا مہمان ہوا اور میں نے اس کی صحبت کو غنیمت جانا اور حضرت کی خدمت میں نہ جا سکا۔ پھر دو تین روز کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا کہ تم نے وعدہ خلافی کی۔ خیر، اب بھی آگئے ہو تو اچھا ہے اور مبارک ہے۔ جاؤ، تازہ وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر میرے پاس آؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد آپ مجھے خلوت میں لے گئے اور ذکر قلبی

کی تعلیم دی اور توجہ فرمائی۔ چنانچہ میں بے خود ہو گیا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا اور خاک پر لوٹنے لگا اسی حالت میں لوگوں نے اٹھا کر مجھے گھر پہنچا دیا۔ ایک رات دن کے بعد مجھے ہوش آیا۔ جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو اس گرفتاری (عشق مجازی) سے اسے خالی پایا۔ بلکہ تمام (دنیوی) رشتوں سے خالی پایا۔ اس کے بعد میں حضرتؒ کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہونے لگا اور آپکی عالی توجہات کی برکتوں سے بے حد ترقیاں حاصل کیں۔ پھر تو میں ہر روز خود سے دُور تر ہوتا گیا اور ہر ساعت غیب الغیب کی طرف بڑھتا گیا۔

غرض کہ شیخ نے برسوں حضرت کی خدمت میں عمر گزاری اور واردات و مقامات اور درجات کمال و تکمیل سے مشرف ہوئے اور خلعت خلافت حاصل کر لئے اپنے وطن (سہارنپور) واپس ہوئے اور طالبوں کی تربیت میں مشغول ہوئے۔ کچھ عرصے بعد شہر آگرہ میں اس سلسلے کے خلفاء کی جگہ خالی ہوئی حضرت مجدد نے آپ کو وہاں بھیج دیا اور ہدایت فرمائی کہ وہاں حتی الامکان استقامت سے کام لینا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا۔ اس لئے آپ آگرہ تشریف لے گئے اور وہاں آپ کو بہت زیادہ قبولیت حاصل ہوئی۔ محفلیں گرم ہوتیں اور شہر کے باشندوں کو آپ سے فیوض و برکات حاصل ہوئے۔ انہی دنوں میں شیطان مردود نے آپ کے دل میں وسوسہ ڈالا اور حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپ بعض امور محظورہ کی اصلاح کے خیال سے وطن واپس آ گئے۔ آپ کا آنا حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کی اجازت کے خلاف تھا۔ اس لئے یہ بات حضرت مجدد قدس سرہ کو ناگوار گزری۔ اس کے بعد آپ جب خدمت عالی میں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ آپ کی واپسی کی وجہ سے حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کی طبیعت پر گرانی ہے۔ دوبارہ آگرہ روانہ ہونے کی اجازت چاہی۔ فرمایا کہ وقت تو وہی تھا۔ تمہیں اختیار ہے جاؤ یا نہ جاؤ۔ پھر بہت بے چینی کے ساتھ آپ آگرے کے لئے اس امید پر رخصت ہوئے کہ جو گرانی حضرت کی طبیعت پر آ گئی ہے وہ ختم ہو جائے آپ جب آگرہ پہنچے تو اس مرتبہ بھی شروع شروع میں آپ کی محفلیں خوب گرم ہوئیں اور مخلوق کو فیض حاصل ہوا۔ لیکن اس وقت آگرہ دارالسلطنت اور فوجی چھاؤنی تھا۔ فوج کے بہت سے عہدیدار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

آپ نے ادب، اخلاص اور عادت کے خلاف انہیں سخت لہجے میں نصیحتیں کرنی شروع کیں۔ اور اپنے بلند احوال نیز بعض وہ واقعات اور کشوف جن کا ظاہر کرنا فتنہ و فساد کا باعث ہوسکتا تھا، بیان کرنے شروع کئے۔ اس لئے فتنہ و فساد پھیل گیا۔ اور آپ کا وہاں رہنا نہ صرف مشکل ہوگیا بلکہ آپ کے مرشد بزرگوار قدس سرہ العزیز تک اس کا اثر پہنچا۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے جو اس گروہ سے پوری طرح مناسبت نہیں رکھتا تھا آپ کو بلا کر تکلیف دی اور قید کردیا۔ اگرچہ بعد میں بادشاہ[1] اس کام کی وجہ سے شرمندہ ہوا اور آپ سے معافی چاہی لیکن یہ بے ادبی اس کے لئے نامبارک ہوئی کہ ملک میں فتنہ و فساد پھیل گیا۔ ایرانیوں نے بہت سے شہروں پر قبضہ کرلیا۔ اور وہ خود بھی مہلک بیماری میں مبتلا ہوا۔ اور اس میں ہی مر گیا۔ اس مذکورہ قضیہ کے بعد شیخ مشارٌ الیہ اپنے وطن واپس آگئے اور اب تک وہیں گوشہ نشین ہیں۔ اس کے باوجود کہ آپ کی عمر پچاس برس کی ہوگئی تھی آپ نے قرآن شریف حفظ کیا اور دینی علوم کے طالبوں کے افادہ و افاضہ میں مشغول رہے جن دنوں میں راقم الحروف حضرت مجدد کی خدمت میں تھا آپ کا ایک خط حضرت کو ملا اس میں لکھا تھا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص بشارتیں ملی ہیں۔ حضور عنایتیں اور نصیحتیں فرماتے ہیں اور ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراج الہند کے خطاب سے نوازا اور زیادہ سے زیادہ طاعات و عبادات کا حکم فرمایا۔

حضرت مجدد قدس سرہ نے اس خط کے جواب میں یہ چند کلمات لکھے۔

پ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ مکتوب شریف سے خوشی ہوئی۔ واقعات خوشخبری والے ہیں لیکن تعبیر کے قابل ہیں اور ہر چند کہ تاویل کئے گئے ہیں۔ منور ہیں: رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، چونکہ آپ کو زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کا حکم ملا ہے اس لئے جو کچھ بھی عمل ہوسکے اسے غنیمت جانیں کیونکہ یہ جگہ دار العمل ہے واللہ الموفق۔[2]

---

[1] یہ جملے خاص طور پر ملحوظ رکھے جائیں۔ کیونکہ آج کل کے بعض ہندو پرست مصنفین اپنی تحریروں میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جہانگیر نے حضرت مجددؒ سے کوئی معافی نہیں مانگی۔

[2] یہ مکتوب اب کسی اور مجموعے میں نہیں ملتا۔

اس کے بعد میں شیخ بدیع الدین رح کے دوسرے خطوط کے چند فقرے نقل کرتا ہوں جو آپ کے احوال بلند، ارشاد و استقامت اور اہل ملامت کے ایذا اور تکلیف پہنچانے پر آپ کے صبر و شکیبائی کرنے پر کافی شاہد ہیں۔

ب: ۔ آستانۂ عالیہ کا کمترین خادم خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس شکستہ بال کے حالات میں آں جناب کی توجہ اور برکات کی وجہ سے استقامت ہے اور عزیمت کے معاملے میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوا۔ امید ہے کہ جناب کی توجہ اور عنایت کی وجہ سے آئندہ بھی کوئی خلل واقع نہیں ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگرچہ مختلف واقعات پیش آتے ہیں لیکن میں جس مقصد میں گرفتار ہوں اس میں ذرا بھی خلل نہیں ڈال سکتے۔ عام طور پر جو واقعات اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیش آنے والے ہوتے ہیں ان کے واقع ہونے سے پہلے اطلاع ملتی ہے اس کے بغیر کہ میں ان سے مطلع ہونے کا ارادہ کروں۔ غیب کے پردے سے عجیب و غریب بشارتیں ملتی ہیں جو آپ کی خدمت میں عرض کرنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کئی حضرات اکٹھے ہو کر سرگرم کار ہیں ان کے احوال بلند ہیں اور تھوڑے ہی عرصے میں حضور نقشبندیہ کا ملکہ حاصل ہو گیا ہے۔ کچھ فنائے جسدی سے مشرف ہو گئے ہیں۔ آخرت اور برزخ کے احوال کو بدیہی اولی جانتے ہیں یہ سب آپ کے در دولت کا صدقہ ہے۔ ورنہ اس نالائق سیہ بخت کو ان حالات کی کیفیات سے کیا نسبت ________ اور اس دولت عظمیٰ سے کیا مناسبت؟ بعض طالب کثرت ذکر کی لذت کی وجہ سے گھر بار کو چھوڑ دیتے ہیں تو ان کے رشتے دار اس فقیر کو بہت دکھ اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اور خود ان طالبوں کو بھی دکھ تکلیف پہنچاتے ہیں۔ یہاں کے بعض دوسرے سلاسل کے اشخاص بھی اس طریقۂ عالیہ میں داخل ہو کر بہت خوش ہیں اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ نیز گزری ہوئی عمر پر افسوس کرتے ہیں یہاں کے مشائخ نے اس وجہ سے بھی دشمنی کر رکھی ہے حتیٰ کہ اس طریقے اور طریقے والوں کے متعلق بہت سی بے ہودہ باتیں کہتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے مریدوں کی ایک جماعت کو بھیجا جنہوں نے حضرت مجدد قدس سرہ اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی شان میں بہت گستاخی کی۔ لیکن نالائقی کی وجہ سے وہ لوگ بات چیت کرنے

کے قابل نہ تھے اس لئے وقت کی مناسبت کے سبب میرے لئے صبر وسکوت کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ قبلہ گاہا! جناب کی توجہ کی بدولت دولت مشاہدہ سے سرفراز فرمایا گیا ہوں اور جو تمنا رکھتا تھا کہ ایک ہی مرتبہ بارگاہ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دیدار نصیب ہو۔ تو وہ تمنا حاصل ہوتی۔ اور اس آستانے کے کمالات کے انوار کا پرتو حاصل کروں۔ تو وہ تمنا پوری ہوئی محض حق سبحانہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یعنی ایک دن تہجد کی نماز کے بعد اس دولت سے مشرف ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کی خدمت کا اہتمام غوث الثقلین قدس سرہٗ سے متعلق ہے اور ان کے وسیلے کے بغیر اس بارگاہ عالی تک پہنچنا دشوار ہے اور اس مقام کے انوار سے اقتباس بھی نہیں ہوسکتا۔ مگر اولیاء کو جو سرور انبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی کمال متابعت کا شرف رکھتے ہیں۔ میرے مقاصد کے کعبہ آپ ہیں کہ یہ سب کچھ آپ ہی کی درگاہ کا صدقہ اور وسیلہ گردانتا ہوں اور دونوں جہانوں میں آپ کی توجہ ہی کو اپنا مربی سمجھتا ہوں۔ نیز حضرت حق سبحانہٗ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیشہ یہ نالائق اور ازلی وابدی بے صلاحیت شخص آپ کی بارگاہ کے خاک روب لوگوں کی حیثیت سے رہے اور اسی حال میں مرے اور اسی طرح محشور ہو۔ بحرمۃ النبی الامی العربی علیہ الصلوٰۃ والسلام (انتہیٰ)[1]

مخدوم زادوں کی مبارک زبان سے راقم الحروف نے سنا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے نیک اور سچے لوگوں سے ہم نے شیخ بدیع الدین کے کئی ایک خوارق عادات سنے ہیں اس میں تعجب نہیں کہ یہ خوارق حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کے ان کلمات کے اثر کی وجہ سے ہوں جو آپ نے انہیں ایک خط میں لکھے تھے کہ آپ نے کرامات[2] طلب کی ہیں، ان کی امید رکھیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ جن دنوں میں بادشاہ نے حضرت مجدد قدس سرہ کو عتاب کی وجہ سے آگرہ طلب کیا تھا ان دنوں میں بادشاہ کے مقربین میں سے ایک شخص بدیع الدین کا ہم وطن

---

[1] حضرات القدس (۲) میں شیخ بدیع الدین رح کے کچھ مکتوبات اور دیگر کرامات بھی درج ہیں۔
[2] دفتر اول - ۲۵۶ - شیخ بدیع الدین رح کے نام دس مکتوبات ہیں:۔ دفتر اول میں ۱۶۲ - ۱۹۲ - ۲۴۲ - ۲۵۲ - ۲۵۶ - ۲۷۶ - ۲۹۲ - دفتر دوم میں ۱۶ - ۹۹ . دفتر سوم میں ۶ -

بلکہ رشتے دار تھا اور ان دونوں بزرگوں سے بہت دشمنی رکھتا تھا۔ اس خیال سے شیخ متناڑ الیہ اس کے پاس گئے کہ کہیں یہ فتنہ پرداز دشمنی کی وجہ سے بادشاہ کے کانوں تک نالائم امور نہ پہنچائے اور حالات کے تقاضے کے سبب نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ آپ اس وقت انکار اور نقصان کی کوشش نہ کریں۔ چونکہ رشتے دار اگرچہ دشمن اور دل دکھانے والے ہوتے ہیں لیکن بوقت مصیبت مددگار بن جاتے ہیں لیکن اس بے سعادت نے زیادہ سے زیادہ غرور اور دشمنی دکھائی اور کہا کہ مدتوں کے بعد آرزو پوری ہوتی ہے اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ شیخ مذکور بھی اس وقت جذبہ میں آگئے اور فرمایا کہ میری بھی برسوں کے بعد آرزو پوری ہوئی ہے اچھا دیکھو کیا ہوتا ہے۔ دیکھیں ہم دونوں میں سے زیادہ کام کون کرتا ہے۔ یہ کہہ کر شیخ دل برداشتہ اپنے گھر چلے گئے اور اس مفسد کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ وہ شخص بدگوئی کرنے کا موقع پائے جلد فوت ہو گیا۔

۴۔ شیخ نور محمد پٹنی سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ جب علوم ظاہری کی تکمیل و تتمیم سے فارغ ہوتے تو آپ نے راہ سلوک اختیار کرنی چاہی۔ چنانچہ آپ ہندوستان کے بہت سے خدادوست حضرات کے یہاں حاضر ہوتے۔ لیکن کہیں آپ کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ آخر کار آپ کو قائد توفیق نے حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانے کی طرف پہنچا دیا۔ یہاں آکر آپ نے طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم کا شرف حاصل کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں حضرت کی صحبت کی برکت سے ایسی نسبت حاصل کی کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کے متعلق ایک مکتوب میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کو اس طرح لکھا۔

مولانا مذکور (یعنی شیخ نور محمد) نقطہ بپایاں میں نیچے تک پہنچ گیا ہے۔ اور اس نے جذبے کے کام کو پورا کر لیا ہے اور اس مقام کی برزخیت میں پہنچ گیا ہے اور فوق کو ایک لحاظ سے نہایت تک پہنچا دیا ہے۔ اول اول صفات کو بلکہ اس نور کو جس سے صفات قائم ہیں اس نے اپنے آپ سے جدا دیکھا اور اپنے آپ کو شیخ فانی معلوم کیا۔ اس کے بعد صفات کو ذات سے جدا دیکھا

شیخ بدیع الدین کا انتقال سہارنپور میں ۱۰۴۲ھ میں ہوا (نزہتہ الخواطر جلد ۵ صفحہ ۹۱)

اور اس دید میں مقام جذبہ کی احدیت تک پہنچ گیا۔ اب اپنے آپ کو اور جہان کو ایسا گم کیا ہے کہ نہ احاطے کا قائل ہے اور نہ معیت کا۔ اور مخفی ترین ذات یعنی احدیت صرفہ کی طرف ایسا متوجہ ہے کہ حیرانی اور نادانی کے سوا کچھ حاصل نہیں رکھتا۔۔ [1]

اس مکتوب کے بعد بھی آپ تقریباً آٹھ نو سال تک حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانۂ عالیہ پر تجرید و تفرید اور جذبات شائستہ میں بسر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مقامات فائقہ اور واردات عالیہ سے فائض ہو کر مرتبۂ وصول اور خدمت ارشاد و ہدایت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کو اجازت تعلیم دے کر پٹنہ کو (جو ہندوستان کے مشہور شہروں میں سے ہے) روانہ کیا۔ حسب الحکم آپ وہاں پہنچے لیکن عزلت و خلوت کی وجہ سے جو آپ کی سرشت میں داخل تھی، جنگلوں میں اور تنہائیوں میں رہنے لگے اور لوگوں سے بھاگتے رہے۔ حضرت مجدد کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے ایک مکتوب لکھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ میرے سعادت مند بھائی! جس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی بجا لانے سے چارہ نہیں اسی طرح خلق کے حقوق اور ان کے ساتھ غمخواری کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ (عارفوں کا قول ہے)۔

اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفْقَةُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت) اس قول میں انہی دو حقوق کے ادا کرنے کا بیان ہے اور دونوں طرف کو مد نظر رکھنے کی ہدایت ہے۔ پس ان دونوں میں سے صرف ایک پر اقتصار کرنا سراسر قصور ہے اور کل کو چھوڑ کر جز پر کفایت کرنا کمالیت سے دور ہے پس خلق کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کی ایذا کو برداشت کرنا ضروری ہے اور ان کے ساتھ حسن معاشرت یعنی اچھی طرح رہنا سہنا چاہئے بے دماغی اور لاپروائی مناسب نہیں ہے

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است نازکی کے راست آید باری باید کشید

چونکہ آپ عرصے تک صحبت میں رہے ہیں اور نصیحتیں بھی سنی ہیں اس لئے طول کلام سے اعراض کر کے چند فقروں پر اختصار کیا گیا۔ اللہ پاک ہم کو اور

---

[1] دفتر اول - ۱۱

آپ کو شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر ثابت قدم رکھے (انتہی)[۱]

پھر آپ نے حضرت مجدد قدس سرہ کے ارشاد کی تعمیل میں ۔ شہر کے کنارے ، دریائے گنگا کے ساحل پر آ کر ایک بلبل شوریدہ کی طرح ، گھاس پھوس کی ایک جھونپڑی بنالی اور اسی طرح کی ایک مسجد بھی بنالی اور اہل و عیال کے ساتھ وہاں رہنے لگے اور اس مسجد کو طاعات و عبادات ، رشد و ہدایت اور افادۂ علوم دینیہ کا مرکز بنالیا ۔

حضرت مجدد قدس سرہ کے ایک مخلص نے مجھے بتایا کہ میں نے حضرت مجدد سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ "شیخ نور محمد رجال الغیب میں سے ہے" اب یاد نہیں کہ ان کو نقباء میں سے یا نجباء میں سے فرمایا تھا ۔

حضرت مجدد قدس سرہ کے ایک مخلص سے شیخ طاہر (لاہوری) اور شیخ نور محمد کی تربیت کے سلسلے میں ان کی کسر نفسی کے متعلق یہ بھی سنا ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت مجدد قدس سرہ دہلی میں تشریف فرما تھے تو خواجہ حسام الدین احمد سلمہ اللہ اور بعض دیگر احباب نے آپ سے عوارف المعارف (از شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) پڑھنے کی التماس کی ۔ آپ نے قبول فرمالیا ۔ مولانا طاہر لاہوری اور شیخ نور محمد سامعین میں سے تھے ۔ اس درس کے موقع پر ان دونوں کے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ آپ تو بعض سامعین کے لئے دقائق نہیں سمجھاتے اور صرف عبارت کے معنی بتادیتے ہیں ۔ اور یوں تو عبارت کے معنی ہم خود سمجھ لیتے ہیں ۔ اس لئے ایسے درس سے ہم کو کیا فائدہ ہوگا ؟ حضرت مجدد قدس سرہ اس بات سے واقف ہو گئے ۔ چنانچہ آپ نے غصہ ہو کر ان دونوں کو فیروز آباد (دہلی) سے نکال دیا ۔ مجبوراً یہ لوگ کئی دن تک ویرانوں میں پھرتے رہے اور اپنی راتیں قلعہ فیروزی کے دروازے کے باہر گذارتے رہے ۔ آخر کار خواجہ حسام الدین احمد سلمہ اللہ ان کی سفارش کے لئے آئے ۔ حضرت مجدد نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دیجئے کہ ان کے نفس موٹے ہیں ۔ خواجہ موصوف نے عرض کیا کہ مسجد فیروزی کے بعض حجرے عرصے سے گندے پڑے ہوئے ہیں ۔ اگر اجازت ہو تو یہ لوگ ان کی صفائی کر دیں کہ اس طرح ان کا کسر نفس بھی ہو گا اور مسجد کی خدمت بھی ہو گی ۔ حضرت مجدد نے یہ بات قبول فرمالی اور وہ دونوں وہاں رہنے لگے ، پھر

---

[۱] دفتر اول ۔ ۱۷۰

حضرت مجدد نے ان کو اپنے پاس بلایا اور شفقت سے نوازا۔ سہ

راہ رَو رنجور دل، رہبر خرد مندِ طبیب

جاں برد بیمار کز جاں بشنود پندِ طبیب سلہ

۵۔ شیخ حمید بنگالی سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ بنگال (شہر منگل کوٹ۔ ضلع بردوان) کے رہنے والے تھے۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے۔ فراغت کے بعد اپنے وطن مالوف کو جاتے ہوئے آگرہ تشریف لائے اور مفتی کابلی خواجہ عبدالرحمٰن کے قرب وجوار میں قیام پذیر ہوئے۔ خواجہ عبدالرحمٰن سے میں نے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ چونکہ میں نے شیخ حمید کو ماہر علوم اور متین پایا تو میں نے یہ طے کیا۔ کہ جب تک دنیا میں ہیں وہ اور میں ہم سایہ اور ہم نشیں رہیں۔ اور کتاب کی بات کرتے رہیں۔ ایک دن مشائخ تصوف کا ذکر ہوا تو میں نے ان کو اس کا منکر اور معترض پایا۔ اور زیادہ تر ان کا انکار اور اعتراض مسئلہ توحید وجودی کی وجہ سے تھا اور حضرت مجدد قدس سرہ سے تو ان کو اور بھی انکار تھا۔ (حالانکہ وہ تو توحید شہودی پر زور دیتے تھے) ابھی اس بات کو دو تین دن ہی گزرے تھے کہ حضرت مجدد قدس سرہ سرہند سے آگرہ تشریف لے آئے اور ہمارے

سلہ حضرت مجددؒ کے ۳ مکتوبات شیخ نور محمد کے نام ہیں:۔ ۱/۱۷۰۔ ۲۷۰۔ اور ۲/۸۵۔ شیخ نور محمد تہاری، دوسرے بزرگ ہیں جن کا ذکر اسی زبدۃ المقامات میں مولانا امان اللہ لاہوری کے حالات کے بعد حضرت مجدد کے بعض خاص مخلصوں میں ہے۔

مولانا بدرالدین سرہندیؒ نے حضرات القدس (۲) میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد سے جب میں مرید ہوا تھا اس سے قبل ہی شیخ نور محمد پٹنی خلافت حاصل کر کے پٹنہ جا چکے تھے۔ پھر مخدوم زادہ محمد صادق کی وفات (۱۰۲۵ھ) کے بعد سرہند تشریف لاتے تھے اور میں اس وقت سیر احمدی (یعنی حضرات القدس) لکھ رہا تھا (ملخصاً) لیکن زبدۃ المقامات میں ان کے نام کے ساتھ "سلمہ اللہ تعالیٰ" لکھا ہے اس لئے خیال ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے وقت وہ زندہ تھے۔

قریب ہی قیام فرما ہوئے[1] جب شیخ حمید نے یہ خبر سنی تو بڑی بے چینی کے عالم میں میرے گھر آئے اور کہنے لگے کہ اب میں اس محلہ سے دوسری جگہ چلا جاتا ہوں۔ میری کتابوں کے بعض نسخے اور رسالے جو آپ کے پاس ہیں مجھے دے دیجئے۔ میں نے کہا کہ نقل مکانی کا کیا سبب ہے انہوں نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کا نام مبارک لیا کہ وہ یہاں آئے ہوئے ہیں میں نے کہا کہ وہ تو بڑے صالح شخص اور عالم ہیں۔ اور یہ سب ناخوشی مناسب نہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ان سے کسی قدر متعارف ہوں اس لئے مجبوراً کبھی ان سے قرب وجوار میں ملاقات ہو جائے گی تو اگر انسے نہ ملوں تو مشکل ہے اور اگر ملوں تو یہ بھی مشکل ہے کہ میں ایسے مشائخ سے ملنے کی تاب نہیں رکھتا۔ پس ایسا کہا اور چلے گئے اور دوسرے محلے میں رہنے لگے۔ دو تین روز کے بعد وہ اپنا ایک رسالہ لینے آئے۔ جو رہ گیا تھا۔ ہم لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے اور علمی گفتگو ہو رہی تھی کہ حسن اتفاق سے ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ حضرت مجدد قدس سرہ یہاں دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ کیا بات ہوئی اور شیخ حمید متغیر ہو گئے اور اپنے آنے سے پشیمان ہوئے۔ میں نے حضرتؒ کا استقبال کیا۔ آپ اندر تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا ہوں میں نے عرض کیا کہ وہ ایسا کون سا مسئلہ ہے کہ حضور سے پوشیدہ ہے۔ فرمایا کہ آپ مفتی ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ سے پوچھا جائے۔ چنانچہ آپ نے مسئلہ بیان کر کے کہ وہ بہت مشہور و معروف تھا۔ شیخ حمید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اچھا، شیخ حمید یہاں ہیں۔ پھر آپ نے ایک دو نظریں پوری کیفیت کے ساتھ ان پر ڈالیں اور تھوڑی دیر مراقب ہوئے پھر اٹھ کھڑے ہوئے میں نے بہت کچھ التماس کی کہ تھوڑی دیر ٹھہر جائیں تا کہ دستر خوان بچھایا جائے۔ لیکن آپ نے منظور نہیں فرمایا اور روانہ ہوئے۔ میں آپ کے ساتھ دروازے کے باہر تک گیا۔ میرا خیال تھا کہ شیخ حمید اپنی جگہ سے نہ اٹھیں گے (لیکن) میں نے دیکھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ جب میں نے حضرت مجدد قدس سرہ کو رخصت کیا تو میں نے شیخ حمید کو اپنے قریب نہ دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ اپنے گھر چلے گئے ہوں گے (چنانچہ) میں نے ایک شخص کو بھیجا کہ دیکھ کر آئے۔ وہ شخص خبر

---

[1] غالباً یہ زمانہ ۱۰۱۸ھ کا ہوگا۔ جیسا کہ آگے معلوم ہو سکے گا۔ انشاء اللہ۔

• لایا کہ شیخ حمید تو حضرت مجدد قدس سرہ کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اور حضرت ان کی طرف ملتفت نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت اپنی قیام گاہ میں تشریف لے گئے اور شیخ حمید دروازے پر گریان و حیران، پریشان اور سر جھکائے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے ان کو اندر بلا کر توبہ، تعلیم طریقت اور جذبہ و نسبت سے مشرف فرمایا، پھر تو وہ اس قدر مغلوب الحال ہو گئے اور آپ کی خدمت وصحبت میں اتنے مشغول ہوتے کہ ہماری آشنائی اور اپنی کتابوں کی یاد کہ جن سے انہیں بہت تعلق تھا بالکل بھول گئے۔ اس کے چند روز بعد حضرت مجدد قدس سرہ سرہند تشریف لے گئے تو شیخ حمید بھی پیدل آپ کے ساتھ چلے گئے۔

خواجہ عبدالرحمٰن جو اس واقعے کے ناقل ہیں بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کو دیکھ کر میں بھی حضرت مجدد قدس سرہ کا عقیدت مند ہو گیا اور مرید ہو گیا۔ مرید ہونے کے شرف کے بعد ایک دن مجھ سے ایک بڑے امیر نے کہ جو حضرتؒ سے درست اعتقاد نہ رکھتا تھا مجھ سے پوچھنے لگا کہ آپ لوگ تو اس زمانے کے علماء اور عقلاء میں سے ہیں حضرت میں کون سی کرامت دیکھ کر مرید بن گئے؟ میں نے کہا کہ ہم لوگ علم سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہمارے نزدیک اس سے بہتر کوئی کرامت نہیں کہ عالم باعمل ہو۔ اور ہم نے اس زمانے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں اعتقاد، علم اور عمل میں ان جیسا کسی کو بھی نہیں دیکھا اور نہ سنا۔ اس امیر نے کہا کہ یہ بات تو اہل علم حضرات کے مناسب حال ہے لیکن سب لوگوں کے مناسب حال بھی تو بتلایئے پھر میں نے شیخ حمید والا واقعہ اس کو سنایا۔ اس نے بہت تعجب کیا اور کہنے لگا کہ ہم کو آپ کی سچائی، دیانت، پرہیزگاری اور دانائی پر پورا یقین ہے اس لئے آپ کی بات کو قبول کرتے ہیں اور ہم بھی اس بزرگ کے مخلصین میں سے ہو گئے ہیں۔

چونکہ شیخ حمید کو توحید وجودی کے معتقدین سے پورا انکار تھا اور وہ انکار بعض اولیائے کبار کے خلاف پڑتا تھا۔ اس لئے حضرت مجدد قدس سرہ نے تھوڑی توجہ فرما دی تو ان پر توحید وجودی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ تمام چیزوں سے عشق کرنے لگے اور ہر انسان و حیوان کی حرکات و سکنات سے بھی گداختہ ہو جاتے تھے۔

(راقم الحروف کے پہلے) مرشد میاں محمد نعمان سلمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے تھے کہ ان دنوں

شیخ حمید کے ساتھ میرا گزر ایک جگہ سے ہوا۔ وہاں ایک مردہ جانور پڑا ہوا تھا۔ اس کے دانت باہر نکلے ہوئے تھے شیخ پر اس کو دیکھ کر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ اے اللہ۔ یہ بھی کیا ادا ہے اس لباس میں آنا اور خود کو اس طرح ظاہر کرنا۔"

بہر حال، شیخ حمید قریب دو سال حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانہ عالیہ میں خدمت گاری اور تعلیم سلوک کے لئے رہے اور عجیب و غریب احوال و مقامات سے ہمکنار ہوئے پھر حضرت نے تعلیم طریقت کی اجازت دے[1] کر ان کو ان کے وطن بھیج دیا اور یہ اجازت نامہ تحریر فرمایا:۔

اما بعد الحمد والصلوٰۃ فیقول العبد المفتقر الی رحمۃ اللہ الملک الولی احمد بن عبد الاحد الفاروقی النقشبندی رحمہما اللہ سبحانہ رحمۃ واسعۃ ان الاخ العالم والصدیق الصالح جامع العلوم الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ الشیخ حمید البنگالی وفقہ اللہ سبحانہ لما یحب ویرضاہ لما قطع منازل السلوک وعرج معارج الجذبۃ ووصل الی درجۃ الولایۃ بعد ان حصل لہ اندراج النہایۃ فی البدایۃ اجزت لہ بتعلیم الطریقۃ علی طریقۃ المشائخ النقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم للطالبین المسترشدین والمریدین المخلصین بعد الاستخارۃ وحصول الاذن من اللہ سبحانہ والمسئول من اللہ سبحانہ ان یعصمہ عما لا یلیق ویحفظہ عما لا ینبغی وان یثبت علی متابعۃ سید المرسلین علیہ وعلیہم

---

[1] حضرات القدس (۲) میں شیخ حمید کے حالات میں حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی نے لکھا ہے کہ شیخ حمید کی خلافت کے ایک سال بعد مجھے حضرت مجدد سے بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے (حضرات القدس میں) یہ بھی لکھا ہے کہ میں حضرت مجدد کی خدمت میں ۱۰۱۵ھ کے آخر سے سترہ سال رہا یعنی ۱۰۱۶ھ میں خدمت میں آئے۔ گویا شیخ حمید کو ۱۰۱۴ھ میں خلافت مل چکی تھی۔ اور وہ قریب دو سال سرہند میں رہے یعنی ۱۰۱۲ھ میں بیعت ہوتے تھے اور غالباً اسی سال آگرہ میں وہ حضرت مجدد سے متاثر ہوئے تھے۔

الصلوٰۃ والتسلیمات۔

مشائخ کا دستور ہے کہ (اہل ارشاد کو) خلافت دیتے وقت خرقہ (بھی) عنایت فرماتے ہیں۔ شیخ حمید نے عرض کیا کہ میرے لئے حضور کی جوتی کافی ہے۔ اس التماس کی وجہ سے حضرت مجدد قدس سرہ نے ایک جوتی عنایت فرمائی۔ شیخ نے اسے اپنے منہ میں لیا اور الٹے پاؤں روانہ ہوتے۔ اور وہ اب تک کہ بیس سال[1] سے زیادہ عرصہ گزر گیا اس علاقے میں متبرک اور مزار ہے اور اہل حاجات اور بیمار لوگ اپنی مشکلات کے حل اور بیماریوں کی شفا کے التجا کرتے ہیں اور اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں یہاں تک کہ اس علاقے میں اطباء کی ضرورت بہت کم پڑتی ہے غرض کہ شیخ حمید نے اس جوتی کی بدولت پایا جو کچھ کہ پایا۔

؎ اگر خاکے ازیں کو، برسر آید مرا بہتر ز چندیں افسر آید

چونکہ آپ کا وطن بنگال کے ایک کنارے پر تھا اور عیال و اطفال تھے اس لئے دوبارہ آستانہ عالیہ پر پہنچنے کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ آپ ابھی تک اس علاقے میں مسند افادہ وافاضہ پر رونق افروز ہیں۔ علوم دینی اور علوم روحانی کے بہت سے شائقین آپ کی برکات سے بہرہ ور ہیں اللھم کثر اخواننا فی الدین وسلم ایماننا بحق سید المرسلین وآلہ الطیبین واصحابہ الکاملین واتباع العالمین۔ یہ مکتوب شریف جو ضروریات راہ سلوک پر مشتمل ہے حضرت مجدد قدس سرہ نے شیخ کو لکھا ہے:۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

یہاں کے فقیروں کے احوال واوضاع روز بروز ازدیاد شکر کے موجب ہیں اور دور افتادہ احباب کے متعلق بھی یہی توقع ہے۔

اے عزیز، غیب الغیب کی راہ میں سالکوں کے قدم بہت پھسلتے ہیں۔ آپ اعتقادات

---

[1] شیخ حمید کو ۱۰۱۶ھ میں خلافت ملی۔ اس وقت سے اب تک (زبدۃ المقامات کی تحریر کے وقت) بیس سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا یعنی ۱۰۳۷ھ کے قریب یہ تحریر جاری تھی۔ حضرات القدس (۲) میں شیخ حمید کی وفات ۱۰۷۰ھ میں بتائی گئی ہے اور یہ ان کے بعد انکے فرزند شیخ حبیب الرحمٰن مسند خلافت پر متمکن ہیں۔

اور عملیات میں شریعت کو مدنظر رکھ کر زندگی بسر کریں۔ حضور میں بھی اور غیبت میں بھی فقیر کی یہی نصیحت ہے۔ اس میں غفلت نہ ہونے پائے"۔

فقیر اس راہ کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور غلطی کا منشاء بھی متعین کرتا ہے۔ امید ہے کہ اس کو اعتبار کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے اور مذکورہ جزئیات کے ماسوا ان کے انداز سے کے مطابق کام لیں گے۔

جان لیں کہ صوفیہ کی ایک غلطی یہ ہے کہ جب سالک اپنے مقامات عروج میں خود کو دوسروں سے بلند پاتا ہے، حالانکہ ان کی فضیلت، باجماع علماء ثابت ہے اور یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگواروں کے مقامات سے نیچا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اشتباہ کبھی کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت بھی ہوتا ہے جو قطعی طور پر بہترین خلائق ہیں (عیاذاً باللہ سبحانہ من ذلك) تو اس باب میں بعض کی غلطی کا منشاء یہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء (رحمہم اللہ) میں سے ہر ایک کا عروج پہلے اسماء تک ہے جو ان کے وجودی تعینات کا مبداء ہیں۔ اور اس عروج سے ولایت کا اسم متحقق ہوتا ہے۔ پھر دوسرے عروج ان اسماء میں ہیں اور ان اسماء سے الی ماشاء اللہ، لیکن باوجود اس عروج کے ان میں سے ہر ایک کا مقام و منزل وہی اسم ہے جو اس کے وجودی تعین کا مبداء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقامات عروج میں جو کوئی ان کو ڈھونڈھتا ہے اکثر انہی اسماء میں پاتا ہے، کیونکہ ان بزرگواروں کے طبعی مکان، مراتب عروج میں وہی اسماء ہیں اور ان اسماء سے عروج و ہبوط کرنا عوارض کے سبب سے ہے۔ پس جب بلند فطرت سالک کی سیر ان اسماء سے بلند تر واقع ہو تو ضرور ان اسماء سے بلند تر ہو جائے گا۔ اور اس کو یہ وہم پیدا ہوگا (اللہ تعالیٰ اس سے بچائے) اور یہ وہم اس سے پہلے یقین کو بھی ختم کر دے گا۔ اور انبیاء علیہم السلام کی افضلیت اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی اولیت میں بھی جو باجماع امت، افضل ہیں، شبہ پیدا کر دے گا۔ یہی مقام سالکوں کے قدم کے پھسلنے کا مقام ہے۔ اس وقت سالک نہیں جانتا کہ ان بزرگواروں نے ان اسماء سے بے نہایت عروج فرمائے ہیں اور فوق الفوق میں پہنچے ہوتے ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ اسماء ان بزرگواروں کے عروجی امکنۂ طبعیہ ہیں اور اس کا بھی وہاں مکان طبعی ہے جو ان اسماء سے بہت نیچے اور پست ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی افضلیت اس کے

اسم کی اقدمیت کے لحاظ سے ہوتی ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہوا ہے۔ اسی قسم سے یہ بات بھی ہے جو بعض مشائخ نے لکھی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عارف کو مقامات عروج میں برزخیت کبریٰ حائل نہیں ہوتی اور وہ اس کے بغیر ترقی کرتا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت رابعہ بصریہ (رضی اللہ عنہا) بھی اسی جماعت سے تھیں۔ عروج کے وقت جب یہ جماعت اس اسم سے جو برزخیت کبریٰ کے تعین کا مبداء ہیں اوپر پہنچی ہے تو اس نے خیال کیا کہ برزخیت کبریٰ درمیان میں حائل نہیں رہی اور برزخیت کبریٰ سے ان کی مراد حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہے۔ معاملے کی حقیقت یہی ہے جو اوپر گزری غلطی کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے اور وہ اسم مجمل طور پر تمام اسماء کا جامع ہے۔ اس لئے لامحالہ ان اسماء کے ضمن میں وہ اسماء جو دوسرے مشائخ کے تعینات کا مبداء ہیں اجمالاً ان کی سیر بھی کرے گا اور ہر ایک سے گزر کر اس اسم کے منتہا کو پہنچے گا اور فضیلت کا وہم پیدا کرے گا لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس نے جو کچھ مشائخ کے مقامات سے دیکھا اور ان سے گزرا ہے وہ ان کے مقامات کا ایک نمونہ ہے نہ کہ حقیقت مقامات۔ کیونکہ اس مقام میں خود کو جامع پاتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزا سمجھتا ہے اس لئے فوقیت کا توہم پیدا کر لیتا ہے اس مقام میں شیخ بایزید بسطامی نے فرمایا ہے لوائی ارفع من لواء محمد" لیکن سکر کے غلبے کی وجہ سے یہ نہیں سمجھا کہ ان کا لواء (جھنڈا) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء کا ایک نمونہ ہے جو ان کے اسم کی ضمن میں دیکھا گیا اسی طرح سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ اگر عرش و ما فیہ کو عارف کے قلب کے ایک گوشے میں رکھ دیں اسے کچھ احساس نہ ہوگا۔ انہیں یہاں بھی اسی نمونے سے شبہ ہوا ہے اور عرش کو تو خود حق سبحانہ و تعالیٰ نے عظیم فرمایا ہے گوشہ قلب کو اس سے کیا نسبت۔ عارف کے قلب میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں سما سکتا ہیں اس بیان کو ایک اور مثال سے واضح کرتا ہوں۔ انسان جو کہ عناصر و افلاک کا جامع ہے جب اس کی نظر اپنی جامعیت پر پڑتی ہے تو عناصر و افلاک کو اپنے اجزاء سمجھتا ہے اور جب یہ مشاہدہ غالب ہو جائے تو تعجب نہیں کہ یہ کہنے لگے کہ میں کرۂ زمین سے اور آسمانوں سے بھی بڑا ہوں حالانکہ حقیقت میں وہ اس کے اجزاء نہیں ہیں

بلکہ ان کے نمونے نے اس کے اجزاء بنائے ہیں اور اس کی برطائی ان ہی نمونوں سے واقع ہوئی ہے۔ فتوحات مکیہ کے مؤلف نے بیان کیا ہے کہ جمع محمدی اجماع ہے جمع الٰہی سے کیونکہ جمع محمدی حقائق کونیہ والٰہیہ پر مشتمل ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ اشتمال ظلی ہے ظلالِ مرتبۂ الوہیت سے اور اس کے نمونوں میں سے ایک نمونہ ہے اور یہ نہیں ہے کہ حقیقت مرتبہ الوہیت مقدسہ پر مشتمل ہے۔ بلکہ اس مرتبۂ الوہیت مقدسہ کی نسبت کہ عظمت وکبریائی اس کے لوازم سے ہیں، جمع محمدی کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہے مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ سالک کی سیر جس مقام میں واقع ہوتی ہے وہ اس کا رب (مربی) ہے سالک سمجھنے لگتا ہے کہ بعض اکابرین جو یقیناً اس پر فوقیت رکھتے ہیں اس کے توسل سے بعض اونچے درجے کو پہنچے ہیں اور اس کے توسل سے ترقی کی ہے۔ اس مقام پر بھی سالکین کا قدم پھسل جاتا ہے والعیاذ باللہ سبحانہ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی یہ جان کر خود کو افضل سمجھنے لگے اور ابدی خسارے کا مستحق ہو جائے۔ یہ کون سے تعجب کی بات ہے اور اس میں بھی کوئی فوقیت ہے کہ ایک حکمران اپنی سلطنت ایک زمیندار کے تصرف میں دیدے اور اس کے ذریعے سے بہت سی فتوحات حاصل کرے۔ اس جگہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جزئی فضیلت کا احتمال ہے جو بحث سے خارج ہے۔ اس اعتبار سے ایک حجام بھی اپنی خصوصیت کی وجہ سے ایک عالم فاضل نیز حکیم پر بھی فوقیت رکھتا ہے مگر یہ فوقیت جزوی ہے اور خارج از بحث ہے۔ فوقیت کلی کا اعتبار ہے۔ جو عالم فاضل اور حکیم صاحبِ فنون کے لئے ثابت ہے فقیر کو بھی اسی طریقے پر بہت سی قسم کے شبہے واقع ہوتے اور مختلف قسم کے تخیلات پیدا ہوتے تھے۔ جب تک میں اس حالت پر رہا اس کے باوجود کہ حفظ الٰہی شامل حال تھا۔ یقین سابق میں بالکل فرق نہیں آیا۔ مجمع علیہ کے اعتقاد میں کسی طرح کے فتور نے راہ نہ پائی تھی سبحانہ الحمد والمنۃ علیٰ ذالک وعلیٰ جمیع نعمائہٖ اور جو کچھ مجمع علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا تھا۔ اور نیک محامل پر محمول کرتا تھا اور مجملاً یہ جانتا تھا کہ اگر یہ کشف صحیح ہے تو یہ جزوی فضیلت پر محمول ہے اگرچہ یہ وسوسہ معارض ہوتا تھا کہ فضل کا سبب اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے ہے اور یہ فضیلت اس قرب میں ہے۔ پھر یہ جزئی فضیلت کیوں ہوگی۔ لیکن پہلے یقین کے مقابلے

میں یہ وسوسہ گرد کی طرح اڑ جاتا تھا اور کچھ اعتبار نہ رکھتا تھا، بلکہ توبہ و استغفار اور انابت سے التجا کرتا تھا اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ اس طرح کے کشف ظاہر نہ ہوں اور اہل سنت کے معتقدات کے خلاف سرِ مو بھی منکشف نہ ہوں۔ ایک دن خوف غالب ہوا کہ مبادا ان کشوف پر مواخذہ کریں اور ان وہمی باتوں کی نسبت سوال کریں اور اس خوف کے غلبہ نے مجھے بے قرار اور بے آرام کر دیا اور میری التجا اور تضرع کو (بارگاہ الٰہی میں) اور بھی بڑھا دیا۔ اور ایک عرصے تک یہی حالت رہی۔ ان ہی دنوں اتفاق سے ایک عزیز کی قبر پر جانا ہوا۔ اس معاملے میں ان عزیز سے بھی کوئی مدد نہ ملی۔ اس دوران اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور معاملے کی حقیقت جس طرح چاہیئے تھی ظاہر ہوئی۔ اور حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو رحمۃ للعالمین ہیں کی روحانیت نے حضور ارزانی فرمائی اور مجھ بے قرار کی تسلی فرمائی۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب کلی طور پر اس کے فضل کے سبب سے ہے، لیکن جو قرب تمہیں حاصل ہوا ہے۔ قرب ظلی ہے ظلال مرتبۂ الوہیت سے اور اس اسم کے ساتھ مخصوص ہے جو تمہارا رب ہے۔ اس اعتبار سے کلی فضیلت کا موجب نہ ہو گا۔ اس مقام کی مثالی صورت اس طور پر منکشف ہوئی کہ شک و شبہ کی قطعی گنجائش نہ رہی۔ چونکہ اس فقیر نے بعض علوم جو کہ محل اشتباہ ہیں ان کی تعبیر و توجیہہ اپنی کتابوں اور رسائل میں لکھ کر مشہور و منتشر کر دی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا منشاء اغلاط واضح و لائح ہو گیا تو خیال کیا کہ انہیں قلمبند اور مشتہر کر دوں کیونکہ جب گناہ مشتہر کیا تھا تو اس کی توبہ کا مشتہر کرنا بھی ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے شریعت کے خلاف کوئی بات نہ سمجھ لیں اور بغیر سوچے سمجھے پیروی کر کے غلطی میں نہ پڑ جائیں۔ نیز تعصب کی وجہ سے انہیں گمراہی کے ساتھ نہ منسوب کرنے لگیں کیونکہ اس غیب الغیب کی راہ کے باغ میں بہت سے پھول کھلتے ہیں جو کسی کو ہدایت کی طرف اور کسی کو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ملت کے اکثر گروہ جو گمراہی کے غار میں جا پڑے ہیں ان کی گمراہی کا سبب یہ ہوا ہے کہ وہ راہِ سلوک میں وقت سے پہلے چل پڑے اور غلطیاں کر کے گمراہ ہو گئے۔ والسلام (مکتوب شریف ختم ہوا)[1]

---

[1] دفتر اول۔ ۲۲۰۔ شیخ حمید کے نام دفتر اول میں ۱۵۸۔ ۲۲۰۔ ۲۹۲۔ اور دفتر دوم میں ۴۶۔ ۸۹ میں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے ایک مکتوب بڑے صاحبزادے (خواجہ محمد صادق) قدس سرہ کو اسی سلسلے میں لکھا تھا اس میں سالک کے عروج کا معاملہ جو مشائخ کے مبادی تعینات کے اسماء سے متعلق ایک مثال میں واضح کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

فلاسفہ نے کہا ہے کہ دُخان (دھنواں) خاکی اور ناری اجزاء سے مرکب ہے۔ جس وقت دخان اوپر کو جاتا ہے خاکی اجزاء، ناری اجزاء کے ساتھ اوپر کو چلے جاتے ہیں اور قاسر کا قسر[1] حاصل ہونے سے عروج کر جاتے ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر دُخان قوی ہو تو وہ کرہ نار تک صعود کر جاتا ہے۔ اس وقت خاکی اجزاء ان مقامات تک پہنچ جائیں گے جو آبی اور ہوائی اجزاء کے ہوتے ہیں اور بالطبع فوقیت بھی رکھتے ہیں اور وہاں سے عروج کر کے اوپر چڑھ جائیں گے۔ اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ خاکی اجزاء کا درجہ، آبی اور ہوائی اجزاء کے رتبے سے بلند تر ہے۔ کیونکہ یہ فوقیت، قاسر کی وجہ سے ہے ذات کی وجہ سے نہیں اور کرۂ نار تک پہنچنے کے بعد جب وہ خاکی اجزاء نیچے گریں گے اور اپنے اصلی مرکز پر پہنچیں گے تو بے شک ان کا مقام آب و ہوا سے فروتر ہو گا۔ اسی طرح سالک کا عروج بھی قسر کے لحاظ سے قاسر ہے اور وہ قاسر گرمی محبت کی زیادتی اور جذبہ عشق کی قوت ہے اور ذات کے اعتبار سے اس کا مقام ان مقامات سے بہت نیچے ہے۔

یہ بات جواباً کہی گئی ہے اور وہ منتہی کے مناسب حال ہے۔ لیکن شروع میں اگر یہ وہم پیدا ہو جائے اور سالک خود کو بزرگوں کے مقامات میں معلوم کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اور توسط میں ہر مقام کا ظل اور مثال ہے۔ اور مبتدی اور متوسط ان ظلال تک پہنچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس نے اکابر کے مقامات میں شرکت پیدا کر لی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہاں ظلِ شے، نفسِ شے معلوم ہونے لگتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ وَجَنِّبْنَا عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْمَلَاھِیْ بِحُرْمَۃِ

---

[1] قاسر کے معنی زبردستی کسی کو کام پر لگانے والا اور قسر کے معنی زبردستی کسی کو کام پر لگانا۔

سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔[۱]

۶۔ شیخ مُزّمّل رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ بھی حضرت مجدد قدس سرہ کے قدیم مخلصین میں سے اور مقبولین میں سے تھے۔ اکثر سفر و حضر میں خدمت کیا کرتے تھے اور حضرت کے الطاف و عنایات سے ممتاز فرمائے جاتے تھے۔ حسنِ اخلاق اور مکارم اوصاف میں اپنے وقت میں بے نظیر اور انکسار و ایثار میں یگانہ تھے آپ کا حال، حضرت رح کی تربیت کی برکت سے ایسا ہے جیسا کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے حضرت خواجہ رح بزرگوار (باقی باللہ) قدس سرہ کو تحریر فرمایا ہے:۔

"شیخ مزمل خود کو گم پاتا ہے اور صفات کو اصل سے دیکھتا ہے اور (ذات) مطلق کو ہر جگہ پاتا ہے اور اشیاء کو سراب کی طرح بے اعتبار جانتا ہے۔ بلکہ ہیچ معلوم کرتا ہے"۔[۲]

اس کے بعد آپ (شیخ مزمل) کئی سال تک حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے زوائد و فوائد حاصل کئے اور تعلیم طریقت میں مجاز ہوئے۔

حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے ایک مکتوب میں ایک مخلص (پہلوان محمود) کو اس طرح تحریر فرمایا ہے:۔

"ان بزرگوں کی صحبت اگر حاصل ہو جائے تو غنیمت جاننا چاہیئے اور اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دینا چاہیئے اور میاں شیخ مزمل کی صحبت بے شک آپ کے لئے غنیمت ہے اور اس قسم کے عزیز الوجود، سرخ گندھک (یعنی اکسیر) سے زیادہ نایاب ہیں"۔[۳]

---

[۱] دفتر اوّل ۲۰۸۔ [۲] دفتر اوّل ۱۱۔

[۳] دفتر اوّل ۱۹۷۔ دفتر اوّل کے مکتوب ۸۷ میں بھی حضرت مجدد قدس سرہ نے شیخ مزمل کی تعریف فرمائی ہے۔

میں نے آپ کے (بعض) مخلص احباب سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اس طرف کے بعض پہاڑوں اور مقاموں کی سیر کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ایک جانور کو پکڑتے وقت ایک غار کے قریب پہنچ گئے اور وہاں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا تو آپ غار میں گر پڑے۔ چنانچہ اس میں سے باہر آنا آپ کے لئے مشکل ہو گیا اور اس قضیے کی اطلاع کسی کو نہ ہوئی۔ حضرت مجددؒ قدس سرہ اس وقت سرہند میں تشریف رکھتے تھے۔ صورت واقعہ آپ کی نظر انور سے گزرتی تو آپ نے احباب سے فرمایا کہ "ایسا دکھائی دیا کہ شیخ مزمل کسی خطرناک جگہ میں گر گئے ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کہ باہر نکل آئیں۔ دیکھیں کہ حقیقت حال کیا ہو"

چند روز کے بعد اس واقعے کی اطلاع آپ کو اور درویشوں کو پہنچی اور (اس طرح) آپ نے معتقدوں کا اعتقاد مزید ہوا۔ لوگوں نے بتایا کہ جنگل کے ایک شخص نے شیخ مزمل کو گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے وہاں کے لوگوں کو خبر دی۔ وہ لوگ وہاں گئے اور شیخ کو رسیوں کی مدد سے اس غار سے باہر نکالا۔

شیخ نے ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو ان کے انتقال سے بہت غم ہوا ان کے لئے فاتحہ اور دعا فرمائی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

۷۔ شیخ طاہر بدخشی سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ شروع میں لشکریوں میں سے تھے۔ ایک مرتبہ جب فوج ایک قلعے کی فتح پر متوجہ تھی تو اس سفر کے راستے میں ایک رات آپ نے خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر، خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ سے فرمایا کہ اس سفر کے اختتام پر تم اس فوج سے علیحدہ ہو جاؤ اور فقر و تجرید اختیار کرو۔ (پھر) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں

لہ خواجہ محمد معصوم نے (مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب ۳) شیخ کی وفات (ہفتہ کی شب۔ ۲۶ ربیع الآخر ۱۰۲۶ھ) کی اطلاع حضرت مجدد قدس سرہ کو پہنچائی تھی۔

شیخ کو خرقہ پہنایا۔

جب شیخ اس خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے ترک ملازمت کا عزم بالجزم کر لیا۔ اور جب وہ فوج اس سفر سے واپسی پر خارستان اور اشجارستان کے ایک جزیرہ میں پہنچی تو آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور اس جزیرے میں چلے گئے۔ آپ کا خادم سمجھا کہ رفع حاجت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ دیر تک انتظار کیا۔ لیکن آپ کا پتہ نہ چلا۔ آخر وہ اپنی منزل مقصود کی طرف چلا گیا۔ پھر دوستوں نے ہر چند آپ کو تلاش کیا لیکن پتہ نہ چل سکا۔ شیخ ان جزیروں میں ایک دہقانی سے ملے تو اپنے کپڑے اس کو دے دیئے اور اس سے گدڑی لے کر پہن لی اور اس علاقے کے درویشوں کی صحبت میں چلے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کے متعلقین کو آپ کی موت وحیات کے متعلق کوئی علم نہیں تھا۔ اس لئے اپنے گھر اس مقصد سے واپس آئے کہ اپنی بیوی کو آزاد کر دیں۔ وہاں آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تو یہ شیوہ اختیار کر لیا ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نیک بخت بیوی نے کہا کہ میں بھی آپ کی موافقت کرتی ہوں۔ چنانچہ اس نے بھی گدڑی پہن لی، ہاتھ میں لکڑی لے لی اور کمر باندھلی۔ اور اپنے شوہر کے ہمراہ ہوگئی۔ پھر وہ دونوں اس علاقے کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ تمہارا حصہ نقشبندی سلسلے میں معلوم ہوتا ہے۔ اور دہلی اور لاہور کیلئے انہوں نے اشارہ کیا چونکہ اس زمانے میں اس طریقہ علیہ کا شہرہ ہمارے خواجہ باقی (ع خواجہ فانی زخود۔ باقی بحق) قدس اللہ سرہ سے تھا اور طلاب کے کانوں تک پہنچا ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے وہیں کا قصد کیا۔ لیکن ان کے دہلی پہنچنے سے چند روز قبل ہی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا وصال ہو چکا تھا۔ اس لئے بہت حیران ہوئے۔ آخر ایک واقف راہ (میر محمد نعمان رح) نے ان کو حضرت مجدد قدس سرہ کی طرف متوجہ کیا جو حضرت خواجہ رح کے سب سے بزرگ جانشین تھے۔ چنانچہ حضرت کی خدمت میں انابت لہ ذکر کی سعادت حاصل ہوتی اور آپ نے اس آستانہ عالیہ کو لازم پکڑ کر اپنا حصہ حاصل کیا۔

میں نے سنا ہے کہ مدت تک خلوتوں اور جلوتوں میں ہمیشہ آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کی زیارت ہوتی رہتی تھی لوگ کہتے ہیں کہ آپ تارک الدنیا اور سادہ لوح تھے اس لئے وہ اپنے احوال اور مکاشفات اس انداز سے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں

لہ دفتر اوّل - ۲۱۷۔

عرض کرتے تھے کہ حضرت مسکرانے لگتے تھے اور حضرت کے بلند معارف سن کر وہ اس طرح سے "جی ہاں" اور "بے شک" کہتے اور سر ہلاتے کہ حضرت مجدد قدس سرہ مذاق میں فرماتے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "یہ اسرار مولانا پر وارد ہوتے ہیں اور ہم ان کے ترجمان ہیں"

آخر کار حضرت مجدد قدس سرہ نے حالات وجذبات کا زیور پہنا کر اور آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر جونپور روانہ کیا۔ لیکن آپ نے اس نیت سے کہ جس سے وہی واقف ہیں اپنی گفتگو اور نشست و برخاست میں ایسا شیوہ اختیار کیا ہے کہ لوگ انہیں ملامتیہ سمجھیں اور (اسی لئے) ان کے پاس لوگوں کا رجوع کم ہے۔ اس زمانے میں جب کہ حضرت مجدد قدس سرہ اجمیر شریف تشریف رکھتے تھے اور راقم الحروف وہاں خدمت میں تھا، تو مولانا کا ایک عریضہ پہنچا۔ اس میں لکھا تھا کہ لوگ میرے پاس نہیں آتے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے فرمایا کہ "یہ عجیب سادہ لوح شخص ہیں۔ اصل کام تو احوال کی محافظت، اپنے کام کی فکر اور اپنے ایمان و انجام کا غم کرنا ہے۔ اس ضمن میں جس کسی کو حق تعالیٰ رسائی عطا فرمائے اور تعلیم و تربیت میں لگا دے اسے چاہیئے کہ خالصاً لوجہ اللہ اس میں لگ جائے اور ایسے طریقے سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرے کہ اس سے ملامتیہ کی راہ نہ نکلنے پائے۔"

اسی طرح حضرت مجدد رہ نے ایک مکتوب[1] بھی آپ کو تحریر فرمایا ہے۔

"جاننا چاہیئے کہ بعض مخلصوں کو اجازت دینے سے مقصود یہ تھا کہ اس طرح وہ لوگوں کو گمراہی کے بھنور سے نکال کر حق کے راستے پر لائیں اور خود بھی طالبوں کے ساتھ مشغولی کریں اور ترقیات حاصل کریں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کوشش کریں اور زندگی کی بقیہ ساعتوں کو پھل لگائیں اور (یہ بھی) کوشش کریں کہ مرید لوگ بھی اس دولت سے مشرف ہو جائیں یہ نہ ہو کہ اجازت، کمال اور تکمیل (حاصل کر لینے) کا وہم پیدا کر دے اور مقصود سے دور کر دے۔ وما علی الوصول الا البلاغ۔"

---

[1] دفتر اول ۲۱۷۔

اور یہ مکتوب گرامی جس میں اجمالاً حضرت مجدد قدس سرہ کے احوال کا جمال منعکس ہے مولانا طاہر کو موصول ہوا۔

"الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین"

جو کچھ ہم فقیروں کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ ہمیشہ عاجزی، افتقار، انکسار، تضرع، التجا، بندگی کے طریقے، حدود شرعیہ کی پابندی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ کی متابعت، نیتوں کی درستی، نیکیوں کا حصول، اپنے باطن کی تخلیص، اپنے ظاہر کی سلامتی اپنے عیوب پر نگاہ، اپنے گناہوں کے غلبہ پر نظر، اللہ تعالیٰ کی گرفت کا خوف، اپنی اچھائیوں کو کم سمجھنا خواہ وہ بہت ہوں، اپنی برائیوں کو بہت سمجھنا خواہ وہ کم ہوں، لوگوں میں اپنی شہرت اور مقبولیت سے ڈرتے اور لرزتے رہنا (کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "انسان کے لئے اتنا ہی شر کافی ہے کہ دین و دنیا میں وہ انگشت نما ہو۔ مگر جس کو اللہ بچائے") اپنے کاموں اور نیتوں کو متہم کرتے رہنا خواہ وہ صبح کی سفیدی کی طرح صحیح ہی کیوں نہ ہوں اپنے احوال و مواجید سے بے اعتنائی برتنا خواہ وہ درست و مطابق ہوں اور ان پر اعتماد نہ کرنا اور نہ ان کو مستحسن سمجھنا صرف اس لئے کہ ان سے تائید دین اور تقویت ملت اور ترویج شریعت اور اللہ کی طرف دعوت خلق تو ہوتی ہے، کیونکہ بعض اوقات اس قسم کی تائید کافر و فاسق سے بھی ہو جاتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے"۔ جو شخص کہ طلب کے لئے آئے اور ذکر میں مشغولیت چاہے تو اسے شیر ببر کی طرح جاننا چاہیئے (اس سے ڈرنا چاہیئے) کہ مبادا اسی طرح سے اس کی خرابی مطلوب ہو اور اس کے حق میں یہ امر استدراج ہو۔ اور اگر بالفرض کسی مرید کے آنے سے اپنے نفس میں خوشی اور سرور پائیں تو اسے کفر و شرک جانیں اور اس کا تدارک، ندامت اور استغفار سے کریں تاکہ اس خوشی کا کوئی اثر باقی نہ رہے، بلکہ اس خوشی کے بجائے حزن و ملال پیدا ہو اور تاکید جانیں کہ مرید کے مال میں کوئی طمع اور اس کے دنیوی منافع میں کوئی امید نہ رکھی جائے، کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت کی مانع ہے اور پیر کی خرابی کا باعث ہے۔ کیونکہ وہاں تو بالکل خالص دین مطلوب ہے ألا للہ الدین الخالص (خبردار، اللہ کے لئے دین خالص ہی ہے) اس بارگاہ میں شرک کی کوئی

گنجائش نہیں۔ اور جان لیں کہ دل پر جو کدورت اور ظلمت طاری ہوتی ہے اس کا ازالہ توبہ و استغفار اور ندامت والتجا ہی سے اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ مگر وہ ظلمت اور کدورت اور ظلمت دنیا کی محبت سے دل پر طاری ہو جاتی ہے اور جو دل کو بدمزہ اور خراب بنا دیتی ہے وہ بہت مشکل اور کمال دشواری سے دور ہو سکتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ

"دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے"

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دنیا اور دنیاداروں کی محبت اور ان کی صحبت اور ہم نشینی سے بچائے کیونکہ یہ زہر قاتل اور مرض مہلک، بلائے عظیم، اور بیماری عمیم ہے۔

میرے بھائی اور میرے سعید عزیز شیخ حمید (بنگالی) احسن وجوہ کے ساتھ اس طرف کو جانے والے ہیں۔ ان سے تازہ اور نئی باتوں کے سننے کو غنیمت جانیں۔ والباقی عند التلاقی۔[1]

۸۔ مولانا یوسف سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے صاحب نسبت اصحاب میں سے تھے۔ بہت سے فضائل رکھتے تھے احسن اخلاق اور سادہ طبیعت والے تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ حضرت مجدد قدس سرہٗ سے وابستہ ہو کر آپ کی خدمت میں سرہند چلے گئے اور وہاں کچھ عرصے تک رہے اور حضرت کی مبارک توجہ کی برکتوں سے ترقیاں بھی حاصل کیں۔ (لیکن) سلوک کی راہ ہی میں آپ کا وقت آگیا۔ آپ کے انتقال کے وقت حضرت مجدد قدس سرہٗ آپ کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ آپ نے بہت تضرع اور حسرت سے عرض کیا کہ اب نفس آخریں ہے، توجہ فرمائیں کہ اعلیٰ مقصد حاصل ہو جائے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ آپ کی نیازمندی پر خوش ہو کر آپ پر متوجہ ہوئے اور کچھ وقت کے بعد سر اٹھا کر فرمایا۔ ہاں مولانا یوسف کہو کہ کیا ہوا؟

---

[1] دفتر اول ۱۰۱۔ آپ کے نام یہ مکتوبات ہیں: دفتر اول ۱۲۲۔ ۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۷۱۔ ۲۱۷۔ دفتر دوم ۲۰۔ ۲۷۔ ۸۶۔ دفتر سوم ۳۷۔ ۹۱۔ ۱۲۴۔ آپ کے مزید حالات حضرات القدس ج ۲ میں دیکھیں۔ آپ کی وفات ۷ رجب ۱۰۴۰ھ کو جونپور میں ہوئی (نزہۃ الخواطر ۵۔ ۱۸۵)

آپ نے حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کی "الحمدللہ، جو چیز دل کو مطلوب تھی وہ ظاہر ہو گئی"۔ ایسا کہا اور اس کے بعد اپنی جان، جانان کے سپرد کر دی۔ رحمہ اللہ سبحانہ

۹۔ مولانا احمد برکی رحمہ اللہ تعالیٰ

کابل اور قندھار کے درمیان برک ایک شہر ہے۔ آپ اسی شہر کے علماء میں سے تھے۔ آپ کے دوستوں اور ہم شہریوں میں سے ایک تاجر جو ہندوستان آیا ہوا تھا اور جو حضرت مجدد قدس سرہ کی آستاں بوسی کا شرف حاصل کر کے وطن واپس گیا تھا اپنے ساتھ حضرت کے مکتوبات کا کچھ حصہ لیتا گیا۔ آپ نے اس سے ہندوستان کے اکابر کے حالات پوچھے تو اس نے حضرت مجدد قدس سرہ کی بہت تعریف کی اور کہا کہ میں ان کے مکتوبات کے کچھ اجزاء لیتا آیا ہوں۔ مولانا نے ان کا مطالعہ بہت شوق کے ساتھ کیا اور ان کے قائل کے بلند احوال کو اپنی دانائی اور سعادت کی بدولت اچھی طرح سمجھ کر بلا تامل بلدۂ شریفہ (سرہند) کا عزم کیا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو نظر عنایات کو بھی پہنچے اور خدمت علیہ میں کامل اخلاص و آداب اور خدمات کے ساتھ رہنے لگے۔ اور صدق ارادت کی برکت اور قبول خدمت سے بلکہ محض عنایات الٰہی سے ایک ہفتے میں درجۂ کمال و اکمال سے سرفراز ہوئے۔ اور تعلیم طریقت کے لئے مجاز ہو گئے اور وطن کے لئے رخصت کئے گئے جب آپ (وطن) واپس آئے تو حسب حکم اس کار بلند میں مشغول ہو گئے۔ پھر آپ قلم کی زبان سے اپنے اور اپنے مریدوں کے احوال حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں بھیجتے رہتے اور جواب و خطاب کی سعادت حاصل کرتے۔ جیسا کہ ان مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ کے نام ہیں۔ اور ایک مکتوب میں حضرت مجدد قدس سرہٗ نے آپ کو اس طرح لکھا ہے۔

"ایک دن آپ کے حال پر متوجہ ہوا تو دیکھا کہ اس علاقے کے لوگ آپ کی طرف دوڑتے چلے آتے ہیں اور آپ کی طرف التجا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کو اس زمین کا مدار بنایا گیا ہے اور وہاں کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ ﷲ سبحانہٗ الحمد والمنۃ علیٰ ذالک اس معاملے کے ظہور کو واقعات میں سے نہ خیال کریں، کیونکہ واقعات میں شک و شبہہ کا گمان ہوتا ہے بلکہ

(اس معاملہ کو محسوسات اور مشاہدات میں سے شمار کریں"۔[1]

اسی مکتوب میں آپ کو اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

" اپنے احوال اور اپنے احباب کے احوال سے اطلاع نہ پانے پر آزردہ نہ ہوں اور اس امر کو اپنی بے حاصلی کی دلیل نہ جانیں۔ احباب کے احوال آپ کے کمالات کی آئینہ داری کے لئے کافی ہیں۔ یہ آپ ہی کے احوال ہیں جو انعکاس کے طور پر احباب میں ظاہر ہو رہے ہیں۔۔۔ لیکن وہ جو آپ نے اپنے یار کے حال میں لکھا ہے کہ ۶ ماہ سے اس کو ترقی واقع ہوئی ہے کہ وہ جو کچھ غیبت اور بے شعوری میں ارواح طیبات کے متعلق دیکھتا تھا وہ اب حالت بیداری میں دیکھتا ہے۔ تو میرے مخدوم، ایسا دیکھنا ترقی کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ وہ شعور کی حالت میں دیکھے یا بے شعوری میں دیکھے اس راہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ سوائے حق کے کچھ نہ دیکھے اور سوائے حق کے اس کے اندیشے میں کچھ نہ رہے۔ یہ نہیں کہ اشیاء کو حق تعالیٰ کا غیر نہ دیکھے اور ماسوا کے عنوان پر نہ جانے۔ کہ یہ بات خود کثرت بینی ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے غیر کو ہرگز نہ دیکھے اور نہ پہچانے۔ ایسی حالت کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس راہ کی منزلوں میں سے یہی منزل ہے۔ اور اس کے علاوہ بے فائدہ تکلیف ہے۔ ؎

ہیچ کس را تا نگردد این فنا　　　نیست رہ در بارگاہِ کبریا"

(جب تک انسان کو نہ ہو ایسی فنا　　　پائے کیونکر بارگاہِ کبریا)

اور حضرت مجدد قدس سرہ نے ایک مکتوب میں جو شیخ یوسف برکی رح کے نام ہے۔ اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

" وہ شہود جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتا ہے لذت بخش ہے اور وہ شہود تنزیہی جو جہالت اور نادانی کی طرف میلان رکھتا ہے۔ التذاذ (لذت بخشی)

---

[1] دفتر اول - ۲۷۵ -

سے بعید ہے اور شیخ مقتدا کی مدد کے بغیر اس راہ پر چلنا مشکل ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ مولانا احمد برکی کو عوام۔ علمائے ظاہر میں سے خیال کرتے ہیں اور وہ خود بھی اپنے اور اپنے احباب کے احوال سے واقف نہیں ہیں۔ تو اس کا راز یہ ہے کہ ان کا باطن شہود تنزیہی کی طرف متوجہ ہے جو جہل و نادانی کا مقام ہے اور علماء کی طرح ان کا ایمان بغیب ہے۔ ان کا باطن اپنی بلند فطرتی کی وجہ سے شہود کثرت سے متعلق نہیں ہے اور ان کا ظاہر، ترہات صوفیہ کے ساتھ فریفتہ اور مغرور نہیں ہوا۔ ان کا وجود شریف اس علاقے کے لئے غنیمت ہے اور وہ حالت کہ جس کے حصول کی آپ نے خبر دی ہے مولانا بہت عرصے سے اس سے متحقق ہیں اور اس بات کا علم کسی کو نہیں ہے۔ فقیر کے نزدیک اس علاقے کا مدار مولانا کے وجود پر ہو۔ بڑا تعجب ہے کہ یہ بات وہاں کے اہل کشف حضرات سے کیونکر پوشیدہ رہی۔ فقیر کے علم میں مولانا کی بزرگی، سورج کے وجود کی طرح ظاہر و باہر ہے ...... [1]

مولانا نے ۱۰۲۶ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے فاتحہ اور بہت سی دعاؤں سے ان کو شاد کیا۔ دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی مولانا کا ذکر ہوا تو حضرت مجدد قدس سرہ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے پورے الطاف کے ساتھ ان کو یاد فرمایا اور مولانا کے احباب کو تعزیت لکھی جس سے مولانا کی مغفرت ظاہر ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے لئے مولانا کا وجود شریف، اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں سے ایک آیت تھا اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا [2]
اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ۔

---

[1] دفتر اول۔ ۲۷۴۔

[2] مولانا کے نام یہ مکتوبات ہیں۔ دفتر اول ۲۳۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۴۔ ۲۷۵۔ دفتر دوم ۱۴۔

۱۰۔ مولانا محمد صالح کولابی رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے قدیم اصحاب میں سے تھے۔ انکسار، افتقار، غربت اور خاموشی آپ کی خصوصیت تھی۔ میں نے آپ سے سنا ہے کہتے تھے کہ جب مجھے اس مقصد کی طلب پیدا ہوئی تو میں بہت سے مشائخ کے پاس گیا جو قریب رہتے تھے۔ لیکن کسی کی طرف سے کشش پیدا نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک جمعہ میں آگرہ کی جامع مسجد میں حضرت مجدد قدس سرہ کو دیکھا۔ تو دیکھتے ہی میرے دل کو ان کی طرف انجذاب پیدا ہوا۔ خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی قیام گاہ پر تعلیم ذکر کے لئے التماس کی جو قبول ہوئی، پھر ایک عرصے تک آپ کے آستانے پر رہا۔ لیکن مجھے اپنی استعداد کی کمی کی وجہ سے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جیسی کہ آپ کے دوسرے خادموں کو حاصل ہوتی تھی۔ اس وجہ سے میں حیران و گریاں تھا یہاں تک کہ ماہ رمضان مبارک آگیا اور حضرت مجدد قدس سرہ معتکف ہو گئے (لیکن) اس اعتکاف کے زمانے میں طشت اور آفتابے کی خدمت (وضو کرانے کی خدمت) میرے ذمے تھی۔ ایک رات جب حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے دست مبارک دھوئے تو میں اس وضو کا پانی ایک طرف کو لے گیا اور سب کا سب پی لیا۔ اس مستعمل پانی نے میرے جذب و مستی کو بڑھا دیا اور اسی سے میرے حال کو کشائش پیدا ہوئی۔

جب حضرت مجدد قدس سرہٗ کی توجہ اور عنایت کی برکت سے مولانا درجہ کمال کو پہنچے تو آپ کی تعلیم طریقت کی اجازت کا شرف حاصل ہوا اور آپ نے بہت سے طالبوں کو مستفیض فرمایا۔

راقم الحروف نے بارہا حضرت مجدد قدس سرہ کی زبان مبارک سے مولانا کی تعریفیں سنی ہیں۔ ایک دن حضرت نے فرمایا کہ مولانا صالح نے صفات و تجلیات صفاتیہ کی سیر سے مکمل حصہ حاصل کیا ہے۔ یہ بات مولانا کے اس عریضے سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت مجدد قدس سرہ کو لکھا تھا۔

ب م اس مقدس درگاہ کے کمترین خاک روب محمد صالح کی عرضداشت اس

اس آستانہ عالیہ کے خادموں سے اس طرح ہے کہ اے غریب نواز اور اے ذرہ پرور آپ کی درگاہ کے خادموں کے صدقے میں (یہاں کے) احوال و اوضاع مخلصوں کے مدعاء کے مطابق ہیں۔ ہمیشہ تجلیات سے مشرف ہوتا رہتا ہوں اور ہر تجلی میں خاص فنا حاصل ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ اس تجلی سے آگے اب کوئی اور تجلی نہیں ہوگی اور ان تجلیات بے نہایت سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ اسماء و صفات کی تفصیل میں سیر واقع ہو رہی ہے (اور چونکہ) راہ تفصیل سے مطلوب تک پہنچنا بہت دشوار ہے اس لئے آپ کی درگاہ قبلہ حقیقی سے امید ہے کہ جب اس ناقابل کو خاک مذلت سے اوپر اٹھا لیا ہے اور ایسے بلند احوال سے مشرف فرمایا ہے کہ اس کمینے کے وہم و فہم میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ تو اب بھی اپنی خاص الخاص توجہ سے سرفراز فرمائیں تا کہ غایت الغایات تک پہنچ سکوں اور منقصت سے نجات پاؤں۔ اور اپنی ذاتی مراد سے نامراد ہو جاؤں اور سوائے اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے قولاً، فعلاً اور نظراً (کسی طرح بھی کوئی مرضی) حاصل نہ ہو اور یہ بات آپ کی بارگاہ (جو مراد مریداں ہے) کی توجہ اور عنایت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ امید ہے کہ رحمت بے کراں کے دریا سے مجھے سیراب فرمائیں گے اور اس غریب کی فضول باتوں کو آپنے اخلاص اور محبت سے درست فرمادیں کہ وہی تمام سعادتوں کی متضمن ہے۔ آپکی تربیت کا سایہ تمام مخلوق کے سروں پر قیامت تک قائم و دائم رہے۔ بحق النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ الامجاد"

مولانا صالح[1] نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے معمولات لیل ونہار کو مخدوم زادگان سلمہم اللہ تعالیٰ کے ایماء اور تائید سے جمع کیا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ان معمولات کو لکھنے کی اجازت جب حضرت مجدد قدس سرہ سے چاہی تو آپ نے فرمایا کہ " وہ عمل جو

---

[1] مولانا صالح کولابی رح کا یہ مجموعہ ہدایت الطالبین کے نام سے ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اللہ والے کی قومی دکان۔ لاہور سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔ فارسی نسخہ مولانا محمد ہاشم مجددی مرحوم کے پاس ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں تھا۔

پیروی کے لائق ہے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے (اس لئے) احادیث کی کتابوں سے رجوع کرنا چاہیئے اور وہیں سے اخذ کرنا چاہیئے۔" عرض کیا کہ

"آپ کا عمل بھی تو سید انس وجن علیہ الصلاۃ والسلام کا عمل ہے۔"

فرمایا کہ "اچھا، ایسا کریں لیکن خوب ملاحظہ فرمالیں کہ جو بات سنت قولی وفعلی کے مطابق ہو اس پر عمل کریں اور جو بات ایسی نہ ہو (یعنی میرے عمل میں ایسی نہ ہو) اسے چھوڑ دیں۔"

مولانا صالح کولابی نے ہماری اس تحریر سے پہلے ۱۰۳۸ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۱۔ مولانا محمد صدیق کشمی سلمہ اللہ تعالیٰ

وہ کشم بدخشان کے ہیں۔ شروع جوانی میں ہندوستان آگئے تھے اور چونکہ شعر وشاعری سے بہت تعلق تھا، اس لئے محب الفقراء عبدالرحیم خان خانان کی صحبت اختیار کی، کیونکہ خان مذکور مغفور کو ایسے لوگوں سے خصوصیت تھی۔ اسی اثناء میں مولانا کو حضرت درخواجہ خالی زخود، باقی بجق، قدس اللہ سرہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا نے ان کی خدمت میں توبہ وانابت کر کے اسی سلسلے کے ذکر کا طریقہ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ قدس سرہ نے اکثر مولانا کی استعداد اور صلاحیت کی تعریف فرمائی ہے۔ راقم الحروف نے مولانا کی زبانی سنا ہے کہ وہ یوں کہتے تھے۔ ایک مرتبہ عید کی صبح کو ہم کئی لوگ حضرت کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ حضرت اپنے مکان سے شیشہ گلاب ہاتھ میں لئے ہوئے باہر تشریف لائے۔ حاضرین میں سے مجھے نئے کپڑوں میں اور عید کے مناسب لباس میں دیکھ کر مجھ پر گلاب چھڑکا۔ اور اس طرح میری خاطر پریشاں کے لئے آپ جمعیت بخش ہوئے۔

لہ عبدالرحیم خان خانان کا انتقال ۱۰۳۶ھ میں ہوا۔ مولانا صدیقی کا تخلص ہدایت تھا (پہلے غالبًا رشدی تھا)، آپ نے ایک قصہ شیشہ گر با چین کو حقیقت مجاز میں مستور کر کے۔ مولانا رومی کی مثنوی کے وزن میں نظم کیا ہے جو حق الیقین کی بہت عمدہ تعبیر ہے۔ آپ کی کئی مثنویاں ہیں۔ ایک مثنوی نظامی کی خسرو شیریں کے وزن پر ہے۔

؎ زندبرروئے بختِ خفتہ آبے زداماں تو ہر راشح گلابے

لیکن مولانا کو حضرت خواجہ کے زمانے میں جوانی کے تقاضے کی بناء پر اور شعر خوانی کے شغف کی وجہ سے اس سلسلے میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن پھر حضرت خواجہ کے وصال کے بعد اور حضرت ہی کے حکم کے مطابق جب انہوں نے خود کو حضرت مجدد قدس سرہ کے حوالے کر دیا تو (نقشبندی) بزرگواروں کی نسبت خاصہ تک پہنچ گئے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے ایک مکتوب میں جو مولانا صالح کولابی کے نام ہے اس طرح ان (مولانا صدیق) کے متعلق خبر دی ہے۔

"..... مولانا صدیق ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ولایت خاصہ کے ساتھ مشرف ہوئے، اسم جزئی سے اسم کلی کے ساتھ ملحق ہوئے۔ اس کے باوجود وہ فوق کی جانب نظر رکھتے ہیں۔ وہاں سے نصیب وافر حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف مائل ہوں۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے) ....."[1]

مولانا ۱۰۳۲ھ میں اپنی جماعت کے ساتھ اور حضرت مجدد قدس سرہ کی اجازت اور دعا سے حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے۔ واپسی میں آپ پہلے دہلی آئے۔ لیکن چونکہ ساتھیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور زادِ راہ کم تھا، اس لئے فقر و فاقہ کی تکلیفیں بہت اٹھائیں اور علیٰ قدر نصیب، اجر کی دولت حاصل کی۔

آپ ہی نے حضرت مجدد قدس سرہ کی بیاض خاص سے رسالہ مبداء و معاد کے مضامین نکال کر (اس رسالے میں) جمع کیا۔[2] آپ کے نام مکتوبات شریف کے دفتروں میں سے متعدد مکتوبات ہیں۔

---

[1] مکتوبات شریف۔ دفتر اول ۱/۲۹۰۔

[2] آپ نے یہ رسالہ ۱۰۱۹ھ میں مرتب کیا ہے۔ اس سے پہلے ۱۰۱۸ھ میں آپ دہلی سے برہانپور گئے اور مسند بچھ گئے (نزہۃ الخواطر ۵/۱۸۳)

آپ کو حضرت مجدد قدس سرہ سے بہت اخلاص اور عشق تھا۔

جس زمانے میں آپ حجاز مقدس میں تھے حضرت مجدد قدس سرہ نے راقم الحروف سے فرمایا کہ "میں اس وقت بعض غیر موجود مریدوں کے احوال کی طرف متوجہ تھا۔ مولانا محمد صدیق (نظر کشفی میں) کامل محبت و اخلاص کے ساتھ ہماری طرف متوجہ نظر آئے۔

اس تحریر کے وقت آپ بدخشاں اور ماوراء النہر کی سیر میں (اللہ کرے) وہ ہر جگہ خوش وقت رہیں حضرت مجدد قدس سرہ کے

علوم و معارف سے آپ پوری طرح واقف ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں آپ نے ایک شیشہ گر یا چین کی عجیب حکایت جس میں ہمارے سلسلے کے حق الیقین کی عمدہ تعبیر ہے۔ مثنوی مولانا روم کے وزن پر نظم کی ہے، بہت متانت کے ساتھ ہے اور دوسری مثنوی (نظامی کی) مثنوی خسرو شیرین کے وزن پر ہے۔ اسی میں سے چند اشعار جو راقم الحروف کے مناسب حال ہیں۔ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

لہ محمد صدیق ہدایتی ہی نے حیات باقیہ لکھی ہوگی۔ جس کے مصنف کا علم نہیں ہے۔ اس وقت رشدی کا تخلص ہو گا۔ اس کتاب کے شروع میں ہے کہ مصنف یکم صفر ۱۰۰۹ھ کو حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کے ملفوظات لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمایا۔ لیکن رمضان (۱۰۰۹ھ) میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی مکرر سفارش پر منظوری دے دی۔ پھر جمعہ ۲ جمادی الاول ۱۰۱۱ھ کو مصنف کو سفر پر (دکن) جانے کی اجازت مل گئی۔ یک شنبہ یکم صفر ۱۰۱۲ھ کو سفر سے واپسی ہوئی۔ اس زمانے میں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مجھے ترک مشیخت کا حکم ملا ہے۔ اسی زمانے میں حضرت خواجہ رح نے اپنے مریدوں کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت رہنے کا حکم دیا۔ اور اسی زمانے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تیسری بار اپنے شیخ سے ملنے کے لئے دھلی تشریف لے گئے تھے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے (۱/ ۱۷۶) مولانا محمد صدیق کو نسبت باطنی میں مشغول رہنے کی نصیحت فرمائی ہے اور یہ کہ آپ شعر گوئی وغیرہ چھوڑ دیں۔ مکتوب ۱/ ۱۸۵ - ۱۹۹ - ۲۴۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آگرہ میں بھی رہے تھے۔

بہ تنہائی چنیں میلِ دلم چیست | وزیں تنہا نشستن حاصلم چیست
سگِ من، در سگی معذور باشم | بدیں عذر از خلائق دور باشم
غلط گفتم، اگر سگ را ازیں باز | کہ خود را کردہ ام نسبت بآواز
زننگِ ایں سخن افغاں برآرد | کہ بد عہدی زما خود را شمارد
سگاں خود صاحبِ خود را شناسند | لبسے از نا شناسائی ہراسند
نہ خود را می شناسد نے خدا را | چرا بدنام سازد نسل مارا[1]
دریں مدت کہ عمرِ من بسر شد | نہ از کفرم نہ از دینم خبر شد
نہ دانم بر چہ ملت زیستم من | نہ سگ نے آدمی، پس کیستم من

آپ کا حقائق آمیز کلام جو صحتِ حال و درجات کمال کی دلیل ہے بہت کچھ ہے۔ اس میں سے ایک عریضہ جو حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام ہے وہ یہ ہے:۔

" اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَدْخُلُنَا بِھَا فِی حِفْظِ عِنَایَتِکَ "

" کمترین فدوی محمد صدیق جو ہمہ تن آپ کی مراد بخش درگاہ کے خادموں کی آستاں بوسی کا آرزومند ہے اس طرح عرض پرداز ہے کہ گو کچھ عرصے سے دست پاؤں سے مجبور ہو گیا ہوں۔ لیکن شوق کی مدد سے کبھی کبھی ایک مذلوح کی طرح آپ جیسے صاحبانِ دین و دنیا کو تڑپتا ہوا، یاد کرتا رہتا ہوں اور بے شک آپ قبلۂ آگاہ دلاں کی بے انتہا عنایت سے ہمیشہ عظیم نعمتوں کے لئے امید لگائے رہتا ہوں اور اپنی استعداد کے مطابق اس عظیم الشان (روحانی) دستر خوان سے ریزہ چینی کا خواستگار رہوں۔ اور گو کہ ناکارہ ہو گیا ہوں لیکن بیخودی کے عالم میں کبھی گنگناتا رہتا ہوں۔ چنانچہ اسی زمزمہ سرائی سے یہ اشعار تحریر کئے جاتے ہیں "

---

[1] حضرات القدس (ج۲) میں یہاں "خیل مارا" ہے۔ یہ اشعار اور دو غزلیں حضرات القدس میں ہیں۔ ان میں سے دوسری غزل وہی ہے جو یہاں آئے گی یعنی " عالی ست " ردیف والی غزل۔ اس میں مقطع بھی ہے۔ لیکن یہاں مقطع والا شعر نہیں ہے۔

خوش وقت آں دلے کہ بکارے رسیدہ است | خوش روز شب روی کہ بیارے رسیدہ است
از فرق تا قدم ہمہ عطرم عجب ملار | دستم بچین زلف نگارے رسیدہ است
خوش روز گارِ عیشِ ہدایت کہ در خزاں | رختش بتازہ رنگ بہارے رسیدہ است

اور چند اشعار جو ضعف کے زمانے میں لکھے گئے ہیں وہ بھی خدمت عالی میں پیش کرتا ہوا۔

طلوعِ شمسِ من از وجہ وجہیت عالی ست | توجہ دلم از رتبۂ وصفت عالی ست
مرانظر بجمالے ست بے حجابِ نقاب | فضائے آں نظر از دیدِ منقصت عالی ست
چہ دست در رو بگناہم زنی کہ نشنا کہ | حقیقتِ گنہے کاں زمغفرت عالی ست
بعلمِ خویش چہ نازی بسوزِ من می ناز | کہ شانِ جہلِ من از طورِ معرفت عالی ست

قبلۂ من سلامت! جو کچھ کہ مقصد ہے خوب دیکھتا ہوں لیکن الفاظ کا دست معانی کے دامان تک نہیں پہنچتا۔ افسوس ہے کہ وہ باتیں جو میں جانتا ہوں بیان نہیں کر سکتا۔"

مولانا نے اس حقیر سے بیان کیا کہ ایک گدڑی پوش درویش سے ملاقات ہوئی کہ اس کے چہرے سے ذوق و وجدان اور تفرید و آزادگی کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے پوچھا کہ تم کو ارادت کس سے ہے؟ میں نے حضرت مجدد قدس سرہ کا نام نامی لیا۔ اس نے پوچھا کہ ان سے کون سی بڑی کرامت دیکھی ہے؟ مجھے بتاؤ" (چنانچہ) جو کچھ میں نے دیکھا تھا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ تمہارے شیخ سے میں نے بھی ایک عجیب کرامت دیکھی ہے۔ وہ میں تم کو بتاتا ہوں۔ سنو (ایسا ہوا کہ) جب میں نے آپ کے اوصاف سنے تو آپ سے ملنے کے لئے سرہند حاضر ہوا۔ رات کا کچھ حصہ گزر چکا تھا جب میں شہر پہنچا میں نے خیال کیا کہ اس وقت آپ کے خادموں کو زحمت نہ دوں، اس لئے ایک مسجد میں چلا گیا۔ مسجد کے ایک پڑوسی کو میری اطلاع ملی تو وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اور مہربانی فرمائی۔ گفتگو کے دوران اس سے میں نے تمہارے شیخ کے احوال دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ وہ ان کے مخالفوں میں سے تھا۔ اس لئے ان کے خلاف طعن کرنے لگا۔ مجھے تعجب ہوا اور مکدر بھی ہوا۔ میں تمہارے شیخ کے باطن کی طرف متوجہ ہوا۔ تو ناگاہ یہ دیکھا کہ تمہارے شیخ دروازے سے داخل ہوئے۔ شمشیر برہنہ ہاتھ میں تھی۔ آپ نے اس زبان دراز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور باہر تشریف لے گئے۔ میں اس واقعے کو دیکھ کر بہت گھبرایا اور اسی اضطراب کے عالم میں آپ کے پیچھے پیچھے باہر آگیا

پھر آپ کو نہیں دیکھا۔ اور میں واپس اس گھر میں نہیں جا سکتا تھا اور علم بھی نہ ہو سکا کہ ایسا کیا ہوا۔ صبح کے وقت جب میں آپ کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوا تو میں اسی طرح لرز رہا تھا اور خوف زدہ تھا۔ آپ نے مجھے گلے سے لگا لیا اور تبسم سے فرمایا "جو واقعہ رات کو گزرا تھا اب دن میں اس کا ذکر نہیں چاہیئے" اور یہ قصہ اب تک میں نے سوائے تمہارے کسی اور سے نہیں کہا۔[1]

۱۲۔ شیخ عبدالحی سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ حصار شادمان کے ہیں جو بلاد اصفہان[2] میں سے ہے۔ آپ میں عاجزی اور خموشی کی عادت ہے اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ آپ حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں برسوں[3] رہے ہیں اور عنایات کی نظریں شامل حال رہی ہیں اور آپ نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ حضرت سے آپ نے بہت سے خاص اسرار بھی سنے ہیں اور انوار احوال جو معارف اسرار ہیں ان سے مستفیض ہوتے ہیں۔ مکتوبات شریف کا دوسرا دفتر (نور الخلائق) آپ نے مخدوم زادہ معصوم کردار "محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کے ایماء اور تائید سے جمع کیا ہے۔ آپ کے نام مکتوبات شریف کے دفتروں (اوّل اور دوم) کے کئی مکتوبات ملتے ہیں۔[4]

---

[1] حضرات القدس (حضرت نمبر ۲ کرامت نمبر ۱۹) میں بھی یہ واقعہ درج ہے۔

مکتوبات شریف مولانا محمد صدیق کے نام دفتر اوّل میں ۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۶۲-۱۶۹-۱۸۸-۲۱۲۔ دفتر دوم میں ۳۱-۵۱۔ دفتر سوم میں ۸ ہیں۔ حضرات القدس (۲) میں مولانا محمد صدیق کی وفات شوال ۱۰۴۵ھ درج ہے۔ آپ کا مزار خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہے۔ دوسرے واقعات بھی اس کتاب میں ہیں۔

[2] زبدۃ المقامات میں یہاں "اصفہانیاں" لکھا ہے۔ (حصار شادمان، توران کے شمال میں ہے)

[3] حضرت مجدد کی خدمت میں پانچ سال رہے ہیں۔ دیکھیں دفتر دوم۔ مکتوب ۸۴۔

[4] یعنی دفتر اوّل میں ۲۰-۲۹۱-۳۰۴۔ دفتر دوم میں ۴۷ سے ۴۳

حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا۔ آپ نے وہاں قبول عظیم پایا۔ ارشاد اور ہدایت کا معاملہ آپ سے بہت ظہور پذیر ہوا۔ آپ کے خلفاء صاحب مقامات ہوتے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے کہ "اس علاقے کے قطب ہیں"۔[1]

پٹنہ شہر کے کنارے حضرت شیخ نور غریبی اور مسکینی کے عالم میں افادہ وافاضہ میں مشغول رہے اور شیخ عبدالحی بیچ شہر میں شیوہ پسندیدہ کے ساتھ تمکین وصفا میں لگے رہے۔ حضرت مجدد نے ایک مکتوب میں ایک مخلص (مرزا شمس الدین) کو لکھا ہے:۔

"ان دونوں عزیزوں یعنی مولانا (عبدالحی) اور شیخ نور محمد کا وجود ایک شہر (پٹنہ) میں قران السعدین کی طرح ہے" (ملخصاً)[2]

اور شیخ نور محمد کے نام ایک مکتوب میں شیخ عبدالحی کے حال ومقام کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:۔

"۔۔۔ شیخ عبدالحی آپ کا ہم شہری ہے۔ آپ کے قرب وجوار میں آیا ہے۔ علوم ومعارف غریبہ کا نسخہ ہے اور اس راہ کی ضروری چیزیں اس کے پاس بہت ہیں۔ اس کی ملاقات دور افتادہ احباب کے لئے غنیمت ہے کہ وہ (آپ کے پاس) نیا نیا آیا ہے اور نئی نئی چیزیں لایا ہے۔ فنا وبقا کا نشان اس کے پاس ہے اور جذبہ وسلوک کا بیان بھی اس کے پاس ہے بلکہ وہ فنا وبقا کے ماوراء سے بھی متعارف ہے۔ اور جذبہ وسلوک سے آگے کی چیزیں بھی جانتا ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا گزر بھی وہاں ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارف غریبہ وہ سن چکا ہے اور حتی المقدور پوچھ پوچھ کر حاصل بھی کر چکا ہے۔ واللہ سبحانہ الموفق۔۔۔۔"[3]

---

[1] غالباً یہ قول تحریر میں نہیں ہے۔

[2] دفتر دوم ۵۰۔

[3] دفتر دوم ۸۵۔ شیخ عبدالحی کے دوسرے حالات حضرات القدس (۲) میں ہیں۔ یہ بھی ہے کہ آپ ۱۰۵۱ھ میں ۱ سٹھ سال کی عمر میں حج کے لئے گئے تھے۔ تذکرہ مجدد الف ثانی رح (از مولانا محمد منظور نعمانی ج۲ ص ۲۴۰) میں آپ کی وفات ۱۰۷۰ھ میں بتائی گئی ہے۔

۱۳۱۔ شیخ یار محمد (قدیم) طالقانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کو قدیم اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کے بعد ایک روز یار محمد جو دفتر اوّل کے مکتوبات کے جامع ہیں حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانے میں پہنچے ہیں۔ ان (موخر) کو جدید کہتے ہیں اور جن کے حالات لکھے جارہے ہیں۔ ان کو قدیم کہتے ہیں۔

"آپ اپنے لقب کے مطابق حضرت مجدد قدس سرہ کے قدیم اصحاب میں سے ہیں شب بیدار اور روزہ دار تھے۔ بزرگواران نقشبندیہ کی نسبت اور حضور آپ کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ کثیر السکوت والمراقبہ تھے اور حسین بھی بہت تھے۔ ایک دن مجھ سے آپ نے فرمایا کہ "میں اپنی خوبصورتی اور بڑی ڈاڑھی پر بہت شکر گزار ہوں کہ جب بازار وغیرہ سے گزرتا ہوں تو لوگ مجھے دیکھ کر بے ساختہ درود شریف (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر) پڑھنے لگتے ہیں۔"

فقر اور غریبی کے باوجود آپ بیت الحرام کے طواف اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کی زیارت کو گئے تھے۔ اس کثیر البرکت سفر سے واپسی پر آپ نے خلوت میں مجھ سے فرمایا کہ میں نے رکن یمانی میں ایک ہودج پر جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آراستہ کیا گیا تھا اور لوگ زیارت کرتے ہیں، میں نے نظر ڈالی تو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو انوار و آراستگی تمام کے ساتھ تشریف فرما دیکھا اور میں اس کی لذت اور حلاوت سے از خود رفتہ ہو کر رقص کرنے لگا اور کودنے اچھلنے لگا۔ حجاج تعجب کرنے لگے اور بعض عرب کہنے لگے کہ ھٰذَا نِعْمَ مَجْنُوْنٌ (یہ کیسا اچھا مجنون ہے) اور میں زبان حال سے آپ کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

گر ایں لیلیٰ از خیمہ بیروں شود　　　　بسا کوہ و صحرا کہ مجنوں شود

حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کے بعد یہ مکتوب تحریر فرمایا تھا۔

"میرے عزیز بھائی مولانا یار محمد قدیم کا مکتوب مرغوب موصول ہوا۔ موجب فرحت ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ الامجاد کے طفیل میں آپ کو کمال اور تکمیل کی بلندیوں تک پہنچائے۔"

آپ نے مولانائے روم علیہ الرحمۃ کے اس مقولے کے متعلق دریافت کیا تھا
"آں نازنینے کہ درکنارِ من بودہ حق بودہ است"
کہ ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں؟
(جواباً عرض ہے کہ) جاننا چاہیئے، ایسی باتیں اس راہ میں بہت واقع ہوتی ہیں اور زبان پر آتی ہیں۔ اس قسم کا معاملہ، تجلی صوری کا ہے کہ صاحب معاملہ اس صورت متجلی کو حق تعالیٰ خیال کرتا ہے۔ ورنہ بات دراصل وہی ہے کہ شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ نے فرمائی ہے کہ "یہ وہ خیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے۔" [1]
ایک بات یہ ہے کہ چونکہ آپ کو تعلیم طریقت کے لئے ایک قسم کی اجازت دی گئی ہے اس لئے اس باب میں بعض فوائد لکھے جاتے ہیں کہ جن کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان پر عمل کریں۔ جاننا چاہیئے کہ جب کوئی طالب آپ کے پاس ارادت کے لئے آئے تو اس کی تعلیم طریقت میں اچھی طرح غور کرلیں کہ کہیں اس معاملے میں آپ کا استدراج مطلوب نہ ہو اور کوئی خرابی نہ ہو۔ علی الخصوص جب کسی مرید کے آنے سے فرحت اور سرور پیدا ہو تو اس بارے میں التجا اور تضرع کی راہ اختیار کرکے متعدد استخارے کئے جائیں تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ طریقہ سکھایا جائے اور اس میں استدراج اور کوئی خرابی نہیں ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنا وقت ان کے پیچھے ضائع کرنا، بغیر اللہ تعالیٰ کے اذن کے، جائز نہیں۔ آیت کریمہ "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ" [2] اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے۔

---

[1] حضرات القدس (۲) میں آپ کے حالات میں مذکور ہے کہ آپ ۱۰۴۶ھ میں سرہند تشریف لائے تھے اس وقت مصنف (بدرالدین سرہندیؒ) حضرت مجددؒ کے حالات لکھ رہے تھے۔ تو آپ سے بھی حالات دریافت کرنے چاہے۔ آپ نے بتانے کا وعدہ کیا لیکن موقع نہ مل سکا اور وہ آگرہ جاکر فوت ہوگئے [2] سورۃ ابراہیم۔

ایک بزرگ کا انتقال ہوا تو ان کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر زرہ پہنی تھی۔ اس نے کہا ہاں۔ تو فرمایا کہ تو نے میری خلق کو میری طرف کیوں چھوڑا اور دل کو کیوں نہ میری طرف متوجہ کیا۔

اور اجازت جو آپ کو اور دوسرے حضرات کو دی گئی ہے وہ چند شرائط پر مشروط ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا علم حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ مطلق اجازت دی جائے۔ اس وقت تک ان شرائط کو اچھی طرح مدنظر رکھیں اطلاع دینا شرط ہے۔ اور میر محمد نعمان کو بھی یہی بات لکھی گئی ہے۔ وہاں سے بھی معلوم کر لیں۔ غرض کہ کوشش کریں کہ وہ وقت آجائے اور شرائط کی تنگی سے چھوٹ جائیں۔ والسلام۔[۱]

۱۴۱۔ مولانا قاسم علی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے ان مریدوں میں سے ہیں جن کی تربیت حضرت مجدد قدس سرہ کے حوالے کی گئی تھی۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے ایک عریضے میں حضرت خواجہ قدس سرہ کو آپکے احوال اس طرح تحریر فرمائے ہیں:۔

"ملا قاسم علی کا حال بہتر ہے۔ اس پر استغراق اور استہلاک کا غلبہ ہے اور اس نے جذبہ کے تمام مقامات سے فوق کی طرف قدم رکھا ہے اور صفات کو جو پہلے وہ اصل سے دیکھتا تھا، اب وہ باوجود اس کے، صفات کو خود سے جدا دیکھتا ہے اور خود کو اس نور سے کہ جس سے صفات قائم ہیں الگ پاتا ہے۔"[۲]

ایک اور عریضے میں حضرت مجدد قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[۱] دفتر اول ۱۱۹۔

[۲] دفتر اول۔ ۲۱۱۔

[۳] دفتر اول۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قاسم علی کو مقام تکمیل سے حصہ حاصل ہے، اسی طرح یہاں بعض دوستوں کا بھی اس مقام سے حصہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال"۔ [1]

۱۵۔ شیخ حسن برکیؒ

آپ مولانا احمد برکی (المتوفی ۱۰۲۶ھ) کے شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانہ عالیہ میں حاضر ہو کر توبہ، ذکر اور مراقبہ کا شرف حاصل کیا اور حضرت کی نظر عنایت اور صحبت کی برکت سے مستفیض ہو کر وطن مالوف واپس ہوئے اور مولانا احمد برکیؒ کی صحبت میں رہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے مولانا احمد کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:۔

"شیخ حسن آپ کے ارکان دولت میں سے ہیں اور آپ کے معاملے میں ممد و معاون ہیں۔ اگر بالفرض آپ کو سفر (ماوراء النہر یا ہندوستان) کا خیال ہو تو آپ کے نائب مناب وہ ہوں گے۔ ان کے حق میں التفات اور توجہ فرماتے رہیں اور کوشش بلیغ فرمائیں کہ وہ ضروری علوم دینیہ کی تحصیل سے جلد ہی فارغ ہو جائیں۔ ہندوستان کی سیر ان کے حق میں اور آپ کے حق میں بہت غنیمت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو استقامت عطا فرماتے"۔ [2]

اس کے تھوڑے عرصے کے بعد مولانا احمد نے سفر آخرت اختیار کیا۔ جب حضرت مجدد قدس سرہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے وہاں کے احباب کو تحریر فرمایا:۔

"مولانا مرحوم کے اوضاع و اطوار (نیز احوال و مقامات) کو ملحوظ رکھیں اور ذکر و حلقہ کے طریقے میں مشغولیت رکھیں کہ فتور نہ پیدا ہو اور احباب جمع ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں خود کو گم کر دیں تاکہ صحبت کا اثر پیدا ہو۔ اس فقیر نے اس سے

---

[1] دفتر اول ۱۱۔ مکتوب نمبر ۱۴ میں بھی آپ کا ذکر ہے۔

[2] دفتر اول ۲۰۵۔

پہلے محض اتفاقیہ طور پر تحریر کیا تھا کہ اگر مولانا کوئی سفر اختیار کریں تو چاہیئے کہ شیخ حسن کو اپنی جگہ مقرر کر دیں۔ قسمت سے یہی سفر (آخرت) مراد ہوا۔ اب بار بار یہی دیکھتا ہوں کہ شیخ حسن کو اس کام کے لئے متعین پاتا ہوں۔ یہ بات بعض احباب پر گراں نہ گزرے کہ یہ ہمارے اور ان کے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ بہر حال فرماں برداری لازم ہے۔ شیخ حسن کا طریقہ مولانا احمد کے طریقے سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور مولانا نے آخر آخر میں جو نسبت اس طرح سے حاصل کی تھی شیخ حسن اس نسبت میں سے شریک ہیں اور دوسرے احباب اس نسبت سے بہت کم بہرہ در ہیں۔ گو کہ کشف و شہود حاصل کرتے ہیں[۱]

غرض کہ اس امر کے مطابق شیخ حسن ہی مولانا احمد رح کی جماعت کے سر حلقہ مقرر ہوئے اور افادہ و افاضہ میں مصروف ہوئے اور حضرت مجدد قدس سرہ اور اپنے استاد مرحوم کا شیوہ اختیار کیا اور مراقبہ، مجاہدہ اور رفع بدعت کے لئے سعی فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ترقیاں حاصل کیں اور بلند مقامات تک رسائی حاصل کی۔ آپ نے جو عریضے حضرت مجدد قدس سرہ کو لکھے ان سے آپ کے علو حال کا پتہ چلتا ہے۔ ایک عریضے میں بعض اصطلاحات صوفیہ کا ذکر ہے جن میں ان کو پیچیدگی پیدا ہوئی تھی۔ اس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے:۔

"وہ معارف جو اس بے مایہ کو تسلی پہنچاتے ہیں وہ معارف شرعیہ ہیں۔ گویا احکام شرعیہ کا ہر حکم ایک دریچہ ہے جو شہر مقصود کی طرف کھلتا ہے اور وہ شاہ بے نشاں کا پتہ دیتا ہے اور یہ شعر نصب العین ہے:۔

مابہ سفر می رویم عزم تماشا کراست | مابرادمی رویم کز ہمہ عالم دراست
(ہم تو سفر کو چلے، دیکھنے والا ہے کون؟ | ہم تو چلے اس کے پاس جو کہ ہے عالم سے دور)

حضرت مجدد قدس سرہ کو شیخ حسن کے بعض اعتراضات (اصطلاحات صوفیہ سے متعلق) سخت گراں گزرے تو آپ نے ان کو لکھا:۔

---

[۱] دفتر دوم۔ ۶۱۔

[۲] دفتر دوم۔ ۷۷۔

"آپ کا اعتراض نا فہمی کی وجہ سے ہے۔ ہرگز ایسی بات نہ کریں اور غیرت خداوندی جل شانہ سے ڈریں۔ اس زمانے کے بعض دعویدار آپ کو ظاہراً مشتعل کرتے ہیں (لیکن) بزرگوں کا لحاظ ضروری ہے بلکہ اگر آپ ایسے محدثات و مخترعات کے دعویداروں پر بات کرتے تو اس کی گنجائش تھی۔ لیکن جو کام قوم کے نزدیک مقرر (مسلم) ہے اس پر کلام کرنا مناسب نہیں ہے۔"[1]

مذکورہ بالا عریضے کے آخر میں (یعنی شیخ حسن کے اس عریضے میں) معارف کا ذکر بھی تھا، تو حضرت مجدد قدس سرہ اس بات سے بہت خوش ہوتے اور (اپنے اسی مکتوب گرامی میں) تحریر فرمایا:۔

"آپ کے یہ معارف بہت صحیح اور بہت بلند ہیں اور بخشش کے لئے امیدواری ہے۔ ایسے معارف کے مطالعے سے بڑی خوش فہمی اور آپ کے مکتوب (عریضہ مذکورہ) کے شروع کی عبارت کی ناملائمت زائل ہوگئی۔ حق تعالیٰ اسی طرح مقصود پر پہنچائے۔"

اجمیر کے سفر میں یہ عاجز، حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں تھا اس وقت بھی شیخ حسن کا عریضہ پہنچا تھا جس میں ان کے بلند مکاشفات اور اعلیٰ احوال درج تھے اور بدعات کے دفعیہ کے لئے انہوں نے اپنے شوق اور ہمت کا ذکر بھی کیا تھا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے ان کا وہ عریضہ اس فقیر کے حوالے کر دیا تھا، تاکہ جب فرصت ہو تو پیش کروں اور آپ ہر ایک کا جواب لکھ سکیں۔ اتفاق سے بعض فکروں اور پریشانیوں کی وجہ سے ان کا وہ عریضہ میں نے گم کر دیا پھر حضرت مجدد قدس سرہ نے چند سطریں ان کے نام لکھ دیں جو دفتر سوم کا مکتوب نمبر ۱۰۵ ہے۔[2]

---

[1] دفتر دوم ۷۷۔ [2] شیخ حسن برکی کے حالات حضرات القدس (۲) میں کچھ اور بھی درج ہیں۔ البتہ ان کے انتقال کا سال معلوم نہیں۔ خیال ہے کہ وہ حضرت مجدد کے وصال کے بعد فوت ہوتے ہوں گے کیونکہ حضرات القدس (۲) میں آخر سے دوسرے قدسیہ میں ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ "میں نے دنیا ڈھونڈ ڈالی لیکن مجھے حضرت مجدد کے صاحبزادوں جیسا کوئی بھی نہ ملا" ظاہر ہے کہ یہ بات حضرت مجدد کے وصال کے بعد ہی کہی ہوگی۔

۱۶- مولانا شیخ عبدالہادی بدایونیؒ

آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مریدوں میں سے تھے کہ جن کی تربیت حضرت مجدد قدس سرہ کے حوالے کی گئی تھی۔ آپ ان کی خدمت کی برکتوں سے ان کی عنایت کی نظر سے بہرور ہوئے اور اب بھی بہرہ ور ہیں اور انکسار و افتقار سے حصہ پایا ہے حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے پیر بزرگوار قدس سرہ کی خدمت میں دو عریضے ایسے تحریر فرمائے کہ جن میں مسترشدوں کی ترقیات درج ہیں ان میں یہ بھی مذکور ہے کہ

"مولانا عبدالہادی نے نقطۂ فوق میں حضور اور حضور میں استغراق حاصل کیا ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو تنزیہ کی صفت میں دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اسی کی طرف سے جانتا ہوں"۔[۱]

آپ نے حضرت مجدد قدس سرہ کے یہاں بہت وقت گزارا اور ترقیات و کمالات تک پہنچ کر تعلیم طریقت کی اجازت حاصل کرنے کا امتیاز پایا۔

۱۷- شیخ یوسف برکیؒ

پہلے آپ (اپنے وطن مالوف میں)[۲] ایک بزرگ سے متعلق ہوئے اور ان سے توحید صوری میں فنائیت حاصل ہوئی تھی۔ پھر آپ کو وقائع میں اس آستانے (سرہند شریف) کی طرف رہبری حاصل ہوئی۔ آپ نے پہلے ایک عریضے میں ایک صاحب کے ذریعے اپنے احوال پیش کئے۔ حضرت

---

[۱] دفتر اول ۱۴- اسی دفتر میں آپ کے نام مکتوب ۲۶۵ ہے۔ حضرات القدس (۲) میں آپ کے مزید حالات درج ہیں۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ (الفرقان لکھنؤ ۱۹۶۰ء ص ۳۲۰) میں آپ کے وصال کی تاریخ ۹ شعبان ۱۰۳۱ھ ہے۔ اور یہ کہ آپ کا بدایوں میں خرم شاہ کے تکیے میں مزار ہے۔

[۲] وطن مالوف میں بیعت ہونے کا ذکر حضرات القدس (۲) میں ہے۔ اور اسی میں آپ پر وحدۃ الوجود کے غلبہ کا ذکر (قدسیہ میں) ہے۔

مجدد قدس سرہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ

"ایسے احوال شروع شروع میں مبتدیوں کو بہت پیش آتے ہیں۔ ان کا اعتبار نہ کریں۔ بلکہ ان کی نفی کریں۔ وصل کجا اور نہایت کون سی ہے؟"[1]

اسی طرح کی اور مفید باتیں تحریر فرمائیں اور بلند ہمت اور اعلیٰ احوال کے لئے ترغیب دلائی۔ چنانچہ آپ پوری نیازمندی اور شوق کی پیاس اور ولولہ محبت کے ساتھ اور جو کچھ کہ پہلے حاصل ہوا تھا۔ اس سے خالی ہوکر حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کچھ وقت گزارا اور پھر صحیح نصیحتیں حاصل کرکے اجازت (تعلیم طریقت کی) پائی۔ اور جالندھر میں جو اس طرف کو ہے۔ اقامت پذیر ہوئے۔ تھوڑے تھوڑے عرصے میں آپ آستانہ عالیہ میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اور جدائی کے دنوں میں زبان قلم سے اپنے احوال عرض کرتے رہتے تھے اور جواب بھی پاتے تھے جیسا کہ مکتوبات شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک وقت جب آپ خدمت شریف میں حاضری کے بعد رخصت ہونے لگے تو دیکھا گیا کہ بے اختیار گریہ وزاری کر رہے تھے۔

حضرت مجدد قدس سرہ نے ایک مکتوب میں ایک مخلص کو لکھا ہے کہ

"شیخ یوسف ہمارے پاس آئے تھے اور جب تک یہاں رہے بہت سے فوائد حاصل کئے اور ان کی حقیقت سے مطلع ہوئے اور دوبارہ آنے کا وعدہ کرکے گھر کو واپس ہو گئے ہیں۔ مستعد شخص ہیں اور سچے اخلاص والے ہیں"[2]

شیخ نے ۱۰۳۰ھ کے قریب رحلت فرمائی اور جالندھر میں دفن ہوئے۔[3]

۱۸۔ سید محب اللہ مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ علوم دینی سے بہرہ ور ہیں۔ شروع میں قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل اللہ برہان پوری قدس سرہ

---

[1] دفتر اول - ۲۳۰ [2] اس عبارت کا حوالہ نہیں مل سکا

[3] حضرات القدس (دوم) آپ کے نام پر مکتوبات ہیں۔ دفتر اول ۵۷ - ۲۳۰ - ۲۴۰ - ۲۴۴ - دفتر دوم ۵۰۔

[4] خواجہ محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ ۔۔۔ ابن فضل اللہ سے ان کی تاریخ وفات ۱۰۲۹ھ درج کی ہے۔

کی خدمت میں رہے تھے۔ اور عرصے تک ان کی صحبت میں مستفیض ہو کر اجازت اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر آپ نے میرے مرشد میر محمد نعمان کی خدمت میں برہان پور ہی میں حاضر ہو کر طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا۔ چونکہ یہاں ہمیشہ حضرت مجدد قدس سرہ کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا اور مکتوبات شریف کی بات ہوتی رہتی تھی اس لئے حضرت کی خدمت اور دیدار کے شوق نے آپ کو وہاں کے آستانۂ عالیہ پر پہنچا دیا۔ آپ وہاں بہت عرصے تک رہے اور مستفیض ہوتے۔ چنانچہ حضرت مجدد قدس سرہ نے سیدی میر محمد نعمان سلمہ اللہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ:-

"سید محب اللہ، نسیان ماسوی اور بعض درجات فنا پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے ان کو ایک طرح اجازت دے کر مانک پور روانہ کر دیا ہے"

(مانک پور میں) کچھ عرصہ رہنے کے بعد وہاں کے لوگوں کی ایذا رسانی پر آپ نے حضرت مجدد قدس سرہ کو شکایت لکھی تو حضرت نے اس طرح آپ کو لکھا:-

"مخلوق کی ایذا برداشت کرنے اور قریبی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا تھا۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ[1] (پس صبر کیجیے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا ہے اور ان کیلئے جلدی نہ کیجیے) اس مقام کی سکونت میں نمکینی یہی ایذا اور جفا ہے اور آپ اس (نمکینی ولذت) سے بھلگتے ہیں۔ ہاں، شکر کا پرورش یافتہ، نمک کی تاب نہیں لاتا۔ لیکن کیا کیا جائے۔ ؎

ہر کہ عاشق گشت اگرچہ نازنین عالم است
نازکی کے راست آید بار می باید کشید"[2]

(اگرچہ عاشق، نازنینِ روزگار
نازکی چھوڑے اٹھائے سخت بار)

لیکن چونکہ آپ نے (مانک پور سے الٰہ آباد) منتقل ہونے کے لئے بہت منت و سماجت کے ساتھ اجازت چاہی تو حضرت مجدد قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا۔

---

[1] سورۃ الاحقاف آیت ۳۴۔

[2] دفتر سوم ،۔

"آج رات (واقعے میں) نظر آیا گویا آپ کا اسباب، مانک پور سے الٰہ آباد لے گئے ہیں۔ لہٰذا اب آپ وہیں قیام اختیار کر لیں اور اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہ سے آباد رکھیں اور کسی دوسرے سے کام نہ رکھیں اور (نفی اثبات کے ذکر کو لازم پکڑیں) اور اس کلمے کی تکرار سے تمام مرادوں کو اپنے سینے کے میدان سے باہر کر دیں، تاکہ سوائے ایک کے، کوئی اور مقصود و مطلوب نہ ہو۔ اگر ذکر کرنے سے دل تنگ جائے تو زبان سے کریں لیکن خاموشی کیساتھ کریں کیونکہ اس طریقے میں ذکرِ جہر ممنوع ہے باقی طریقوں کے اوضاع اور روش کو آپ تو معلوم کر ہی آئے تھے۔ جہاں تک ہو سکے تقلید کا راستہ نہ چھوڑیں بلکہ شیخ طریقت کی تقلید سے بہت فائدے اور ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ اور خلاف طریقت کرنے سے سراسر خطرے ہیں۔ اور کیا لکھا جائے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات"[1]

جس زمانے میں سید صاحب (محب اللہ) حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانۂ عالیہ میں رہتے تھے آپ کو حجرہ خاص سے ایک کاغذ ملا جس میں حضرت کے دست مبارک کی لکھی ہوئی ایک معرفت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس معرفت سے سوائے مخدوم زادہ بزرگ (یعنی خواجہ محمد صادق) قدس سرہ کے کوئی بھی واقف نہیں۔ سید صاحب نے التماس کی کہ وہ معرفت ان کے تمام ہو جائے (یعنی حاصل ہو جائے) حضرت مجدد قدس سرہ نے منظور فرما لیا۔ وہ یہ تھی۔

"جان لو (اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے) کہ بہت عرصے تک ظلال میں سیر رہی۔ ظل کے وصول کو عین حصول پایا۔ اب جب کہ اصل سے وصول میسر ہوا ہے، سوائے ظل کے کچھ حصول نہیں (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے کوئی خاتون کسی مرد کے ہاتھ میں واصل ہو کر رہے تو اسے اس شخص سے سوائے ظل کے اور کچھ نہیں ملتا۔ پس جان لو، ہمارا یہ کلام (وصول ذات کی طرف) اشارہ ہے۔ جان لیں کہ اس طریقے کے بیان کے

---

[1] دفتر سوم ۱۳۔

لئے جو عبارت مناسب تھی کہ رمز واشارہ کی بات اس مقام کے لحاظ سے جس طرح مناسب سمجھی گئی اس مکتوب میں درج کردی گئی ۔۔۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ[1]

۱۹۔ حاجی خضر خان افغان رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے منظور و مقبول مریدوں میں سے تھے اور آپ کو تعلیم طریقت میں خلیفہ مجاز بھی بنایا گیا تھا۔ بہت سی مخلوق نے آپ سے فیض حاصل کیا تھا۔ آپ میں ذوق وجد، ولولہ سرور، آہ و نعرہ بہت تھا۔ اور آپ اکثر رات رات بھر گریہ وزاری میں رہتے تھے، غریبی، انکساری صفا، حضور سے بہت تعلق رکھتے تھے اور آپ کا وقت تلاوت، اذکار، نوافل اور اشغال میں صرف ہوتا تھا۔ آپ سرہند کے توابع میں ایک قریہ میں رہتے تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آستانہ عالیہ میں حاضری دے کر پھر واپس ہو جاتے تھے حضرت مجدد قدس سرہ کے ایک خاص مرید نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد نے فرمایا کہ

مدمیں نے ایک دن شیطان کو دیکھا، اس سے کئی باتیں دریافت کیں، اس نے حکم الٰہی سے سچ سچ بیان کر دیں۔ درمیان میں یہ بھی دریافت کیا کہ میرے احباب میں سے وہ کون ہے جس پر تیرا قابو بہت کم ہے؟ اس نے کہا کہ حاجی خضر۔ ہمارے حضرت مجدد قدس سرہ کے ایک سال بعد آپ کا انتقال ہوا، رحمۃ اللہ علیہ[2]

---

[1] اسی طرح کا مضمون مخدوم زادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہ کے نام مکتوب ۲۳۴ (دفتر اول) میں ہے۔ اعجاز الحق قدوسی صاحب نے اپنی کتاب "شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات" (ص ۵۴۲) میں لکھا ہے کہ محب اللہ، الہ آباد میں ۹ رجب ۱۰۵۸ھ کو فوت ہوتے اور یہ کہ وہ مسئلہ وحدۃ الوجود سمجھنے کے لئے شیخ ابوسعید (ابن شیخ نور ابن شیخ علی ابن شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح) کے پاس گنگوہ گئے اور ان سے بیعت ہوئے۔ شاہجہان اور داراشکوہ کو ان سے عقیدت تھی لیکن اورنگ زیب ان کو پسند نہیں کرتے تھے اور انھوں نے ان کا رسالہ تسویہ جلا دینے کا حکم دیا تھا (ملخصًا)

[2] حضرات القدس (۲) میں حاجی خضر خان کے حالات زیادہ ملتے ہیں۔ مکتوبات شریف میں صرف ایک مکتوب (دفتر اول۔ ۲۷۰) آپ کے نام ہے۔

۲۰- شیخ احمد دیبنی رح (دیوبندی)

دیبن (دیوبند) سہارن پور کے قریب ایک گاؤں ہے اور دوآبہ میں واقع ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ سے سلوک میں توجہ حاصل کرنے سے پہلے آپ ایک شاگرد کی حیثیت سے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں ۶ ماہ تک رہے۔ اور خدمت کرتے رہے۔ اس کے بعد کسی تقریب سے آپ برہان پور گئے اور وہاں شیخ معظم محمد بن فضل اللہ قدس سرہ (م ۱۰۲۹ھ) سے تعلیم ذکر حاصل کی اور بہت عرصے تک ان کی خدمت میں رہ کر خلافت ارشاد حاصل کی۔ اس کے بعد جب آپ آگرہ پہنچے تو وہاں حضرت مجدد قدس سرہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ وہاں خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی اور ذکر اس طریقہ علیہ کا سیکھا اور خدمت عالیہ ہی میں رہے یہاں تک کہ جب حضرت مجدد قدس سرہ نے حضرت سیدی وسندی میر محمد نعمان رح کو خلافت دے کر (۱۰۱۸ھ) برہان پور روانہ فرمایا تو شیخ کی تربیت میر صاحب کے سپرد کر کے ساتھ کر دیا (چنانچہ میر صاحب کی صحبت میں شیخ نے حضور اور حضرت خواجگان (قدس اسرارہم) کی نسبت حاصل کی اور لذت پائی اور اسی ذکر طریقت اور صحبت کو آپ نے لازم پکڑا۔ اس کے بعد شیخ معظم (محمد (محمد بن فضل اللہ رح) نے آپ سے دریافت کیا کہ جو ذکر میں نے آپ کو بتایا تھا اس پر عمل ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں کچھ عرصے تک وہ ذکر کرتا رہا۔ لیکن اب میں نے میر محمد نعمان سے طریقہ خواجگان (قدس اسرارہم) کا ذکر سیکھ لیا ہے اور ایک دوسری لذت پاکر اسی میں مشغول ہوں۔ اگرچہ یہ جواب سن کر شیخ معظم (محمد بن فضل اللہ رح) پر غیرت کے آثار ظاہر ہوئے لیکن چونکہ وہ شیخ فانی تھے اور منصف وحقانی تھے، اس لئے فرمایا کہ مقصد تو حضوری اور فائدہ ہے۔ جہاں سے یہ ملے اسے لازم پکڑو۔ یہی مبارک ہے۔ اس کے بعد آپ پھر حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانہ عالیہ میں پہنچے اور الطاف وعنایات حاصل کیں اور وہاں سے خلافت واجازت بھی حاصل کی۔ پھر آپ نے دو طالبوں کو ذکر طریقت بتایا اور وہ دونوں متاثر ہوئے اور ان سے کیفیات ظاہر ہوئیں۔

آپ نے ایک عریضے میں حضرت مجدد قدس سرہ سے دریافت کیا کہ گو کہ میں خود اپنے اندر کوئی کیفیت محسوس نہیں کرتا۔ لیکن ان دو طالبوں کے اندر کہ جن کو ذکر کی تعلیم دی ہے کیوں

کیفیات ظاہر ہوئیں اور (اسی عریضے میں) اپنی غفلت کا راز بھی معلوم کرنا چاہا کہ دوام آگاہی کے باوجود ایسا کیوں ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے ان دونوں باتوں کی وضاحت میں مکتوب تحریر فرمایا جو دفتر سوم کا سولہواں مکتوب[1] ہے۔ اس مکتوب میں ان دو طالبوں کے احوال کو مولانا ہی کے احوال کا عکس فرمایا کہ جو ان کے آئینۂ استعداد میں ظاہر ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ دونوں صاحب علم تھے اس لئے انہوں نے ان احوال کا ادراک کر لیا اور دلالت علم نے مولانا کے لئے حصول احوال کو مستور رکھا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ مقصد، حصول احوال سے ہے اور احوال کا علم ایک دوسری دولت ہے۔ کچھ کو یہ علم دیا جاتا ہے اور کچھ کو نہیں دیا جاتا۔ لیکن دونوں قسم کے حضرات، صاحب ولایت ہیں۔ دوسری بات کے متعلق تحریر فرمایا کہ حق تعالیٰ کی جناب میں آگاہی دوام جو حضور باطن سے عبارت ہے علم حضوری کے مشابہ ہے کہ جس کو دوام لازم ہے کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کوئی شخص اپنے نفس سے غافل ہوا ہے یا اپنی نسبت اس کو غفلت پیدا ہوئی ہے؟ غفلت اور ذہول، علم حصولی میں ہوتا ہے کہ درمیان میں مغائرت ہوتی ہے اور علم حضوری میں حضور در حضور ہی ہوتا ہے۔ الخ

شیخ احمد ایک عرصے تک آگرہ میں فقر و نامرادی کے گوشے میں رہ کر طالبوں کو مستفیض فرماتے رہے۔ اس سلسلے کے اکابر کا جذبہ اور بیخودی انہی دو مریدوں سے ہویدا رہا۔ ان میں سے ایک بہت دولت مند تھا کہ جس کو آپ سے بہت اخلاص تھا اور جس نے آپ سے ذکر حاصل کیا تھا۔ وہ آپ کو بنگال لے گیا۔ شیخ کو وہاں قبول عظیم حاصل ہوا اور بہت سے لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔

۲۱۔ شیخ کریم الدین[2] باباحسن ابدالیؒ

باباحسن ابدالی ایک موضع ہے کابل اور لاہور کے درمیان اور وہیں سے کشمیر کے لئے راستہ

---

[1] مکتوبات شریف میں بس یہی ایک مکتوب آپ کے نام ہے۔ حضرات القدس (۲) میں ہے کہ شیخ احمد نے ستر سال کی عمر پائی اور آگرہ میں دفن ہوئے۔

[2] حضرات القدس (۲) میں آپ کے نام کے ساتھ معروف عبدالکریم،، بھی ہے۔

پیدا ہوتا ہے۔ شیخ کریم الدین وہیں کے ہیں اور حضرت مجدد قدس سرہ کے قدیم مریدوں میں سے ہیں اور بلند احوال اور قوی جذبات والے ہیں۔ شروع شروع میں طلب حق کے لئے سیاحی کی اور جب سرہند پہنچے تو باطنی رہبری نے آپ کو حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور محض حاضر خدمت ہوتے ہی آپ کا حال دگر گوں ہو گیا اور عنایات شامل حال ہو گئیں۔ اور جب ذکر و مراقبہ کی تعلیم سے سرفراز ہوئے تو حضرت کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے تھوڑی ہی مدت میں ترقیاں ظاہر ہونے لگیں۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے طریقہ کی تعلیم کی اجازت بھی دے دی۔ پھر آپ کے علاقے کے بہت سے لوگ آپ کے ذریعے توبہ و انابت اور اس سلسلے کے ذکر سے مستفیض ہوتے۔ اور بہت فیوض و برکات حاصل کیے۔ جن ایام میں حضرت مجدد قدس سرہ نے عزلت اور تنہائی اختیار فرمائی تھی اور بہت کم لوگوں کو خلوت گاہ میں حاضری کا یارا تھا، تو چونکہ حضرت کی نظر عنایت آپ پر خاص تھا آپ کے لئے فرما دیا تھا کہ آپ اپنے احباب کے ساتھ آ جا سکتے ہیں اور کوئی منع نہ کرے۔

اور جن دنوں حضرت مجدد قدس سرہ لاہور میں تشریف رکھتے تھے تو شیخ مذکور اپنے مریدوں کی جماعت کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوئے۔ چند روز قیام کیا، پھر وطن کو واپس ہوتے۔

شیخ اسحٰق جو دیار سندھ کے ایک فاضل مقتدا تھے شیخ مذکور ہی سے اس سلسلے کا ذکر سیکھ کر متواتر اکیس راتوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل کرتے رہے اور طرح طرح کے لطف و کرم سے نوازے گئے۔ انھوں نے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں نہایت شوق و اخلاص والتماس کے ساتھ ایک عریضہ بھیجا اور علیحدہ کاغذ پر اپنا واقعہ بھی لکھا۔ واقعہ یہ تھا۔

"بندہ بے مقدار اور حضرت رزاق کی رحمت کا امیدوار فقیر اسحٰق ولد موسیٰ عرض کرتا ہے کہ جب مولوی شیخ کریم الدین کی نظر عنایت سے حال بدل گیا تو اسی حال میں باطنی تصور میں حضرت ہادی زمان، قطب دوراں، مخدوم و مخدومنا شیخ احمد سرہندی سلمہ اللہ تعالیٰ تشریف لے آتے۔ سفید محاسن، بلند بینی، سنہرا رنگ گ ' اقبے میں بیٹھے ہوتے تھے۔ جب بندہ حاضر ہوا تو عین مراقبے کی حالت میں قلم لے کر یہ چند الفاظ لکھے اور بندہ کے ہاتھ میں دے دیئے اور بہت توجہ

فرمائی۔ وہ تحریر یہ ہے :-

"احمد سرہندی کی طرف سے اسحٰق سندی کے نام۔ کہ اے اسحٰق، تو میرا (روحانی) بیٹا اور خلیفہ ہے تمام حقیقی اور دقیقی رموزات میں ـــ تو اور جس نے مجھ سے تعلق کیا مغفور ہوا۔ میرے حبیب مولانا کریم الدین کو میرا اسلام کہنا"

یہ تحریر اور مکتوب (شیخ اسحٰق نے) درویش رحم علی کے ذریعے (جو توحید وجودی کے مسکر میں تھا) بھیجا تھا اور اس کے ساتھ یہ سفارش بھی کی تھی کہ اس درویش کو اس مقام سے باہر لے آئیں حضرت مجدد قدس سرہ نے پھر اس درویش کو اس مقام سے نکال کر اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا اور شیخ اسحٰق کو یہ مکتوب تحریر فرمایا۔

"الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آپ کا مکتوب شریف جو رحم علی درویش کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ یہاں پہنچا۔ آپ کے ذوق وشوق کا حال پڑھ کر بہت خوشی حاصل ہوئی۔ علیحدہ کاغذ میں وہ واقعہ جو درویش آیا تھا درج تھا۔ وہ پڑھ کر خوشی پر خوشی ہوئی۔ اس قسم کے واقعات، مبشرات ہیں۔ کوشش کرنا چاہیئے کہ وہ قوت سے عمل میں آئیں اور گوش سے آغوش میں پہنچ جائیں۔ ابھی تقصیروں کا تدارک ممکن ہے۔ فرصت کو غنیمت جانیں اور تسویف وتاخیر نہ کریں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم چند درویش ایک جگہ جمع ہوتے اور اس ساعت کے متعلق جو جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کے لئے مقرر ہے۔ گفتگو شروع ہوئی کہ اگر میسر آجائے تو اس وقت حق تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیئے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا، جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ ارباب جمعیت کی صحبت طلب کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں تمام سعادتیں حاصل ہو جاتی ہیں"

بعض مکتوبات کہ جن کی نقل احباب نے کر لی ہے۔ درویش رحم علی کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان سے نفع پہنچاتے۔ شیخ کریم الدین کچھ مدت سے آئے ہوئے ہیں۔ شاید اپنے حالات آپ کو لکھیں۔ درویش رحم علی بھی اصلاح پذیر ہیں دوستوں سے دعا کی توقع کرتا ہوں۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات "۔ ؎

۲۲۔ مولانا عبدالواحد لاہوری رح

آپ اس جماعت میں سے ہیں جس کو حضرت "خواجہ فانی ز خود، باقی بحق" نے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ آپ مراقبہ اور عبادت میں بہت زیادہ معروف رہتے تھے۔ ایک دن آپ نے ذوق کے عالم میں (کہ عبادت سے پیدا ہوا تھا) راقم الحروف سے دریافت کیا کہ "بہشت میں کیا نماز ہوگی ؟" میں نے کہا کہ نہیں، کیونکہ وہ تو دار مکافات ہے، دار عمل نہیں آپ نے آہ کھینچی اور رونے لگے اور کہا کہ اس بے نیاز کی عبادت اور نماز کے بغیر کیونکر زندہ رہا جائے گا ؟ ایک مرتبہ حضرت مجدد قدس سرہ کو آپ عریضہ لکھ رہے تھے، میں نے دیکھا، اس میں لکھا تھا کہ نماز میں سجدہ کے وقت کبھی کبھی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ سجدہ سے سر اٹھانا ہرگز پسند نہیں آتا۔

آپ نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے شہر بخارا گیا ہوا تھا مسجد مغاک (غاروالی مسجد) میں جو اس مبارک شہر کے متبرک مقامات میں سے ہے نماز کے لئے چلا گیا اور نماز عشاء کے بعد نوافل میں مشغول ہوگیا۔ بہت رات ہوگئی تو مسجد کے خادم نے کہا کہ میں مسجد کا دروازہ بند کرتا ہوں۔ آپ اپنے گھر جاکر نوافل ادا کیجئے۔ اور یہ بات اس نے درشتی سے کہی۔ اسی رات اس خادم نے خواجہ بزرگ (حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری) رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے اس سے فرمایا کہ وہ درویش ہندوستانی سوداگر ہمارے دوستوں میں سے ہے اس سے معافی مانگو۔ چنانچہ اس خادم نے بہت معافی مانگی اور بہت معذرت کی۔

؎ دفتر سوم ـ ۷۰۔ شیخ اسحٰق کے والد قاضی موتی کے نام اسی دفتر میں مکتوب ۶۹ ہے۔ شیخ کریم الدین رح کے مزید حالات حضرات القدس میں ملتے ہیں۔ اسی میں ان کی تاریخ وفات ۳ محرم ۱۰۵۰ھ درج ہے۔

آپ ہی سے میں نے سنا ہے کہ بتاتے تھے۔ اس زمانے میں جبکہ حضرت مجدد قدس سرہ لاہور تشریف لائے ہوتے تھے وہاں ایک دن ایک بوڑھا سبزی فروش حضرتؒ کی زیارت کے لئے آیا۔ حضرت نے اس کا بڑا احترام کیا۔ ہم لوگوں کو حیرت ہوئی۔ (چنانچہ) خلوت میں جب حضرت سے اس بوڑھے کے لئے تواضع کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ابدال میں سے ہے [1]

۲۳۔ مولانا امان اللہ لاہوریؒ

آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے اجازت یافتہ مریدوں میں سے ہیں۔ مکمل تجرید و تفرید والے ہیں ۱۰۳۱ھ میں پیدل، بے قید، ٹاٹ پہنے ہوئے، گدڑی کندھے پر رکھے ہوئے، کوہ و بیاباں ہوتے ہوئے حجاز مقدس کے سفر کے لئے چل کھڑے ہوئے حضرت مجدد قدس سرہ کے خادموں نے اور خود آپ کے دوستوں نے جو راستے میں تھے بہت چاہا کہ آپ کے زادِ راہ اور سواری کا جانور پیش کیا جائے لیکن آپ نے بالکل التفات نہ فرمایا اور آپ اسی بے سروسامانی کے عالم میں روانہ ہو گئے۔ اب سُنا ہے کہ حرمین شریفین کی حاضری کا شرف حاصل کر کے شام و مصر کے مزارات کی زیارت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضا والے طریقے پر استقامت عطا فرمائے اور مجھ آوارہ دل بیچارے کو بھی ایسے بے نیاز حضرات کی برکتوں میں سے کچھ حصہ نصیب فرماتے اور صد پیوند والا خرقہ اور صد پارہ دل بھی ایسے بے نیاز حضرات کی برکتوں میں سے کچھ حصہ عنایت فرماتے

گردم بہ ہر دیار و درِ جستجو زنم — طبلِ سراغِ یوسفِ خود کو بہ کو زنم [2]

پوشیدہ نہ رہے کہ اس جماعت مذکورہ کے علاوہ حضرت مجدد قدس سرہ کے اور بھی مخلصین تھے اور

---

[1] مکتوبات کے دفتر اول میں ۱۱۲ - ۳۰۷ - دفتر دوم میں ۷۰ آپ کے نام ہیں۔

[2] مکتوبات دفتر اول ۲۸۶ - ۳۰۱ - دفتر سوم ۲۰ آپ کے نام ہیں۔

[3] خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت رسالت کے ۲۳ سال کی رعایت سے ۲۳ خلفائے کرامؒ کا ذکر مستقل عنوانات کے تحت کیا ہے حضرات القدس (۲) میں ۱۹ خلفاء کا حال مستقل عنوانات کے ذیل میں ہے۔ اور وہ یہ ہیں :- (بقیہ اگلے صفحے پر)

ہیں اور ذوق و شوق والے ہیں اور فضل و آداب و نیستی اور انکساری والے ہیں۔ اور ان میں سے بعض نے تعلیم طریقت کی اجازت بھی حاصل کی ہے جیسے مولانا امان اللہ فقیہ لہ وہ تو عظیم خلفاء میں سے ہیں۔ اسی طرح شیخ محمد چتری (دفتر اول ۳۰-۳۸-۳۹-۴۰-۹۳) ہیں جو اس علاقے کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ انہوں نے مشیخت ترک کر کے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت اختیار کی اور بہت فیوض و برکات حاصل کر کے خلافت پائی۔ اسی طرح شیخ داؤد سالکی، شیخ سلیم منبرزہ شیخ آدم بنوری، شیخ محمد تہاری، شیخ حامد تہاری، صوفی قربان قدیم۔ مولانا صادق کابلی، مولانا محمد ہاشم خادم۔ مولانا غازی نو گجراتی، صوفی قربان جدید، سید باقر سارنگ پوری، مولانا فرخ حسین مولانا صفر احمد، مولانا بدرالدین سرہندی، مولانا حمید احمدی، حاجی حسین اور شیخ عبدالرحیم برکی چونکہ ان سب کے احوال کا لکھنا طوالت کا باعث ہوتا اس لئے صرف نام لکھنے پر اکتفا کیا گیا۔ بعض ایسے مقبول و منظور مخلصین بھی ہیں کہ وہ بظاہر اہل سپاہ ہیں لیکن حقیقت میں خانقاہ کے بڑے اصحاب میں سے ہیں اور مکتوبات شریف میں ان کے نام مکتوبات ہیں۔ مثلاً خواجہ محمد اشرف کابلی[۱]۔ مولانا حاجی محمد فرکتی[۲]۔ مولانا عبدالغفور سمرقندی[۳]۔ اور حافظ محمود گجراتی[۴]۔ حضرت مجدد قدس سرہ کے وہ مکتوبات جو ان حضرات کے جواب میں ہیں ان سے ان مخلصین کے وفور رابطہ اور ذوق و حال

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) میر محمد نعمان، نور محمد پٹنی، شیخ حمید بنگالی، محمد طاہر لاہوری، محمد صدیق کشمی، بدیع الدین، محمد طاہر بدخشی، یار محمد قدیم، عبدالہادی بدایونی، محمد صادق کابلی، خضر خان افغان، شیخ احمد دیبنی، شیخ احمد برکی شیخ یوسف برکی، شیخ کریم الدین، شیخ حسن برکی، عبدالحی، خواجہ محمد ہاشم کشمی اور شیخ آدم بنوری رحمہم اللہ۔ (ان کے بعد مؤلف حضرات القدس نے اپنے حالات بھی لکھے ہیں)

[۱] خواجہ محمد اشرف کابلی کے نام مکتوبات، دفتر اول ۱۳۱-۱۴۷-۱۶۴-۱۸۷-۲۰۵-۲۲۲-۲۳۵-۱۵۱، دفتر دوم ۳۰- دفتر سوم ۱۰۷۔

[۲] حاجی محمد فرکتی کے نام مکتوبات، دفتر اول ۳۰۹- دفتر دوم ۲۴-۳۰

[۳] عبدالغفور سمرقندی کے نام مکتوبات، دفتر اول ۱۴۲-۲۰۲-۲۳۵۔

[۴] غالباً آپ ہی حافظ محمود لاہوری بھی کہلاتے ہیں۔ مکتوبات دفتر اول ۱۴۴-۱۷۵-۲۲۰ آپ کے نام ہیں

کا پتہ چلتا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایک دن میرے پاس دو طالب آئے اور انہوں نے تنہائی میں اپنے حالات بیان کئے جو بہت صحیح تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں نے کس سے ذکر سیکھا ہے اور اس سلسلہ شریفہ کے کس سعادت مند کے بدطولیٰ سے یہ بیج اپنے دل کی کھیتی میں بویا ہے تو انہوں نے سلیم خان فوجی کا نام بتایا جو حضرت مجدد قدس سرہ کے خلفاء میں سے تھے اور تعلیم طریقہ کی اجازت پائے ہوئے تھے۔ اور کچھ حضرات ہمارے حضرت مجدد قدس سرہ کے اصحاب میں سے ایسے بھی ہوئے ہیں جو فقر، تنہائی اور گوشہ گمنامی میں تھے کہ جن کو آستانہ عالیہ کے خدام بھی نہیں جانتے اس فقیر نے حضرت مجدد قدس سرہ کے بعض درویشوں سے سنا تھا کہ ایک مرتبہ بخارا کے ایک درویش نے حضرت کو ایک واقعہ عظیم میں دیکھا تو خدمت میں حاضر ہوا اور بہرہ مند ہو کر اپنے وطن کو واپس ہوا ایک دن اس فقیر نے سفر کے دوران اس واقعے کی تصدیق کے لئے گستاخی کر کے حضرت سے عرض کیا کہ میں نے ایسا ایسا سنا ہے۔ آیا ناقل نے بغیر فرق کئے ہوئے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں اسی طرح ہے۔ لیکن وہ درویش بلخ کے نواحی کا تھا۔ بخارا کا نہیں تھا۔ اور آپ مسکرائے۔ پھر فرمایا کہ وہ واقعہ یہ ہے کہ اس درویش نے جو بلخ کے نواحی کا تھا۔ خواب میں ایک بڑے تابوت کو دیکھا کہ اس کے قریب ماوراء النہر کے گزرے ہوئے اکابر مثلاً خواجہ عبدالخالق، حضرت بہاؤالدین نقشبند اور خواجہ احرار وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ موجود ہیں گویا کسی کے انتظار میں ہیں۔ راوی نے بتایا کہ میں نے اس مجمع میں ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ یہ میت کس کی ہے اور یہ حضرات کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ اس بزرگ نے جواب دیا کہ یہ میت ایک قطب کی ہے اور یہ حضرات اس زمانے کے قطب الاقطاب کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ آجائیں اور نماز جنازہ پڑھائیں۔ ناگاہ ایک بزرگ گندمی رنگ، بلند قامت، دو زلفوں والے اور ایسے ایسے، تشریف لائے۔ سب نے ان کی تعظیم کی۔ وہ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ جب جنازہ اٹھا کر لوگ چل دیئے تو میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس بزرگ کا نام کیا ہے۔ اور وہ کس شہر میں رہتے ہیں؟ انہوں نے حضرت مجدد قدس سرہ کا نام لیا اور کہا کہ وہ سرہند میں رہتے ہیں۔ صبح کو وہ ہوشیار درویش ہندوستان کی طرف دیوانہ وار چل پڑا اور خدمت میں پہنچا تو جو حلیہ اس نے واقعے میں خواب میں دیکھا تھا، وہی بیداری میں دیکھا اور آپ کے آستانے سے روئے نیاز کو ملا اور کچھ مدت

خدمت میں رہ کر مستفیض ہوا، لیکن اہل وعیال کی وجہ سے جلد وطن کو چلا گیا۔

ع   ہر کجا ہست، خدایا بسلامت دارد[1]

راقم الحروف یہ قصہ بھی بیان کرتا ہے کہ ایک اور درویش سے ملاقات ہوئی جو حضرت مجدد قدس سرہ کے مریدوں میں سے تھا۔ اس پر انکسار اور حیرت غالب تھی ایک دن اسے دیکھا کہ ایک خشک پتے پر نظر جمائے ہوئے بیٹھا تھا میں نے پوچھا کہ آپ کی اس قدر توجہ اس پتے پر کیا معنی رکھتی ہے؟ جب میں نے بہت منت کی تو اس نے کہا کہ میں اس پتے کو دیکھ رہا تھا کہ ناگاہ مجھ پر ایک ایسا عالم گزرا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ فقیر متعجب ہوا، پھر اس سے حضرت مجدد قدس سرہ سے ارادت کا قضیہ پوچھا، تو اس نے بتایا کہ قریب کے ایک گاؤں میں ایک رات تہجد کی نماز کے بعد حضرت زبدۃ المتاخرین خلیفہ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی روح کی طرف متوجہ ہوا (وہ حضرت مخدومی محمد زاہد بلخی کے خلفا میں سے تھے اور سلسلہ کبرویہ کے طالبوں کے مدت تک راہنما ہو چکے تھے اور ان ہی کی خدمت میں میرے بچپن میں میرے والد صاحب مجھے لے گئے تھے) میں نے ان سے التماس کی کہ آپ تو اس دنیا سے جا چکے ہیں، مجھے ایسے بزرگ کی طرف راہنمائی فرمائیے جو بہت ہی بلند مقام والا ہو میں خواب میں تھا کہ میں نے حضرت خلیفہ کو دیکھا کہ تشریف لائے ہیں اور حضرت مجدد قدس سرہ کا نام لے کر فرما رہے ہیں کہ میں تجھے اس عزیز (بزرگ) کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ چنانچہ میں دیوانہ وار حضرت کی خدمت میں پہنچا اور دیکھا جو کچھ کہ دیکھا[2]

یہ فقیر راقم الحروف بھی عرض کرتا ہے کہ میں جامع مسجد برہان پور کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا اور مسجد میں آنے والوں کی راہ دیکھ رہا تھا، ناگاہ ایک درویش نظر آیا جس کے بال پریشان تھے، کرتا پھٹا ہوا اور شوریدہ سر تھا، لیکن صفا، الفت، انزوا، انکسار اور فنائیت کے آثار پائے جاتے تھے اس کی ملاقات اور معانقے کے جذبے نے ناچار مجھے مسجد سے باہر استقبال کرنے کے لئے آمادہ کیا معانقہ اور خیریت کی پرسش کے بعد اس نے کہا کہ میں بنگالہ کے علاقے سے غیر آباد راستے اور بنجر جزیروں

---

[1] یہ واقعہ حضرات القدس (۲) کے حضرت سوم کے درجہ ۲۸ میں ہے۔

[2] ایضاً۔ درجہ ۲۹ دیکھیں۔

کی طرف سے یہاں آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟ اگرچہ وہ اپنا حال بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن مجبوراً بتایا کہ میں سفرِ حجاز کے لئے متوجہ ہوں۔ میں نے اس سے سلسلہ طریقت اور مرشد کے متعلق پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ ایک بزرگ سلسلہ نقشبندیہ والے سرہند سے آگرہ تشریف لائے ہوئے تھے ان سے بیعت ہوں۔ جب میں نے ان کا اسم گرامی دریافت کیا تو اس نے حضرت مجدد قدس سرہ کا نام لیا۔ پھر تو میں نے اسے گلے لگا لیا اور اشک حسرت آنکھوں سے برسانے لگا۔ اور اسے ایک گوشے میں لے کر تفصیل پوچھی۔

ع

کز تو بوئے گلشنِ جاں می رسد

اس نے بتایا کہ ایک تقریب میں اپنے وطن سے دارالسلطنت آگرہ آیا ہوا تھا۔ اسی دوران ایک شخص نے حضرت مجدد قدس سرہ کی تشریف آوری کی خبر دی۔ چنانچہ ایک رات آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ذکر قلبی اور نظر عنایت کے لئے التماس کی جو منظور ہو گئی۔ آپ نے تلقین فرمائی اور نظر کرم فرمائی تو نسبت اور کیفیت اس قدر حاصل ہوئی کہ میں اسی رات دیوانہ وار باہر آ کر جزیروں اور ریگستانوں میں چل پڑا، نیند بھوک، آرام اور سکون سب مجھ سے رخصت ہو گیا، میں کیا کہوں کہ کیا دیکھا اور مجھ پر کیا گزری اور اب کیا دیکھتا ہوں۔ ؎

چناں در دہر بر من بگذرد روز   کہ در صحرا براہو بگذرد یوز

کچھ سال تک اسی طرح ایک وادی میں شکستگی اور نامرادی کے عالم میں پھرتا رہا۔ اب بھی کوہ و بیاباں کی راہ میں اپنے مقصد دوجہاں کے لئے جا رہا ہوں اور اب اپنے پیر دستگیر اور ہر غریب و فقیر کے راہنما کے متعلق مجھے کوئی خبر نہیں کہ کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے کی زیارت کر کے اگر زندگی رہی تو پھر حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانے پر حاضری دوں گا۔ راقم الحروف نے اس خیال سے کہ اس بزرگ کے لئے راستے کی کچھ ضروریات کو اپنے دوستوں سے التماس کروں اور قافلہ حجاز کے اکابر سے اس کے لئے سفارش کروں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے کچھ ملنے والے لوگ اس مبارک سفر کا قصد کئے ہوئے ہیں ان کی جماعت سے آپ کو ملا دوں لیکن میری بات سے اسے اندازہ ہو گیا کہ اس طرح میں ان کے اخفائے حال، توکل اور تبتل میں خلل اندازی کروں گا تو وہ ایک حیلہ کر کے میرے پاس سے چلا گیا [illegible] سے دیکھا اور نہ اس کے احوال معلوم کر سکا۔

ع — ہر کجا است. خدایا بہ سلامت دارش

اسی طرح راقم الحروف نے ایک تاجر کو دیکھا جو سید تھے اور آیۂ کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ[1] (یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت، اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) حال پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ بہت سے درویشوں کی صحبت میں حاضر ہوتے ہیں اور ہر ایک سے ذکر و مراقبہ کا طریقہ سیکھا ہے اور حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانے پر بھی حاضر ہوتے ہیں اور وہاں سے بھی نظر عنایت حاصل کی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ عشاء کا وقت تھا جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ادائے فرض میں مصروف تھے، مجمل طور پر حال اور مقصد دریافت فرمایا اور یہ کہ تم کو ذکر کا طریقہ تعلیم کر دیا جائے گا۔ میں نے رنجیدہ ہو کر گستاخی کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے اذکار و مراقبات کی بہت تعلیم حاصل کی ہے، اب تو میں ان چیزوں کے نتیجہ اور معنی کا اس در دولت سے امیدوار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ کہ ہم لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں۔ میں جو بیٹھا تو میں نے خود کو دوسرے رنگ میں پایا اور خود کو کھو بیٹھا۔ اور اس قدر وارفتگی طاری ہوئی کہ نماز فجر کی اذان کے وقت مجھے ہوش آیا۔ پھر دن میں خدمت میں حاضر ہو کر قدموں پر گر پڑا۔ اور یہ التماس کی کہ تجارت چھوڑ کر آپ کے آستانے کے غلاموں کی خدمت میں لگ جاؤں۔ فرمایا کہ فی الحال یہ حالت جو تمہیں عطا کی گئی ہے اس میں مشغول رہو اور اپنی تجارت جو لقمۂ حلال کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اہل و عیال کے نفقہ کا ذریعہ ہے اسے مت چھوڑو۔ پھر انتظار کرو کہ اس کے بعد تمہارے حق میں کیا منظور ہے۔ پھر آپ نے رخصت فرما دیا، کیا عرض کروں کہ اس نظر عنایت نے کیا کر دیا۔ ے

یک لحظہ عنایت تو اے بندہ نواز — بہتر ز ہزار سالہ تسبیح و نماز

حضرت مجدد قدس سرہ کے مقبولین میں سے ایک اور صاحب دل سید[2] نے مجھ خادم درویشاں

---

[1] سورۃ النور، ۳۷

[2] حضرات القدس (۲)، کے درجہ ۱۳ میں اس سید صاحب کا نام سید احمد درج ہے۔

سے فرمایا کہ میں دکن کے ایک شہر میں تھا۔ ناگاہ ایک آنے والے کی زبان سے میں نے سنا کہ سلطان وقت (جہانگیر) نے حضرت مجدد قدس سرہ کو بہت غصے سے طلب کرکے شہید کر دیا ہے۔ میں اس خبر سے سخت رنجیدہ اور بے چین ہوگیا۔ (چنانچہ) اس شہر کے بازار میں آیا کہ شاید کوئی دوسرا آنے والا مل جائے اور فرحت اثر خبر سنائے۔ میں نے دیکھا کہ بازار کے کنارے کچھ تاجر کہ جن کی پیشانی سے نیکی ٹپکتی تھی۔ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ان لوگوں کے پاس گیا اور سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ قبل اس کے کہ میں بات شروع کروں ان میں سے ایک نے میرے چہرے پر سخت قلق اور غم کے آثار دیکھ کر اس کا سبب پوچھا۔ میں نے سبب بتایا۔ تو اس پوچھنے والے نے ایک سخت آہ کھینچی اور گریبان میں سر جھکا دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ متلون ہوگیا اور اس کے چہرے پر تغیر بہت ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا اور کہا خاطر جمع رکھو کہ حضرت مجدد قدس سرہ زندہ ہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ قید میں ہیں۔ اور زنجیر آپ کے پائے مبارک میں پڑی ہوئی ہے جس طرح کہ ایک سانپ خزانے کے گرد حلقہ بناتا ہے۔ ؎

یک شبے دیوانہ با زنجیر گفت — من چہ کردم تا سزاوارِ توام
گفت زنجیرش تو در کنج خراب — گنج پنہانی و من مارِ توام

مجھے اس بزرگ کے مراقبہ اور خبر پہنچانے سے حیرت ہوئی۔ میں نے کہا کیا آپ نے حضرت مجدد قدس سرہ کو دیکھا ہے اور ان کو جانتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی ان کے کمترین مریدوں میں سے ہوں۔ پھر تو میں اٹھ کھڑا ہوا اور ان سے بڑے اشتیاق کے ساتھ معانقہ کیا اور کہا کہ اس شہر میں میرا گھر ہے۔ التماس ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے غریب خانے میں قدم رنجہ فرمائیں تاکہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر کچھ دیر غم غلط کروں۔ انہوں نے منظور کر لیا اور جب وہ گھر آئے تو میں نے تنہائی میں ان سے پوچھا کہ آپ کتنے عرصے تک حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں رہے ہیں اور ان سے کون سی نعمت حاصل کی اور آپ کی ارادت کا سبب کیا تھا؟ جب میں نے بہت منت کی تو انہوں نے مجھے اپنا حقیقی مخلص جان کر اپنے احوال کا اجمال اور اپنی ارادت کا سبب بتایا اور کہا کہ میں پنجاب کے توابع میں ایک قریے میں رہتا تھا اور چونکہ مجھے حضرت غوث الثقلین شیخ الانس والجن (عبد القادر جیلانی) رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ محبت اور اخلاص تھا، اس لئے پانچوں نمازوں کے بعد ان کی روح پاک کے لئے دعا اور فاتحہ ختم پڑھا کرتا تھا اور تنہائیوں میں نیاز مندی

کے ساتھ ان کی خدمت میں مناجات اور عرض حاجات کیا کرتا تھا اور تہجد، تلاوت، اذکار اور دیگر نوافل ادا کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کو خواب اور بیداری کی درمیانی حالت میں دیکھا۔ ان کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ظاہر میں بھی پیر طریقت کی ضرورت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس وقت کے مشائخ میں سے جس کے لئے فرمائیں اس کی خدمت میں چلا جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ سرہند میں ایک بزرگ ہیں جو علوم ظاہر اور احوال باطن دونوں کے جامع ہیں اور پھر ان کا نام بتایا۔ میں صبح کو بڑے درد و سوز کے ساتھ حضرت مجدد قدس سرہ کے آستانے کی طرف روانہ ہوا۔ اور اس واقعے کو سنا کر عنایات کے لئے ملتمس ہوا۔ آپ نے تعلیم ذکر فرمائی اور جذبہ واحوال سے نوازا[1] پھر میں نے دیکھا جو کچھ کہ دیکھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ایک دن حضرت مجدد قدس سرہ نماز عصر کے بعد یکایک دولت خانے سے باہر تشریف لے آئے۔ دروازے کے باہر سوائے میرے کوئی اور درویش موجود نہ تھا۔ مجھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے فلاں، تم فلاں باغ کے قریب جاکر دیکھو کہ فلاں درخت کے نیچے آزاد طبیعت فقیروں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ ان میں سے کوئی بھنگ گھوٹ رہا ہے کوئی افیوں گھس رہا ہے۔ ان کے درمیان ایک گدڑی پوش فقیر (ایسا ایسا) اس درخت سے ٹیک کر بیٹھا ہے۔ وہ بظاہر ان لوگوں کے ساتھ ہے لیکن حقیقت میں ان سب سے الگ ہے۔ اسے ہماری دعا پہنچاؤ اور اس سے کہو کہ غریب خانہ قریب ہے، تھوڑی دیر کے لئے تشریف لا سکیں گے؟ میں چلا گیا اور جس طرح کہ حضرت نے فرمایا تھا درخت کے نیچے ایک جماعت کو بیٹھا ہوا پایا اور جب اس بزرگ نے جو ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھا تو مسکرانے لگے اور قبل اس کے کہ میں حضرت کی دعا پہنچاؤں انہوں نے حضرت کا نام لے کر فرمایا کہ تم ان کے خادم ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں فرمانے لگے کہ حضرت! خود تشریف نہیں لائے اور ہم کو طلب فرمایا ہے۔ اچھا ایسا ہی سہی۔ پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس شہر میں میرے ایک دوست ہیں، میں ان کو دیکھ کر آتا ہوں۔ پھر وہ راستے میں آکر

---

[1] حضرات القدس (۲) میں یہ واقعہ مختصر طور پر ملتا ہے۔ اس میں درجہ ۳۰۔ اور درجہ ۳۱ کے جو واقعات ملتے ہیں وہ یہاں ایک ساتھ ہیں اور تفصیل بھی ہے۔

بڑی عجلت کے ساتھ روانہ ہوئے اور میں بھی ان کے پیچھے پیچھے بہت عجلت اور سرعت میں خود کو پا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں جس وقت حضرت مجدد قدس سرہٗ کے دولت کدے کے دروازے پر پہنچا تو ہمارا وہاں پہنچنا اور حضرت مجدد قدس سرہ کا دولت کدے سے باہر تشریف لانا ایک ساتھ ہوا۔ حضرت نے اس درویش سے خوب معانقہ فرمایا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا جو ڈیوڑھی میں بچھا ہوا تھا دونوں بزرگ ساتھ بیٹھ گئے اور دو تین باتیں کر کے زیادہ تر خاموش رہے۔ اسی موقع پر اس مہمان بزرگ نے پانی طلب کیا تو میں دوڑ کر ایک برتن میں پانی بھر کر لایا۔ جب میں اس بزرگ کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تو حضرت مجدد قدس سرہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ پانی کے لئے میرے جانے کے بعد ان بزرگوں نے اپنے بیٹھنے کی جگہ تبدیل کر لی ہوگی۔ (لیکن) جب میں اس بزرگ کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف گیا کہ پانی ان کو پیش کروں تو دیکھا کہ وہاں بھی حضرت مجددؒ تھے اور وہ بزرگ اپنی پہلی جگہ پر تھے۔ یہ واقعہ دیکھ کر مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی اور میں دیوار سے لگ کر بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو مغرب کی نماز کا آخر وقت تھا۔ اور حضرت مجدد قدس سرہ اور وہ بزرگ اٹھ چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت مجددؒ نے مجھ سے فرمایا کہ

"جو کچھ تم نے دیکھا ہے بیگانے لوگوں سے مت کہنا"[1]

اب چونکہ میں آپ کو حضرت مجدد قدس سرہ کے آشناؤں اور عاشقوں میں سے پاتا ہوں اس لئے میں نے یہ واقعہ آپ کو سنا دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس واقعے کے سننے کے بعد میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر حضرت مجدد قدس سرہ کے قید کی خبر صحیح ہے تو بے شک یہ درویش صادق القول اہل دل لوگوں میں سے ہے (کہ اسی بزرگ نے صرف قید ہونے کا ذکر کیا تھا) اور بتایا تھا کہ شہید نہیں کئے گئے) چند دنوں کے بعد متواتر خبروں سے یہی بات صحیح معلوم ہوئی اور پھر اس بزرگ سے اور حضرت مجدد قدس سرہ سے عقیدت میں اضافہ ہوا۔

---

[1] اسی سے ملتا جلتا واقعہ میر محمد نعمانؒ کا ہے۔ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مجددؒ کو اسی طرح ایک جگہ دیکھا تھا دیکھیں حضرات القدس درجہ ۱۔

مخفی نہ رہے کہ ان حضرات سے جو حضرت مجدد قدس سرہ کے مقبول تھے اس قسم کے احوال و اقوال کا ظاہر ہونا کیونکر تعجب انگیز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بعض طالب جو آپ کے خاص احباب میں سے تھے اور آپ ہی کے حکم سے کسی طالب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں ان کی وارفتگی اور آزادگی کا کیا بیان کیا جائے اور ان کے متعلق کیا لکھا جائے۔ مولانا عبدالمومن لاہوری ایک فاضل تھے اور راقم الحروف نے ان سے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے اور مطول کا بھی کچھ حصہ پڑھا ہے وہ اکثر علوم خصوصاً فقہ اور اصول میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ ایک دن ایک مجلس میں کہ جہاں میرے یہ استاد اور میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے مشہور مشائخ میں سے ایک کا نام لے کر کہا کہ انہوں نے فلاں شخص کو خلافت دی ہے اور فلاں شہر میں بھیجا ہے لیکن اس کی صحبت سے کوئی اثر اور کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اور اس کی تعلیم ذکر سے بھی کوئی جمعیت حاصل نہیں ہوتی مولانا نے فرمایا کہ دستگیر (شیخ) کو مشاہدہ اور معرفت میں کامل ہونا چاہیئے تاکہ اس کے مرید مجاز سے فیوض و برکات ظاہر ہوں۔ اس کے بعد مولانا آبدیدہ ہو گئے اور مجھ عاجز سے فرمایا کہ میں ایک بات کہتا ہوں، اپنے فخر کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ اس سے حضرت پیر دستگیر (مجددؒ) قدس سرہ کے انفاس کی برکات کا اثر معلوم ہو سکے، وہ یہ ہے کہ میں جب چند روز خانقاہ میں رہ کر لاہور کے لئے رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ تم دو طالبوں کو تعلیم ذکر دینا۔ لیکن چونکہ میں اپنے نقص و کمزوری سے واقف تھا بہت متعجب ہوا۔ لیکن ادب کی وجہ سے عذر نہ کر سکا جب میں لاہور پہنچا تو ایک طالب علم میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میں نے سنا ہے حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ سے فرمایا ہے کہ دو شخصوں کو تعلیم طریقت دینا۔ تو ان دو میں سے ایک میں ہوں۔ میں نے کہا کہ حضرت نے بندہ نوازی فرمائی ہے ورنہ میں خود ایک طالب علم ہوں۔ اور ایسا ویسا ہوں۔ میں کہاں اس کام کے لائق ہوں۔ بہت کچھ میں نے نرمی اور انکساری کے ساتھ عذر کیا لیکن وہ سائل (طالب علم) نہ مانا بلکہ اس نے اور بھی منت سماجت کی آخر ایک دن میں نے سوچا کہ میں کب تک اس سے عذر کرتا رہوں گا۔ اس لئے اسے مسجد کے ایک گوشے میں لے گیا اور جس طرح حضرت مجدد قدس سرہ سے میں نے دیکھا اور سنا تھا اس کو بتا دیا اور خود بھی ذکر میں مشغول ہو گیا۔ مجھ پر عجیب نسبت اور حالت وارد ہو گئی اور اس طالب علم پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ مست و بے خود

ہو کر چلا گیا اور پھر اس کا نام ونشان بھی مجھے نہ مل سکا۔

غرض کہ ایک ایک فیض یافتہ (جو حضرتؒ اور حضرتؒ کے اصحاب کا) حال تفصیل سے لکھا جائے تو بہت طوالت ہو جائے گی۔ اس لئے سعادت مند اور سمجھ دار لوگوں کے لئے اس قدر بھی کافی ہے ۔

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است   بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی اور حضرتؒ کے صاحبزادوں اور اصحاب کی برکتوں کو قیامت تک جاری رکھے اور ان کی یہ نسبتِ شریفہ تمام طالبوں میں قیامت تک ساری فرمائے اور اس کمترین کو اس جہان میں ان کی محبت اور متابعت میں رکھ کر دوسرے جہان میں ان کے زمرے میں محشور فرمائے بحق اہل الرشاد۔

میں نے ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد قدس اللہ سرہما کی مدح میں تین تین رباعیاں نظم کی ہیں جن پر اس کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

رباعی

قطبی که ز رازش انفسی آفاقی ست   نیم نظرش هزار دل را ساقی ست
باقی مدحش به نه گویم این بس   کان جمله چو نام خویش با حق باقی ست

رباعی

باقی ز فنا و نیستی لعل مذاب   کلکم ز حدیث سوز او گشت کباب
فلینظر الی ابن ابی قحافه رض   بشنو سر فنای او را دریاب

رباعی

باقی که از او مرده بصد جان برسد   مفلس ز درش بگنج پنهان برسد
نقاش ازل بکاخ هند آوردش   کاین خانه بزیب نقشبندان برسد

رباعی

احمد که بود عیسیِ دلهای سقیم   از ساقیِ باقی ست این راه قدیم
زان ساقیِ او سال چهل رفت که بود   برزخ بمیان احد و احمد میم

رباعی

آن قطب که هم عاشق و هم معشوق ست   بر جوهر اسرار نبی ؐ صندوق ست
آن سایه که از احمد مرسل بنهفت   ظاهر شده اینکه احمدِ فاروق ست

رباعی

رو شد دل افسرده رندان تازه   چون لاله بر چمن غنچه خندان تازه
از خامه بی رنگی احمد شده است   نقش دیرین نقشبندان تازه

رباعی

در تاریخ ختم کتاب

این خامه بنازم که اشارات نوشت   از آغاز و توسط و نهایات نوشت
بنوشت کتاب را و تاریخ کتاب   بر دل جو زبدة المقامات نوشت

۱۰۳۷ ھ

بزمِ جاناں

ایک کتاب جس میں آسمانِ معرفت کے مہرِ درخشاں، فنِ ولایت کے نیرِ تاباں قطب الواصلین زبدۃ العارفین سیدالسالکین حضرت خواجہ شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ کی رنگین داستان ہے وہ شاہ رکن الدین جنہوں نے ہزاروں تشنگانِ معرفت کو آبِ علم و عرفان سے سیراب کر دیا۔ ایک ایسا آفتابِ ہدایت جو الور جیسے کفرستان کی تاریکہ فضاؤں میں توحید و رسالت کی کرنیں بکھیر گیا۔ وہ کہ چشمۂ ولایت جس نے اتباعِ مصطفیٰ کی روشنی سے ایک عالم روشن کر دیا، وہی شاہ رکن الدین جنہوں نے مشہورِ زمانہ ایک تحقیقی کتاب رسالہ رکن دین تحریر فرمائی ہے، آپ کی ساری زندگی کے ہر پہلو پر مفصل بیان کیا گیا ہے، نیز آپ کے جانشین محاسنِ ظاہری و باطنی کی جلوہ گاہ، شریعت پناہ اور طریقت و حقیقت کا مرشدی حضرت علامہ مفتی شاہ محمد محمود صاحب ادام اللہ فیوضہم علینا کے حالاتِ زندگی اور دیگر خلفائے کبار اور ہمعصر علمائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے، سالکانِ راہ شریعت و طریقت کے لئے بہت مفید کتاب ہے، سائز ۲۲×۱۸ صفحات تین سو سے زائد۔ جلد ڈائی دار مضبوط، طباعت آفسٹ، کاغذ ولایتی، قیمت ۲۴/- روپے

وصالِ احمدی (فارسی اُردو)

یہ کتاب تین رسالوں کا مجموعہ ہے۔ پہلا رسالہ وصالِ احمدی عارفِ کامل حضرت علامہ شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے آخری ایام کے حالات و کرامات درج ہیں۔ دوسرا رسالہ شجرہ عالیہ نقشبندیہ ہے۔ اس میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر مترجم کے پیر و مرشد تک کے بزرگوں کے مختصر حالات، ولادت اور وصال کی تاریخیں اور جائے مزارات درج ہیں۔ تیسرا رسالہ نسب نامہ مجددیہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ناظم نے اپنے شیخ مولانا محمد ولی النبی رحمۃ اللہ علیہ تک نظم کیا ہے گویا موتیوں کا ایک قیمتی ہار ہے۔ تینوں رسالے تاریخی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ آج ہی منگوا کر مطالعہ فرمائیں۔ سائز ۲۲×۱۸ سرورق رنگین، کاغذ سفید، طباعت آفسیٹ، صفحات ۸۴ قیمت ۵/۵۰

حضرت مجدّد الف ثانی اور علّامہ اقبال

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے ٭ اسی کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

ملک کے مشہور و معروف رائٹر اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مظہریہ کے چشم و چراغ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی) کا ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ اس میں انہوں نے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور مفکرِ پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (مرحوم) کے مختصر حالات درج کرنے کے بعد تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ علامہ اقبال شیخ مجدد سے علمی اور روحانی طور پر کس حد تک متاثر ہوئے اور شیخ مجدد سے کیا حاصل کیا۔ شیخ مجدد اور شاعر مشرق سے تعلق رکھنے والے حضرات کو پہلی فرصت میں اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ مزار مجدد اور مزار اقبال کا فوٹو بھی شامل کتاب ہے۔ سائز ۲۲×۱۸/۸، صفحات ۱۰۰، سرورق رنگین اور مضبوط، طباعت آفسیٹ

تنویر الھُدیٰ

مصنفہ مولانا سخاوت علی خاں صاحب بستوی (انڈیا)

انبیاء کرام، شہداء عظام اور اولیائے اُمّت کی برزخی حیات کا مدلّل ثبوت، عذابِ قبر کے اسباب عذاب قبر سے بچنے کے طریقے اور زندگی کے آخری سفر یعنی موت کے متعلق مختصر اور جامع بیان جس کا پڑھنا ہر مسلمان کے لئے بہت ضروری ہے۔ سائز ۱۲×۱۸/۸، صفحات ۱۲۸، کاغذ سفید، چھپوائی آفسیٹ، سرورق رنگین، قیمت ۔/۷ روپے بلا جلد

مہرِ درخشاں

ملک کے معروف و مشہور نعت گو شاعر قمر یزدانی کے عشقِ مصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثناء) میں ڈوبے ہوئے، کیف انگیز اور وجد آفریں نعتیہ کلام کا حسین وجمیل مجموعہ، اہلِ محبت اور نعت خوانانِ حضرت کے لئے لاجواب تحفہ۔ سائز ۲۲×۱۸/۸، صفحات ۲۹۶، چھپوائی آفسیٹ، کاغذ سفید، قیمت ۔/۱۸ روپے مجلد

تازہ مطبوعات

طریق النجات اسلامی عقائد، عبادات اور اخلاق پر مختصر اور جامع کتاب ہے۔ اس عظیم کتاب کا مطالعہ کر کے عمل کیجئے تاکہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔ قیمت صرف

تحفہ حنفیہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب فقہ اکبر اصل عربی مع ترجمہ تذکرہ امام اعظم، تدوین فقہ حنفیہ، مسئلہ تقلید اور فضائل علم و علماء جیسے اہم موضوعات پر عمدہ کتاب ہے

قیمت:

مولود محمود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میلاد شریف پر ایک یادگار کتاب ہے۔ پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ فرمائیے!

قیمت:

نور و نکہت مشہور شاعر اور مداح رسول جناب فیاض احمد خاں کاوش صاحب کا نورانی کلام۔ حمد، نعت، سلام، منقبت اور قطعات کا مہکتا ہوا گلدستہ قیمت:

پنج گنج قادری حضرت غوث پاک قدس سرہ کے زرح پرور کلام سے پانچ جواہر پارے مع ترجمہ جو صدیوں سے بزرگان دین کا وظیفہ ہیں ۔۔۔۔ ۱۔ اوراد قادریہ ۲۔ درود شریف کبریت احمر ۳۔ قصیدہ غوثیہ ۴۔ قصیدہ قطبیہ اور ۵۔ چہل کاف قیمت: ۲/۲۵ روپے

اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ

حضرات القدس (دفتر اول)

- **مصنف** : کاشف حقائق حضرت خواجہ علامہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
- **مترجم** : حضرت علامہ الحاج الحافظ محمد اشرف مجددی مدظلہ

مذکورہ بالا کتاب کے مصنف حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر اور مقبول بارگاہ خلیفہ ہیں جنھوں نے سترہ سال اپنے مرشد گرامی کی خدمت میں رہ کر ظاہری باطنی علوم حاصل کیے اور اپنے دور کے ممتاز علماء و مشائخ کی صف میں داخل ہوگئے۔

اس کتاب میں خلفائے راشدین، حضرت سلمان فارسی، امام جعفر صادق، حضرت بایزید بسطامی، خواجہ ابوالحسن، خواجہ یوسف ہمدانی، خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری، خواجہ یعقوب چرخی، خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے دیگر ممتاز بزرگان دین کے حالات، کرامات اور تعلیمات مقدسہ نہایت تفصیل کے ساتھ تحریر ہیں۔

کتابت اعلیٰ۔ طباعت آفسٹ، جلد ڈائی دار، صفحات ۳۳۶، قیمت ۲۷ روپے

حضرات القدس (دفتر دوم)

- **مترجم** : ترجمان حقائق و معارف حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نقشبندی سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد، سندھ

دفتر ہذا میں فاضل مصنف نے اپنے مرشد حقانی، پیر لاثانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی مکمل اور مفصل حیات مبارکہ، کرامات مقدسہ و پہلے بزرگوں کی پیش گوئیاں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہیں نیز آپ کی تعلیمات، ارشادات عالیہ اور آپ کے شبانہ روز کے معمولات اور تجدیدی کارناموں کا تذکرہ حسین پیرائے میں نہایت تحقیق کے ساتھ کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں آپ کے شیخ گرامی کی اولاد اور خلفاء کبار کے حالات، کرامات اور تعلیمات پر سیر حاصل بحث بھی کی گئی ہے۔ بہر حال کتاب ہذا اپنے وقت کے عظیم مصنف، مایہ ناز عالم، ممتاز ادیب اور بلند مرتبہ بزرگ کی علمی اور تحقیقی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اہل ذوق احباب کے لیے بالعموم اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک حضرات کے لیے بالخصوص کتاب مذکورہ کا مطالعہ روحانی فیض حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے

کتاب منظر عام پر آچکی ہے۔ کتابت اعلیٰ، طباعت آفسٹ۔ کاغذ سفید